سلسلہ تالیفات قریشی بک ایجنسی لاہور نمبر ۳۳

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

مفتاح العلوم

یعنی

شرح مثنوی مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ

دفتر اوّل حصہ دوسرا

از

عالیجناب حضرت مولینا مولوی محمد نذیر صاحب عرشی نقشبندی مجددی

جسے

خاکسار محمد حفیظ اللہ قریشی تاجر کتب و مالک قریشی بک ایجنسی لاہور نے

بعد اخذ حقوق دائمی

سنہ ۱۳۵۰ھ

عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام حافظ محمد عالم صاحب چھپوایا

قیمت بلا جلد عہ مجلد

مطبوعات قریشی بک ایجنسی لاہور

تاریخ مدینہ منورہ — مع فوٹو شہر مدینہ و نقشہ روضہ مبارک و غلاف روضہ مبارک ۔ جسکو علامہ مصنف نے نہایت محنت اور جانفشانی سے مرتب کیا ہے۔ اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس کا مطالعہ کرے اور اپنے پیارے ہادی حق صلی اللہ علیہ وسلم کے تاریخی شہر کے حالات پڑھ کر اپنے ایمان کو تازہ کرے۔ اسمیں شروع سے تاریخی حال لکھ کر بتایا گیا ہے کہ کب اس مقدس شہر کی تعمیر ہوئی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لانے تک جو جو واقعات رونما ہوئے ان کا تذکرہ کر کے پھر بعد حضور کے عہد میں جو ترقیاں اس شہر کو نصیب ہوئیں۔ انکا حال لکھ کر خلفائے راشدین اور دیگر خلفائے عظام سلاطین سلام نے جو اس شہر کے بارونق بنانے کیلئے طریقے استعمال کئے۔ انکا ذکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ مبارک کے صحیح صحیح حالات اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر حضور انور کے کس طرف اور کس طرح واقعہ ہیں نقشہ دیکر سمجھایا گیا ہے۔ مسجد نبوی کے تاریخی حالات غرضیکہ کوئی ایسا تاریخی حال نہیں۔ جو اس کتاب میں درج نہ ہو۔ ایک دفعہ ضرور شروع کر دیجئے ختم کئے بغیر آپ کبھی چھوڑنے کو دل نہ چاہیگا۔ قیمت عہ مجلد عہ

تاریخ سلاطین آل عثمان — مع حالات جنگ ترکی و یونان جس میں سلاطین ترکی اور غازی مصطفےٰ کمال پاشا اور غازی انور پاشا مرحوم کی نہایت اعلیٰ تصاویر کے علاوہ مسجد اباصوفیہ قسطنطنیہ اور شہر انگورہ کا نقشہ بھی شامل ہے۔ اس کتاب میں سلطنت عثمانیہ ترکی کے بانی سلطان عثمان خان اول سے لیکر آخری سلطان عبدالمجید خان کی معزولی تک کے ۳۶ سلاطین کے حالات جو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہو چکے ہیں درج کئے گئے ہیں۔ سلطنت عثمانیہ کی ابتدائی حالت اور اس کا عروج ترکوں کی عیسائیوں کے ساتھ عظیم الشان لڑائیاں اور ان کی شاندار فتوحات وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد ترکان احرار کے حالات اور سابقہ جنگ ترکی و یونان کے مفصل حالات درج ہیں۔ خاندان شاہی کے اخراج اور خلافت کی منسوخی کے دردانگیز حالات اس کتاب کی جان ہیں۔ کوئی مشہور واقعہ نظرانداز نہیں کیا گیا۔ حجم ۲۵۰ صفحات قیمت بلا جلد ۱۲ مجلد عہ

حیات سلطان صلاح الدین غازی — (مع فوٹو) یہ وہ اسلامی ہیرو ہے جسکو تاریخی دنیا میں فاتح بیت المقدس کا لقب دیا گیا ہے جسکے مقابلہ میں سارا یورپ ایک طرف تھا۔ اور یہ ایک طرف۔ اسکے ساتھ کوئی بڑی جمعیت نہ تھی لیکن ہاں ایک سچے مذہب کا سچا جوش تھا جس کی وجہ سے اس نے بیت المقدس میں عیسائیوں کا قلع قمع کرکے شام کی متبرک زمین کے بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر اسلامی پھریرا لہرا دیا۔ ہم سچے بہادر دلیر کی لائف (سوانحعمری) ہدیہ ناظرین کرتے ہیں ہر مسلمان کو اس کا پڑھنا ضروری ہے کیونکہ اسکے پڑھنے سے ہم لوگوں میں ہمدردی۔ فیاضی۔ مردانگی اور دلیری کی صفتیں پیدا ہونگی۔ اس کتاب میں سلطان صلاح الدین کی ولادت تعلیم تربیت۔ خصائل۔ عادات اور اسکی فتوحات اور عیسائی دنیا کے مقابلے اور فتح بیت المقدس کے تعصبی حالات نہایت تفصیل کے ساتھ مع حالات حقیقی کے بقید سنہ و ماہ لکھے گئے ہیں۔ بظاہر یہ سوانحعمری ہے لیکن درحقیقت ایک صدی کی صلیبی اور اسلامی لڑائیوں کا نقشہ ہے۔ اس کتاب کا ماخذ عربی۔ انگریزی اور فرینچ کی معتبر کتب تواریخ ہیں۔ ناول نہیں تاریخ کی کتاب ہے۔ جسکے دیکھنے اور پڑھنے سے ہر مسلمان کے رگ و ریشہ میں تازہ خون کا دورہ ہونے لگتا ہے۔ خریداران کی سہولت کیلئے شروع میں سلطان موصوف کا عکسی فوٹو اور اخیر میں سلطان موصوف کی مزار کا فوٹو دیا گیا ہے۔ قیمت عہ علاوہ محصول

قواعد الصرف — عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ عربی خواں طلباء کیلئے جو سابقہ یا موجودہ زمانہ کی کتابیں علم صرف میں لکھی گئی ہیں کچھ ایسی پیچ در پیچ ہیں کہ مبتدی کو انکے سمجھنے اور یاد کرنے میں سخت دقت پیش آتی ہے۔ علامہ مصنف نے اس کتاب میں عربی علم صرف کو ایسے آسان اور ایسے مفید پیرایہ میں لکھا ہے کہ جو طالب علم اسکو ایکبار سرسری نظر سے مطالعہ کریگا۔ وہ انشاء اللہ علم صرف میں بخوبی ماہر ہو کر رات دن کی محنت سے چھٹکارا پائیگا۔ خصوصاً سکولوں اور کالجوں کیلئے بہت مفید ہے قیمت ۱۰

قواعد النحو — عربی علم نحو پر ایک مفید کتاب جو سالہا سال کی محنت کے بعد عرب کی بڑی بڑی نحو کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد ایسے آسان طریقہ پر لکھی ہے کہ کند ذہن طالب علم بھی بغیر استاد کی تنہا دو روز محنت کے سمجھ سکتا ہے۔ کتاب کی خوبیوں کا اندازہ تحریر میں آنا مشکل ہے پڑھنے سے معلوم ہوگا۔ لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ ہے قیمت ۱۰

ار زادوجی خانہ ۶ ر زنانہ آداب خطوط نویسی ۵ ر زنانہ اسلامی گیت ۵ ر احکام الاسلام ۵ ر

فارسی بول چال — جن مبتدی حضرات کیلئے جو فارسی زبان کی لیاقت بغیر استاد کے پیدا کرنا چاہیں۔ فارسی کے مفرد اور مرکب الفاظ کا کافی ذخیرہ اردو معانی کیساتھ جمع کیا گیا ہے۔ ہر قسم کے مفرد الفاظ کے معانی کے بعد مرکب الفاظ کے معانی اور فقرے اور روزانہ کاروبار کے متعلق باتیں اور خط و کتابت کے طریقے درج ہیں۔ غرضکہ اس کتاب کے مطالعہ سے فارسی میں خاصی لیاقت پیدا ہو جاتی ہے قیمت عہ

دیگر ہر قسم کی کتابیں محمد حفیظ اللہ قریشی تاجر کتب و مالک قریشی بک ایجنسی لاہور سے کفایت سے مل سکتی ہیں۔ فہرست کتب مفت!

بعض مطالب مفیدہ کی فہرست جن کا اس حصے میں ایراد ہوا ہے

تصوف وسلوک

عقائد

ردّ مذاہب باطلہ

تراجم و سیر اور روایات

اخلاق

اصول علوم دینیہ

منطق و حکمت

تشریحات و تحقیقات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۞

آج اللہ جل شانہ وعم نوالہٗ کے فضل وکرم سے مفتاح العلوم کی دوسری جلد یعنی مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے دفتر اول کے دوسرے ربع کی شرح لکھنی شروع کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خاکسار کو اس حصے اور باقی حصص کے تمام تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور جس طرح پہلی جلد اطراف ملک میں اور اہل علم کے ہر طبقے میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی ہے۔ اور یہ محض اسی منعم حقیقی کا فضل وکرم تھا۔ اسی طرح اس حصے کو بھی شرف قبولیت حاصل ہو۔ صائب رحمہ

تو کہ خوں شیر را نوش از نیش وگل از خار سازی بچشم خلق شیریں ساز ... زبانم را

جامی رحمہ

یدا کو دی دلم را تازہ گرداں — زبورم را بلند آوازہ گرداں

عروسے را کہ پروردم بجانش — مبارک روے گرداں در جہانش

چنیں کز خواندنش فرخ شود رائے — ز رشک افشاندنش فلج شود جائے

سواد دیدہ را پُر نور دارد — دماغش مغز را معمور دارد

معانی را بدہ دہ سربلندی — سعادت را بدو کن نقش بندی

آمین ثم آمین

آغاز شرح

مولانا روم قدس سرہٗ پیچھے فرما چکے ہیں۔ کہ خبردار! کوئی طمع ساز تم کو گمراہ نہ کردے۔ خبردار! ضعیف الاعتقادی تم کو (ہلاکت کے) کوئیں میں نہ گرادے۔

اب فرماتے ہیں۔ کہ کسی شیخ مزور کے مکروفریب سے دھوکا کھاکر چاہ ضلالت میں گرنے کی مثال ویسی ہی ہے جیسے وہ نقل مشہور ہے۔ کہ ایک خرگوش شیر کو دھوکا دیکر کوئیں پر لے گیا۔ اور اس نے پانی میں اپنا عکس دیکھ کر خیال کیا کہ یہ میرا حریف ہے۔ جھٹ اسپر حملہ کرنے کے لئے کوئیں میں کود پڑا اور غرق ہوگیا۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ یہ قصہ پوری طرح معلوم کرنا ہو۔ تو کلیلہ دمنہ کی کتاب پڑھو۔

از کلیلہ باز جو آں قصہ را ۔۔۔ واندراں قصہ طلب کن حصہ را

لغات کلیلہ سے کلیلہ دمنہ مراد ہے جو ایک کتاب کا نام ہے۔ ضرورت شعری کے لئے آدھا نام درج کرنا پڑا۔ یہ دونوں لفظ اصل میں دو گیدڑوں کے نام ہیں جن کا قصہ اس کتاب میں درج ہے۔ اور اس فرضی قصّے کے ضمن میں اس اعلیٰ پایہ کی حکیمانہ پند و موعظت اور فلسفیانہ تعلیم اخلاق موجود ہے جس نے اس کتاب کو عالم بھر میں مشہور کر دیا۔ اصل کتاب سنسکرت میں تصنیف ہوئی تھی۔ پھر پہلوی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا۔ خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں پہلوی سے عربی زبان میں ترجمہ ہوئی۔ سنسکرت اور پہلوی کے نسخے آج ناپید ہیں۔ مگر عربی نسخے سے یونانی۔ اطالوی۔ جرمنی۔ انگریزی۔ ترکی۔ فرانسیسی وغیرہ زبانوں میں ترجمے ہو گئے۔ فارسی کی کتاب انوار سہیلی بھی اسی کے ایک فارسی ترجمے کی دوسری صورت ہے۔ قصّہ۔ کہانی۔ سرگذشت۔ افسانہ۔ داستان۔ مجازاً بحث جھگڑا۔ پہلے مصرعہ میں مجازی معنی مراد ہیں **ترکیب** پہلے مصرعہ میں قصہ کا مضاف الیہ تزویر پیر و ہلاک مرید مقدر ہے اور حصہ کا مضاف الیہ عبرت و نصیحت مقدر ہے۔

ترجمہ (کتاب) کلیلہ دمنہ سے اس (شیخ مزوّر کی مکاری اور مرید کی تباہی کی) بحث کو (شیر و خرگوش کی مثال کے ضمن میں) تلاش کرو اور اس قصے میں (عبرت و نصیحت کا) حصہ ڈھونڈو۔

در کلیلہ خواندہ باشی لیک آں ۔۔۔ قشر و افسانہ بود نے مغز آں

لغات قشر چھلکا۔ پوست۔ افسانہ کہانی۔ **ترکیب** خواندہ باشی کا مفعول بہ آں قصہ مقدر ہے۔
صنائع۔ قشر۔ استعارہ ہے کلام بے نتیجہ سے
ترجمہ کتاب کلیلہ دمنہ میں تم نے (وہ قصہ) پڑھا ہوگا۔ لیکن (وہاں) وہ (ایک بے نتیجہ بات ہونے کے لحاظ سے گویا) پوست (ہے) اور (محض ایک) کہانی ہے (کہ) مغز (و نتیجہ) **الخلاف** یہ شعر اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔

قصۂ نخچیراں و بیان توکل و ترک جہد کردن

شکاروں کا قصہ اور توکل اور ترک سعی کا بیان

طائفہ نخچیر در وادیِ خوش ۔۔۔ بودشاں با شیر دائم کشمکش

لغات جہد جیم پر فتحہ اور ضمہ دونوں درست ہیں۔ کوشش۔ محنت۔ نخچیر جیم فارسی کے ساتھ شکار کرنا۔ شکارگاہ۔ شکار کیا ہوا۔ وہ جنگلی جانور جن کا شکار کیا جاتا ہے یعنی ہرن نیل گائے خرگوش وغیرہ جیم تازی کے ساتھ غلط ہے۔ وادی وہ نشیب زمین جس سے سیلاب کا پانی گزرتا ہو۔ دو پہاڑوں کے درمیان کی فضا۔ مطلقاً جنگل اور بیابان کے معنی میں بھی آتا ہے کشمکش امر کے دو لفظوں سے مرکب ہے۔ جیسے گو مگو۔ کن مکن۔ مراد کھینچا تانی بحث و تکرار۔ لڑائی جھگڑا۔ جھیڑ جھاڑ۔
ترکیب۔ شاں مجرور کا جار حرفِ را مقدر ہے۔ یعنی شاں را۔
ترجمہ شکاروں کی ایک جماعت (کسی) سر سبز و شاداب وادی میں رہتی تھی اور ایک (شیر سے ان کی کشمکش چلی آتی تھی۔

بسکہ آں شیر از کمیں در مے ربود   آں چرا بر جملہ ناخوش گشتہ بود

لغات - بسکہ حرفِ شرط بمعنی چونکہ جس میں کثرت کے معنی بھی شامل ہیں - کمیں گھات کی جگہ - چرا جیم فارسی کے فتحہ سے بمعنی چریدن و چراگاہ -

ترجمہ چونکہ شیر (دبے پاؤں) گھات سے (ایک دو جانوروں کو) اٹھالے جاتا تھا (اس لئے) وہ چراگاہ سب (جانوروں) کے لئے ناگوار ہوگئی تھی - صائب رحہ

چوں کشاید زچمن خاطرِ ناشاد مرا   ہست گلچین بہ نظر پنجۂ صیاد مرا

حیلہ کردند آمدند ایشاں بہ شیر   کز وظیفہ ما ترا داد یم سیر

لغات حیلہ تدبیر چارہ مکر - بہ بمعنی طرف یا نزد وظیفہ روزینہ راتب - سیر اتنی روزی جس سے بھوک زائل ہوجائے -
ترکیب آمدند سے پہلے عاطف مقدر ہے - دوسرا مصرعہ بیان ہے - ایں مبین کا - جو وایں گفتند جملہ مقدرہ میں ہے -
ترجمہ (جانوروں نے) ایک تدبیر کی (اور) وہ شیر کے پاس آئے (اور کہنے لگے) کہ ہم نے تجھے پیٹ بھر راتب دینا (منظور) کیا -

اختلاف بعض نسخوں میں دادیم رائے مہملہ کے ساتھ ہے - مگر ہمارے نزدیک دادیم بدال مہملہ کی روایت اقوی ہے - کیونکہ یہاں وہ جانور شیر سے عہد و اقرار کررہے ہیں اور عقود و مواثیق کے لئے صیغہ ماضی زیادہ موزون ہے -

جز وظیفہ در پئے صیدے میا   تلخ بر ما تا نگردد ایں گیا

لغات - تا برائے تعلیل گیا - گھاس - سبزہ -
ترجمہ (اس) راتب کے سوا (پھر) کسی شکار کے پیچھے نہ آنا - تاکہ ہم پر یہ (چرنے چگنے کی) گھاس ناگوار نہ ہو - حافظ رحہ

سر منزلِ قناعت نتواں ز دست دادن   اے ساربان فرو کش کیں رہ کراں ندارد

جواب شیر نخچیراں را و بیانِ خاصیّت جہد

شیر کا شکاروں کو جواب دینا اور کوشش کی خاصیت کا بیان

گفت آرے گر وفا بینم نہ مکر   مکرہا بس دیدہ ام از زید و بکر

لغات - آرے اسم فعل بمعنی قبول کردم - مجھے منظور ہے - ایجاب کے لئے بمعنی ہاں بھی آتا ہے - زید و بکر سے عوام الناس مراد ہیں نہ کہ خاص اشخاص - ترکیب گر وفا الخ شرط - آرے معناً جملہ فعلیہ اس کی جزا - دوسرا مصرعہ جملہ معترضہ یہ سب مل کر مقولہ ہو گفت کا -
ترجمہ - شیر بولا مجھے منظور ہے بشرطیکہ میں (آپ لوگوں سے) وفا (کا سلوک) دیکھوں نہ مکر (کا) میں ایرے غیرے لوگوں سے بہتیرے دھوکے کھاچکا ہوں - حافظ رحہ

پیر پیمانہ کش ما کہ روانش خوش باد
گفت پرہیز کن از صحبت پیماں شکناں

من ہلاکِ قول و فعلِ مردُمم — من گزیدہ زخمِ مار و کژدُمم

لغات - ہلاک تباہ برباد - گزیدہ ڈسا ہوا - اسم مفعول گزیدن بفتح کاف فارسی سے - مار سانپ کژدم - کژ اور دُم دو لفظوں سے مرکب ہے یعنی ٹیڑھی دُم والا - مراد بچھو - عقرب - **صنائع** مار و کژدم استعارہ مصرحہ ہے موذی فتنہ گر اور شریر آدمیوں سے -

ترجمہ میں لوگوں کی زبانی اور عملی دھوکہ بازیوں سے تباہ ہو چکا ہوں - میں سانپ اور بچھو سے ڈنک کھا چکا ہوں (یعنی موذی لوگوں سے اذیت اٹھا چکا ہوں)

اختلاف - بعض نسخوں میں قول و فعل کی بجائے فعل و مکر درج ہے - مگر یہ بے جوڑ ترکیب ہے -

نفس ہر دم از درونم در کمیں — از ہمہ مردم بتر در مکر و کیں

لغات - دروں - دل - باطن - بتر مخفف ہے - بدتر کا - زیادہ بُرا

ترجمہ (غیروں سے تو کیا شکایت خود میرا) نفس میرے اندر تاک لگائے (بیٹھا) ہے - جو مکر اور کینے میں سارے لوگوں سے بدتر ہے -

مطلب - یہاں سے مولانا نفس امارہ کے مکر و فریب کے بیان کی طرف انتقال فرماتے ہیں - اور تمام مثنوی اس قسم کے انتقالات سے معمور ہے - یہی باتیں ہر قصے کی جان اور کلام کا مغز ہیں - جن کی بحث و تمحیص کی غرض سے یہ قصے بیان کئے گئے ہیں - ورنہ خالی افسانوں کہانیوں سے کیا مقصد تھا - عبرت گیر طبائع کا حصہ یہی تنبیہ [illegible] ہے جو ان قصوں سے حاصل ہوتا ہے - اور جس کی نسبت مولانا اوپر فرما آئے ہیں - کہ دانہ راں قصہ طلب کن حصہ را - فرماتے ہیں - کہ موذی و مفسد لوگوں کی شر کا جو کھٹکا ہے سو ہے - خود ہمارا مارِ آستیں یعنی نفس ان سے بھی زیادہ خطرناک ہے - جو ہمارے ہی باطن میں مخفی ہے - صائب رح

> آنہا کہ زخم از سگِ خاموش خوردہ اند — از نفس از رمیدہ حذر بیشتر کنند

شیطان نے جو ہمارے متعلق اپنی بدگمانی ظاہر کی تھی - ہمارا نفس عملاً اس کی تصدیق کرتا ہے - سعدی رح ؎

> نہ ابلیس در حق ما طعنہ زد — کزینان نیاید بجز افعال بد
>
> فغاں از بدیہا کہ در نفس ماست — کہ ترسم شود ظن ابلیس راست

لہذا دوسرے موذی و مفسد لوگوں کی نسبت اس باطنی موذی سے زیادہ ڈرنا چاہیئے - ؎

> ہرکس از دستِ غیر نالہ کند — سعدی از دستِ خویشتن فریاد

گوشِ من لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ شنید — قولِ پیغمبر بجان و دل گزید

لغات گزید فعل ماضی ہے - گزیدن بضم کاف فارسی اختیار کرنا ہے -

ترجمہ میرے کانوں نے حدیث لا یلدغ المؤمن سن لی ہے - (اور) اس قول نبوی کو دل و جان سے اختیار کر لیا ہے -

مطلب عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ (یعنی حضرت ابوہریرۃ رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن آدمی ایک ہی سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا (مشکوٰۃ) اس حدیث کا مورد ابو عزہ نام ایک کافر شاعر ہے - جو دین کا دشمن تھا - اسلام

پیغمبر اسلام کی ہجو کیا کرتا اور اپنے زورِ بیان سے کفارِ عرب کو اسلام کی عداوت پر اکساتا رہتا تھا۔ غزوہ بدر میں گرفتار ہو کر آیا۔ تو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رحم کی درخواست کی۔ آپ نے یہ اقرار لے کر اُسے چھوڑ دیا۔ کہ پھر اسلام کی ہجو اور دشمنان اسلام کو فتنہ و فساد پر آمادہ نہیں کریگا۔ مگر وہ اپنے عہد و اقرار پر قائم نہ رہا۔ کما قیل ؎

زید گوہر نیاید ہیچگہ ترک بدی کردن　　　　نگردد کند دندان از گزیدن مار وافعی را

غرض وہ پھر عداوت و بغض کا اظہار کرنے لگا۔ آخر غزوہ احد کے موقع پر دوبارہ پکڑا گیا۔ تو اس نے پھر رحم کے لئے التماس کی۔ آپ نے فرمایا۔ لا یلدغ المومن الحدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہوشیار دینی غیرت رکھنے والے اور اسلام کے حامی مسلمان کی شان یہ ہے۔ کہ وہ ایسے غدار و سرکش دشمن اسلام کو بار بار معافی دیکر اس کے دھوکے میں نہ آئے۔ بلکہ اس کو اس کی غداری و بدعہدی کی مناسب سزا دے۔ اگرچہ اس حدیث کا مورد و محل خاص دینی معاملہ ہے یعنی مسلمان آدمی دینی معاملے میں دوبارہ دھوکا نہ کھائے۔ مگر حدیث کے الفاظ دینی و دنیوی معاملات دونوں کے لئے عام ہیں۔ اور اس لحاظ سے اس کو شیر کا مقولہ قرار دے سکتے ہیں۔ کہ وہ وحوش و دواب کے دھوکے میں آنا نہیں چاہتا تھا۔ حالانکہ ان کا معاملہ محض دنیوی تھا۔ لیکن اگر اس کو مولانا کے مقولہ کا تتمہ قرار دیا جائے (کما اشار الیہ بحر العلوم) تو اس تکلف کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر مطلب یہ ہوگا۔ کہ مومن آدمی بار بار نفس پر رحم نہیں کرتا اور اس کے دھوکے میں نہیں آتا۔ ؎

اژدہا میشود ایں مار ز مہلت صائب　　　　رحم بر نفس نمودن ز مسلمانی نیست

باز ترجیح نہادن نخچیران توکّل را بر جہد

شکاروں کا پھر توکل کو کوشش پر ترجیح دینا

جملہ گفتند اے امیرِ باخبر　　اَلْحَذَرْ دَعْ لَیْسَ یُغْنِیْ عَنْ قَدَرْ

لغات۔ الحذر۔ پرہیز۔ بچاؤ۔ چوکسی چوکنا رہنا۔ قدر تقدیر۔ قضائے الٰہی۔ **ترکیب** دع کا مفعول ضمیر منصوب محذوف ہے۔ جو الحذر کی طرف راجع ہے۔ یغنی کا فاعل ضمیر مستتر عائد بہ الحذر ہے۔

ترجمہ سب (جانوروں) نے کہا اے فرمانروائے دانا (اپنی) اس چوکسی کو چھوڑ دے۔ وہ تقدیر کے آگے کچھ فائدہ نہیں دیتی (پس توکل اختیار کر)

مطلب یہاں سے شیر اور نخچیروں کا مناظرہ شروع ہوتا ہے۔ شیر تدبیر و سعی کو افضل قرار دیتا ہے نخچیر توکل و تسلیم کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور دونوں فریقوں کے دعوٰی اور دلائل اپنے اپنے اعتبار سے درست ہیں۔ سعی و توکل کا اسی قسم کا ظاہر فریب تعارض یہودی وزیر کے متعارض طوماروں میں بھی تھا۔ جس کی تفصیل اس شرح کے پہلے حصے میں گزر چکی ہے۔ اور وہاں رفع تعارض اور توجیہ مطابقت پر کافی بحث ہو چکی ہے۔ یہاں بھی حسب ضرورت اس پر کچھ روشنی ڈالی جائیگی۔ مذکورہ قول کا مدعا یہ ہے۔ کہ سعی نجات اور تدبیر سلامتی غیر نافع ہے۔ مگر اس کا غیر نافع ہونا درجہ عموم و کلیت میں صحیح نہیں بلکہ خلاف بداہت ہے۔ ہاں اگر سعی انسانی تقدیر الٰہی کے خلاف ہو۔ تو غیر نافع ہوتی ہے ؎

جامی مکن اندیشہ کہ تغییر نباید　　　　در حکم ازل ہرچہ مقرر شدہ باشد

لیکن یہ بھی ممکن ہے۔ کہ انسان جو تدبیر کرے وہ تقدیر الٰہی کے موافق ہو۔ پھر اسکے مفید ہونے میں کیا کلام ہے۔ فقال ؎

گرچہ دانم کہ بجائے نبرد راہ غریب — من بہ بوئے خوش آں زلف پریشاں بروم

اور یہ کس کو معلوم ہے۔ کہ جو سعی وہ کرتا ہے وہ تدبیر الٰہی کے موافق نہیں۔ لہذا بہر حال سعی و تدبیر شرط ہے۔ سعدیؒ ؎

کہ گفتت بجیحوں در انداز تن — چو افتاد ہم دست و پائے بزن

قاسمی رح ؎

بکوشش گرفتند شاہاں خراج — ز مادر نیاورد کس تخت و تاج

اگر سرفراز ست و گر زیر دست — ہمت بجائے رسد ہر کہ ہست

الخلاف بعض نسخوں میں جبلہ گفتند اے حکیم باخبر" ہے۔ شیر کو امیہ کے کلمہ سے خطاب کرنا باین معنی زیادہ موزون ہے۔ کہ وہ امیر السباع اور سلطان الوحوش مانا جاتا ہے۔ مگر چونکہ وہ اس بحث میں توکل و تسلیم کی صوفیانہ تعلیم کے مقابلہ میں سعی و تدبیر کے حکیمانہ پہلو کا طرفدار ہے۔ لہذا اس کے لئے حکیم کا لقب بھی بے جا نہیں +

در حذر شوریدن شور و شر ست — رو توکل کن توکل بہتر ست

لغات شوریدن پراگندہ ہونا۔ کسی فتنہ کا اٹھ کھڑا ہونا۔ شور غل غپاڑا۔ شر برائی۔ **صنائع** شوریدن۔ شور شر میں جناس ناقص ہے۔

ترجمہ بچاؤ (کی کوشش) میں شور و شر پیدا ہوتا ہے۔ جاؤ توکل کرو۔ توکل بہتر ہے۔

مطلب۔ حذر و احتیاط کے موجب شور و شر ہونے کا مطلب یہ ہو کہ جو لوگ سعی نجات اور تدبیر سلامتی کو موثر مستقل سمجھتے ہیں۔ جیسے کہ حکمائے طبیعیین اور منکرین تقدیر کا مسلک ہے۔ وہ کفر و زندقہ کے ساتھ ملعون ہیں۔ کیونکہ یہ عقیدہ شرعاً حرام و باطل ہے اور اہل حق کا مذہب یہ ہے۔ کہ سعی و تدبیر کی تاثیر غیر مستقل ہے۔ تو جب سعی و تدبیر کا معاملہ فریقین میں بحث و تکرار اور شور و شر کا موجب ہے۔ تو اس سے کنارہ کشی ہی بہتر ہے۔ یا یہ مطلب ہے۔ کہ اس بچاؤ اور احتیاط میں لوگوں سے بدگمانی پہلوتہی بے مروتی۔ ترک رفاقت کرنی پڑتی ہے۔ جس سے باہم شکوک و شکایت اور شور و شر پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے توکل اچھا ہے۔ کہ اس میں اختیار تدبیر سے کسی پر فساد عقائد کا طعن وارد ہوتا ہے۔ اور نہ کسیکو ایک حساط کے بطرف اس کی بدگمانی وغیرہ کا شکوہ اور شکایت ہوگی۔ سعدی رح ؎

آنانکہ بکنج عافیت بنشستند — دندان سگ و دہان مردم بستند

کاغذ بدریدند و قلم بشکستند — وز دست و زبان حرف گیراں رستند

یہاں جو ترک سعی کی تعلیم دی گئی ہے۔ وہ اسی حد تک درست ہے۔ جبکہ وہ سعی کسی ناجائز فتنہ و فساد کی موجب یا فساد عقیدہ پر مشتمل ہو۔ یا کسی معصیت کے لئے کی جائے۔ یا کسی ایسے دنیاوی امر حاصل کے لئے کی جائے۔ جس کے اسباب دین کے لئے مضر ہوں۔ لیکن جو سعی کسی دینی امر واجب یا مستحب کے لئے کی جائے مثلاً امر بالمعروف و نہی عن المنکر وغیرہ یا کسی ایسے دنیوی امر کے لئے کی جائے۔ جو ضروری ہو۔ اور اس کے اسباب پر مقصد کا ترتب بھی یقینی ہو۔ مثلاً جائز نوکری یا کسی مباح پیشے سے اپنا اور عیال کا پیٹ پالنے کی سعی۔ تو ایسی سعی نیک اور مشروع ہے۔ اور اس کا ترک محمود نہیں۔ نہ اس کا ترک کرنا توکل مشروع کو مستلزم ہے۔ جامی رح ؎

ہر چند فلک گرم عداوت گردد — دعوے لزکہ رنج راحت گردد

دہ قطرہ چند از عرق سعی بریز — شاید حسرت بدل بہ عشرت گردد

سعی و توکل کے مناسب مواقع

با قضا پنجہ مزن اے تند و تیز　　تا نگیرد ہم قضا با تو ستیز

لغات - پنجہ زدن - کنایہ ہے مقابلہ کردن سے - ستیز جنگ و جدل - ترکیب - تند و تیز صفات ہیں جن کا موصوف شیر یا جانور مقدر ہے۔
ترجمہ اے تند و تیز (شیر) قضا کا مقابلہ نہ کر - مبادا قضا تجھ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائے۔
مطلب - قضاء الٰہی کا مقابلہ بے معنی اور باطل ہے - صائب رح سہ

با حکم ایزدی چہ بود گیر و دارِ خلق　　خاشاک را بآبِ رواں اختیار نیست

بحث و تکرار میں عموماً حق و انصاف ملحوظ نہیں رکھا جاتا اور اکثر حریف کے صحیح قول کو الزاماً غلط معنی پر محمول کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی یہی حال ہے - کہ شیر کے دعوائے سعی و تدبیر کو مقابلہ قضا کے دعوٰی پر حمل کیا ہے حالانکہ وہ قضا کے مقابلہ کا مدعی نہیں - بلکہ صرف سعی و تدبیر کا قائل ہے - اور یہ کوئی قضا کا مقابلہ نہیں - ورنہ اعداء کی مدافعت کرنا - سردی گرمی سے بچنا اور امراض کا علاج کرنا بھی قضائے الٰہی کا مقابلہ ہوتا نہ - حالانکہ یہ امور مباح بلکہ مستحسن ہیں - اور قضا کا مقابلہ کرنے کا ارادہ باطل اور ایسا عقیدہ رکھنا حرام ہے -

مُردہ باید بود پیشِ حکمِ حق　　تا نیاید زخمت از ربّ الفلق

لغات مردہ بودن کنایہ ہے سر تسلیم خم کردن سے - زخمت - صدمہ مار پیٹ - مراد عذاب - ربّ الفلق - نور صبح کا پیدا کرنیوالا -
ترجمہ خدا کے حکم کے آگے (دم نہ مارنا چاہیئے - بلکہ) مردہ بن جانا چاہیئے - کہ مبادا (نافرمانی کی پاداش میں) خدائے صبح آفرین کی طرف سے عذاب نازل ہو جائے -
مطلب - یہ مضمون فی نفسہٖ اس لحاظ سے صحیح ہے - کہ یہ اطاعت بدرجۂ اتم کی تعلیم پر مشتمل ہے اور حزم و احتیاط اور حذر و احتراز کے منافی نہیں ہے - لیکن یہاں اس کا ایماد اس انداز سے ہوا ہے - کہ گویا وہ اس سے منافی ہے - اور یہ فریق مناظر کا محض مغالطہ ہے - جس کی تنقیح خود فریق ثانی کے جواب میں موجود ہے -

باز ترجیح نہادن شیر جہد را بر توکل و تسلیم

شیر کا پھر کوشش کو توکل و تسلیم پر ترجیح دینا

گفت آرے گر توکل رہبر ست　　ایں سبب ہم سنّتِ پیغمبر ست

ترجمہ (شیر نے) کہا ہاں اگر توکل (ٹھیک) راہ دکھاتا ہے - تو یہ (اختیار) سبب بھی پیغمبر صلعم کی سنت ہے -
مطلب پہلے فریق نے جو کہا تھا - کہ توکل کرو اور سعی و کسب کو چھوڑ دو - تو یہ اس کا جواب ہے - کہ بیشک توکل اچھا ہے مگر اختیار سبب یعنی سعی کو کیوں چھوڑا جائے - یہ کوئی اس سے منافی تو نہیں - بلکہ مسنون ہے - بہتر یہ ہے کہ توکل بھی ہو اور سعی بھی ہو - صرف توکل کے بہانہ پر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا دین و دانش کے خلاف ہے - صائب رح سہ

بدوش توکل منہ بار خود را ولی نعمت خولیش کن کار خود را

اب سعی مع التوکل کے مسنون ہونے کی نقلی دلیل پیش کی جاتی ہے۔

گفت پیغمبر بآواز بلند بر توکل زانوئے اشتر ببند

لغات آواز بلند کی قید یا تو زائد بضرورت شعری ہے۔ یا اس سے کلام بوضاحت اور بلا خفا مراد ہے۔ یا یہ لفظ محمول بحقیقت ہے۔ یعنی آپ نے بطور وعظ علی الاعلان بلند آواز سے یہ بات فرمائی تاکہ سب سنیں اور عمل کریں۔

ترجمہ (چنانچہ) جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بآواز بلند (یا بوضاحت) فرمایا ہے۔ کہ توکل کے ساتھ اونٹ کے گھٹنے بھی باندھ دو۔

مطلب۔ صورت واقعہ یہ ہو کہ ایک اعرابی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے اپنے اونٹ کو مسجد کے دروازہ میں بٹھا دیا اور کہا تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ۔ یعنی میں اسکی حفاظت کیلئے خدا پر توکل کرتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو فرمایا۔ اِعْقِلْهَا وَ تَوَكَّلْ۔ یعنی توکل کے ساتھ اس کا زانو بھی باندھ دو۔ جس سے مقصد یہ ہے۔ کہ اسکی حفاظت کے لئے اسباب ظاہری کو بھی کام میں لاؤ۔ اور توکل بھی کرو۔ اسباب ظاہری توکل کے خلاف نہیں ہیں۔ بلکہ صحیح توکل یہ ہے۔ کہ استعمال اسباب کے ساتھ حافظ حقیقی اللہ تعالیٰ کو سمجھے۔ اور یقین رکھے۔ کہ اسباب ظاہری مؤثر بالذات نہیں ہیں۔ صائب رہ ؎

چو موج بیخطر از بحر میرسد بکنار بدست ہر کہ عنان توکلے دارد

رمز الکاسب حبیب اللہ شنو از توکل در سبب کاہل مشو

لغات کاسب کسب کرنیوالا۔ تجارت یا صنعت و حرفت وغیرہ سے روزی کمانیوالا۔ حبیب اللہ اللہ کا پیارا۔ از تعلیلیہ ہے۔

ترجمہ الکاسب حبیب اللہ (یعنی کسب کرنیوالا اللہ کا محبوب ہے) کا نکتہ (ہم سے) سنو (اور) توکل کی وجہ سے (اختیار) سبب میں سستی نہ کرو۔

مطلب۔ الکاسب حبیب اللہ حدیث نہیں ہے۔ بلکہ ایک مشہور قول ہے۔ نکتہ اس میں یہ ہے۔ کہ کاسب سے مراد وہ شخص ہے۔ جسمیں سعی اور اختیار سبب کے ساتھ توکل بھی پایا جائے۔ یعنی وہ اپنے کسب وسعی پر مغرور اور اسکو مؤثر مستقل ماننے والا نہ ہو۔ ورنہ وہ حبیب اللہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ بلکہ اللہ کا دشمن ہے۔ اور اسکے حبیب اللہ ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قائم کئے ہوئے اسباب اور اس کے بنائے ہوئے وجوہ مکاسب کا تارک نہیں ہے۔ بلکہ اس کی حکمت کے مقتضا پر چلنے والا ہے۔

سعی وکسب کے منافی توکل نہ ہونے پر قرآن مجید اور حدیث شریف دونوں ناطق ہیں۔ کیونکہ ان میں جہاں توکل کے ایک اعلےٰ فضیلت اور مایہ سعادت ہونے کی روشن دلائل موجود ہیں۔ وہاں سعی و تدبیر یا کسب رزق اور اختیار اسباب کی اباحت بلکہ تاکید بھی پائی جاتی ہو۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی تم پر گناہ نہیں کہ اپنے پروردگار سے مالِ حلال کی خواہش کرو۔ اور فرمایا۔ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ۔ تم زمین میں پھیل جاؤ۔ اور اللہ کا فضل چاہو یعنی روزی کماؤ۔

عبداللہؓ سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ

الکاسب حبیب اللہ کا نکتہ

سعی و تدبیر کا حکم قرآن اور حدیث میں

اَلْفَرِیْضَۃِ یعنی حلال روزی کے لئے سعی کرنا فرائض عبادات کے بعد فرض ہے (مشکوٰۃ)
مقداد ابن معد یکرب رضہ سے روایت ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِّنْ اَنْ یَّاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ وَاِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ دَاؤُدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ۔ یعنی کسی نے کبھی بھی کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا۔ کہ اپنے ہاتھوں کی محنت سے کھائے اور یہ کہ اللہ کے نبی حضرت داؤد ؑ اپنے ہاتھوں کی محنت سے کھاتے تھے۔ (مشکوٰۃ)
دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ کہیں توکل کے زعم میں اختیار اسباب سے غافل و کاہل نہ ہو جانا۔ جو حکمت الہیّہ کی خلاف ورزی اور ایک طرح سے خودکشی ہے۔ صائب رح ؎

بے تردد دامن روزی نمے آید بدست　　　میکند پاکا ہلاں ایں نکتہ تلقیں آسیا

شیخ سعدی رح فرماتے ہیں۔ کہ کسی شخص نے ایک بیدست و پا لومڑی دیکھی۔ حیران تھا۔ کہ یہاں سے کھاتی ہوگی۔ اتنے میں ایک شیر نے شکار مارا۔ حسب ضرورت اس میں سے کچھ کھایا اور چلا گیا۔ باقی ماندہ لومڑی کے کام آیا۔ اسی طرح اگلے روز اس کی خوراک کی کوئی صورت نکل آئی۔ اس شخص کے دل میں یہ بات جاگزین ہوگئی۔ کہ سعی و کوشش فضول ہے۔ لومڑی کی طرح سب کو خداوند تعالےٰ بلا طلب روزی دیتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ دست غیب کے بھروسے پر گوشہ نشین ہو گیا۔ جب دو تین روز فاقے گذر گئے اور کسی طرف سے روزی نہ ملی۔ تو ہاتف غیب نے کہا ؎

برو شیر درّندہ باش اے دغل　　　میندار خود را چو روباہ شل
چناں سعی کن کز تو ماند چو شیر　　　چو روبہ چہ باشی بوا ماندہ سیر
چو شیراں کرا گردن فربہ است　　　گر افتد چو روبہ سگ ازوے بہ است

امام غزالی رح کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں ”توکل دراسباب ترک آں گفتن نبود۔ بلکہ آں بود۔ کہ اعتماد دل بر فضل خدا تعالےٰ بود۔ نہ برآں۔ پس اگر کسے در غارے نشیند۔ کہ رہگذر ہیچ خلق آنجا نبود۔ و آنجا گیاہ ہم نبود۔ و گوید کہ من توکل مے کنم۔ ایں حرام بود۔ او خود را ہلاک کردہ باشد۔ و سنۃ اللہ را ندانستہ۔“

در توکل کسب و جہد اولٰی تر ست　　　تا حبیب حق شوی ایں بہتر ست

ترجمہ توکل میں کسب اور کوشش بہتر ہے۔ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے پیارے بنجاؤ یہ بہت اچھی بات ہے۔
مطلب بیشک توکل اختیار کرو۔ یہ ایک اعلیٰ روحانی فضیلت ہے۔ مگر ساتھ ہی اسباب رزق اور وسائل معیشت سے بھی دست بردار نہ ہونا۔ جیسے اوپر امام غزالی رح کے قول میں گزر چکا اور کتنی اچھی بات ہے۔ کہ کسب کی بدولت تم اللہ کے حبیب بن جاؤ۔
اختلاف۔ یہ شعر مثنوی کے بعض نسخوں میں نہیں ہے۔

رَو توکل کن تو با کسب اے عمو　　　جہد میکن کسب میکن مو بمو

لغات۔ عمو عین کی زبر اور میم کے پیش سے چچا۔ مراد بزرگ اس میں واؤ زائد ہے۔ مو بمو

سراسر۔ بخوبی۔ اچھی طرح پوری پوری۔

ترجمہ بڑے میاں! جاؤ کسب کے ساتھ توکل کرو۔ کوشش کرو۔ (اور) پوری پوری کمائی کرو۔

صائبؒ ؎ عرق سعی محال است کہ گوہر نشود　　میرسد ذرہ بخورشید بلند آخر کار

سعدیؒ ؎ توقع مدار اے پسر گر کسی　　کہ بے سعی ہرگز بجائے رسی

جہد کن جدے نما تا وارہی　　گر نواز جہدش بمانی ابلہی

لغات جِدّ جیم کے زیر سے۔ کوشش۔ درستی۔ وارہی میں وا بمعنی جدا و علیحدہ عموماً افعال کے ساتھ متصل آتا ہے۔ جیسے واماند۔ وارخت۔ رہی فعل مضارع رہیدن خلاص شدن سے۔

ترجمہ کوشش کرو۔ تن دہی کر دکھاؤ تاکہ (تم مشکلات معیشت سے) نجات پاؤ۔ اور اگر اس (حکیم مطلق اور قادر برحق) کے (مقرر کئے ہوئے) جد و جہد سے (قاصر رہ گئے تو تم احمق ہو۔

مطلب۔ اس شعر میں اشارہ ہے اس امر کا۔ کہ اسباب معیشت اور وجوہ مکاسب اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و قدرت سے مقرر کئے ہیں۔ اور ان کو اختیار کرنا عین سنت اللہ پر عمل ہے۔ ان اسباب کو ترک کرنا سنت اللہ سے جاہل و بیخبر رہنا ہے۔ جو سراسر حماقت و بلاہت ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔ کہ ایک زاہد کسی ایسی غار میں متوکل ہو کر بیٹھ گیا۔ جہاں نہ گھاس تھا نہ پانی۔ ایک ہفتہ بھوک کاٹنے کے بعد جب بہت تنگ آگیا۔ تو دعا کی۔ کہ الٰہی تو نے جو رزق میرے مقسوم میں لکھدیا ہے۔ وہ مجھے کیوں نہیں ملتا۔ یا تو مجھے میرا رزق دے۔ ورنہ میری جان قبض کرے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آیا۔ اَرَدْتَ اَنْ تُذْهِبَ حِكْمَتِيْ بِزُهْدِكَ فِي الدُّنْيَا وَمَا عَلِمْتَ اَنِّيْ اَنْ اَرْزُقَ عَبْدِيْ بِاَيْدِيْ عِبَادِيْ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَرْزُقَهٗ بِيَدِ قُدْرَتِيْ۔ کیا تم چاہتے ہو۔ کہ اپنے ترک دنیا سے ہماری حکمت کو توڑ دو۔ اور کیا تم جانتے نہیں۔ کہ ہمیں اپنے دست قدرت سے اپنے بندے کو رزق دینے سے اپنے بندوں کے ہاتھوں سے دلانا زیادہ محبوب ہے۔ امام ممدوح آگے چلکر فرماتے ہیں۔ اَلتَّبَاعُدُ عَنِ الْاَسْبَابِ كُلِّهَا مُرَاغَمَةٌ لِلْحِكْمَةِ وَجَهْلٌ بِسُنَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْعَمَلُ بِمُوْجِبِ سُنَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَعَ الْاِتِّكَالِ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ دُوْنَ الْاَسْبَابِ لَا يُنَاقِضُ التَّوَكُّلَ۔ یعنی تمام اسباب سے کنارہ کش ہو جانا حکمت الٰہیہ کے ساتھ مقابلہ کرنا اور سنت اللہ کو کچھ نہ سمجھنا ہے۔ اور سنۃ اللہ کے مقتضا پر عمل کرنا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ بھی ہو۔ اسباب پر بھروسہ نہ ہو توکل کے مناقض نہیں۔

لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی رکھنا چاہیئے کہ جد و جہد بھی من کل الوجوہ مستحسن نہیں۔ بلکہ اگر کوئی معصیت مقصود ہو۔ تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے سعی و جہد بھی معصیت ہے۔ علیٰ ہذا اگر مقصد مباح ہو۔ مگر اس کے حاصل کرنے کے ذرائع معصیت ہوں۔ تو اس کے لئے سعی کرنا بھی معصیت ہے۔ اور اگر ذرائع مباح ہیں۔ اور مقصد بھی مباح اور بلحاظ حاجت ضروری ہو۔ لیکن ان ذرائع پر مقصود کا ترتب غیر یقینی ہو تو اس کے لئے سعی ضعفا و اقویا سب کے لئے جائز ہے۔ مگر اقویا کے لئے ترک افضل ہے۔ نظامی گنجوی رح ؎

بشاخے چہ باید در آویختن
کہ نتوان ازو میوہ ریختن

اگر مقصد دنیاوی مباح مگر غیر ضروری ہو۔ اور اس کے اسباب بھی جائز ہوں۔ تو اس کا بھی ترک افضل ہے نظامی

جد و جہد من کل الوجوہ مستحسن نہیں

پچو در دانہ باشد تمنائے سو کید در آید بکشت و درود
غلہ پچوں بود کا سد بکم بہا کند بزرگر کار کردن رہا

باز ترجیح نخچیراں توکّل را از جہد و کسب

شکاروں کا پھر سعی وکسب پر توکل کو ترجیح دینا

قوم گفتندش کہ کسب از ضعفِ خلق **لقمۂ تزویر داں بر قدرِ حلق**

لغات خَلق مخلوق۔ تزویر مکر و فریب۔ بناوٹ بَر بمعنی با اور ایک احتمال بعید سے بمعنی فوق۔
ترکیب ضعف کا مضاف الیہ یعنی ایمان یا اعتقاد مقدر ہے۔
ترجمہ جماعت نے کہا کہ (سعی و) کسب (کا رواج) جو مخلوق کے ضعیف (اعتقاد) کے سبب سے ہے۔ اسے فریب کا لقمہ سمجھو۔ جو بقدر حلق (یعنی حسب استعداد) ہوتا ہے۔
مطلب یہ کسب و سعی کی تردید ہو۔ یعنی کسب کوئی فطری و ضروری امر نہیں۔ بلکہ اسکا رواج یوں پڑا ہے کہ لوگ روحانی کمزوری کے سبب سے توکل کے معتقد نہیں ہوتے تھے۔ تو قدرت نے ان کی سدِّ رمق کے لئے روزی کے اکتساب کا حیلہ نکالا ہے۔ جو ان کی استعداد کے موافق ہو۔ چنانچہ علف خوار کیلئے علف گوشت خوار کیلئے گوشت حاصل کرنے کے سامان مہیا کر دیئے ہیں۔ جسطرح ایک مریض تلخ دوا نہیں پیتا۔ تو دوا کو اس کے کام و دہاں کیلئے خوشگوار بنانے کے لئے اسمیں قند ملاوی جاتی ہے۔ اور یہ اسکو دوا پلانے کیلئے ایک تزویر ہے۔ اگر "بر قدر حلق" میں بر بمعنی فوق درست ہو۔ تو پھر معنی صاف اور بلا تکلف ہیں۔ یعنی کسب و سعی تو محض مکر و فریب ہے۔ جو سدِ رمق سے زیادہ اور قدر حاجت سے فضول روزی کمانے کیلئے کیا جاتا ہے۔ حالانکہ توکل کی بدولت بقدر حاجت ضرور مل رہتا ہے۔ نظامی رحمہ

بدریا ہر آں کس کہ جاں میکند ہم آنکس کہ در کوہ کاں میکند
کس از روزی خویش در نگذرد باندازۂ خویش روزی خورد

پس بدانکہ کسبہا از ضعف خاست **در توکّل تکیہ بر غیرے خطاست**

لغات تکیہ بھروسہ۔ آسرا۔ خاست پیدا ہوا۔
ترجمہ پس یاد رکھو کہ کمانے (کھانے) کے ڈھنگ ضعف اعتقاد سے پیدا ہوئے ہیں۔ (ورنہ) توکل میں غیر (خدا) پر بھروسہ کرنا غلطی ہے۔ غنی کاشمیری رحمہ

چشم مدد ز کس نبود چوں قلندرا فیضے مگر ز عالم بالا رسد بمن

نیست کسبے از توکّل خوب تر **چیست از تسلیم خود محبوب تر**

لغات تسلیم خدا کے حکم پر سر جھکانا۔ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینا۔ محبوب پیارا۔ پسندیدہ۔

ترجمہ توکل سے بہتر رزق کا ذریعہ کوئی نہیں - بھلا خدا کے حکم کے آگے گردن جھکانے سے پسندیدہ بات اور کونسی ہے؟

مطلب توکل تمام ذرائع رزق سے افضل ہے - غنی رح ؎

در بیابان توکل توشۂ درکار نیست زاد ایں رہ دانۂ دل بس بود ہمچوں جرس

اور تسلیم شیریں و خوشگوار ہے - صائب رح ؎

مے تواں کرد بہ تسلیم شکر حنظل را نتواں تلخ نشستن کہ شکر نیست مرا

بس گریزند از بلا سوئے بلا بس جہند از مار سوئے اژدہا

ترجمہ بہتیرے (غیر متوکل) لوگ (ایک) بلا سے بھاگتے ہیں (تو دوسری اُس سے بڑی) بلا کی طرف جا نکلتے ہیں۔ (اسی طرح) بہتیرے لوگ سانپ سے بھڑکتے ہیں (تو) اژدہے کیطرف جا پہنچتے ہیں۔

حیلہ کرد انسان و حیلہ اش دام بود آنکہ جاں پنداشت خوں آشام بود

لغات حیلہ تدبیر۔ چارہ۔ دام۔ جال۔ خوں آشام۔ لہو پی جانیوالا خونخوار۔ مراد ہلاک کرنیوالا۔

ترجمہ انسان نے (اپنی سمجھ کے موافق) ایک تدبیر کی۔ اور اس کی تدبیر (فی الحقیقت) جال تھی۔ جس چیز کو وہ (اپنی) جان سمجھتا تھا۔ وہ (اس کو) ہلاک کرنیوالی تھی۔

مطلب انسان سعی و تدبیر کرتا ہو اور تقدیر اسکے سب کئے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے - حافظ رح ؎

گفتم کہ خطا کردم و تدبیر نہ ایں بود گفتا چہ تواں کرد کہ تقدیر چنیں بود

صائب رح رستم از سیلی تقدیر بخاک افتادہ است تا کجے تکیہ بسر پنجۂ تدبیر کنی

غنی رح در دلدار وا کردم رقیبم شد مددگار آنجا زدم نقبے بروں آمد بجائے گنج مار آنجا

نظامی رح بیں گل کہ توکل کنی شمارش بینی بگزیدِ خویش خارش

بر وفق چنیں خلاف کاری تسلیم بہ از ستیزہ کاری

ان دونوں شعروں میں اس بات کی تعلیم ہے - کہ تدبیر سے تقدیر نہیں ٹل سکتی - اور قضا سے بچنے کے لئے کوئی تدبیر کرنا خود قضا کی طرف چلنا ہے - صائب رح ؎

نیک چوں در نگری رو بقضا مے سازند سادہ لوحاں کہ گریزاں ز قضا مے باشند

مگر اس تعلیم کا یہ منشا نہ ہونا چاہیے - کہ انسان اسباب و ذرائع سے بالکل دستکش ہو جائے - بلا سر پر آ جائے مگر توکل و تسلیم کے زعم میں اسکے دفع کی کوشش نہ کرے اور جان دیدے - حالانکہ مہالک سے پرہیز - خطرات سے بچاؤ - دشمن کی مدافعت اور بلا سے گریز تقاضائے عقل ہے - اور یہ کوئی قضا سے گریز نہیں - نہ توکل و تسلیم کے خلاف ہے - مولانا جامیؒ نے ایک غزل میں اس مسئلے پر نہایت پر لطف لفظوں میں روشنی ڈالی ہے - فرماتے ہیں - اگر کوئی محتاط آدمی جو قضا پر ایمان رکھتا ہے - کسی بلا سے بچنا چاہتا ہے - تو جاہل لوگ اس کو طعنہ دیتے ہیں کہ وہ قضا سے بھاگتا ہے - حالانکہ قضا سے نہ کوئی بھاگتا ہے - نہ بھاگ سکتا ہے - اور اچھے اچھے بزرگانِ دین نے دشمن کے ضرر سے بچنے کے لئے اپنے دوست حقیقی خداوند تعالیٰ کی پناہ میں آنا اختیار کیا ہے - کیوں جی!

بلا سے گریز قضا سے گریز نہیں

اگر ایک سبب سے دوسرے سبب کی طرف ملتجی ہونا روا نہیں۔ تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام مکہ شریف سے مدینہ طیبہ کی طرف کیوں تشریف لے گئے؟ ؎

درماندۂ بحکمِ قضا از بلا گریخت — زد طعنہ جاہلے کہ فلان از قضا گریخت
چوں از قضا گریز تواند کسے کہ بود — دستِ قضا عناں کشِ او ہر کجا گریخت
بس اہل معرفت کہ ز بیگانہ آمفتے — احساس کرد و در کنفِ آشنا گریخت
گر نیست از سبب بہ سبب التجا روا — خیر البشر ز مکہ بہ یثرب چرا گریخت
اسباب چوں مظاہر فعل مسبب اند — ہر کس گریخت ہم ز خدا در خدا گریخت

آخری شعر کا مطلب یہ ہے کہ جسطرح بلا و مصیبت خدا کی بنائی ہوئی ہے۔ اسیطرح اس سے بچنے کے اسباب بھی خدا ہی کے قائم کردہ ہیں۔ پس ایک بلا سے بچنے کیلئے اسبابِ نجات سے کام لینا اگر خدا سے گریز فرض کرلیا جائے۔ تو وہ خدا ہی کیطرف گریز ہے۔ اسکی تائید یہ روایت کرتی ہے۔ کہ ایک موقع پر امیر المومنین حضرت عمرؓ نے فوج کو ایک طاعون زدہ مقام سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ تو حضرت ابوعبیدہؓ نے سختی سے اعتراض کیا۔ اَفِرَارٌ مِّنْ قَضَاءِ اللّٰہِ (کیا یہ خدا کی تقدیر سے گریز ہے) تو آپ نے جواباً فرمایا۔ نَعَمْ اَفِرُّ مِنْ قَضَاءِ اللّٰہِ اِلٰی قَضَاءِ اللّٰہِ یعنی ہاں میں قضا آلہی سے قضا ہی کی طرف گریز کرتا ہوں۔ اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا یہاں سے کوچ کرنا بھی قضاء الٰہی پر موقوف ہے۔ ہم اللہ پر متوکل ہوکر کوچ کر رہے ہیں اور یہ روانگی ایک طرح سے اللہ ہی کے حکم کی تعمیل ہے۔ قضا سے گریز نہیں۔ بلکہ قضا کی طرف قصد ہے۔

دَر بہ بست و دشمن اندر خانہ بُود — حیلۂ فرعون زیں افسانہ بُود

ترجمہ (قضا سے گریز کرنیوالے نے دشمن سے بچنے کے لئے) دروازہ بند کرلیا۔ اور (تماشا یہ کہ) دشمن گھر ہی میں (موجود) تھا۔ فرعون کا حیلہ (بھی) اسی بات (کی قبیل) سے تھا۔

صد ہزاراں طفل کشت آں کینہ کش — وانکہ اُو مے جُست اندر خانہ اش

ترکیب - جست کا فاعل ضمیر او ہے اور ضمیر مفعول ہ محذوف ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا۔ آنکہ اسم موصول کا۔ موصول و صلہ ملکر مبتدا ہوا۔ اندر خانہ اش موجود بود اس کی خبر۔

ترجمہ اس کینہ ور نے (بنی اسرائیل کے) لاکھوں بچے مروا ڈالے۔ اور جس کو (قتل کرنے کے لئے) تلاش کرتا تھا۔ وہ (خود) اس کے گھر میں (موجود تھا)

مطلب - ان دو شعروں میں حضرت موسیٰؑ کے قصے کی طرف اشارہ ہے۔ جس کا مختصراً ذکر شرح ہذا کے پہلے حصے میں گزر چکا ہے۔ تفصیل یہ ہے۔

مملکت مصر میں ایک ظالم بادشاہ حکمران تھا۔ جس کا نام ولید بن مصعب اور لقب فرعون تھا۔ وہ خدائی کا مدعی تھا۔ اور لوگوں کو اپنی پرستش پر مجبور کرتا تھا۔ ایک رات اس نے خواب دیکھا۔ کہ ملکِ شام سے ایک آگ پیدا ہوئی۔ اور اس نے اہل مصر کی تمام عمارتوں اور قلعوں کو گھیر لیا۔ چونکہ بنی اسرائیل کی قوم کا اصلی وطن ملک شام تھا۔ اور وہ حضرت یوسف کے زمانے سے مصر میں آباد تھی۔ اس قیاس سے کاہنوں نے یہ تعبیر کی۔

حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ

کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص ایسا پیدا ہوگا۔ جو تمکو اور تمہارے مذہب کو تباہ کردیگا۔ چونکہ بنی اسرائیل نے فرعون کی پرستش اور اسکے مذہب کا اتباع منظور نہیں کیا تھا۔ اس لئے یہ قوم پہلے ہی مدت سے مورد عتاب تھی۔ اولٰی ادنے خدمات اور بیگار کے کام اسکے سپرد تھے اور قلمروے مصر میں نہایت ذلت و حقارت کی زندگی بسر کرتی تھی۔ اس خواب اور اسکی تعبیر سے اس قوم پر اور نئی مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کا جو لڑکا پیدا ہو۔ فوراً قتل کیا جائے۔ تاکہ وہ انقلاب انگیز شخص بھی جو آیندہ پیدا ہونیوالا ہو پیدا ہوتے ہی قتل ہو جائے۔ اہل تواریخ لکھتے ہیں۔ کہ اس حکم سے تھوڑی ہی مدت میں بنی اسرائیل کے بارہ ہزار لڑکے قتل ہوگئے۔ مگر چونکہ حضرت موسیٰ کا زندہ رہکر اصلاح خلق پر مامور ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ اسلئے جب وہ پیدا ہوئے۔ تو ان کی ماں کے دل میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے ایک تدبیر القا ہوئی۔ جس کے مطابق اس نے اپنے بچے کو ایک صندوق میں بند کرکے نہر میں بہا دیا۔ یہ نہر فرعون کے محل کے پاس سے گزرتی تھی۔ کنیزوں نے صندوق کو دیکھ کر نکال لیا۔ اور فرعون کی بیوی آسیہ کے پاس جاکر کھولا تو بچہ نکلا۔ آسیہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس بچے پر ان کے دل میں اس قدر شفقت اور محبت پیدا ہوئی۔ کہ اس کو اپنا بیٹا بناکر پرورش کرنا شروع کیا۔ فرعون بھی اسپر رضامند ہوگیا۔ اور جس ستمگار نے دشمن سے بچنے کے لئے ہزارہا معصوم و بیگناہ بچے قتل کرادئے۔ اسکو کچھ خبر نہ تھی۔ کہ وہ دشمن میرے ہی گھر میں پرورش پارہا ہے۔ اور میری ہی گود میں کھیل رہا ہے۔ غرض یہ کہ تقدیر الٰہی کا مقابلہ فضول ہے۔ درحقیقت مقابلہ کرنیوالا خود اپنے ہاتھوں مقتضائے تقدیر کو پورا کرتا ہے۔ نظامی رح

چو با گور گیراں ندارند زور ۔۔۔ بپائے خود آیند گوراں بگور

گہ تیر خوردن عقاب دلیر ۔۔۔ بہ پر خود آید ز بالا بزیر

دیدۂ ما چوں بسے علت دروست ۔۔۔ رو فنا کن دید خود در دید دوست

لغات ۔ دیدہ ۔ آنکھ ۔ بصیرت ۔ دید ۔ صوابدید ۔ فکر و تدبیر ۔ علت کسر ۔ خرابی ۔ نقص ۔

ترکیب دیدۂ ما مرکب اضافی مبتدا اور بسے علت دروست خبر ملکر شرط ہوئی ۔ دوسرا مصرعہ جزا ۔

ترجمہ چونکہ ہماری چشم بصیرت میں (کوتاہ بینی و ظاہر پرستی وغیرہ کی) بہت سی خرابیاں ہیں ۔ (بس) جاؤ ۔ اپنے غور و فکر کو محبوب (حقیقی) کے صوابدید کے تابع بنا دو ۔

مطلب ۔ ہماری صوابدید ناقص اور محتمل خطا ہے ۔ چنانچہ اوپر بیان ہو چکا ہے ۔ کہ بسا اوقات ہم حصول نفع کے لئے تدبیر کرتے ہیں ۔ مگر الٹا ہم کو نقصان پہنچتا ہے ۔ اس لئے ہم کو اس قادر مطلق کی صوابدید پر بھروسہ کرنا لازم ہے اور اپنے سب کام اس کے سپرد کر دینے چاہئیں ۔ اور یہی توکل و تسلیم ہے ۔ ؎

کار خود گر بخدا باز گزاری حافظ ۔۔۔ اے بسا عیش کہ با بخت خداداد کنی

دید ما را دید او نعم العوض ۔۔۔ ہست اندر دید او کلی غرض

لغات ۔ نعم العوض اچھا معاوضہ ۔ کلی پوری ۔ جامع ۔ مکمل ۔

ترجمہ (کیونکہ) اس کی صوابدید ہماری صوابدید کا بہترین عوض ہے ۔ اس کی صوابدید میں (ہمارے) تمام مقاصد (تکمیل پاسکتے) ہیں ۔

مطلب ۔ یعنی اگر اپنے اغراض و مقاصد کیلئے سعی ترک کر دینگے ۔ تو خود خداوند تعالیٰ ہماری کارسازی کریگا ۔

کما قیل ؎ ما کارِ خویش را بخداوند کارساز — بسپردہ ایم تا کرمِ او چہا کند

صائب رح ؎ از فراموشی بفکرِ کارِ خود افتادۂ — ورنہ در روزِ ازل سامانِ کارت دادہ اند

طفل تا گیرا و تا پویا نبود — مرکبش جز گردنِ بابا نبود

لغات گیرا پکڑنے والا۔ پویا دوڑنے والا۔ ان دونوں لفظوں میں الف فاعلیت کے لئے ہے جیسے۔ دانا اور شناسا میں۔ مرکب سواری۔ گھوڑا۔ بابا باپ۔

ترجمہ (اس کی مثال یہ کہ) بچہ جب تک (اپنے ہاتھ سے کسی چیز کا سہارا) پکڑنے والا اور (اپنے پاؤں سے) دوڑنے والا نہیں ہوا۔ وہ اپنے باوا ہی کی گردن پر چڑھا چڑھا پھرتا رہا۔

مطلب طفلِ شیر خوار چونکہ قوائے و جوارح سے کام نہیں لیتا اور کسب وسعی اختیار نہیں کرتا۔ اسلئے اسکے رزق و روزی اور آرام و راحت کے سامان خود بخود موجود ہو جاتے ہیں۔ صائب رح ؎

طفل را ہر سرِ انگشت بود پستانے — روزی بیخبراں دست و دہاں مے باشد

چوں فضولی کرد دست و پا نمود — در عنا افتاد و در کور و کبود

لغات فضولی۔ فضول کام۔ غیر ضروری کام۔ بیہودگی۔ عنا عین کے فتح سے سختی۔ مشقت۔ کور اندھا۔ بے بصر۔ کبود سیاہ۔ تاریک۔

ترجمہ (پھر) جب اس نے فضولی کی اور ہاتھ پاؤں نکالے۔ تو مشقت میں پڑ گیا۔ اور اندھا دھند کاموں اور سیہ کاریوں میں مبتلا ہو گیا۔

مطلب متوکل آدمی کی مثال شیر خوار بچہ کی سی ہے۔ جس کے خورد و نوش اور لباس و پوشش اور دیگر سامان راحت کے دوسرے لوگ کفیل ہیں۔ اسیطرح متوکل کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہے۔ سعدیؒ ؎

نگارندۂ کودک اندر شکم — نویسندۂ عمر و روزی ست ہم

اور غیر متوکل کی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جو بالغ و عاقل ہے۔ اور اپنی ضروریات کی کفالت کا بار خود اس کی اپنی گردن پر ہے۔ صائب رح ؎

تا لبِ نانے بدست آرم چہ خونہا میخورم — دستِ کوتہ را تنورِ رزق چاہ بیژن ست

جانہائے خلق پیش از دست و پا — مے پریدند از وفا سوئے صفا

لغات وفا پورا اور کامل ہونا صفا عالم غیب۔ جو مادہ و مقدار کے تعلق سے پاک اور صاف ہے۔ از پہلے مصرعہ میں ظرفیت کے لئے دوسرے مصرعہ میں۔ سببیت کے لئے ہے۔ دست و پا کنایہ ہے تعلق اجسام سے۔

ترجمہ مخلوق کی روحیں تعلق اجسام سے پہلے کمال (تجرد) کے سبب سے عالم غیب میں پرواز کرتی پھرتی تھیں۔

مطلب۔ یعنی ارواح عالم ناسوت میں آنے سے پہلے عالم غیب میں عروج روحانی کرتی پھرتی تھیں جس سے

حق تعالیٰ کی معرفت و محبت مراد ہے۔ اس سے بیدست وپائی کی تائید مطلوب ہے۔ اگرچہ توکل کی بیدست وپائی جو یہاں اصل مقصود ہے۔ ایک امر اختیاری ہے۔ اور عالمِ غیب میں ارواح کی بیدست وپائی اضطراری ہے۔ لیکن سلب اختیار و ترکِ تدبیر دونوں میں مشترک ہے۔ اس لئے ایک کے قیاس سے دوسرے کی تائید ہو سکتی ہے۔ اور عالمِ غیب وہی عالم ہے۔ جس کو آغاز مثنوی میں نیستاں سے تعبیر کرکے روح کے اس سے جُدا ہونے کا رونا بیان کیا ہے۔

چُوں باَمرِ اِهْبِطُوْا بندی شدند حبسِ خشم و حرص و خورسندی شدند

لغات۔ اِهْبِطُوْا اتر جاؤ نیچے چلے جاؤ۔ صیغۂ امر ہے۔ ہبوط سے۔ حبس بمعنی محبوس مصدر بمعنی مفعول کی قبیل سے ہے۔

ترجمہ جب (ارواح) اِہبطوا کے حکم سے (قیدِ جسم میں) مقید ہوئیں۔ تو غضب و حرص و فرح (وغیرہ صفات بشریہ) میں گرفتار ہوگئیں۔

مطلب۔ جب حضرت آدم ؑ سے گیہوں کا دانہ کھانے کی غلطی سرزد ہوئی۔ تو حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو اور ساتھ ہی ابلیس کو حکم ہوا اِهْبِطُوْا مِنْهَا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ اس مقام سے نیچے اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو" وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِيْنٍ۔ اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا اور ایک وقت خاص تک سامان زندگی ہے" اور ان کو یہ ہبوط کا حکم تعلق اجسام کے بعد ہوا تھا۔ پس یہاں شعر مذکور میں جو اِہْبِطُوْا کا ذکر ہے۔ اس سے وہ اہبطوا مراد نہیں۔ جو حضرت آدم ؑ کو کہا گیا تھا۔ بلکہ اس سے وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (میں نے اس میں اپنی روح ڈال دی) کا مضمون مقصود ہے اور اس کی تعبیر ہبوط یعنی تنزل و افتادگی کے لفظ سے اس لئے کی کہ روح کا عالم قدس سے اتر کر عالم ناسوت میں قید جسم کے ساتھ تختہ بند ہو جانا ایک تنزل کی حالت ہے۔ حافظ رح ؎

چگونہ طوف کنم در سراے عالم قدس چو در سراچہ ترکیب تختہ بند تنم

مثنوی حالِ جانِ پاک را در قیدِ تن داند کہ چیست ہر کہ ماہِ مصر را در چاہِ زنداں دیدہ است

نتیجہ یہ کہ بیدست وپائی کی حالت جو روح کو عالم قدس میں میسر تھی۔ کس قدر عروج و ترقی کی حالت تھی۔ لہٰذا اب باختیارِ خود بیدست وپا یعنی قیدِ جسمانیات سے مجرد و آزاد ہو جانا چاہیئے۔ صائب ؎

کنوں کہ قوت بازوے رستمی داری برار از چہ بابل روان روشن را

اوپر جو بچے کی تمثیل دی تھی۔ اب اس کو منطبق کرتے ہیں۔

ما عیالِ حضرتیم و شیرخواہ گفت اَلْخَلْقُ عِیَالٌ لِلْاِلٰہِ

لغات۔ عیال بال بچے وہ لوگ جو کسی کی سرپرستی میں ہوں۔ کنیہ حضرت حضرت باری شیرخواہ شیرخوار

ترکیب گفت کا فاعل ضمیر مستتر ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

ترجمہ ہم حضرت (باری تعالیٰ) کے عیال اور شیر خوار ہیں (چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا ہے۔ کہ الخلق عیال اللہ یعنی مخلوق اللہ کا عیال ہے

مطلب۔حضرت انس اور عبداللہ رضہ سے روایت ہے۔کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔کہ اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ (مشکوٰۃ) یعنی مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔پس مخلوق میں سے اللہ تعو کے نزدیک وہ شخص سب سے زیادہ محبوب ہے جو اسکے عیال کے ساتھ نیک سلوک کرے۔قال الحالی المرحوم ؎

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہُدیٰ کا ۔ کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالق دوسرا کا ۔ خلائق سے ہے جس کا رشتہ ولا کا

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

مقصود اس مقام پر یہ ہے۔کہ جب مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔تو کیا وہ اُس کی پرورش نہیں کریگا؟ کیوں نہیں۔کما قیل ؎

اعتماد رزق بر رازق مرا امروز نیست ۔ تختۂ مشقِ توکل بود در گہوارہ ام

آنکہ اُو از آسماں باراں دِہد ۔ ہم تواند کو برحمت ناں دِہد

ترجمہ وہ (حضرت باری) جو آسمان سے بارش عطا کرتا ہے۔(اور وہ اُس کی طرف سے زمین سے رزق پیدا کرنے کا سامان ہے) اسکو یہ بھی قدرت ہے کہ ہم کو (اپنے) کرم سے (بلاسبب) روٹی دے۔
مطلب۔اللہ تعالیٰ کو ہر طرح قدرت ہے۔کہ باوسیلہ دیلا وسیلہ جس طرح چاہے۔روزی دے۔جو قادر برحق بارش برسانے اور کھیتی اگلنے کی قدرت رکھتا ہے۔اور بندے کو اس نے عقل وتمیز فہم وفراست صحت وتندرستی اور عیش و راحت کے سامان دیے ہیں۔کیا اُسے ایک روٹی دینے کی قدرت نہیں۔اور وہ ایک اتنے عطیے کے لئے بندے کو بھلا دیگا؟ سعدی رح ؎

فراموشت نکرد ایزد دراں حال ۔ کہ بودی نطفۂ مدفون و مدہوش
روانت داد و طبع و عقل و ادراک ۔ جمال و نطق و رائے و فکرت و ہوش
دہ انگشتت مرتب کرد بر کف ۔ دو بازویت مرتب ساخت بر دوش
کنوں پنداری اے ناچیز ہمت ۔ کہ خواہد کردنت روزی فراموش

مگر خداوند تعالیٰ کی قدرت تامہ کے اعتقاد اور اس پر کامل توکل کرنے کا یہ منشا نہ ہونا چاہیے۔کہ ہم سعی وکسب نہ کریں۔کیونکہ یہ خیال درست نہیں۔کما صرحناہ مرارًا۔
حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔وقد یظن ان معنی التوکل ترک الکسب بالبدن وترک التدبیر بالقلب والسقوط علی الارض کالخرقۃ الملقاۃ او کاللحم علی الوضم وھٰذا ظن الجہال فان ذٰلک حرام۔یعنی بعض لوگوں کا خیال ہے۔کہ توکل کا معنی یہ ہے۔کہ ہاتھوں سے کمانا اور دل سے تدبیر سوچنا ترک کر دیا جائے۔اور زمین پر اس طرح بیکار و بےحس پڑے رہیں۔جس طرح کپڑے کا چیتھڑا گرا دیا ہو یا قصائی کے تختے پر گوشت کا لوتھڑا پڑا ہو۔اور یہ جاہلوں کا خیال ہے۔جو حرام ہے۔

دیگر بار بیان کردن شیر ترجیح جہد بر توکل

شیر کا بارِ دیگر توکل پر سعی کی ترجیح بیان کرنا

گفت شیر آرے ولے ربّ العباد نردبانے پیشِ پائے ما نہاد

لغات - آرے ہاں - بیشک - صحیح ہے - حرفِ ایجاب ہے - ولے لیکن - مگر - حرفِ استدراک ہے - ربّ العباد بندوں کا پروردگار - نردبان سیڑھی - زینہ -

ترجمہ شیر نے جواب دیا - ہاں (بیشک آپ کا کہنا بجا ہے - کہ کارساز اللہ تعالیٰ ہے) مگر پروردگارِ عالم نے (مقاصد و مطالب تک پہنچنے کے لئے) ہمارے پاؤں کے سامنے (اسباب و ذرائع کا) ایک زینہ رکھ دیا ہے -

پایہ پایہ رفت باید سوئے بام ہست جبری بودن اینجا طمعِ خام

لغات پایہ پایہ درجہ بدرجہ - بتدریج - بام محل - کوٹھا - بالا خانہ - جبری مجبور -

ترجمہ (خود اپنے پاؤں سے) بتدریج بالا خانے پر چڑھنا چاہیئے - یہاں مجبورِ محض بن بیٹھنا (کہ اللہ میاں چڑھائے تو چڑھینگے) خام خیالی ہے -

مطلب پایہ پایہ رفتن کنایہ ہے اختیارِ اسباب سے اور بام سے مراد مقصد و مطلب ہے - یعنی تم کو اپنے نصب العین اور مطمحِ نظر پر فائز ہونے کے لئے اسباب کو اختیار کرنا اور وسائل سے کام لینا چاہیئے - صائب رح ؎

چوں دامن وصال بکوشش گرفتہ اند چندانکہ ممکن ست بکوشد کسے چرا

پائے داری چوں کُنی خود را تو لنگ دست داری چوں کُنی پنہاں تو چنگ

لغات لنگ لنگڑا - چنگ پنجہ - ہاتھ - گرفت کا ہاتھ ترکیب دوسرے مصرعہ میں کنی کا مفعولِ اول چنگ ہے - جس کی علامتِ مفعولی "را" محذوف ہے - اور پنہاں مفعول بہ ثانی -

ترجمہ (جب) تیرے پاؤں موجود ہیں - تو (راہِ سعی میں) اپنے آپ کو لنگڑا کیوں بناتا ہے (جب) تیرے ہاتھ ہیں - تو (محنت و مشقت سے) اپنا پنجہ کیوں چھپاتا ہے - سعدی رح ؎

برو شیرِ درندہ باش اے دغل مینداز خود را بچو روباہ شل

خواجہ چوں بیلے بدستِ بندہ داد بے زباں معلوم شد او را مُراد

لغات خواجہ مالک - آقا - بندہ غلام - نوکر - خادم - بیل بیلچہ - پھاوڑا بے زباں کچھ کہے بغیر - بدلالتِ حال -

ترجمہ مالک نے جب نوکر کے ہاتھ میں ایک بیلچہ دیدیا - تو کچھ کہے بغیر ہی اس کا دلی مطلب معلوم ہوگیا

مطلب مالک جب نوکر کو بیلچہ دیتا ہے - تو اس کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں - کہ جاؤ اس کے ساتھ فلاں کام کرو بلکہ نوکر خود ہی سمجھ جاتا ہے - اور فوراً باغ یا کھیت کے کام میں جا مصروف ہوتا ہے - یہی حال انسان

کی ہے۔ کہ اس کے اعضا خود ایک قدرتی اشارہ ہیں۔ اس امر کا کہ آدمی ہاتھ پاؤں سے محنت و مشقت کرے۔ آگے خود اس مثال کو مثل لہ پر منطبق کیا ہے۔

دست ہمچوں بیل اشارتہائے اوست — آخر اندیشی عبارتہائے اوست

لغات آخر اندیشی مآل اندیشی۔ فکر انجام۔ عبارت بیان۔ وہ تقریری یا تحریری الفاظ جو دل کا خیال ظاہر کرنے کے لئے استعمال کئے جائیں۔ مگر یہاں اس کے معنی مراد و مطلب کے زیادہ چسپاں ہوتے ہیں۔

ترکیب پہلے مصرعہ میں اوست کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ اور دوسرے مصرعہ کے اوست کی ضمیر کا مرجع دست ہے۔

ترجمہ ہاتھ (بھی) بیلچہ کی طرح اس کی طرف سے (محنت اور کام کرنے کے) اشارے ہیں۔ اور اپنے انجام کی فکر کرنا (اور سعی و کوشش میں مصروف ہونا) اس سے مراد ہے۔

مطلب عبارت کا کلمہ مصدر ہے۔ جسکے معنی ہیں۔ بیان کردن و تعبیر کردن سخن۔ اور عموماً اس سے مابعبّر بہٖ مراد لیا جاتا ہے۔ یعنی وہ الفاظ جس سے خاص معنی مراد ہوں۔ مگر یہاں اس سے مابعبّر مراد ہے۔ یعنی وہ معنی جسکے ادا کرنے کیلئے الفاظ بولے جائیں۔ اس لحاظ سے شعر کا مطلب یہ ہے۔ اللہ نے جو ہاتھ عطا فرمائے ہیں۔ تو ان سے یہ مقصد ہے کہ انسان اپنے انجام کو سوچ کر جو مفلسی و فاقہ کی صورت میں ہوگا۔ کاروبار میں لگ جائے۔ گویا دست و قوت لفظ ہو تو آل اندیشی و عاقبت بینی اسکے معنی ہیں۔ ایک شارح نے یہاں عبارت سے مایعبر بہ کے متعارف معنی لیکر دوسرے مصرعہ کا یوں ترجمہ کیا ہو۔ (اللہ تعالیٰ نے جو انسان میں) مآل اندیشی کی قوت رکھی ہے۔ جو قوائے باطنی سے ہے یہ) ایسی ہے جیسے اس نے صریح عبارت سے فرمادیا ہو (کہ نفع و نقصان کو سوچو یہی سبب کسب و تدبیر ہے)" مگر اسپر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ فریق ثانی کے توکل مزعوم کا معنی ہی یہی ہے۔ کہ مآل کا فکر نہ کیا جائے۔ جب ان میں مآل اندیشی ہی مسلوب ہے۔ وہ کسب و سعی کیطرف رہنمائی کیونکر کریگی؟

چوں اشارتہاش را برجاں نہی — در وفائے آں اشارت جاں دہی

لغات برجاں نہی دل پر نقش کر لو۔ جان و دل سے قبول کرو۔ وفا پورا کرنا حسب اقتضا عمل کرنا

ترکیب یہ شعر شرط ہے۔ اگلا شعر اس کی جزا۔

ترجمہ جب تم اس کے (ان) اشارات کو (کہ دست و پا کے عطیے سے کسب و عمل کرنا مراد ہے) دل پر نقش کر لوگے (اور) مرتے دم تک (کسب و عمل سے) ان اشاروں کو پورا کرتے رہوگے۔ تو:

پس اشارتہاش اسرارت دہد — بار بردارد ز تو کارت دہد

ترجمہ تو وہ اشارے تم کو اسرار (و علوم) بخشیں گے۔ تم سے بار (مشقت) رفع کر دینگے (اور) تم کو (بڑا) کام دینگے۔

مطلب اعمال و اشغال اور ریاضت و مجاہدہ سے کشف و شہود حاصل ہوتا ہے۔ یہی مراد ہے۔ اس سے کہ اشارات پر عمل کرنے سے علوم و اسرار حاصل ہونگے۔ صائب بحر ہے

از ریاضت دل اگر آئینہ پرداز شود — چوں صدف مخزن چندیں گہر راز شود

حاملی محمول گرداند ترا   قابلی مقبول گرداند ترا

لغات حامل باربردار محمول اٹھایا ہوا۔ لدا ہوا۔ بوجھ۔ سواری پر بیٹھنے والا۔ قابل قبول کرنیوالا
ترکیب۔ حاملی اور قابلی میں یائے خطاب بمعنی ہستی ہے۔ یعنی تو حامل ہستی۔
ترجمہ (اب تو) تم (ان اعمال کا بار) اٹھانیوالے ہو۔ پھر وہ (قادر مطلق) تم کو (ان اعمال پر) سوار کریگا۔ اب تو تم (احکام کو) قبول کرنے والے ہو۔ پھر وہ تم کو (اپنا) مقبول بنا لیگا۔
مطلب محمول ہونے سے یا تو مجازاً دنیا کا عروج مراد ہے۔ جو عروج روحانی کا باعث ہو جائے۔ یا حقیقۃً آخرت میں اعمال پر سوار ہونا مقصود ہے جیسے کہ اس مطلب کی حدیثیں مروی ہیں۔ جنکا مفہوم یہ ہے کہ جب مومن کی روح جسم سے نکل جاتی ہے۔ تو اس کے اعمال نیک اچھی صورت میں نمودار ہوکر اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اے خوش نصیب آدمی آج تک تو دنیا میں تھا۔ تو ہم تجھ پر سوار تھے۔ آج تیری باری ہے۔ تو ہم پر سوار ہو۔ پھر وہ پری پیکر اس کو کندھوں پر اٹھا کر بہشت کی طرف لے اڑتا ہے۔ صائب رح ؎

برشکستِ قفسِ جسم ازاں مے لرزی   کہ سزاوارِ چمن بال و پرے نیست ترا

قابلِ امرِ وَیی قابل شوی   وصل جوئی بعد ازاں واصل شوی

ترکیب قابلِ امرِ وِیی اصل میں قابلِ امرِ وے ہستی ہے ضمیر خطاب مبتدا قابلِ امرِ وے مرکب اضافی خبر۔
ترجمہ (اب) تم اس کے حکم کو قبول کرتے ہو۔ پھر (اس کی درگاہ کے) قابل ہو جاؤگے (آج) وصل کے طالب ہو۔ پھر واصل ہو جاؤگے۔
مطلب کسب و عمل اور سعی و محنت سے جو درجہ چاہتے ہو حاصل کر سکتے ہو۔ اور جوارح و قوے کے تعطل میں یہ دولت کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ ؎

گروہے فراواں طمع ظن برند   کہ گندم نیفشاندہ خرمن برند
بر آں خورد سعدی کہ بیخے نشاند   کسے برد خرمن کہ تخمے فشاند

سعیِ شکرِ نعمتِ قدرت بود   جبرِ تو انکارِ آں نعمت بود

لغات قدرت اختیار۔ قادر ہونا۔ جبر مجبور ہونا۔ بے بسی۔ بے اختیاری۔
ترجمہ (حصول مقاصد کیلئے) کوشش کرنا۔ قدرت (و اختیار) کی (خداداد) نعمت کا شکر ہے۔ تیرا اپنے آپ کو مجبور (محض اور مسلوب الاختیار) سمجھ لینا اس نعمت کا انکار (اور ناشکری) ہے۔
مطلب۔ اپنی خداداد قوت سے کام لینے والا شاکر نعمت اور قابل عزت ہے۔ اور اپنی قوتوں کو معطل رکھنے والا کافر نعمت اور مستوجب ملامت ہے۔ امیر خسروؒ ؎

مرد کہ نشیلے نبود گاہ صید   زو سگِ بازار بمقدار بہ

شکرِ نعمت نعمتت افزوں کند   کفرِ نعمت از کفت بیروں کند

صنائع ۔ یہ شعر مرصع ہے ۔ اور ایک آیت کے مضمون کی طرف تلمیح بھی ہے ۔
ترجمہ نعمت کا شکر تیری نعمت کو زیادہ کریگا ۔ ناشکری تجھ سے (تیری پہلی نعمت بھی) چھین لیگی ۔
مطلب اللہ فرماتا ہے ۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۔
یاد کرو ۔ وہ وقت جب تمہارے پروردگار نے جتا دیا تھا ۔ کہ اگر ہمارا شکر کروگے ۔ تو ہم تم کو اور زیادہ نعمتیں دینگے اور اگر تم نے ناشکری کی تو میرا عذاب سخت ہے (سورہ ابراہیم ع۱) یہ شعر اسی آیت کے مضمون پر مشتمل ہے

جبرِ تو خفتن بود در رہ مخسپ　　تا نہ بینی آں در و درگہ مخسپ

لغات ۔ مخسپ صیغہ نہی ہے خسپیدن ۔ یعنی خفتن سونا سے ۔ آں در و درگہ میں آں اسم اشارہ بعید بغرض تعظیم اور درگہ سے مراد خداوند تعالیٰ کی درگاہ ۔ معرفت حق ۔ مشاہدہ حق ۔
ترجمہ تیرا جبر (کا قائل ہونا گویا دنیا کے راستے میں بیدست و پا ہوکر) سو رہنا ہے ۔ (پس) راہ میں نہ سو ۔ جبتک کہ اس (محبوب حقیقی کی) در و درگاہ کو نہ دیکھ لے نہ سو ۔
مطلب جبر بمعنی عام یعنی مطلق سلب اختیار کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک یہ خیال کہ بندہ کو بالکل کسی قسم کا کم و بیش اختیار دیا ہی نہیں گیا ۔ یہ فرقہ جبریہ کا اعتقاد فاسد ہے ۔ اس کا بطلان کتاب و سنت سے ثابت ہے ۔ اور نقص اعمال ۔ ترک فرائض فواحش و معاصی پر بیباکی اور اپنی بیگناہی و عدم مؤاخذہ کا اعتقاد اس کے نتائج ہیں ۔ یہ جبر مذموم ہے ۔ دوسرا جبر وہ ہے ۔ جو اختیار خداوندی کے مشاہدہ میں مغلوب و محو ہونے سے پیدا ہوتا ہے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اختیارات کاملہ اور تصرفات عامہ کو دیکھ کر انسان اپنے آپ کو بے بس پائے ۔ اگرچہ اس کے ساتھ اپنے اختیار کا بھی اس کو علم ہے ۔ جو قدرت نے اس کو دیا ہے ۔ مگر اس مختار مطلق کے آگے اپنے اختیارات کو بالکل معدوم نہیں ۔ تو کالعدم سمجھے ۔ صائب؎

دیگرے دارد عنانت را چو طفل نوسوار　　گرچہ در ظاہر عنانِ اختیارت دادہ اند

یہ جبر محمود کہلاتا ہے ۔ جو عارفوں کا مذاق ہے ۔ اور کتاب و سنت اس کے خلاف نہیں ہیں ۔ گویا جبر مذموم وہ ہے ۔ جس کا قائل واصل الی الحق نہیں ہے ۔ اور جبر محمود کا قائل واصل الی الحق اور عارف باللہ ہے ۔ اس شعر سے مراد یہ ہے ۔ کہ تم یہ بھی گمان نہ کرنا کہ تمہارا جبر محمود ہے ۔ کیونکہ تم ابھی تک واصل الی الحق نہیں ہوئے ۔ تمہارا جبر تو منزل وصل تک پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں سو رہنے کا مصداق ہے ۔ جو جبر مذموم ہے ۔ اور نفس نے حصول راحت اور استمتاع لذائذ کے لئے اختیار کر لیا ہے ۔ جب تک اس محبوب حقیقی کی در و درگاہ تک نہ پہنچ جاؤ ۔ یعنی مقام مشاہدہ و عرفان پر فائز نہ ہو لو ۔ اپنے آپ کو مجبور نہ سمجھو ۔ اور آرام و راحت کے لئے جبر کو بہانہ نہ بناؤ ۔ امیر خسرو رح؎

درخواب نہ بیند رُخ آرام دگربار　　ہر دل کہ طمع در طلب وصل شما کرد

ہاں مخسپ اے جبری بے اعتبار　　جُز بزیرِ آں درختِ میوہ دار

لغات ۔ ہاں حرف تنبیہ ۔ خبردار ۔ جبری قائل جبر ۔ منسوب بہ عقیدۂ جبر ۔ یائے نسبت ہے ۔
ترجمہ خبردار ۔ اے قائل جبر (اور) بے اعتبار آدمی اس میوہ دار درخت (یعنی مقام معرفت) کے

وصول الی الحق) کے نیچے کے سوا (اور کہیں) نہ سونا۔
مطلب۔ جبری کا یہ اعتبار ہونا دو معنی رکھتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ ادائے عبادات اور پابندی احکام میں تو اپنے آپکو جبری بنا لیتا ہے۔ اور جب حصول لذات اور حیز منافع کے لئے بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ تو اپنے آپ کو عملاً مختار ظاہر کرتا ہے۔ ترجمہ میں بھی یہی معنی ملحوظ ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ مقتضائے قدرت اور منشائے حکمت کو بنظر عبرت وبصیرت نہیں دیکھتا اور اعتبار و استبصار کی آنکھ بند کرکے تعطیل جوارح و ابطال قوائے کا مرتکب ہوکر منزل سے دور راستے ہی میں محو خواب ہے۔ سعدیؒ ؎

تو کر خواب نوشیں بیانگ رحیل | نخیزی دگر کے رسی در سبیل
فرو کوفت طبل شتر ساروان | بمنزل رسید اول کاروان
خنک ہوشیاران فرخندہ بخت | کہ پیش از دہل زدن بسازند رخت
برہ خفتگاں تا برآرند سر | نہ بینند رہ رفتگاں را اثر

تاکہ شاخ افشاں کند ہر لحظہ باد   بر سرت دائم بریزد نقل و زاد

لغات۔ افشاں کردن جھاڑنا۔ نقل نون کے ضمہ سے۔ وہ ترش و نمکین اشیا جو شراب کے بعد کھاتے ہیں۔ زاد توشہ
ترجمہ تاکہ (اس میوہ دار درخت کی) شاخ کو ہوا ہر لحظہ حرکت دے۔ (اور) ہمیشہ تیرے سر پر نقل و زاد (یعنی قرب حق اور فیوض الہیہ کا ثمرہ) گرائے۔
مطلب۔ چونکہ منزل قرب میں پہنچ کر سو جانا جبر محمود ہے۔ اس لئے اس مقام میں حرمان و خسران کا احتمال نہیں۔ اور برابر ثمرات فیوض حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ عراقیؒ ؎

در کوئے خرابات کسے را کہ نیاز ہست | ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

جبر خفتن درمیان رہزناں   مرغ بے ہنگام کے یابد اماں

لغات مرغ بے ہنگام بیموقع بانگ دینے والا مرغ۔ چونکہ ایسے مرغ کی بانگ سے لوگوں کو صبح ہو جانے کا دھوکا ہوتا ہے جس سے بہت نقصانات وخطرات کا احتمال ہے۔ اس لئے ولایت میں اس کو ذبح کر ڈالنے کا دستور ہے۔ اماں امن۔ نجات۔ سلامتی۔
ترجمہ جبر مذموم کا قائل و عامل ہونا گویا منزل سے دور) ڈاکوؤں کے درمیان سونا ہے (بیموقع و بیمحل سونے والا گویا مرغ بے ہنگام ہے۔ اور) مرغ بے ہنگام کب (ہلاکت سے) امن پا سکتا ہے۔
مطلب۔ وصل الی الحق ہونے سے پہلے مجبور بجبر مذموم بنتا نفس وشیطان کے ہتھے چڑھتا ہے۔ جو راہ سلوک کے رہزن ہیں۔ اور اس راہ میں منزل سے دور سو جانا اپنے آپ کو روحانی موت کے حوالہ کرنا ہے۔ سعدی رہ ؎

خوش ست زیر مغیلاں براہ بادیہ خفت | شب رحیل ولے ترک جاں بباید گفت

ور اشارتہاش را بینی زنی   مرد پنداری و چوں بینی زنی

لغات بینی زدن ناک چڑھانا۔ نفرت ظاہر کرنا۔ انکار و اعراض کرنا۔ صنائع دونوں مصرعوں میں بینی زنی کے لفظوں میں تجنیس تام مستوفی ہے۔

ترجمہ اگر تم اس کے اشاروں پر ناک چڑھاؤ گے۔ تو (ناحق اپنے آپ کو) مرد گمان کرو گے۔ اور جب (بنظر غائر) دیکھو گے۔ تو (معلوم کرو گے کہ) تم عورت ہو۔

مطلب۔ اس شعر سے اوپر گیارھواں شعر یہ تھا۔ "دست ہمچوں بیل اشاراتہاے اوست"۔ یعنی بیلچہ کی طرح ہمارے جوارح بھی خداوند تعالیٰ کی طرف سے اس امر کا اشارہ ہیں۔ کہ ہم کو محنت و سعی کرنی چاہیے۔ اب کہا ہے۔ کہ اگر تم اس کے اشارے کو نہ سمجھو گے۔ یعنی اپنے آپ کو معطل و بیکار رکھو گے۔ تو گویا تم عورتوں کی طرح ناقص العقل اور غیر دور اندیش بننا اختیار کر رہے ہو۔ جامیؒ ؎

عقل زن ناقص ست و دینش نیز ہرگزش کامل اعتقاد مکن

گر بدست ازوے اعتبار مگیر ور نکو بروے اعتماد مکن

آں قدر عقلے کہ داری گم شود سر کہ عقل ازوے بپرّد دم شود

ترجمہ (پھر) وہ تھوڑی بہت عقل بھی جو تم رکھتے ہو جاتی رہیگی۔ اور جس سر سے عقل اڑ جائیگی۔ وہ بمنزلہ دُم کے (جسم کا ایک حقیر حصّہ) بن جائیگا۔ نظامیؒ ؎

خرد ست آں کزو رسد یاری ہمہ داری اگر خرد داری

ہر کہ داد خرد نداند داد آدمی صورت ست گاو نہاد

اب فرماتے ہیں کہ عورتوں کی طرح ناقص العقل بننے والے کی رہی سہی عقل کس طرح ماری جاتی ہے۔

زانکہ بے شکری بود شوم و شنار مے برد ناشکر را در قعر نار

لغات۔ شوم۔ منحوس۔ شنار بضم شین نامبارک قعر گہرائی۔ نار آگ۔ دوزخ۔

ترجمہ اسلئے کہ ناشکری منحوس و نامبارک ہے۔ جو ناشکر کو دوزخ کی گہرائی میں لیجاتی ہے۔

مطلب۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (ترجمہ پیچھے گزر چکا)

چونکہ مرد ہوکر عورتوں کی طرح ناقص العقل بننا اور جوہر عقل کو بیکار رکھنا اس عطیہ الٰہیہ کی ناشکری ہے۔ اور ناشکر مستوجب عذاب ہے۔ اور عذاب کے ساتھ زوالِ نعمت لازم ہے۔ اس لئے عقل سے کام نہ لینے والا اپنی تھوڑی بہت عقل سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

گر توکل میکنی در کار کن کسب کن پس تکیہ بر جبّار کن

ترجمہ اگر تم توکل کرتے ہو۔ تو کاروبار کے اندر کرو (یعنی) کسب (و سعی) کرو۔ پھر (اس کام کا ثمرہ حاصل ہونے میں) خدائے جبّار پر بھروسہ کرو۔

مطلب مولانا شیر کی زبان سے فرماتے ہیں۔ اگر تم متوکل بننا چاہتے ہو۔ تو ابطال قوٰی اور تعطیل جوارح نہ کرو۔ بلکہ سعی و کسب کرو۔ اور اسکے ثمرات کی توقع خدا سے رکھو۔ جبار کے لفظ میں یہ لطیف رعایت ہے کہ ہر چند سعی و عمل کے ہم مختار ہیں۔ مگر ان کے نتائج حاصل کرنے میں قدرتِ حق کے آگے مجبور ہیں۔ اس میں وہی مالک جبار مختار ہے۔

یہ شعر سلاست الفاظ، صفائی بیان اور خوبی بندش کے لحاظ سے تو شاعری کا بہترین نمونہ ہے ہی۔ مگر اسکی

معنوی حیثیات بھی بےمثل و بےنظیر واقع ہوئی ہیں۔ توکل کے بیان کا ضخیم باب۔ اس کی کیدار و حرز تعریف اور اسکی نازک و باریک قیود وشرائط کی بحث ایک دریا ہے۔ جو آئمہ متقدمین اور علمائے متاخرین کی تصانیف میں موجزن ہے۔ مگر وہ سب کا سب مولانا نے اس شعر کے ایک کوزے میں بند کردیا ہے۔ و للہ درّ الصائب حیث نسج علی منوالہ ؎

صرف بیکاری مگرداں روزگارِ خویش را ۔۔۔ پردۂ روئے توکل ساز کارِ خویش را

تکیہ بر جبّار کن تا وارہی ۔۔۔ ورنہ افتی در بلا و گمرہی

ترجمہ (نتائج سعی اور ثمرات عمل حاصل کرنے میں) خدائے جبار پر بھروسہ رکھو۔ تاکہ (سوء اعتقاد سے) محفوظ و مصئون رہو۔ ورنہ بلائے (معصیت) اور گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔ مطلب جو شخص سعی و کوشش اور اختیار اسباب میں ثمرات و نتائج کے لئے اللہ پر متوکل نہ ہو۔ اور انکو منجانب اللہ نہ سمجھے۔ تو احتمال ہے۔ کہ وہ اپنے سعی و عمل کو مؤثر بالذات سمجھنے لگے اور یہ سخت گمراہی ہے لہذا دوبارہ تاکید کی ہے۔ کہ کاروبار کے ساتھ توکل ضرور ہونا چاہیئے۔ حافظ رح ؎

سعی خود نتواں برد پے بمنزلِ مقصود ۔۔۔ خیال باشد کیں کار بے حوالہ برآید

مثنّٰہ رستم از سیلی تقدیر بخاک افتادہ ہست ۔۔۔ تا یکے تکیہ بسر پنجۂ بر زور کنی

الخلاف یہ شعر ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔

باز ترجیح نہادن نخچیراں توکّل را بر جہد

شکاروں کا پھر توکل کو کوشش پر ترجیح دینا

جملہ یارے بانگ ہا بر داشتند ۔۔۔ کاں حریصاں کیں سبب ہا کاشتند

صد ہزار اندر ہزاراں مرد و زن ۔۔۔ پس چرا محروم ماند اندر زمن

لغات یا بمعنی مقابلہ زمن زمانہ۔ عہد۔ دنیا۔ عالم ترکیب کاں حریصاں الخ یہ مصرعہ اور اگلا شعر سب بیان ہے بانگہا مبین کا۔ جس میں آں حریصاں مبدل منہ اور صد ہزار الخ بدل ملکر مبین۔ ایں سببہا کاشتند۔ اس کا بیان یہ مبین و بیان ملکر اسم ہوا ماند فعل ناقص کا۔ محروم اس کی خبر۔ پس حرف تفریع کا مقام آں حریصاں سے پہلے ہے۔ کہ پس آں حریصاں الخ ضرورت شعری کے سلئے مؤخر لایا گیا ہے۔ ترجمہ (یہ سن کر) سب شکار اس کے سامنے چلانے لگے۔ کہ پھر وہ حریص لوگ جنھوں نے ان اسباب (سعی و محنت) کا بیج بویا ہے۔ (اور جو) کروڑوں مرد و زن (پر مشتمل ہیں) خود کیوں ہمیشہ سے (حصول مقاصد میں) ناکام رہے۔

صد ہزاراں قرن ز آغاز جہاں ۔۔۔ ہمچو اژدرہا گشادہ صد زباں

لغات قرن صدی صدہزاراں لاکھوں اژدر اژدہا ترکیب کشادہ کا فاعل ضمیر ہے راجع بہ حریصاں اوپر کے شعر میں
ترجمہ ابتدائے عالم سے لاکھوں صدیاں گزریں (کہ یہ حریص بھوکے) اژدہوں کی طرح (ناکامی سے) سینکڑوں زبانیں لٹکائے (کھڑے) رہے۔

مکرہا کردند آں دانا گروہ — کہ زبن برکندہ شد زاں مکر کوہ

ترجمہ ان (بھوکے) فیلسوفوں نے (اپنی بساط بھر) چالاکیاں کیں۔ چالاکیاں بھی ایسی کہ جن سے پہاڑ جڑوں سے اکھڑ گئے۔
مطلب۔ ان لوگوں کی صنعت اس درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ کہ پہاڑوں تک کو بیخ و بن سے اکھیڑ ڈالتے تھے۔ پھر بھی وہ اپنے مقسوم سے زیادہ کچھ حاصل نہ کر سکے۔ پہاڑوں کو کاٹنے تراشنے کی [illegible] سے چلی آئی ہے چنانچہ قوم ثمود کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے۔ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا اور تم پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے۔ (اعراف ع ۱۰)

کرد مکر و حیلہ آں قوم خبیث — ور زما باور نداری ایں حدیث

لغات مکر و حیلہ۔ فریب و مکاری۔ یہاں صناعی مراد ہے۔ خبیث ناپاک۔ بد اعتقاد۔ یہاں وہ لوگ مراد ہیں۔ جو کسب و عمل کی تاثیر بالذات کے سوء عقیدہ میں مبتلا ہوں۔ باور یقین۔ حدیث بات
ترجمہ ان پلید (و بد اعتقاد) لوگوں نے مقدور بھر مکر و حیلہ کیا۔ اگر تجھے ہماری اس بات کا یقین نہیں آتا۔ تو

کرد وصف مکرشاں را ذوالجلال — لِتَزُوْلَ مِنْهُ اَقْلَالُ الْجِبَالْ

لغات۔ وصف بیان۔ ذکر۔ تعریف۔ اقلال جمع قلہ چوٹی جبال جمع جبل پہاڑ۔
ترجمہ (دیکھ لو خود خدا نے) ذوالجلال نے ان کے مکر کی تعریف (ان معنوں میں) فرمائی ہے کہ بیشک اس (مکر) سے پہاڑوں کی چوٹیاں اپنی جگہ سے ہل جاتی ہیں۔
مطلب۔ اس مکار گروہ کی فتنہ پردازیوں کا پہاڑوں تک کو ہلا ڈالنا خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے۔ وَاِنْ کَانَ مَکْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ اگرچہ انکے مکر سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جاتے ہیں۔

جز کہ آں قسمت کہ رفت اندر ازل — روئے ننمود از سگال و از عمل

لغات جز کہ میں کاف زائد ہے۔ رفت ہو چکی۔ جس کا فیصلہ ہو چکا۔ ازل ہمیشگی۔ وہ زمانہ جس کی ابتدا نہیں۔ سگال فکر و اندیشہ عمل کاروبار۔
ترجمہ (پھر بھی) اس مقسوم کے سوا جو ازل میں (مقدر) ہو چکا تھا۔ انکے غور و فکر اور کاروبار کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ نظامیؒ ؎ در ازل کرد آنچہ بایدبود — جہد امروز ما ندارد سود
؎ جامی بعیش کوش کہ کس را ز جام دہر — کم زانچہ قسمت ست نیاید زیادہ ہم

جملہ افتادند از تدبیر و کار — ماند کار و حکمہائے کردگار

لغات افتادند رہ گئے۔ گئے گذرے نکمے ہو گئے۔ عاجز آگئے۔ کردگار فارسی میں خداوند تعالےٰ کا نام۔ جس کے لفظی معنی ہیں کام کا مالک۔
ترجمہ (آخر) وہ سب لوگ کار و بار اور تدبیر (و فکر) سے عاجز آ گئے (اور) خداوند تعالےٰ کے کام اور حکم بدستور (باقی و دائم) رہے۔
مطلب ان لوگوں کی سعی و تدبیر خدا کی تقدیر کے آگے نقش برآب ثابت ہوئی۔ بقول کسے ؎
ریکہ رشتۂ کارش بدست تدبیر است خیال فاسد او چوں بر آب تصویر ست

کسب جز نامے مداں اے نامدار جہد جز وہمے مپندار اے عیار

لغات نامدار نامی گرامی۔ عیار عین کے کسرہ سے ترازو۔ مراد سنجیدہ و ہوشیار۔
ترجمہ اے نامدار تم کسب (و کار) کو محض ایک نام سے زیادہ (یا وقعت) نہ سمجھو۔ (اور) اے ہوشیار تم سعی (و کوشش) کو محض ایک وہم سے زیادہ گمان نہ کرو۔
مطلب یہ شعر نتیجہ ہے اوپر کی ساری تقریر کا۔ اور اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ کسب و سعی میں سر کھپانیوالے اگرچہ پہاڑوں کو ہلا دیں۔ اور سمندر کو کھنگال ڈالیں۔ مگر نتیجہ آخر وہی ڈھاک کے تین پات۔ یعنی ان کو اپنی کوشش کا ثمرہ صرف اسی قدر ملتا ہے۔ جو قسمت میں مقدر ہے۔ اور جو کوشش کے بغیر بھی مل سکتا تھا لہٰذا کوشش کا اثر برائے نام اور اسکی اہمیت فضول وہم ہے۔ اس تقریر اور نتیجہ میں جو مغالطہ ہے۔ اسپر بارہا اوپر بحث ہو چکی ہے۔ اتنا یہاں بھی بتا دینا مناسب مقام ہے۔ کہ بیشک تقدیر تدبیر پر فائق اور اس سے سابق ہے۔ اور بیشک تدبیر کو مؤثر مستقل ماننے والوں کا عقیدہ فاسد اور ان کو لقب خبیث کا مستوجب بنانیوالا ہے۔ اور بیشک سعی و جہد قسمت سے ایک ذرہ زیادہ ثمرہ نہیں دے سکتے۔ یہ باتیں تو درست ہیں۔ مگر ان باتوں سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ سعی نہ کی جائے۔ اور اس کو محض ایک وہمی بات سمجھ کر چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ مسبب الاسباب نے جو کچھ ثمرہ ہماری قسمت میں لکھدیا ہے۔ وہ اس نے اپنی تقدیر میں ہماری سعی پر موقوف رکھا ہو۔ لہٰذا تدبیر و سعی کرنا شرط عقل ہے۔ اس کا ثمرہ ملا یا نہ ملا حوالہ تقدیر ہے۔ صائب ؎ ہرچند وصل گنج بکوشش نہ بستہ است تا ممکن ست پا مکش از جستجوئے گنج

نگریستن عزرائیل علیہ السلام بر مردے و گریختن او در سرائے سلیمان علیہ السلام

عزرائیل ع کا ایک آدمی پر نظر ڈالنا اور اس کا .... حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں بھاگ جانا

و تقریر ترجیح توکل بر جہد و کوشش

اور جہد و کوشش پر توکل کی ترجیح کا ثبوت

سادہ مردے چاشتگاہے دررسید در سرا عدل سلیمانی دوید

لغات سادہ مرد سیدھا سادہ بھولا بھالا آدمی چاشتگاہ ایک پہر دن چڑھے کا وقت سرا عدل سرائے عدل یائے اضافت بوجہ ضرورت شعری محذوف ہے دار العدل۔ عدالت۔ محکمہ۔ سلیمان ایک پیغمبر کا نام ہے جنکو اللہ تعالیٰ نے پیغمبری کے منصب جلیل کے ساتھ دنیوی سلطنت بھی عطا فرمائی تھی۔ اور سلطنت بھی ایسی وسیع اور باشان و شوکت جوکسی دوسرے انسان کو نصیب نہیں ہوئی۔ انسان کے علاوہ جنات بھی آپ کے محکوم تھے۔ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند اور جانشین تھے

ترجمہ ایک سیدھا سادہ آدمی کچھ دن چڑھے بھاگا بھاگا حضرت سلیمان ع کے ایوان عدالت میں پہنچا۔

رُویش از غم زرد و ہر دو لب کبود ۔۔۔ پس سُلیمان گفت اے خواجہ چہ بود

لغات از سببیت کا ہے۔ کبود نیلا۔ خواجہ مالک آقا۔ بزرگ۔ تعظیماً خطاب کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے

ترجمہ اس کا منہ غم سے زرد اور دونو ہونٹ (خوف سے) نیلے ہو رہے تھے۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت فرمایا۔ بڑے میاں کیا ہوا؟

گفت عزرائیل در من این چنین ۔۔۔ یک نظر انداخت پُر از خشم و کین

ترجمہ وہ بولا ملک الموت نے کچھ ایسی ہی ایک پرغضب اور کینہ بھری نگاہ مجھ پر ڈالی ہے۔

گفت ہین! اکنوں چہ میخواہی بخواہ! ۔۔۔ گفت فرما باد را اے جاں پناہ!

تا مرا زینجا بہندستاں برد ۔۔۔ بو کہ بندہ کانطرف شد جاں برد

لغات۔ ہین۔ کلمہ تنبیہ۔ یہاں یہ کلمہ تاسف اور گھبراہٹ کے اظہار کے لئے استعمال ہوا ہے۔ بو شاید۔ ممکن ہے۔ امید ہے۔ جاں برد سلامت رہے۔ بچ جائے۔ جان بچ رہے۔ ترکیب دوسرے شعر پر کلمہ تا بیانیہ ہے۔ اور این فرما میں این مقدر اس کا مبین ہو کا نطرف شد میں کاف حالیہ ہے۔

ترجمہ (حضرت سلیمان عنے) فرمایا ارے ارے رے! اب جلد بولو کیا چاہتے ہو۔ وہ بولا حضور! ہوا کو حکم دیجئے کہ مجھے اس جگہ سے (اڑا کر) ہندوستان میں لیجائے۔ شاید بندہ وہاں چلا جائے تو سلامت رہے

پس سُلیماں کرد بر باد این برات ۔۔۔ بُرد باد اُو را بسُوئے سُومنات

لغات برات تحریری حکم۔ یہاں مطلقاً شاہی حکم مراد ہے۔ سومنات ہندوستان کے ملک گجرات میں ایک مشہور شہر جس کا بتخانہ شہرہ عالم تھا۔ اور سلطان محمود رح کے ہاتھ سے تباہ ہوا۔

ترجمہ تو حضرت سلیمان ع نے ہوا کو حکم دیا۔ (اور) ہوا (حکم پاتے ہی) اس کو سومنات کی طرف لیگئی۔

الخلاف یہ شعر ہمارے نسخے میں نہیں ہے اور زائد معلوم ہوتا ہے۔

باد را فرمود تا او را شتاب ۔۔۔ بُرد سُوئے خاکِ ہندوستاں بر آب

صنائع خاک و باد میں مناسبت ملحوظ ہے۔
ترجمہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا۔ یہانتک کہ وہ فوراً اُسے سمندر کی راہ سے ملک ہندوستان میں لے گئی۔

نک ز درویشی گریزانند خلق　　لقمۂ حرص و امل زانند خلق

لغات نک مخفف ہے اینک کا یعنی دیکھو گریزانند گریزیدن سے یعنی گریزند امل فضول آرزو۔ امید خام
ترجمہ دیکھو (اسیطرح) لوگ مفلسی سے بھاگتے ہیں (اور) اسلئے وہ حرص اور امید خام کا لقمہ بنتے ہیں

ترس درویشی مثال آں ہراس　　حرص و کوشش را تو ہندستان شناس

ترجمہ مفلسی کا خوف اس (سادہ مرد) کے خوف (جان) کی مثال ہے۔ اور حرص و کوشش کو ہندوستان سمجھ لو۔
مطلب یہ دونو شعر اثنائے قصہ میں فریق مناظر کی طرف سے بطور مقولہ ہیں جن سے وہ جماعت اس واقعہ کو سعی و کوشش کے لاحاصل اور فضول ہونے کے دعوی پر چسپاں کرتی ہے یعنی جسطرح اس سادہ مرد کا موت سے بچنے کیلئے جو ٹل نہیں سکتی ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانا غیر مفید تھا۔ اسیطرح اس رزق کے حصول کے لئے جو مقسوم میں نہیں ہے۔ حرص و امل سے کام لینا لغویات ہے۔ ولنعم ماقیل سہ

نصیبت گر بود ہیچوں صدف رزق از سما ریزد　　چو قسمت نیست روزی از دہن چوں آسیا ریزد

روز دیگر وقت دیوان لقا　　شہ سلیماں گفت عزرائیل را

کیں مسلماں را بخشم از چہ سبب　　بنگریدی؟ باز گو اے پیک رب!

لغات دیوان کچہری لقا ملاقات مراد دربار عام مسلمان دین حق کا تابع۔ اسلام کا پیرو۔ چونکہ بفحوائے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک وہ دین جو حق اور مقبول خدا ہے۔ صرف ایک ہی ہے۔ جس کا نام اسلام ہے۔ اس لئے یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک امتی کو مسلمان کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ تمام انبیاء کی امتیں دین اسلام ہی کی تابع ہیں۔ اگرچہ ان کی شرائع مختلف ہیں۔ چنانچہ کوئی امت شریعت ابراہیمیہ کی تابع ہے۔ کوئی شریعت موسویہ کی کوئی شریعت عیسویہ کی۔ اور اب تمام دنیا شریعت محمدیہ پر مکلف ہے۔ باقی سب شریعتیں منسوخ ہو چکیں ہیں۔ مگر یہ سب شرائع اسلام کے ماتحت اور ان کے پیرو سب مسلمان ہیں۔ خشم غصہ پیک رب اللہ تعالیٰ کا فرستادہ چونکہ عزرائیل اللہ کے حکم سے روح قبض کرنے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کو یہ لقب دیا گیا۔
ترجمہ دوسرے روز عدالت کے وقت شاہ سلیمان علیہ السلام نے عزرائیل ع سے پوچھا۔ اے فرستادہ خدا! بتاؤ اس مسلمان کو تم نے غصے کی نظر سے کیوں دیکھا؟

اے عجب ایں کردہ باشی بہر آں　　تا شود آوارہ او از خانماں

دین حق صرف ایک ہے اور شرائع مختلف

ترجمہ (یہ) بڑے تعجب کی بات ہے۔ کیا تم نے اسلئے ایسا کیا تھا۔ کہ وہ (بیچارہ) اپنے گھر بار سے آوارہ ہوجائے؟

گفتش اے شاہ جہانِ بے زوال فہم کژ کرد و نمود او را خیال

لغات جہان بے زوال۔ وہ عالم جسکو زوال اور تنزل نہیں۔ یہاں شاہِ جہان بے زوال حضرت سلیمان ؑ کو کہا ہے۔ مگر جہان بے زوال کا لفظ ان کی دنیا کی حکومت و دولت پر صادق نہیں آسکتا۔ کیونکہ وہ معرض زوال میں ہے۔ بلکہ آپ چونکہ دنیا کے بادشاہ ہونے کے علاوہ پیغمبر ہونے کی حیثیت سے دین کے بھی بادشاہ تھے۔ اس لئے اس دوسری حیثیت سے ان کو جہانِ بے زوال کا بادشاہ کہا۔ کژ۔ ٹیڑھا۔ غیر مستقیم۔ ناراست۔ غلط۔ نمود۔ دکھائی دیا۔ سوجھا۔

ترجمہ۔ انہوں نے آپ کو یوں جوابدیا کہ اے جہان بے زوال (یعنی دین) کے بادشاہ اس کو غلط فہمی ہوئی۔ اور (میرا غصہ) اس کو (محض وہم و) خیال (میں) دکھائی دیا۔

کہ مرا فرمود حق کامروز ہاں جانِ او را تو بہندستاں ستاں

صنائع ہندوستان ستاں میں صنعت تجنیس ناقص ہے۔

ترجمہ کیونکہ مجھے خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ سنو آج تم اسکی جان کو ہندوستان میں قبض کرو۔

دیدمش اینجا و بس حیراں شدم در تفکر رفتہ سرگرداں شدم

ترجمہ (مگر) میں نے اس کو یہاں (موجود) پایا۔ اور میں بہت حیران ہوا۔ اور غرق فکر ہوکر سرگرداں تھا۔

از عجب گفتم گر او را صد پرست زو بہندستاں شدن دور اندرست

لغات از حرف سببیت۔ بہندستاں میں بائے ظرفیت اندر زائد ہے۔ ضرورت وزن کے لئے لایا گیا۔

ترجمہ میں نے (اپنے دل میں) تعجب سے کہا۔ اگر اس کے سو پر ہوں (جب بھی) ہندوستان پہنچنا اس سے دور (از قیاس) ہے۔

چوں بامر حق بہندستاں شدم دیدمش آنجا و جانش بستدم

ترجمہ (آخر) جب میں خدا کے حکم سے ہندوستان گیا۔ تو میں نے (پہلے ہی سے) اس کو وہاں (موجود) پایا اور اس کی جان قبض کرلی۔

مطلب جو کام خدا کی تقدیر میں ایک خاص صورت سے انجام پانا لکھا ہوتا ہے۔ اسکے اسی طرح صورت پذیر ہونے کے قدرتی اسباب پیدا ہوجاتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِذَا قَضَى اللّٰہُ لِعَبْدٍ اَنْ یَّمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَہٗ اِلَیْھَا حَاجَةً۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ وہ فلاں سرزمین میں مرے۔ تو اسکے لئے وہاں جانے کی کوئی ضرورت پیدا کردیتا ہے۔ (مشکوٰۃ) یہی مثال اس شخص کی ہے۔ جس نے سرزمین ہند کو اپنے لئے پناہ کی جگہ تصور کیا تھا۔ حالانکہ قضائے الٰہی میں وہ زمین اسکا مقتل و مرقد قرار پاچکی تھی حضرت صائب نے گویا اسی سادہ مرد کے بارے میں کہا ہے۔ فللّٰہ درّہٗ ؎

نیک چوں در نگری رو لقضا مے سازند ساده لوحاں که گریزاں زقضا مے باشند

تو ہمہ کارِ جہاں راہم چنیں کُن قیاس و چشم بکشا و بہیں

ترجمہ (اے مخاطب) تم جہاں کے سارے کاموں کو اسی طرح قیاس کر لو۔ اور ذرا آنکھیں کھول کر دیکھ لو۔

مطلب۔ بندہ تقدیر سے بھاگتا ہے مگر تقدیر ہی کے پھندے میں جا پھنستا ہے۔ اور تدبیر کچھ بھی سود مند نہیں ہوتی

ہاتفی رح
اجل چوں در آید بدیوار و بام بدروازہ بستن چہ سود اہتمام
چوں طوفان نوح آورد رستخیز نسنجد بہ آں پارہ وخاک ریز
فرود آید از آسماں چوں گزند چہ حاصل کہ دیوار باشد بلند

از کہ بگریزیم؟ از خود؟ ایں محال از کہ برتابیم؟ از حق؟ ایں وبال

ترجمہ ہم کس سے بھاگیں؟ کیا اپنے آپ سے؟ یہ محال ہے۔ ہم کس سے رُخ پھیریں کیا خدا سے؟ یہ تباہی (کا موجب) ہے۔

مطلب تقدیر انسان کے لئے لازم وجود ہے۔ اس لئے تقدیر سے بھاگنا گویا اپنے آپ سے بھاگنا ہے۔ اور یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ انفکاک الشئے عن نفسہٖ محال ہے۔ اور جس طرح اپنے آپ سے گریز محال ہے اسی طرح امر حق سے بھاگنا بھی وبال ہے۔ جیسے کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے۔ یَامَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ۔ اے گروہ جن و انسان تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں سے مکروگے۔ اگر تم سے ہو سکے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل بھاگو۔ تو نکل دیکھو۔ اور کچھ ایسا ہی زور ہو تو نکلو (رحمٰن ع۲)

مکاشفات میں ایک حدیث قدسی لکھی ہے۔ مَنْ لَمْ یَرْضَ بِقَضَائِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ فَلْیَخْرُجْ مِنْ تَحْتِ سَمَائِیْ وَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ۔ یعنی جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہو۔ میری بلا پر صبر نہ کرے تو اُسے چاہیئے کہ میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے۔ اور چاہیئے کہ میرے سوا کوئی اور پروردگار تلاش کرے۔ غرض خدا سے بُعد چاہنا بدترین مصائب سے ہے۔ خود مولانا ؒ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

جورِ دوراں و ہر آں رنجے کہ ہست سہلتر از بُعدِ حق و غفلت است
لاشک ایں ترکِ ہوا تلخی دہ است لیک از تلخیِ بُعدِ حق بہ است

باز ترجیح شیر جہد را بر توکل و فوائد جہد بیان کردن

شیر کا پھر توکل پر کوشش کو ترجیح دینا اور کوشش کے فوائد بیان کرنا

شیر گفت آرے ولیکن ہم ببیں جہدہائے انبیاء و مرسلیں

ترجمہ شیر نے کہا ہاں (یہ) صحیح ہے کہ قضا سے گریز ناممکن ہے) مگر انبیا و مرسلین کی سعی و کوشش کو بھی تو دیکھو۔
مطلب انبیاء و مرسلین نے اشاعت دین، ردّ منکرین، اعلاء کلمۃ اللہ، ہدایت خلق اللہ، دفع اعداء۔ قتل اشقیا میں ہمیشہ اپنی زبان، قلم، تلوار اور زورِ بازو سے کام لیا ہے۔ اور فرائض نبوت کی بجا آوری میں پوری سعی و کوشش کا حق ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے۔ یٰاَیُّہَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْہِمْ وَ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ اے پیغمبر کافروں کے ساتھ (ہتھیار سے) اور منافقوں کے ساتھ (زبان سے) جہاد کرو۔ اور ان پر سختی کرو۔ اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور وہ بری جگہ ہے۔ (توبہ ع ۱۰)

سعیِ ابرار و جہادِ مومناں تابدیں ساعت ز آغازِ جہاں

لغات ابرار جمع ہے۔ برّ بفتح بار کی نیک۔ پارسا۔ صالح آدمی۔ جہاد جیم کے کسرہ سے دین کی حمایت میں کفار سے جنگ کرنا۔
ترجمہ (نیز) پاک لوگوں کی کوشش اور مومنوں کے جہاد (کو دیکھو جو) ابتدائے عالم سے اس وقت تک (وقوع میں آرہے ہیں)
مطلب لٰکِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ ۚ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْخَیْرٰتُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ لیکن رسول اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے سبھی اپنی جان و مال سے جہاد کئے ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں۔ جنکے لئے خوبیاں ہیں۔ اور یہی فلاح پانیوالے ہیں۔ (توبہ ع)

حق تعالیٰ جہدِ شاں را راست کرد آنچہ دیدند از جفا و گرم و سرد

ترجمہ اللہ (بھی) انکی کوشش کو راس لایا۔ جسکو انھوں نے مشقت اور گرم و سرد (مشکلات کا موجب) پایا تھا
مطلب ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَ اَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا ۚ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ پھر اللہ نے اپنے پیغمبر پہ اپنی تسلی اتاری۔ اور ان کو ایسی فوجوں سے مدد دی۔ جن کو تم لوگ نہ دیکھ سکے اور کافروں کی بات کو ہیٹا کردیا اور اللہ ہی کا بول بالا ہے۔ اور اللہ غالب صاحب تدبیر ہے۔ (توبہ ع ۴)

حیلہ ہا شاں جملہ حال آمد لطیف کُلُّ شَیْءٍ مِّنْ ظَرِیْفٍ ھُوَ ظَرِیْف

لغات حیلہ تدبیر۔ چارہ کار۔ تدبیر جنگ۔ لطیف پاکیزہ۔ باریک۔ نکتہ خیز۔ ظریف۔ نیک۔ دانا۔ خوش طبع۔
ترجمہ انکی تدبیریں ہرحال میں پر لطف ثابت ہوئیں (کیوں نہ ہو) معقول آدمی کی ہربات معقول ہوتی ہے۔
مطلب وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی۔ اور اللہ کے راستے میں جہاد بھی کئے اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی پکے مسلمان ہیں۔ انکے لئے معافی ہے۔ اور عزت کی روزی ہے (انفال ع ۱۰)

دامہاشاں مرغِ گردونی گرفت   نقصہاشاں جملہ افزونی گرفت

لغات گردونی آسمانی - عالی پایہ نقص کی افزونی ترقی - زیادتی -
ترجمہ - ان کے پھندوں نے (مراتب عالیہ کے) آسمانی مرغ پکڑے - ان کی (اشاعت دین میں جو) کمی (تھی وہ) ترقی کی صورت میں بدل گئی -
مطلب - آسمانی مرغ استعارہ ہے - مراتبِ عالیہ سے - یعنی ان انبیاء نے اپنے جد و جہد سے مراتبِ عالیہ حاصل کیے - یا مرغ گردونی سے مراد نمرود و فرعون جیسے بڑے بڑے کافر بادشاہ ہیں - جو اپنے غرور و تکبر سے گویا آسمان پر اڑنے کے مدعی تھے - اور نمرود نے فی الواقع آسمان پر چڑھنے کا باطل ارادہ بھی کیا تھا - پھر یہ مطلب ہوگا - کہ پیغمبروں کی الہامی تدابیر نے آخر ان بڑے بڑے مدعی و مغرور دشمنان اسلام کو زیر کر لیا - حافظ رح

سحر با معجزہ پہلو نزند دل خوشدار   سامری کیست کہ دست از یدِ بیضا ببرد

جہد میکن تا توانی اے کیا   در طریقِ انبیا و اولیا

ترجمہ اے دانا آدمی انبیاء و اولیا کے طریقے پر مقدور بھر کوشش کرو

با قضا پنجہ زدن نبود جہاد   زانکہ ایں را ہم قضا برما نہاد

ترجمہ جہاد کرنا قضا کا مقابلہ نہیں ہے - کیونکہ اس (جہاد) کو بھی قضا ہی نے ہم پر مقرر کیا ہے
مطلب - آغاز حکایت میں نخچیروں نے کہا تھا - با قضا پنجہ مزن اے تند و تیز - اور اس سے ان کا مدعا یہ تھا - کہ کوشش کرنا گویا قضا کا مقابلہ ہے - یہ اس کا جواب ہے - کہ دیکھو انبیاء اور اولیاء نے سعی و جہد اور جنگ و جہاد کیا ہے اور یہ کوئی قضا کا مقابلہ نہیں - بلکہ قضا کا اتباع ہے - کیونکہ جو کوشش و سعی کی جاتی ہے - وہ بھی تو تقدیر میں لکھی ہوئی ہے - جیسے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا - نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَضَاءِ اللّٰہِ اِلٰی قَضَاءِ اللّٰہِ جس کا ترجمہ اور مطلب پیچھے گزر چکا ہے -

کافرم من گر زیاں کردست کس   در رہِ ایمان و طاعت یک نفس

ترجمہ (میں حلفاً کہتا ہوں کہ) میں کافر ہو جاؤں - اگر کسی نے ایمان و بندگی کی راہ میں (کوشش کر کے اپنا) نقصان کیا ہو -
مطلب - اطاعت و عبادت میں سعی و کوشش کرنا کسی صورت میں باعث نقصان نہیں پھر کیوں نہ کوشش کیجائے اور نخل زندگی کا ثمرہ کیوں نہ حاصل کیا جائے - صائب

مشو بہ برگِ تسلی ز نخل ہستی خویش   بکوش و میوۂ ایں شاخسار را دریاب

سر شکستہ نیست ایں سر را مبند   یکدو روزے جہد کن باقی بخند

لغات سر مبند فعل نہی - سر بستن سے - اور کنایہ ہے بہانہ سازی سے - بخند امر ہے خندیدن سے - کنایہ ہے آرام و راحت پانے سے -
ترجمہ تیرا سر زخمی نہیں ہے - (خواہ مخواہ) سر پر پٹی نہ باندھ - (حوں توں کرکے) ایک دو دن کوشش کر - پھر مزے اڑا -
مطلب - جو شخص ضرب و زخم سے مجروح ہو کر از کار رفتہ ہو جائے - وہ اگر سعی و عمل نہ کرے - تو معذور ہے - لیکن تم کو کوئی مرض نہیں ہے - کوئی زخم و جراحت نہیں - اور باقی کسی قسم کا عذر بھی نہیں - پھر کیوں خواہ مخواہ بیکاری کے بہانے بناتے پھرتے ہو - اور کام سے ٹلتے ہو - کام کرو - اور کام کے ثمرات سے فائدہ اٹھاؤ - نظامی رح سے

عذر میاور نہ حیل خواستند　　این سخن ست از تو عمل خواستند
گر بسخن کار میسر شدے　　کار نظامی بفلک بر شدے

بد محالے جست کو دنیا بجست　　نیک حالے جست کو عقبیٰ بجست

لغات بد مخفف ہے بود کا - محال ناممکن یہاں باطل و بے حقیقت چیز مراد ہے صنائع یہ شعر مرصع ہے -
ترجمہ (اگر سعی و کوشش سے) جس نے دنیا کی تلاش کی اس نے ایک باطل و بے حقیقت چیز کی تلاش کی - جس نے آخرت کی تلاش کی اسنے نیک حالت کی تلاش کی -
مطلب - اوپر سعی و کوشش کی ترغیب سے عام کوشش مفہوم ہوتی تھی - خواہ دین کے لئے ہو یا دنیا کیلئے - اب اسکی تعیین و تخصیص کرتے ہیں - کہ محض دنیا طلب کرنا جسکو دین سے کوئی لگاؤ نہ ہو - ایک باطل اور بری چیز کی طلب ہے - اور دین طلب کرنا یا دنیا بھی بہ تعلق دین طلب کرنی نیک حالت کی طلب ہے - کما قال اللہ تعالیٰ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں - جو دعائیں مانگتے ہیں - کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی خیر و برکت دے - اور آخرت میں بھی خیر و برکت دے - اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا - (البقرہ ع ۲۵) حافظ رح سے

تا کے غم دنیائے دنی اے دل دانا　　حیف ست ز خوبے کہ شود عاشق زشتے
ولاعلم سے سادہ لوحانے کہ دل بستند بر دنیائے دوں　　بر سر ریگ رواں بنیاد از شبنم نہند

مکرہا در کار دنیا بارد ست　　مکرہا در ترک دنیا وارد ست

لغات بارد ٹھنڈا - سرد - افسردہ بے اثر وارد نازل - مروی - شرع کے حکم سے صادر ہونا -
ترجمہ دنیا کے کام میں مکر و حیلہ کرنا فضول بات ہے - دنیا کے ترک کرنے میں تدبیر کرنا (آیات واحادیث سے) ثابت ہے -
مطلب - دنیا کا انہماک ایک نجس حالت اور مشاغل دین کی مانع ہے - بقول بزرگے سے

اہل دنیا نتوانند یقیناً پہ داشتہ　　غیر مردار شکارے نبود کرگس را

ترکِ دنیا کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ تمکو کثرتِ مال و اولاد کی حرص نے غفلت میں مبتلا کر دیا۔ یہانتک کہ تم قبروں میں جا پہنچتے ہو۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَمَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ۔ یعنی یاد رکھو۔ کہ دنیا ملعون ہے اور اسکے سب ساز و سامان ملعون ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور وہ بات جو اللہ کو پسند ہو۔ (مشکوٰۃ) اور فرمایا۔ مَنْ اَحَبَّ دُنْيَاهُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَهٗ اَضَرَّ بِدُنْيَاهُ فَاٰثِرُوْا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى۔ یعنی جس نے اپنی دنیا محبوب رکھی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا۔ اور جس نے اپنی آخرت محبوب رکھی۔ اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔ پس تم باقی رہنے والے عالم (یعنی آخرت) کو فانی ہو جانے والے عالم (یعنی دنیا) پر ترجیح دو۔ (مشکوٰۃ) امیر خسرو رح ؎

بازیچہ ایست طفل فریب ایں متاعِ دہر　　بیعقل مردماں کہ بدیں مبتلا شدند

مکر آں باشد کہ زنداں حفرہ کرد　　آنکہ حفرہ بست ایں مکریست سرد

لغات حُفرہ حا کے ضمہ سے۔ گڑھا۔ مراد سوراخ۔ سرنگ۔ نقب۔ سرد پچھلے شعر کے کلمہ بارد کا ہم معنی یعنی افسردہ۔ بے نتیجہ۔ فضول۔ لغو۔

ترجمہ (دنیا کو چھوڑنے کی) تدبیر یہ ہے۔ کہ (دنیا کے) قید خانہ میں سرنگ لگا دی (اور نکل گئے) جس نے اس سرنگ کو بند کیا۔ (اسکی) یہ تدبیر بُری ہے۔

مطلب زندانِ دنیا میں سرنگ لگا کر نکل جانے سے مراد یہ ہے۔ کہ قیودِ دنیا سے رستگار ہو جائے۔ اور اپنے آپ کو اس کے تعلقات سے علیحدہ کرلے۔ حافظ رح ؎

سر بآزادگی از خلق برآرم چوں سرو　　گر دہد دست کہ دامن ز جہاں برچینم

حنانی ؎ بکوش گردنِ خود را ز بند کن آزاد　　چہ سود ازیں کہ شوی مالک الرقابِ اینجا

پھر فرماتے ہیں۔ کہ جس شخص کو ایسا قدرتی حفرہ یا سرنگ حاصل ہے۔ اور پھر وہ اس کو بند کرنے کی تدبیر کرتا ہے۔ یعنی اسکو ترکِ دُنیا سہل ہے۔ مگر پھر وہ تعلقاتِ دنیا کو بڑھاتا جاتا ہے۔ اس کی یہ تدبیر لغو و ناقابل پسند ہے۔ بقول بزرگے ؎

گویند زمیں بر سرِ گاو ست بلے　　گاو ست کسیکہ بارِ دُنیا بردا شت

ایں جہاں زندان و ما زندانیاں　　حُفرہ کن زنداں و خود را وا رہاں

لغات زندانی قیدی وا بمعنی جدا و علیحدہ۔ عموماً افعال کے ساتھ آتا ہے۔

ترجمہ یہ جہان قیدخانہ ہے۔ اور ہم قیدی ہیں قیدخانہ میں سرنگ لگاؤ اور اپنے آپکو نجات دو۔

مطلب حدیث شریف میں آیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔ یعنی دنیا مومن کا قیدخانہ اور کافر کی بہشت ہے۔ (مشکوٰۃ) اس لئے مومن کے لئے اس جہان سے اور اس کے گمراہ کن تعلقات سے علیحدگی اچھی ہے۔ امیر خسرو رح ؎

خوش آنکساں کہ گذشتند پاک چوں خورشید　　کہ سایہ نیز بسوے جہاں نیفگندند

چیست دُنیا؟ از خُدا غافل بُدن نے قماش و نُقرہ و فرزند و زن

لغات بُدن مخفف ہے بودن کا قماش قاف کے ضمہ سے گھر کا مال و اسباب چیز بست اثاثہ ۔ نقرہ چاندی ۔ مراد دولت ۔
ترجمہ (اگر یہ بھی خیال رہے کہ) دنیا ہے کیا چیز ؟ (دنیا سے مراد ہے) غافل ہوجاتا ۔ (ورنہ) اثاثہ خانہ اور دولت اور اولاد اور بیوی (کا نام دنیا) نہیں ۔

مطلب ۔ اوپر کے اشعار میں ترک دنیا کی ترغیب تھی ۔ اب دنیا کی حقیقت بیان فرماتے ہیں جسکا مطلب یہ ہے ۔ کہ دنیا در اصل اس حالت کا نام ہے ۔ جو موت سے پہلے تک انسان پر گذرتی ہے ۔ مگر اسحالت کی دو صورتیں ہیں ۔ اگر وہ آخرت سے مانع ہے ۔ تو دنیائے مذموم ہے ۔ اگر اس سے مانع نہیں ۔ تو دنیائے محمود ہے ۔ اور عرف میں عموماً دنیا کے کلمے سے دنیائے مذموم ہی مراد ہوتی ہے ۔ چنانچہ اوپر جو دنیا کے ترک کرنے کی ترغیب آئی ہے ۔ اس سے یہی دنیا مراد تھی ۔ ورنہ دنیائے محمود کے ترک کرنے کا حکم نہیں آیا ۔ بلکہ قرآن و حدیث میں اس کا ذکر اچھے کلمات میں وارد ہے ۔ قرآن مجید میں ہے ۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً (ترجمہ پیچھے گذر چکا) پس ایسی دنیا اختیار کرنے والا جو آخرت اور حق تعالٰے سے دور نہ کرے دنیا دار نہیں بلکہ دیندار ہے ۔ سعدی رح ؎

گرت مال و جاہ ست و زرع و تجارت   چو دل با خدا ایست خلوت نشینی

مال راکز بہرِ دیں باشی حمول   نِعْمَ مَالٌ صَالِحٌ خواندش رسول

لغات ۔ حمول ۔ حامل ۔ باربردار خواند فرمایا ۔ کہا ۔ ارشاد کیا ۔
ترجمہ جس مال کو تم دین کے لئے اپنے پاس رکھو ۔ تو اسکے حق میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ کہ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ ۔ یعنی نیک آدمی کے لئے نیک مال اچھی چیز ہے ۔
مطلب ۔ اوپر جو کہا تھا ۔ کہ نے قماش و نقرہ الخ یعنی مال و دولت وغیرہ لذاتہا دنیائے مذموم نہیں ہیں بلکہ جب وہ دین سے مانع نہ ہوں ۔ تو اچھے ہیں ۔ اس دعوٰی کا ثبوت مذکورہ حدیث سے دیتے ہیں ۔ اور اس کی تائید یہ حدیث بھی کرتی ہے ۔ کہ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْغَنِیَّ یعنی اللہ تعالٰی پرہیزگار اور مالدار بندے کو دوست رکھتا ہے (مشکوٰۃ) سعدی رح ؎

توانگراں راندرست و وقف و مہمانی   زکوٰۃ و فطرہ و اعتاق و ہدی و قربانی
تو کے بدولتِ ایشاں رسی کہ نتوانی   جز ایں دو رکعت و آنہم بصد پریشانی

آب در کشتی ہلاکِ کشتی ست   آب اندر زیرِ کشتی پُشتی ست

لغات ۔ ہلاک ۔ موت ۔ تباہی ۔ بربادی ۔ اندر زائد ہے ۔ پشتی مدد ۔ اعانت ۔ سہارا ۔
ترجمہ (مگر شرط یہ ہے ۔ کہ مال کی جگہ دل میں نہ ہو دیکھو) پانی کشتی کے اندر (آجائے تو) کشتی کی تباہی ہے (اگر) پانی کشتی کے نیچے (رہے تو اس کے لئے تیرنے میں) مدد ہے ۔
مطلب دنیا کی مثال پانی کی سی اور دل کی مثال کشتی کی سی ہے ۔ اگر دنیا دل میں جاگزین ہوجائے ۔ تو وہ دل کی تباہی کا موجب ہے ۔ اور وہی دنیائے مذموم بنجاتی ہے ۔ اور اگر وہ دل سے باہر رہے ۔ تو وہ موجب

خیر و برکت ہے۔ اور اس کا نام دنیائے محمود ہے۔ دل جو منبع توجہات ہے۔ حبِ دنیا اور طلب مال کے جذبات سے لبریز ہو جائے۔ تو آدمی دین کا اہتمام نہیں کر سکتا۔ ایسی دنیا اور ایسا مال غیبت و خسران کا باعث ہے۔ حضرت امام غزالی رح احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔ اَلْاٰفَۃُ الثَّالِثَۃُ اَنَّہٗ یُلْھِیْہِ اِصْلَاحُ مَالِہٖ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ کُلُّ مَا شَغَلَ الْعَبْدَ عَنِ اللّٰہِ فَھُوَ خُسْرَانٌ۔ یعنی مال کی تیسری آفت یہ ہے کہ اس کا اہتمام اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے۔ اور جو چیز بندے کو اللہ سے غافل کر دے وہ موجب خسران ہے۔ غرض مال کو دل میں جگہ نہ دی جائے۔ ورنہ یاد خدا کی گنجایش اس میں نہ رہیگی۔ بقول بزرگے ؎

زیادِ غیر سیہ گردد بدل یادِ محمد اکثر | چو پُر شد خانہ مے باشد بعیاجتخانہ جا کمتر

لیکن اگر دنیا کی جگہ دل میں نہ ہو۔ تو خواہ کتنا ہی تنعم اور تمول حاصل ہو۔ وہ ممنوع و معیوب نہیں۔ بلکہ وہ دنیائے محمود کی قسم سے ہے۔ جیسے کہ کتب مناقب میں لکھا ہے۔ کہ کوئی شائق کسی مشہور اہل اللہ بزرگ کی بارگاہ کی طرف حصول فیض کیلئے روانہ ہوا۔ جب قریب پہنچا تو شہر سے باہر جو باغ سامنے آتا تھا۔ اور جو سرسبز کھیتی دکھائی دیتی تھی۔ اسکی نسبت وہ دریافت کرتا۔ تو اسکو بتایا جاتا۔ کہ وہ انہی بزرگ کی ہے۔ شہر میں پہنچکر بڑے بڑے ایوان۔ محلات۔ اصطبل سامنے آئے ان کی نسبت بھی معلوم ہوا کہ انہی بزرگ کی املاک ہیں۔ اس کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ وہ اہل اللہ کیا ہونگے اچھے خاصے دنیادار رئیس ہونگے۔ غرض خدمت میں حاضر ہوا۔ تو بالہام ربانی ان بزرگ پر اسکی حالت دل منکشف ہوگئی۔ معمولی خاطر و مدارات و مہمانداری کے بعد اس شخص سے انہوں نے فرمایا۔ کہ ہمارا ارادہ ہے کہ حج کو چلیں۔ اگر تم بھی ہمراہ چلتے ہو تو بہتر ہے۔ اس نے کہا میں بھی بیعت کیلئے حاضر ہوں۔ غرض یہ بزرگ اسی حالت میں اس شخص کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ نہ املاک و جایداد کے متعلق اپنے نوکروں کو کوئی فہمایش کی۔ نہ کوئی زادِ راہ ساتھ لیا۔ چار پانچ کوس تک شہر سے دور گئے ہونگے۔ کہ اس شخص نے سراسیمگی کے ساتھ کہا حضرت میں اپنی گٹھڑی بھول آیا۔ جس میں زادِ سفر اور سامانِ ضرورت بندھا تھا ان بزرگ نے فرمایا۔ بس! اسی حوصلے پر تمہارے دل میں ہماری دولتمندی کے متعلق وسوسہ پیدا ہوا تھا۔ تمہارے دل پر ایک گٹھڑی کا خیال اس قدر متصرف ہے۔ کہ تم آگے چلنے سے معذور ہو۔ لیکن ہماری زندگی باہمہ و بے ہمہ ہے۔ اسلئے اس قدر املاکِ اراضی اور مال و ثروت کا ہم کو ایک ذرہ بھی خیال نہیں۔ اور نہ تمہارا راہ خدا میں چل کھڑے ہوئے جامی رح ؎

دارم دلکے کہ باہر اندیشہ کہ داشت | جز یادِ تو بر صفحہ خاطر ننگاشت
یاد تو چناں فرو گرفتش کہ درو | گنجائی ہیچ چیز دیگر نگذاشت

چونکہ مال و ملک را از دل براند | زاں سلیمان خویش جز مسکیں نخواند

لغات براند دور کر دیا۔ ہٹا دیا۔ مسکین۔ غریب۔ عاجز۔ خاکسار۔ ترکیب شعر میں اضمار قبل الذکر ہے۔

ترجمہ چونکہ حضرت سلیمان ع نے ملک و مال کی محبت کو دل سے نکال دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو (باوجود اس قدر دولت و حشمت کے) بجز مسکین کے (اور کسی لقب سے) ملقب نہیں کیا۔

مطلب عام دنیاوی بادشاہوں کی عادت ہے کہ فرامین و مراسلات میں اپنے نام کے ساتھ بڑے بڑے متکبرانہ القاب و خطابات درج کرتے ہیں۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام جن و انس کے بادشاہ اور بحر و بر کے فرمانروا ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسکین و خاکسار کے لقب سے ملقب کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ کہ ان کے دل میں غرور مال و جاہ اور حب شوکت و حشمت کی جگہ نہ تھی۔ لیکن دوسرے دنیاوی بادشاہوں کے

نیچے۔ جیسے فرعون اپنا لقب رب اعلیٰ اختیار کرتا

دلوں پر جذبات قابض ہوتے ہیں جس کا ثبوت یہ کہ آپ اپنے آپ کو مسکین فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ بات یا تو صریحاً تواریخ سے ثابت ہوگی یا اشارۃً قرآن مجید کے ان کلمات سے کہ وَاِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ یعنی از جانب سلیمان اور یہ اس مکتوب کا عنوان ہے۔ جو آپ نے بلقیس ملکہ سبا کے نام بھیجا تھا۔ اس میں کوئی شاہانہ لقب استعمال نہیں کیا۔ بلکہ ایک منکسر المزاج اور نفس کش درویش کی طرح صرف اپنا نام لکھنے پر کفایت کی۔ اور یہ امر ایک باعظمت بادشاہ سے ظہور پانا اس کے اپنے لئے لقب مسکین و خاکسار استعمال کرنے سے کم نہیں۔ سعدی رح ؎

بزرگے کہ خود را بخردی شمرد ۔۔۔ بدنیا و عقبےٰ بزرگی ببُرد

ازیں خاکداں بندۂ پاک شد ۔۔۔ کہ در پائے کمتر کسے خاک شد

کُوزۂ سربستہ اندر آب زفت ۔۔۔ از دلِ پُر بادِ فوقِ آب رفت

لغات۔ سربستہ۔ جس کا سر باندھا گیا ہو۔ منہ بند کیا ہوا۔ زفت پر۔ فربہ۔ مالامال۔ فوق۔ اوپر
ترجمہ۔ منہ بندھا کوزہ گھڑے پانی میں اپنے اندر ہوا کے پُر ہونے سے پانی پر تیرنے لگا (آگے اس مثال کی تطبیق خود فرماتے ہیں)۔

بادِ دُرویشی چو در باطن بود ۔۔۔ بر سرِ آبِ جہاں ساکن بود

لغات باطن اندر۔ قلب ساکن ٹھہرا ہوا۔ صنائع بادِ درویشی اور آبِ جہاں تشبیہات ہیں۔
ترجمہ (چنانچہ) جب دل میں درویشی کی ہوا سمائی ہو۔ تو درویش آدمی دریائے جہاں کی سطح پر ساکن رہتا ہے۔
مطلب۔ آب در کشتی الخ مثال تھی اس کی کہ دنیا داری حبِّ مال کا نام ہے۔ جو دل پر مسلط ہو۔ اور وہی دل کے ہلاک کا باعث ہوتی ہے۔ اب اس دل کی مثال دیتے ہیں۔ جس پر حبِّ مال نہیں۔ بلکہ حبِّ حق مسلط ہو۔ اور اس تمثیل میں دل کو کوزے سے اور حبِ حق کو ہوا سے تعبیر کیا ہے۔ کہ وہ دنیا کے گہرے تعلقات میں نہیں ڈوبتا۔ کما قال بعضہم ؎

پاک ساز از غیر دل را، شو تہی ہمچوں حباب ۔۔۔ کز سبکروحی توانی خیمہ زد بر روئے آب

؎ حافظ آں روز طرب نامۂ عشق تو نوشت ۔۔۔ کہ قلم بر سرِ اسباب و دلِ خرم زد

آب نتواند مرو را غوطہ داد ۔۔۔ کش دِل از نفخۂ الٰہی گشت شاد

لغات کش اصل میں کہ اش ہے۔ اش ضمیر مفعول بمعنی اورا نفخۂ پھونک۔ نفخۂ الٰہی میں فک اضافت ہے
ترجمہ جس کا دل خدائی پھونک سے خوشحال ہوگیا۔ اس کو (بھی) پانی کبھی غوطہ نہیں دے سکتا۔
مطلب۔ جس شخص کے دل میں اللہ کی محبت و معرفت نے گھر کر لیا۔ اور وہ اس مسرت حقیقی سے مسرور ہے۔ اس پر محبتِ دنیا کا کبھی تسلّط نہیں ہوسکتا۔ عراقی رح ؎

ما مستِ النسیم ز ریحانۂ محبوب ۔۔۔ پروا بہ سر و جُبّہ و دستار نداریم

گرچہ جملہ این جہاں مِلکِ وے است ٭ مُلک در چشمِ دل او لاشے است

لغات مِلک میم کے کسرہ سے حق۔ کسی چیز کا مالک ہونا۔ لاشے ناچیز، ہیچ۔ جوکچھ نہ ہو صنائع مِلک اور مُلک میں تجنیس محرف
ترجمہ اگرچہ یہ سارا جہاں اس (عارف) کی ملک ہو۔ (مگر) بادشاہی اس کے دل کی نظر میں ہیچ ہے۔
مطلب۔ چونکہ دولت معرفت دنیوی جاہ وحشمت سے بمدارج اعلیٰ وارفع ہے۔ اس لئے یہ لوگ اس دولت سے متمتع ہوکر تاج وتخت کی پروا نہیں کرتے۔ امیر خسرو رحمہ ؎

محنتِ تاج و سریر گر نفقایت دود ٭ تو بگدایاں گریز دولت از ایشاں طلب

پس دہانِ دل ببند و مُہر کن ٭ پُر کنش از بادگیرِ منْ لدُنْ

لغات۔ مُہر کن۔ مُہر لگا دے۔ کنایہ ہے اس سے کہ اُس کو ایسا بند کر دے کہ پھر خارج کا کوئی اثر اس میں نہ پڑے۔
بادگیر۔ روشندان۔ وہ دیواری دریچے یا سوراخ جو ہوا کے رُخ مکان میں رکھے جاتے ہیں۔ تاکہ تازہ ہوا اندر داخل ہوتی ہے۔ من لدن از نزد۔ پاس سے مراد از نزد حق۔ اللہ کے ہاں سے۔
ترجمہ پس (اے مخاطب) دل کا منہ بند کردو۔ اور مہر لگا دو (پھر) اس کو من لدن کے دریچے سے (علم لدنی کی ہوا سے) بھرلو۔
مطلب۔ اپنے دل کا روزن کھول دو۔ یعنی اپنے اندر صلاحیت قبول اور استعداد اخذ پیدا کرو۔ تاکہ اللہ کے پاس سے فیوض غیب کی ہوا آکر اس میں داخل ہو۔ صائب رحمہ ؎

ہیچ روزن بے فروغ آفتاب فیض نیست ٭ دیدۂ سوزن بکارِ خویشتن بینا بود

وقال بعضہم ؎

ہست بر ذرات یکساں پرتوِ خورشید فیض ٭ لیک باید جوہر قابل کہ گردد لعلِ ناب

جہد حق ست و دوا حق ست و درد ٭ منکر اندر نفیِ جہدش جہد کرد

ترجمہ کوشش برحق ہے۔ اور دوا برحق ہے اور درد بھی (حق ہے خود) منکر (کو دیکھ لو کہ) اپنے جہد کی نفی میں جہد سے کام لے رہا ہے۔
مطلب دنیا میں اشیا وعلل باہم مرتبط ہیں۔ اور ہر شخص ان اشیا ومسببات کے باہم ارتباط وترتب کے مطابق عمل کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ منکر سعی بھی خود اپنے معاملات وضروریات میں ساعی دیکھا جاتا ہے۔ کم از کم یہ تو ظاہر ہے کہ وہ سعی وجہد کے انکار میں جو زور لگاتا ہے۔ بحث کرتا ہے۔ دلائل تراشتا ہے یہ بھی تو سعی ہے۔ سلسلۂ اشیا میں سے ایک مثال مرض اور دوا کی ہے۔ چنانچہ جب کوئی مرض عارض ہوتا ہے۔ تو وہ سبب بنجاتا ہے استعمال دوا کی تحریک کا۔ پھر یہ تحریک سبب بنجاتی ہے دوا حاصل کرنے اور اسکے استعمال میں سعی کرنے کی۔ اور یہ تسبیب وتوفیق کسی کی خود ساختہ نہیں۔ بلکہ خاص قدرت الہیہ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَہٗ شِفَاءً۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں اتاری جسکے لئے شفا نہ اتاری ہو۔ اور ظاہر ہے کہ حصول شفا عموماً اختیار اسباب پر موقوف ہے۔ اِلَّا ماشاء اللہ۔

اور حصول شفا کے لئے احادیث میں سینگیاں لگوانے اور بعض اشیاء مثلاً شہد۔ کالا دانہ۔ قسط بحری کے استعمال کرنے کی تعریف مروی ہے۔ تو یہ سب کچھ سعی نہیں تو اور کیا ہے۔ صائب رہ ؎

اداں رو نیستند از پردہ اسباب مستغنی ۔۔۔ ز بوئے پیرہن یعقوب پیغمبر شود بینا

دوسرے مصرعہ کا مطلب ایک اور طرح بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جد کے معنی محنت و مشقت کے بھی ہیں۔ اس لحاظ سے ترجمہ یوں ہوگا۔ کہ منکر نے اپنی کوشش کے انکار میں (جو ایک بدیہی امر ہے ناحق) جھک ماری۔ صائب ؎

آں را کہ تازیانہ ز رگہائے گردنش ست ۔۔۔ ہر دعوی غلط کہ کند پیش مے برد

کسب کُن سعیے نما و جہد کن ۔۔۔ تا بدانی سِرّ علم مِن لدُن

ترجمہ کسب کرو محنت اور کوشش بجالاؤ۔ تاکہ تم کو علم من لدن کا راز معلوم ہو جائے۔

مطلب یعنی جب تم کوشش کرکے اس کے ثمرات سے متمتع ہوگے۔ تو تم کو اس علم کا راز اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ اسباب و مسببات کے ارتباط میں کیا کیا حکمتیں ہیں۔

گرچہ ایں جملہ جہاں پُر جہد شد ۔۔۔ جہد کے در کامِ جاہل شہد شد

لغات۔ کام منہ۔ تالو شہد سے خوشگوار مراد ہے۔

ترجمہ اگرچہ یہ تمام جہان سعی و کوشش سے پُر ہو رہا ہے۔ (مگر) جاہل کے منہ میں وہ کب خوشگوار و شیریں ہو سکتا ہے۔

مطلب۔ یعنی اگرچہ دنیا جہان کے تمام کاروبار سلسلہ اسباب و علل میں مقید و مربوط ہیں۔ اور ہر شخص ادنیٰ غور و فکر سے ان کو سمجھ سکتا ہے۔ مگر جاہل آدمی جس کو ترک سعی اور توکل مزعوم کا خیال باطل ہے۔ کبھی ان کا قائل نہیں ہوتا۔ اس شعر کا مطلب باحتمال بعید ایک اور طرح بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی اگرچہ تمام دنیا جہان میں جدّ و جہد جاری ہے۔ (مگر اس کے ثمرات حاصل کرنے کے لئے عقل شرط ہے) ایک جاہل (و بدتدبیر آدمی) کے منہ میں کوشش و سعی کیا (کامیابی کا) شہد بن سکتی ہے۔ (اور ایسی صورت میں سعی کا غیر مثمر ہونا مسلم ہے۔ مگر یہ قصور عقل کی وجہ سے ہے۔ نہ کہ نفس سعی کے غیر مفید ہونے کی وجہ سے)

مقرر شدن ترجیح جہد بر توکل

توکل پر کوشش کی ترجیح کا ثابت ہو جانا

زیں نمط بسیار بُرہاں گفت شیر ۔۔۔ کز جواب آں جبریاں گشتند سیر

لغات نمط طریقہ۔ طرز۔ طور۔ برہان دلیل۔ سیر چونکہ طعام کھانیوالا سیری کے بعد منہ بند کر لیتا ہے۔ اس لئے سیر مجاز مرسل ہے۔ خاموشی و لب بستگی کے لئے از قبیل تسمیۃ المسبب باسم السبب۔

ترجمہ اسی طرح کی بہت سی دلیلیں شیر نے بیان کیں۔ جن کے جواب سے وہ جبر کے قائل خاموش (و لاجواب) ہو گئے۔

روبہ و خرگوش و آہو و شغال جبر را بگذاشتند و قیل و قال

لغات روبہ لومڑی ۔ آہو ۔ ہرن ۔ شغال گیدڑ ۔ قیل و قال گفتگو ۔ بحث ۔ مناظرہ ۔
ترجمہ لومڑی خرگوش ہرن گیدڑ (غرض سب) نے جبر (کے عقیدے) کو چھوڑ دیا ۔ اور حجت بازی سے باز آئے ۔

عہد ہا کردند با شیر ژیاں کاندریں بیعت نیفتد در زیاں

لغات ژیاں ۔ غضبناک تند و تیز ۔ بیعت عہد و اقرار ۔ زیاں نقصان ۔ ژیاں اور زیاں میں جناس مضارع
ترجمہ انہوں نے شیر ژیاں سے عہد کر لیا ۔ کہ اس وعدہ و اقرار میں وہ نقصان نہیں اٹھائے گا ۔

قسم ہر روزش بیاید بے ضرر حاجتش نبود تقاضائے دگر

لغات قسم حصہ ۔ بخرہ ۔ بے ضرر بلا تکلیف دگر دوبارہ ۔
ترجمہ ۔ اس کا روزانہ بخرہ بلا تکلیف حاضر ہو گا (اور) اسکو مکرر تقاضا کرنے کی ضرورت نہ ہو گی

عہد چوں بستند و رفتند آنزماں سوئے مرعیٰ ایمن از شیر ژیاں

جملہ بنشستند یکجا آں وحوش او فتادہ درمیانِ جملہ جوش

لغات ۔ مرعیٰ چراگاہ وحوش جنگلی جانور ۔ وحش کی جمع ۔ اور وحش وحشی کی جمع ہے ۔ گویا وحوش جمع الجمع ہے ۔
ترجمہ جب انہوں نے (باہم) عہد کر لیا ۔ اور اسیوقت تندخو شیر سے مطمئن ہو کر چراگاہ کی طرف گئے (تو) وہ وحشی (جانور) ایک جگہ جمع ہو بیٹھے (اس وقت) ان سب میں جوش پھیل رہا تھا ۔

ہر کسے تدبیر و رائے میزدے ہر کسے در خونِ ہر یک مے شدے

ترجمہ (ان میں سے) ہر ایک اپنی اپنی تدبیر اور رائے لڑاتا تھا ۔ اور ہر ایک دوسرے کے خون کے درپے ہو رہا تھا ۔

مطلب یعنی ہر جانور یہ چاہتا تھا کہ میں بچ جاؤں ۔ اور شیر کی غذا بننے کے لئے دوسرا جائے ۔

عاقبت شد اتفاقِ جملہ شاں تا بیاید قرعہ اندرمیاں

لغات ۔ عاقبت آخرکار ۔ قرعہ پانسہ ۔ چوب پارہ قاف کے ضمہ سے ۔
ترجمہ آخر ان سب کا (اس بات پر) اتفاق ہو گیا ۔ کہ آپس میں قرعہ ڈالا جائے

قرعہ بر ہر کو زند او طعمہ است بے سخن شیر ژیاں را لقمہ است

لغات زند پڑے ۔ واقع ہو طعمہ خوراک ۔ بے سخن بلا کلام ۔ بیشک ۔ بلا عذر ۔ اس شعر کا قافیہ محل نظر ہے ۔

ترجمہ جس (کے نام) پر قرعہ پڑے وہ (شیر کی) خوراک ہے۔ بلا عذر وہ تندخو شیر کا لقمہ ہے۔

ہم بریں کردند آں جملہ قرار　　قرعہ آمد سر بسر را اختیار

ترجمہ ان سب نے اسی پر فیصلہ ٹھہرایا (اور) قرعہ سب کو پسند آگیا۔

قرعہ بر ہر کو فتادے روز رو　　سوئے آں شیر او دویدے ہمچو یوز

لغات روز رو۔ روز میں بلائے الصاق محذوف ہے یعنی روز بروز۔ یوز چیتا۔ جس کو عربی میں فہد کہتے ہیں۔ پلنگ کو چیتا کہنا غلطی ہے۔ ہندی میں اس کا نام تیندوا ہے۔ اور عربی میں اس کو نمر کہتے ہیں۔

ترجمہ (چنانچہ) جس کے نام پر قرعہ پڑتا تھا۔ وہ شیر کی طرف چیتے کی طرح (تیزی سے) دوڑ کر جاتا تھا۔

انکار کردن نخچیراں بر خرگوش در تاخیر رفتن بر شیر

خرگوش کے شیر کے پاس جانے میں تاخیر کرنے پر شکاروں کا ناپسندیدگی ظاہر کرنا

چوں بخرگوش آمد ایں ساغر بدور　　بانگ زد خرگوش کاخر چند جور

لغات ساغر جام شراب۔ دور چکر۔ مجلس شراب میں باری باری سب کو جام پلایا جانا۔ یہاں دور ساغر استعارہ ہے قرعہ سے۔ بانگ آواز درشت ڈانٹ۔

ترجمہ جب یہ (قرعہ کی باری کا) پیالہ گھوم کر خرگوش کے سامنے آیا۔ تو اس نے چلا کر کہا آخر کہاں تک ظلم (ہوتا رہیگا)

قوم گفتندش کہ چندیں گاہ ما　　جاں فدا کردیم در عہد و وفا

ترجمہ جماعت نے کہا ہم نے اتنی بار عہد و وفا میں اپنی جان قربان کی ہے۔ (تو کیوں ناحق چلاتا ہے)
مطلب قوم سے آہو گوزن خرگوش وغیرہ مختلف انواع وحوش مراد ہیں۔ اور جان سے ہر نوع کے افراد مقصود ہیں یعنی ہر نوع کے جانوروں نے کہا ہم اپنے اپنے افراد شیر کی نذر کر چکے ہیں۔ تم کیوں اپنی باری سے ٹلتے ہو۔

تو مجو بدنامی ما اے عنود　　تا نرنجد شیر رو تو زود زود

لغات عنود عین کے فتحہ اور نون کے ضمہ سے جھگڑالو۔ ضدی۔ ہٹیلا۔

ترجمہ اے ہٹیلے تو ہماری بدنامی کا طالب نہ بن۔ جلدی جلدی جا کہ شیر خفا نہ ہو جائے۔

جواب گفتن خرگوش نخچیراں را و مہلت خواستن

خرگوش کا شکاروں کو جواب دینا اور مہلت چاہنا

گفت اَے یاراں مرا مُہلت دہید   تا بمکرم از بلا ایمن شوید

ترجمہ وہ بولا۔ اے یارو مجھے مہلت دو۔ تاکہ میری تدبیر کی بدولت تم (اس روز روز کی) مصیبت سے بےخطر ہو جاؤ۔

تا اماں یابد زمکرم جانِ تاں   ماند ایں میراث فرزندانِ تاں

لغات تاں ضمیر اضافی جمع مخاطب میراث ورثہ ۔موروثی چیز پشتینی ۔ترکیب ایں کا مشارٌ الیہ صحرا و بادیہ محذوف ہے۔
ترجمہ تاکہ تمہاری جان میری حیلہ گری کے طفیل امن حاصل کرے۔ اور یہ (جنگل) تمہاری اولاد کی میراث بنا رہے

ہر پیمبر اُمّتاں را در جہاں   ہمچنیں تا مخلصی میخواندشاں

لغات ہمچنیں اسم اشارہ تشبیہی ہے جس کا مشارٌ الیہ وہ تدبیر نجات ہے جو خرگوش کا نصب العین تھی ۔مخلصی نجات اس میں یائے مصدری ہے۔
ترجمہ اسی طرح ہر پیغمبر دنیا میں اقوام (عالم) کو نجات کی طرف بلاتا رہا ہے۔
مطلب وَقُلْ لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ۔ اے پیغمبر اہل کتاب اور عرب کے جاہلوں سے کہو۔ کہ تم بھی اسلام لاتے ہو یا نہیں پس اگر اسلام لے آئیں۔ تو بیشک راہ راست پر پڑ لئے اور اگر منہ موڑیں۔ تو تم پر صرف پہنچا دینا ہے (آل عمران ع۲) اگرچہ یہاں نجات سے جیسے کہ آیندہ شعر سے اشارہ پایا جاتا ہے۔ قیود دنیا سے رستگاری مراد ہے۔ جو پیغمبروں کی تعلیم کا مقصد ہے۔ مگر یہ کلمات ظاہری معنی پر بھی محمول ہو سکتے ہیں۔ یعنی جس طرح وہ خرگوش حیوانات صحرا کو شیر کے پنجۂ ستم سے نجات دلانا چاہتا تھا۔ اسی طرح حضرات انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو ظالم لوگوں کے پنجے سے نجات دلائی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ ع نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ہاتھ سے چھڑایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو مشرکین مکہ کے جور و جفا سے بچایا۔

کز فلک راہِ بروں شو دیدہ بود   در نظر چوں مردمک پیچیدہ بود

لغات بروں شو باہر نکلنے والا۔ مردمک آنکھ کی پتلی۔ پیچیدہ۔ مخلوط۔ ملا جلا۔ غیر ممتاز۔ مستور۔
ترکیب شروع شعر میں کاف بیانیہ ہے جس کا مبین پیمبر ہے۔ شعر سابق میں یا یہ کاف تعلیلیہ ہے۔ اس صورت میں یہ مصرعہ علت اور اوپر کا شعر معلول ہوگا۔
ترجمہ (۱) جنہوں کے آسمان سے باہر نکل جانیوالا رستہ دریافت کیا ہوا تھا۔ یا (۲) کیونکہ انہوں نے آسمان سے باہر نکل جانے کا رستہ دریافت کیا ہوا تھا۔ اگرچہ وہ (عوام کی) نظر میں آنکھ کی پتلی کی طرح مستور تھے۔
مطلب حضرات انبیاء ع نے اپنی بصیرت کے نور سے اس عالم دنیا سے جو محدود بفلک ہے نجات پانے کا رستہ دیکھا ہوا ہے۔ اور تمام پیغمبر اسی راہ سے اپنی امت کو دنیا سے نکال کر مراتب اخروی کی طرف لیجانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ انا ثبت ع ہ

گرچہ در ظاہر بزیر دست و پا افتادہ اند — یکذرند از نہ فلک چوں رخش ہمت زیں کنند

مگر عوام کالانعام نہ تو انکے اس مقصد عالی کو سمجھتے ہیں۔ نہ وہ انکی ان مساعی جمیلہ کے قدرشناس ہیں۔ اور نہ ان کی نظر میں پیغمبر کی شخصیت کوئی خاص نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ بلکہ وہ ان کو صرف بَشَرٌ مِّثْلُنَا سمجھتے ہیں۔

سعدی رح
بسر وقت شاں خلق کے رہ برند — کہ چوں آب حیواں بظلمت درند
چو بیت المقدس دروں پر زتاب — رہا کردہ دیوار بیروں خراب

مردمش چوں مردمک دیدند خرد — در بزرگی مردمک کس رہ نبرد

لغات۔ خرد خا کے ضمہ سے چھوٹا۔ باریک۔ ریزہ ریزہ اس کلمہ کو واو کے ساتھ لکھنا غلطی ہے۔ واو کے ساتھ مصدر خوردن کھانا کا صیغہ ماضی مطلق خورد لکھا جاتا ہے۔ رہ بردن پتہ لگانا۔ سراغ نکالنا۔ بزرگی مردمک میں فک اضافت ہے۔

ترجمہ (مگر کوتاہ بین و ناقدرشناس) لوگوں نے ان کو آنکھ کی پتلی کی طرح چھوٹا سمجھا (اور) اس پتلی کی بزرگی کا کسی کو پتہ نہ ملا۔

مطلب جس طرح مردمک چشم ایک نہایت چھوٹے جثے اور قلیل مقدار کی چیز ہے۔ مگر اس میں کوہ و دریا۔ دشت و صحرا۔ بحر و بر۔ ارض و فلک جیسی بڑی بڑی مخلوقات کو مشاہدہ کرنے کی طاقت موجود ہے۔ اور بادی النظر میں اس حقیری چیز میں اتنی بڑی طاقت کا ہونا موجب حیرت ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام بظاہر دوسرے انسانوں سے ملتے جلتے انسان ہوتے ہیں۔ مگر ان کے فوق العادۃ کام ان کو فرشتوں سے بھی افضل ثابت کرتے ہیں اور عوام ان کے کمالات کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ بلکہ ان کو معمولی انسان سمجھتے ہیں۔ خاقانی رح ؎

امروز قدر گوہر و خارا برابر است — بادِ سموم و بادِ مسیحا برابر است
چوں در مشام اہل جہاں نیست امتیاز — سرگین گاو و عنبر سارا برابر است

اعتراض نخچیراں بر سخن خرگوش

شکاروں کا خرگوش کی بات پر اعتراض کرنا

قوم گفتندش کہ اے خر گوش دار — خویش را اندازۂ خرگوش دار

لغات۔ خر گدھا۔ مراد بیوقوف۔ احمق۔ پاجی۔ گوش دار۔ گوش داشتن سننا سے صیغہ امر۔ صنائع۔ خر گوش دار کے دونوں کلموں میں صنعت تجنیس تام ہے بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ یوں ہے۔ قوم گفتندش کہ اے خرگوش زار یعنی جماعت نے کہا۔ اے حقیر خرگوش یہ نسخہ بھی صحیح ہے۔ مگر اس صورت میں صنعت قائم نہیں رہتی ہے۔ اور پہلے نسخہ کے مرجح تین امور ہیں۔ اول تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ وہ مثنوی کے اشعار میں صنعت تجنیس کو سب صنائع سے زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ کی عادت نسخہ سابق کے لئے مرجح ہے۔ دوسرے نسخہ ثانیہ کی صورت میں کوئی خاص لفظی خوبی یا معنوی ندرت نہیں ہے۔ تیسرے قیاس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ناقل اس صنعت کے نکتہ کو نہیں پہنچا۔ اس نے قافیہ کو مکرر سمجھ کر اپنی تجویز سے دار کی بجائے زار لکھ لیا ہوگا۔

ترجمہ (وحشیوں کے) گروہ نے اسکو کہا کہ او بیوقوف! سن تو سہی۔ اپنے آپ کو (صرف) ایک خرگوش

کی حیثیت میں رکھ (اپنی بساط سے زیادہ شیخی نہ بھگار) نظامی رحمہ

مجو بالا تر از جولانِ خود جائے — مکش بیش از گلیم خویشتن پائے
بقدرِ شغلِ خود باید زدن لاف — کہ زر دوزی نداند بوریا باف

ہاں چہ لاف ست ایں کہ از تو مہتراں — در نیاوردند اندر خاطر آں

لغات لاف گپ۔ شیخی۔ خودستائی۔ مہتراں سردار لوگ۔ بزرگ۔ خاطر دل۔
ترجمہ۔ خبردار! یہ کیا شیخی (بھگارتا) ہے۔ کیونکہ تجھ سے بڑے بڑے سردار تو ایسی بات (منہ سے نکالنے) کا خیال تک نہیں کرتے (پھر تیری کیا ہستی ہے کہ لاف زنی کرے) سعدیؒ

بزرگی بناموس وگفتار نیست — بلندی بدعوی و پندار نیست
پیاز آمد آں بے ہنر جملہ پوست — کہ پنداشت چوں پستہ مغزے دروست

معجبی یا خود قضا ماں در پے ست — ورنہ ایں دم لائقِ چوں تو کے ست

لغات معجب خود پسند۔ اسکے ساتھ یائے خطاب یعنی ہستی ہے۔ قضاماں۔ موتِ ما۔ اسمیں فک اضافت ہے۔ دم دعوی
ترجمہ (یا تو) خود پسند (بن کر غلطی میں پڑ گیا) ہے یا ہماری قضا سر پر کھیلتی ہے۔ ورنہ یہ دعوی تجھ جیسے (حقیر) کے لائق کب ہے۔ حافظ رحمہ

برتختِ جم کہ تاجش محرابِ آفتاب ست — ہمت نگر کہ مورے باایں حقارت آمد

گفت اے یاراں حقم الہام داد — مر ضعیفے را قوی رائے فتاد

لغات الہام وہ بات جو غیب کے اشارے سے بندے کے دل میں اترے۔ مر حرف زائد۔ تحسین کلام کے لئے آتا ہے۔ اور کبھی حصر و تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے مر ورا رسد کبریا و منی۔ فتاد سے پہلے در دل محذوف ہے۔ یعنی در دل فتاد سوجھ گئی۔ خیال میں آگئی
ترجمہ وہ بولا اے یارو خدا نے مجھے الہام کیا ہے۔ ایک عاجز کو ایک قوی رائے سوجھ گئی۔ حافظ رحمہ

چوں صبا یا دلِ بیمار و تنِ بیطاقت — بہواداریِ آں سروِ خراماں بروم

آنچہ حق آموخت مر زنبور را — آں نباشد شیر را و گور را

لغات زنبور سے زنبورِ عسل یعنی شہد کی مکھی مراد ہے۔ گور گورخر۔ جنگلی گدھا۔ گاو دشتی۔
ترکیب نباشد کی خبر حاصل یا میسر محذوف ہے۔
ترجمہ (دیکھو) خدا نے جو کچھ (ہنر) شہد کی مکھی کو سکھایا ہے۔ وہ شیر اور گورخر کو بھی (میسر) نہیں۔
مطلب اگر خدا چاہے۔ تو ایک ادنے و حقیر مخلوق کو ایسی خصوصیت اور ایسا امتیاز بخشدے۔ جس سے بڑی بڑی مخلوق محروم ہو۔ شہد کی مکھی اور اس کا حیرت انگیز کام اس کی پہلی مثال ہے۔ جامی رحمہ

لطفِ عمیم دوست مرا خاص خویش خواند — ورنہ مرا چہ حد کہ زنم لافِ اختصاص

خانہا سازد پُراز حلوائے تر　　حق بروآں علم را بکشود در

لغات حلوائے تر نرم ولذیذ حلوا۔ یہاں اس سے شہد مراد ہے۔ را عموماً علامت مفعول ہوتی ہے۔ مگر یہاں علامت اضافت ہے جیسیں در مضاف موخر اور آں علم مضاف الیہ مقدم ہے۔ سازد متعدی بیک مفعول بمعنی بنا تہد۔ گھر بناتی ہے۔ اور اس صورت میں پُراز حلوائے تر حال ہوگا۔ خانہا کا۔ یا احتمال دیگر متعدی بدو مفعول بھی ہوسکتا ہے یعنی گھروں کو پُر کرتی ہے۔ اور اس صورت میں "پُر" مفعول ثانی ہوگا۔

ترجمہ (شہد کی مکھی) تر و تازہ حلوے سے بھرے خانے بناتی ہے۔ اللہ تعالے نے اس پر اس فن کا دروازہ کھول دیا۔ (یا یوں کہو۔ شہد کی مکھی) گھروں کو شہد سے پُر کرلیتی ہے۔ الخ

مطلب وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں درختوں میں اور لوگ جو اونچی اونچی ٹٹیاں بنالیتے ہیں۔ ان میں چھتے بنا پھر ہر طرح کے پھلوں سے چوستی پھر۔ پھر اپنے پروردگار کے آسان طریقوں پر چلی جا۔ مکھیوں کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے۔ جس کی رنگتیں کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ اور ان میں لوگوں کی بہت سی بیماریوں کی شفا ہے۔ بیشک اس میں غور کرنیوالوں کے لئے (قدرت خدا کی) نشانی ہے۔ (سورۂ نحل ۹۶)

آنچہ حق آموخت کرمِ پیلہ را　　ہیچ پیلے داند آنگوں حیلہ را؟

لغات کرم پیلہ ریشم کا کیڑا۔ پیل ہاتھی۔ آنگوں اس قسم کا۔ ایسا حیلہ تدبیر۔ اہتمام۔ تردد۔

صنائع پیلے اور پیلہ میں مناسبت لفظی ہے۔

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے جو ہنر ریشم کے کیڑے کو سکھایا ہے۔ بھلا کوئی ہاتھی بھی ایسا کام کرجانتا ہے؟

مطلب یہ دوسری مثال ہے۔ اس کی کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے حقیر ترین مخلوق سے وہ کام کراتا ہے جو عظیم الجثہ مخلوق سے نہ ہوسکیں۔ جامی رح ؎

ہر خشتے از کنشت شود کعبۂ دگر　　گر پرتو جمال تو افتد بسومنات

آدمِ خاکی ز حق آموخت علم　　تا بہفتم آسماں افروخت علم

لغات خاکی منسوب بہ خاک۔ مٹی سے بنا ہوا تا غایت کے لئے یعنی از زمین تا فلکِ ہفتمیں۔

افروخت روشن کردیا۔

ترجمہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو خاک سے بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے علم (اسما) سیکھ لیا۔ تو (اس) علم نے (زمین سے لیکر) ساتویں آسمان تک (سب کچھ ان پر) روشن کردیا۔

مطلب یہ تیسری مثال ہے اسکی کہ اللہ تعالیٰ ایک ضعیف کو ایسے علم و الہام سے مشرف فرماتا ہے جو

کسی تو کبھی نصیب نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام ہر چند کہ خاک کے کثیف و تاریک مادے سے بنے ہوئے تھے بخلاف ان کے فرشتے نور سے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا تھا۔ اور یہ دونوں نورانی اور اعلیٰ مادے ہیں۔ مگر لقولہ تعالیٰ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا (اور سکھا دئے آدم عا کو چیزوں کے نام) جب اللہ تعالیٰ نے ان کو علم اسماء سکھا دیا تو وہ اس فضیلت میں فرشتوں سے بھی سبقت لے گئے۔ قال بعضھم ؎

گر آدمی صفتی از ملک گرو ببری — کہ سجدہ گاہ ملک خاک آدمی زادست

نظامی بہ تو آں نوری کہ چہ جنت ظلمت شمع ست — نمودار دو عالم در تو جمع ست

نام و ناموس ملک را درشکست — کوری آنکس کہ یا حق درشک ست

لغات نام نام آوری۔ شہرت۔ ناموس عزت۔ فخر مرتبہ کوری اندھا پن **صنائع** درشکست اور درشک ست میں صنعت تجنیس

ترجمہ جنہوں نے فرشتوں کے نام و فخر کو مات کردیا۔ اس شخص کا بے بصیرت ہونا ظاہر ہے۔ جو (اس پر بھی) خدا (کی اس قدرت) کے بارے میں شک کرتا ہے۔

مطلب جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم عا کو علم اسماء سکھا دیا یعنی دنیا بھر کی سب چیزیں اور انکے نام بتا دیئے۔ اور کچھ چیزیں فرشتوں کے پیش کرکے فرمایا۔ تم ان کے نام بتاؤ۔ تو وہ ان کے نام عرض کرنے سے عاجز آ گئے۔ چنانچہ قالوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ٥ فرشتوں نے عرض کیا۔ پاک ہے تو ہم کو کوئی علم نہیں۔ مگر وہی جو تو نے ہم کو سکھلا دیا۔ بیشک تو بڑا علم والا اور حکمت والا ہے۔ مگر جب حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے نام بتلانے کا حکم ہوا۔ تو انہوں نے فوراً سب کے نام بتا دیئے۔ اس سے فرشتوں کا فخر و جاہ مات پڑ گیا جس کی رو سے وہ اپنے آپ کو آدم علیہ السلام سے افضل سمجھتے تھے۔

زاہد ششصد ہزاراں سالہ را — پوز بندے ساخت آں گوسالہ را

لغات ششصد ہزاراں۔ چھ لاکھ۔ زاہد ششصد ہزاراں سے مراد ابلیس ہے۔ جس کی نسبت لکھا ہے۔ کہ اسنے چھ لاکھ برس تک زمین و آسمان کے مختلف مقامات و مدارج میں خدا کی عبادت کی تھی۔ پوز بند یائے فارسی کے ضمہ اور واو مجہول سے وہ جالی دار دہان بند جو بچھڑے کے منہ پر باندھ دیتے ہیں تاکہ بموقع گائے کے تھنوں سے دودھ پینے نہ لگ جائے۔ گوسالہ بچھڑا۔ یہ لقب شیطان کو اس لحاظ سے دیا ہے۔ کہ وہ باوجود کہن سالی و تجربہ کاری کے بوقت امتحان خام کار و کم تجربہ ثابت ہوا۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کی تھوڑی سی بات پر لغزش کھا گیا۔ اور راندہ درگاہ ہو گیا۔ **ترکیب** زاہد ششصد ہزاراں سالہ ترکیب توصیفی مبدل منہ گوسالہ بدل مل کر مفعول بہ اول ہوا ساخت کا پوز بندے مفعول بہ ثانی۔ دوسرے مصرعہ میں حرف "را" زائد ہے۔

ترجمہ - چھ لاکھ برس کے زاہد (یعنی ابلیس) کو (دیکھو۔ خدا نے) اس (خام طمع) بچھڑے کے منہ پر کیسی مہری باندھی ہے۔

مطلب - جب ابلیس کو حکم ہوا۔ کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ تو اس نے از راہ تکبر کہا۔ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ٥ میں اس سے کہیں بہتر ہوں۔ مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا ہے۔ اور اسکو تو نے مٹی سے بنایا ہے۔

اور اس کا یہ تکبر اس کے لئے جہل و تعصب کا پوز بند بن گیا۔ یعنی ترقیات علمی و عملی اس پر بند ہو گئیں۔ جو خود پسندی اور عُجب و غرور کے خاص نتائج سے ہے۔ ؎

خود پسندی ہے جہالت کی دلیل — بند ہو اس سے ترقی کی سبیل
اپنا علم اپنا کمال اپنا جمال — جانتا ہو جو جہاں میں بیمثال
وہ نہیں گویا کسی کامل سے کم — کیوں کرے گردن کسی کے آگے خم

ایک اور مطلب اس سے زیادہ اقرب معلوم ہوتا ہے۔ کہ شیطان اس کبر و سرکشی کیوجہ سے حظیرہ قدس اور ملاء اعلیٰ سے نکال دیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے منع و زجر کے لئے شہاب ثاقب کا تازیانہ ایجاد فرما دیا۔ جس طرح بچھڑے کے منع و زجر کے لئے اسکے منہ پر پوز بند باندھا جاتا ہے۔ اسیطرح شہاب ثاقب اس گوسالہ ابلیس کا پوز بند ہے

تا ننا ند شیرِ علم دیں کشید — تا نگردد گردِ آں قصرِ مشید

لغات نتاند۔ نتواند کا مخفف ہے۔ نہ کر سکے۔ قصر۔ محل۔ عمارت۔ مشید میم کے فتحہ اور شین کے کسرہ سے وہ تعمیر جس پر چونہ گچ کیا گیا ہو۔ مراد مضبوط و محکم۔

صنائع شیر علم دین میں اضافت تشبیہی ہے۔ قصر مشید استعارہ بالتصریح ہے۔ عالم قدس اور ملاء اعلیٰ سے۔

ترجمہ تاکہ وہ (ابلیس) علم دین کا دودھ نہ پی سکے۔ تاکہ وہ اس مستحکم محل کے پاس تک نہ پھٹکے۔

مطلب اس سے پہلے شعر میں پوز بند کو دو معنوں پر محمول کیا گیا تھا۔ اب اس شعر کا مطلب بہ تقدیر اول یہ ہے۔ کہ ابلیس کو جہالت و ظلمت رلے ہیں اس لئے مبتلا کر دیا گیا۔ کہ وہ علم دین کے دودھ پینے اور حقیقتِ آدم کے قصر بلند تک پہنچنے سے محروم رہے۔ اور بہ تقدیر ثانی جو اس سے اقرب و اوفق ہے۔ یہ مطلب ہوگا۔ کہ شہاب ثاقب کا تازیانہ شیطان کے منع کے لئے اس لئے قائم کیا گیا۔ کہ وہ ملاء اعلیٰ کی گفت و شنود نہ سن سکے۔ جو امور دینیہ کی درایت کا موجب ہے۔ اور حظیرہ قدس کے مقام کی طرف نہ جاسکے جس کا وہ اب اہل نہیں ہے۔

علمہائے اہلِ حس شد پوز بند — تا نگیرد شیر ازاں علمِ بلند

لغات۔ اہلِ حس محسوسات کے مقید۔ فلاسفہ اور اہلِ سائنس جن کا علم صرف محسوسات و مشاہدات پر موقوف ہے۔ اور وہ باطنی و سرّی علم کے منکر ہیں۔ نگیرد۔ نوشد نخورد۔ نہ پیئے۔

ترجمہ (اسی طرح) ہر اہلِ حس کے علوم (اس کے لئے) پوز بند بن گئے۔ تاکہ وہ ان علوم عالیہ (معارف و حقائق) سے دودھ نہ پی سکے۔

مطلب علوم عالیہ سے ممنوع و مجہور ہونا صرف شیطان ہی پر منحصر نہیں۔ بلکہ جن لوگوں کا علم مشاہدات و محسوسات تک محدود ہے۔ یعنی اہل فلسفہ۔ وہ بھی معارف باطنیہ اور حقائق غیبیہ سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے۔ یعنی ان لوگوں کے علوم نور ایمان سے خالی ہیں۔ عراقی رح ؎

ز مرّافان یونانی و فلسفستاں کہ قلاّبند — ندارد قلب شاں سکہ ز دار الضرب ایمانی
قطرۂ دل را یکے گوہر فتاد — کاں بدریاہا و گردوں ہا نداد

لغات قطرہ سے قطرۂ خون مراد ہے۔ اور دل کو قطرۂ خون بدیں اعتبار کہا گیا ہے۔ کہ وہ ایک لحمی عضو ہے بلا استخوان۔ یا بدیں لحاظ کہ اس کا جوف سربسر خون سے بھرا ہوتا ہے۔ ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — جو چیرا تو اک قطرہ خون نکلا

گوہر سوتی۔ گوہر علم مراد ہے۔ گردوں آسمان۔ صنائع قطرہ اور دریا میں مناسبات ہیں۔

ترجمہ دل کو جو ایک قطرۂ (خون) ہے۔ ایک ایسا جوہر (علم وعقل) ملا ہے۔ جو (خداوند تعالےٰ نے) دریاؤں اور آسمانوں کو (بھی) نہیں دیا۔

مطلب۔ یہ چوتھی مثال ہے۔ اس مضمون کی تائید میں کہ علم کا دارومدار ظاہری قوت وضعف پر نہیں۔ بلکہ یہ ایک عطیہ الہیہ ہے۔ خداوند تعالیٰ جسے چاہے دیتا ہے۔ اس شعر سے اس آیت کے مضمون کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا یعنی بیشک ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے پیش کی۔ تو ان سب نے اس کے اٹھانے سے عذر کیا۔ اور اس سے ڈرنے لگے۔ اور اس کو انسان نے اٹھا لیا بیشک وہ بڑا ظالم اور نادان تھا۔ اور امانت سے مراد بعض نے عشق ومحبت اور بعض نے خلافت الٰہی اور بعض نے علم وعقل لی ہے۔ مگر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ یہاں امانت سے مراد مکلف اعمال ہونے کی ذمہ واری ہے۔ اور آپ نے اس آیت کی مختصر تفسیر میں نکات عجیبہ اور اسرار نادرہ کا وہ افاضہ فرمایا ہے۔ جسکو آپ کی کرامت کہہ سکتے ہیں۔ اور ہمارے خیال میں اس سے بہتر اس آیت کی تفسیر ممکن نہیں۔ جی چاہتا تھا۔ کہ یہاں اس کو نقل کر دیں۔ مگر موقع نہیں۔ جن اصحاب کو اس کے دیکھنے کا شوق ہو۔ کتاب حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ (۱۵) پر ملاحظہ فرما لیں۔

غرض امانت سے مراد خواہ کچھ بھی ہو۔ بہرحال یہ ایک ایسا عطیہ کبریٰ ہے۔ کہ انسان ضعیف البنیان کا دل تو اس کا حامل ہو گیا۔ جو ایک قطرۂ خون سے زیادہ وجود نہیں رکھتا۔ مگر کوہ و دریا وغیرہ بڑی بڑی ہستیاں اس کو اٹھانے کے قابل نہ سمجھی گئیں۔ نظامی رح ؎

دلِ عالم توئی خود را مبیں خرد — بایں ہمت تواں گوے از فلک برد

چناں داں کایزد از خلقت گزیدست — جہاں خاص از پئے تو آفریدست

چند صورت آخر اے صورت پرست — جانِ بےمعنیت از صورت نرُست

لغات چند مراد تا چند تاکے۔ کب تک صورت پرست ظاہر پر مرنے والا۔ بےمعنی جس میں کوئی معنوی خوبی نہ ہو۔

ترجمہ اے صورت پرست آخر کب تک (تو گرفتار) صورت (رہیگا۔ افسوس!) تیری بے معنی جان نے صورت (کے خیال سے) نجات نہ پائی۔

مطلب۔ اوپر ذکر آ رہا ہے کہ یہ ضرور نہیں۔ کہ ظاہری قوت و بزرگی باطنی کمال کا موجب ہو۔ بلکہ بعض اوقات ایک ضعیف الوجود، نحیف الجثہ اور حقیر صورت چیز بڑی بڑی قوی ہیکل اور بلند پایا مخلوق سے گوئے سبقت لیجاتی ہے اس پر تفریع کر کے کہتے ہیں۔ کہ تم کو ظاہر پرستی مناسب نہیں۔ صرف ظاہری صورت پر ایک چیز کے قابل و ناقص ہونے کا قیاس نہ کیا کرو ؎

صائبؔ
تنگنائے شہر صورت نیست جائی جائے تو — سوئے معنی روکہ ہست آں ملک را معنی فراخ
ہر کہ قانع شد بہ بوئے گل زگل در پردہ ماند — بوئے پیراہن حجاب یوسف سیمیں تن ست

گر بصورت آدمی انساں بُدے — احمد و بوجہل خود یکساں بُدے

ترجمہ اگر آدمی (صرف) صورت کی بدولت انساں (کہلانے کا مستحق) ہوتا (اور باطن کا کچھ لحاظ نہ ہوتا) تو (معاذ اللہ) پھر جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل برابر ہوتے۔

مطلب۔ ظاہر کا کوئی اعتبار نہیں۔ فوقیت و افضلیت صرف باطنی کمال پر موقوف ہے۔ ہاں جو لوگ باطن شناسی کا نور بصیرت نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک حق و باطل، نور و ظلمت۔ روز و شب۔ سفید و سیاہ برابر ہیں۔

سعدیؒ
بر آنانکہ شد سرِ حق آشکار — نکردند باطل بر و اختیار
ولیکن چو ظلمت نداند ز نور — چہ دیدار دیوش چہ رخسار حور
تو خود را ازاں در چہ انداختی — کہ چہ را ز رہ باز نشناختی

احمد و بوجہل در بت خانہ رفت — زیں شدن تا آں شدن فرقیست زفت

ترجمہ۔ حضرت احمد صلے اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل (دونوں) بتخانے میں گئے (مگر) آپ کے جانے میں اور اس کے جانے میں بڑا فرق ہے۔

مطلب اوپر دو انسانوں کے ظاہری صورت میں متحد۔ مگر باطنی حیثیتوں میں مختلف ہونے کا ذکر تھا۔ اب ان کی باطنی حیثیتوں کے اختلافات کی تشریح کرتے ہیں۔ کہ دیکھو احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل دونوں بتخانے میں جاتے ہیں بعض کتب سیر میں لکھا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فتح مکہ کے بعد کعبہ شریف میں گئے۔ جس کے اندر اور باہر پورے تین سو ساٹھ بت عہدِ جاہلیت سے مشرکوں کے رکھے ہوئے موجود تھے۔ اس مقام پر آپ کا بتخانہ میں جانا یہی مراد ہے۔ اور ابو جہل کا بتخانہ میں جانا تو روز کا کام تھا ہی۔ اب دیکھو دونوں کا جانا صورۃً یکساں ہے۔ دونوں یکساں طور پر پاؤں سے چلکر جاتے ہیں اور یکساں طور پر بتوں کے سامنے جاتے ہیں مگر وہاں جاتے ہی معاً ان دونوں کی باطنی حیثیتوں کا نتیجہ جدا جدا ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ:۔

ایں در آید سر نہند آں را بتاں — واں در آید سر نہد چوں امتاں

لغات۔ اِیں اسم اشارہ قریب جسکی مشارٌ الیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات مبارک ہے۔ بلحاظ قرب ارادت یا بنور دل سر نہد سجدہ کند یا نگوں افتد۔ آنا اسم اشارہ بعید جس کے مشار الیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں بلحاظ تعظیم و تفخیم جیسے آنحضرت کہدیتے ہیں۔ امتاں۔ یعنی امتیاں۔ پیرو۔ بتوں کے پجاری مراد ہیں۔

ترجمہ آپ آتے ہیں۔ تو بت آپ کے آگے منہ کے بل اوندھے گر جاتے ہیں۔ وہ آتا ہے۔ تو (خود ان بتوں کے آگے (پجاریوں کی طرح ماتھا ٹیکتا ہے۔

مطلب۔ دونوں کا بتوں کے سامنے جانا بظاہر یکساں مگر باطنی اثر کے لحاظ سے مختلف تھا۔ چنانچہ اس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو بت سرنگوں ہو جاتے تھے۔ اور ابو جہل بتوں کے سامنے خود سرنگوں ہوتا تھا۔ صاحب

کلید مثنوی لکھتے ہیں۔ کہ "شاید مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے ایسی کوئی روایت گزری ہوگی" حالانکہ اہل سیر کی کتابوں میں یہ روایت مشہور عام ہے۔ کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کعبہ شریف کی طرف تشریف لے گئے۔ جس کے اندر باہر بتوں کی دنیا بستی تھی۔ تو آپ ہر بت کی طرف چھڑی سے اشارہ فرماتے اور یہ آیت پڑھتے جاتے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔ یعنی حق آگیا۔ اور باطل مٹ گیا۔ بیشک باطل مٹنے والا تھا) وہ بت منہ کے بل آگرتا۔ چند بت بہت اونچی جگہ پر نصب تھے۔ جہاں ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا حضرت علی رضؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ میرے کندھے پر پاؤں رکھکر ان کو توڑیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم نبوت کا بوجھ نہ سہار سکو گے۔ تم ہی میرے کندھے پر پاؤں رکھ کر ان کو توڑو۔ حضرت علی رضؓ نے آپ کے حکم کی تعمیل کی" ہاں یہ ممکن ہے۔ کہ یہ روایت بسند صحیح مروی نہ ہو۔ مگر بہرحال مثنوی کے ایک قصے میں استناد کے لئے کافی ہے۔ یا اس روایت میں بتوں کے سرنگوں ہونے سے حقیقۃ سجدہ مراد نہ ہو۔ بلکہ بتوں کا زوال اور کس مپرسی اور ذلت و پستی مراد ہو جس کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خانہ کعبہ میں تشریف لیجانے سے ہوا۔ اور مذکورہ شعر میں بھی یہی مراد ہو۔ کہ ابوجہل تو بتوں کے سامنے تذلل کرتا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بت ذلیل ہوتے تھے۔ قال السعدیؒ ؎

بہ لاقامت لات بشکست خرد   باعزاز دین آب عزّے ببرد

نقش بر دیوار مثل آدم ست   بنگر از صورت چہ چیز او را کم ست

ترجمہ دیوار پر کی تصویر (بظاہر) آدمی کی سی ہے۔ دیکھ کونسی چیز اس کی صورت میں کم ہے؟

جاں کم ست آں صورت بیتاب را   رو بجو آں گوہر نایاب را

لغات بےتاب بیطاقت۔ صورت تصویر۔ نایاب جو ہاتھ نہ آئے۔ دستیاب نہ ہو۔

ترجمہ اس بیطاقت تصویر میں جان کی کمی ہے۔ جاؤ۔ اس گوہر نایاب (یعنی جان) کو تلاش کرو

مطلب۔ باطنی فرق کی مثال میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل کا ذکر کیا تھا۔ یہ اس مضمون کی دوسری مثال ہے۔ کہ ایک دیواری تصویر یا تراشیدہ مجسمہ بظاہر ایک زندہ انسان سے ملتا جلتا ہے۔ مگر بلحاظ باطن دونوں میں جان کا فرق ہے۔ کہ یہ جاندار ہے۔ اور وہ بے جان ہے۔ پھر کہا ہے۔ کہ اس باطنی جوہر کا خیال رکھنا چاہیئے۔ جو اصل مایہ امتیاز ہے۔ حافظ رحؒ ؎

صورت مرداں چہ خواہی سیرت مرداں گزیں   مرد عاشق پیشہ را با صورت ایواں چہ کار

صائبؒ ؎ بہیست خشت وگل فانی کہ یاراں تکیہ کنند   اثر اینست کہ از مردم کامل ماندست

ولہٗ از چہ زنداں برآمد ہر کہ جاں از تن شناخت   شد عزیز آں کس کہ یوسف را ز پیراہن شناخت

شد سر شیران عالم جملہ پست   چوں سگ اصحاب را دادند دست

لغات اصحاب سے اصحاب کہف مراد ہیں۔ دست غلبہ۔ قوت۔ **ترکیب** دادند کی ضمیر کارکنان قضا وقدر کی طرف راجع ہے۔

ترجمہ (جب کارکنان قضا وقدر نے) اصحاب کہف کے کتے کو غلبہ (معنوی) عطا فرمایا۔ تو تمام

شیرانِ عالم کا سر اس کے آگے پست ہو گیا۔

مطلب۔ غلبۂ معنوی سے اصحاب کہف کی ہمراہی اور ایک غار میں اُن کی معیت مراد ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کے مقبول و مقرب ہیں۔ یہ باطنی برتری کی تیسری مثال ہے۔ جس نے ایک کتے کو شیروں پر فائق بنا دیا۔ سعدی رح سے

سگِ اصحابِ کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت و مردم شد

چہ زیانستش ازاں نقشِ نفور چونکہ جانش غرق شد در بحرِ نور

لغات۔ زیاں نقصاں نقش ظاہری صورت۔ نفور قابلِ نفرت۔

ترجمہ (بھلا) اس (اصحاب کہف کے کتے) کو اس قابلِ نفرت صورت سے کیا نقصان ہے۔ جب کہ اس کی جان دریائے نور میں غرق ہو چکی۔ صائب رح سے

سگ از ہمراہی اصحاب کہف از شیر رواں شد ندارم گرچہ حالے گرد اہلِ حال مے گردم

وصفِ صورت نیست اندر خامہا عالم و عادل بود در نامہا

لغات وصف تعریف۔ صورت۔ ظاہر۔ نامہ خط۔ کتاب۔

ترجمہ قلموں میں صورت (ظاہری) کی تعریف (لکھنے کا رواج) نہیں (چنانچہ) خطوط (جو قلم کے لکھے ہوتے ہیں ان) میں (بھی) عالم اور عادل (وغیرہ معنوی اوصاف ہی لکھے ہوتے ہیں (نہ کہ ظاہری)

مطلب۔ یہ چوتھی تائید ہے۔ اسی مضمون کی کہ صرف باطن قابلِ لحاظ ہے۔ نہ کہ ظاہر۔ چنانچہ قلم بھی جب کسی کے اوصاف لکھتا ہے۔ تو اس کے ظاہری اعراض۔ مثلاً صبیح اللون۔ بلند بالا۔ دراز گردن وغیرہ نہیں لکھتا۔ بلکہ عالم فاضل عادل حکیم وغیرہ اس کے باطنی اوصاف ہی لکھے گا۔ غنی رح سے

سواد کعبہ کے منظورِ اربابِ نظر باشد برنگِ سرمہ حاجت نیست ہرگز چشم روشن را

عالم و عادل ہمہ معنی ست و بس کش نیابی در مکان و پیش و پس

ترجمہ (اور) عالم و عادل (وغیرہ اوصاف جنکو قلم لکھتا ہے) سب محض معانی ہیں۔ جن کو کسی مکان میں (متحیز) اور آگے یا پیچھے (کی کسی سمت سے منسوب) نہ پاؤ گے۔

مطلب۔ کسی مکان میں متحیز ہونا یا پیش و پس کی سمتوں سے منسوب ہونا جسم کی صفات ہیں۔ جو محسوس بحواس ظاہر ہوتا ہے۔ مگر عادل و عالم وغیرہ صفات کا متحیز اور منسوب بہ سمت نہ ہونا ان کے امرِ معنوی ہونے کی دلیل ہے۔

میزند بر تن ز سُوئے لامکاں مے نگنجد در فلک خورشیدِ جاں

لغات میزند وارد ہوتا ہے۔ لامکاں عالمِ بالا۔ عالمِ قدس۔ نگنجد نہیں سماتا۔ ترکیب میزند کی ضمیر فاعلی گزشتہ شعر میں معنی کی طرف راجع ہے۔ خورشیدِ جاں میں اضافت تشبیہی ہے۔

ترجمہ (یہ معانی) لامکان سے بدن پر وارد ہوتے ہیں۔ (اور وہ اس) آفتاب روح (کی صفات ہیں۔جو) آسماں میں نہیں سما سکتا۔

مطلب عالم و عادل وغیرہ روح کی صفات ہیں۔ اور روح لامکانی ہے یعنی عالم امر سے تعلق رکھتی ہے۔ اور مجردات میں سے ہے۔ اس لئے یہ صفات بھی لامکانی ہیں۔ جسمانیات میں سے نہیں ہیں۔

ایں سخن پایاں ندارد ہوشدار گوش سوئے قصۂ خرگوش دار

لغات پایاں خاتمہ۔ آخر۔ انجام۔ گوش دار۔ کان لگاؤ۔ سنو۔ ہوشدار۔ ہوش قائم رکھو۔ خوب سمجھو۔

ترجمہ واضح ہو کہ اس بات (یعنی بحث روح) کا کوئی خاتمہ نہیں ہے (لہٰذا اب) خرگوش کا قصہ سنو۔

گوشِ خر بفروش دیگر گوش خر کیں سخن را در نیابد گوشِ خر

لغات۔ خر گدھا مراد بیوقوف۔ بفروش صیغہ امر فروختن سے بیچ ڈالو۔ خر صیغہ امر خریدن سے خریدو

صنائع گوش خر کے کلمے میں صنعت تجنیس ہے۔ خرگوش اور گوش خر میں صنعت قلب ہے۔

ترجمہ (مگر) ایک بیوقوف آدمی کے (غیر متوجہ) کان فروخت کر ڈالو۔ اور دوسرے کان خرید لو۔ کیونکہ اس بات کو بیوقوفانہ کان نہیں سن سکتے۔

مطلب۔ گوش خر سے مراد اس سیہ دل اور غیر عبرت پذیر آدمی کے کان ہیں۔ جن پر کوئی اچھی بات اثر نہیں کرتی اور وہ ہر موثر سے موثر نصیحت اور مفید سے مفید موعظت کو اس کان سے سنکر اس کان سے اس طرح اڑا دیتا ہے۔ گویا سنی ہی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا۔ یعنی ان لوگوں کے کان ہیں مگر وہ سنتے نہیں۔ قاسمی رہ ؎

نشد جاہل از پند کس کامیاب نشاید بنائے عمارت بر آب
نصیحت بدیوانگاں نا سزا ست کہ پنبہ بر آتش نہادن خطا ست
بدریا نشوید کسے نقشِ سنگ بباراں نرفت از شبِ تیرہ رنگ

ذکر دانش خرگوش و بیان فضیلت و منافع دانش

خرگوش کی عقل کا ذکر اور عقل کی فضیلت اور منافع کا بیان

رو تو رُوبہ بازیِ خرگوش بیں مکر و شیر اندازیِ خرگوش بیں

لغات روبہ بازی مکر و فریب بیں صیغۂ امر ہے دیدن سے شیر اندازی شیر کو مغلوب کرنا۔ صنائع روبہ۔ خرگوش شیر تناسبات ہیں۔

ترجمہ پہلو خرگوش کا حیلہ و فریب دیکھو خرگوش کا مکر اور اس کا شیر کو نیچا دکھانا ملاحظہ کرو۔

خاتمِ ملکِ سلیماں ست علم جملہ عالم صورت و جان ست علم

لغات خاتم - انگوٹھی - مُہر - **ترکیب** خاتم ملک سلیماں مرکب اضافی مبتدا - علم خبر - یا بالعکس - یعنی مرکب اضافی - خبر مقدم - اور علم مبتدا مؤخر -

ترجمہ (۱) حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی کی انگشتری علم ہے - تمام عالم ایک مجسمہ ہے - تو علم اس کی جان ہے - (۲) علم (کیا ہے؟) حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی کی انگشتری ہے الخ

مطلب - اوپر خرگوش کے مکروفریب کا ذکر تھا - اور اس قسم کی تدابیر وحیل بھی جن سے شیر جیسے ایک خونخوار دشمن کو ہلاک کیا جائے - ایک خاص علم و فن ہے - جن کو بفحوائے حدیث الحرب خدعۃ آئین جنگ اور فن حرب میں شمار کرسکتے ہیں - اس مناسبت سے مولانا رحہ اب علم کی تعریف میں فرماتے ہیں - کہ حضرت سلیمان عم کی انگشتری کے بارے میں جو مشہور ہے - کہ اس کی وجہ سے تمام جن وانس اور وحوش وطیور ان کے مسخر تھے - وہ انگشتری علم ہے چنانچہ قران مجید میں ارشاد ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝ اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عنایت کیا - اور دونوں کہنے لگے - کہ خدا کا شکر ہے - جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی ہے - اور سلیمان داؤد کے جا نشین ہوے - اور کہا لوگو ہم کو پرندوں (تک) کی بولی سکھائی گئی ہے - اور ہم کو ہر طرح کے ساز و سامان عنایت ہوئے ہیں - بیشک یہ صریح فضل ہے (نمل ع۲)

بیشک ایسی انگشتری بھی فی الواقع ان کے زیب انگشت ہوگی - جس میں تسخیرِ خلق کی خاصیت ہو - مگر اس تسخیر کا اصلی راز حضرت سلیمان کا وہ وسیع علم السنہ تھا - جس کی بدولت آپ ماورائے انسان تمام مخلوق کی بولیاں بھی سنتے اور سمجھتے تھے - اور ظاہر ہے - کہ ایک قوم کی تسخیر میں اس کی بولی سے واقف ہونا سب سے پہلی اور سب سے زیادہ ضروری بات ہے -

دوسری ترکیب کے لحاظ سے اس مصرعہ کا مطلب یہ ہوگا - کہ علم ایک ایسی پرفضیلت چیز ہے - جیسے مہر سلیمانی تھی - جس طرح مہر سلیمان سے تمام مخلوق مسخر ہو گئی تھی - اسی طرح انسان اپنے علم کی بدولت تمام وحوش و دواب کوہ ودریا اور دیگر عنصریات سے خادمانہ کام لے سکتا ہے اقبال سلمہ

ؔ حدت از خورشید عالمتاب گیر برق طاق افروز از سیلاب گیر
ثابت و سیارۂ گردوں وطن آں خداوندانِ اقوامِ کہن
اینہمہ اے خواجہ آغوش تواند پیش خیز و حلقہ در گوش تواند

اس صورت میں گویا علم کو مجازاً وتشبیہاً خاتم سلیمانی کہا ہے -

دوسرے مصرعہ کا مطلب بھی دو طرح سے ہو سکتا ہے - ایک تو یہ کہ عالم اور علم میں جسم اور جان کی نسبت ہو - یعنی جسطرح جسم بلا جان بیکار ہے - اسیطرح ایک انسان علم کے بغیر جمادات کے برابر ہے - نظامیؒ

ہر کہ داد خرد نداند داد آدمی صورت ست گاو نہاد

دوسری صورت یہ کہ علم سے علم الہی مراد ہو - چونکہ علم آلہی کے موافق عالم کا ظہور ہوا ہے - اس لیئے عالم علم آلہی کا مظہر ہوا - اور جس طرح جسم اپنے آثار جسمانیہ سے روح کا مظہر ہوتا ہے - اسی طرح وجود عالم سے صفت الٰہیہ پر استدلال کیا جاتا ہے - جامی رح ؎

بود نقشِ دل ہر ہوشمندے | کہ باشد نقشہا یا نقشبندے
لوحے گر ہزاراں نقش پیداست | نیاید بے قلمزن یک الف راست

نظامیؒ ؎ اگرچہ بادو خاک و آب و آتش | کنند آمد شدے با یکدگر خوش
ہمہ تا زو خطِ فرماں نیاید | بشخص ہیچ پیکر جاں نیاید

صائب ؎ چمنِ سبز فلک را چمن آرائے ہست | زیر ایں رنگ نہاں آئینہ سیمائے ہست

آدمی را زیں ہنر بیچارہ گشت | خلق دریاہا و خلقِ کوہ و دشت

لغات۔ بیچارہ مغلوب۔ عاجز۔ ترکیب۔ را حرف جار اور آدمی مجرور ملکر متعلق بیچارہ کے۔ ازیں ہنر متعلق گشت کے۔ جو فعل ناقص ہے۔ خلق دریاہا الخ اس کا اسم اور بیچارہ خبر۔

ترجمہ اس ہنر (علم) سے سمندر کی کائنات اور کوہ و دشت کا عالم آدمی کا مسخر ہو گیا

زو پلنگ و شیر ترساں ہمچو موش | زو شدہ پنہاں بدشت و کُہ وحوش

لغات پلنگ تیندوا۔ اس کو چیتا سمجھنا غلطی ہے۔ چیتے کو فارسی میں یوز کہتے ہیں کما تقدم ترساں۔ اسم حالیہ ڈرتے ہوئے۔ دشت جنگل کُہ مخفف کوہ۔

ترجمہ اس سے تیندوا اور شیر (ایک خونخوار جانور بھی) چوہے کی طرح ڈرتے ہیں۔ اس سے (ڈرکر) جنگلی جانور جنگل اور پہاڑ میں دبک کر رہ گئے۔

زو پری و دیو ساحلہا گرفت | ہر یکے در جائے پنہاں جا گرفت

ترجمہ جن و پری نے اس سے (ڈرکر شہر چھوڑ دیئے اور) ساحل (سمندر پر رہنا) اختیار کیا۔ ہر ایک نے کسی پوشیدہ مقام میں گھر بنا لیا۔

آدمی را دشمنِ پنہاں بسے ست | آدمی با حذر عاقل کسے ست

لغات دشمنِ پنہاں۔ چھپا دشمن۔ حذر بچنا۔ پرہیز کرنا۔ چوکسی۔ ہوشیاری۔ احتیاط

ترجمہ آدمی کے پیچھے دشمن بہت ہیں۔ محتاط آدمی ہی عقلمند انسان ہے۔

مطلب۔ اوپر انسان کی فضیلت علم کے بیان میں یہ ذکر تھا۔ کہ اس کے ظاہری و باطنی دشمن اسکے زورِ علم سے مرعوب ہوکر بھاگتے ہیں۔ اب یہاں ضمناً ہدایت فرماتے ہیں۔ کہ انسان کو پھر بھی اپنے چھپے دشمنوں سے محتاط رہنا چاہیئے۔ بقول سعدیؒ ؎

ازاں کز تو ترسد بترس اے حکیم | وگر با چنو صد برآئی بجنگ

دشمنِ پنہاں سے مولانا کی مراد جنات شیاطین اور ارواحِ خبیثہ ہیں۔ جو اشکال مختلفہ سے متشکل ہوتے ہیں۔ اور کبھی کسی انسان میں حلول کرکے اس کو ایذا دیتے ہیں۔ اپنے مختلف کرشمے دکھایا کرتے ہیں معتزلہ اور فلسفی لوگ جنات اور ارواحِ خبیثہ کے وجود کے قائل نہیں ہیں۔ فلسفی لوگ صرف

انہی اشیاء کو جانتے اور مانتے ہیں۔ جو مشاہدہ میں آتی ہیں۔ یعنی جنکو آنکھوں سے دیکھا اور ہاتھوں سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ مگر ان لوگوں کا یہ خیال باطل ہے۔ جنات کا وجود برحق ہے۔ جو قرآن مجید اور حدیث شریف سے منصوص ہے۔ بزرگانِ دین کے مشاہدات و روایات اور منجملہ اُن کے مثنوی شریف کا یہ شعر اس پر شاہد ہے۔ علاوہ اس کے دنیا میں جنّات کے حالات و اثرات اس قدر واقع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ کہ اُن سے انکار کرنا محض جہالت ہے۔ جو تفریط کی حالت ہے۔ برخلاف اس کے عوام بے علم افراط کی حالت میں مبتلا ہیں۔ ان کو خواہ مخواہ ہر جگہ جنات کا خطرہ دامنگیر رہتا ہے۔ وہ جنّات و ارواح کے خوف میں اس قدر بیدل و متوہم بنے رہتے ہیں۔ جو عقل و انسانیت کے خلاف ہے۔ انکو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جیسی انسان مخلوق ہے۔ ویسی جن بھی ہیں۔ اگر جنات کو اللہ تعالیٰ نے قدرت اور طاقت بخشی ہے۔ تو انسان بھی اس عطیہ سے محروم نہیں۔ لہذا جس طرح جن کے مستور و مخفی اور پوشیدہ و نادیدہ ہونے کی وجہ سے انسان ڈرتا ہے۔ اسی طرح جن بھی انسان کے ظاہری دنیا پر قابض اور عالم ظہور پر حکمران ہونے سے مرعوب ہے۔ چنانچہ مولانا رح اوپر فرما چکے ہیں ؎

تو پری و دیو ساطہا گرفت　　　ہر یکے درجائے پنہاں جا گرفت

دوسرے خداوند تعالیٰ پر ایمان لانیوالا اور طہارت و عبادت بجا لانیوالا مومن بندہ اللہ تعالیٰ کے اس مضبوط حصار امن میں پناہ گیر ہے۔ جسکو کوئی مخلوق توڑ نہیں سکتی۔ جو شخص ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اور آیۃ الکرسی اور معوذتین وغیرہ کلام اللہ کے ورد و تکرار کے ہتھیاروں سے مسلح ہے۔ اس پر کوئی جن و شیطان حملہ نہیں کر سکتا۔ اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ جنّات و ارواح خبیثہ کا تصرف زیادہ تر مشرک و ناپاک مردوں اور عورتوں پر ہی ہوتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں والحدث اذا تمکن من الانسان واحاط من بین یدیہ و من خلفہ اورث لہ استعداداً لقبول وساوس الشیاطین ورویتہم بحاسۃ الحس المشترک وللمنامات موحشۃ ولظہور الظلمۃ علیہ یعنی جب ناپاکی انسان پر طاری ہو جائے۔ اور اس کو ہر طرف سے گھیرے۔ تو اس کے اندر ایک ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے شیطانی وسوسے دلنشیں ہونے لگتے ہیں۔ اور شیاطین دکھائی دیتے ہیں۔ اور وحشتناک خواب نظر آتے ہیں۔ اور اسپر ایک تاریکی چھا جاتی ہے۔ انتہٰی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کبھی کسی پرہیزگار عبادتگذار اور باطہارت رہنے والے مسلمان مرد و عورت پر جنات کا تصرّف نہیں ہوا۔ اِلّا مَا شَاءَ اللہ۔ کیونکہ صالح و نیک آدمی اللہ تعالیٰ کے حفظ و اماں میں ہوتے ہیں۔ فرشتوں کی زبردست طاقت ان کا پہرہ دیتی ہے۔ جس کا ذکر اگلے شعر میں آتا ہے۔

تاہم مولانا فرماتے ہیں۔ کہ ان مخفی دشمنوں سے ہوشیار اور چوکس رہنا عقلمندی کا کام ہے۔ اس لئے شیطان کی شر سے پناہ مانگتے رہنا اور اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم پڑھنا مشروع ہے۔ اور بیت الخلاء میں جانے سے پہلے یہ دعا پڑھ لینی ماثور ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَائِثِ الٰہی میں پلید جنوں اور جنیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ حدیث شریف میں بعض ایسے اوقات و مواقع کا بھی ذکر ہے۔ جن میں ہر شخص کو جنّات کے متعلق احتیاط رکھنی لازم ہے۔

جنات کا وجود برحق ہے

جنات انسان سے ڈرتے ہیں

جنات و شیاطین کی طرف سے ہر وقت چوکس رہنا لازم ہے

حکم ہے کہ شام کے بعد بچوں کو گھر سے باہر نہ نکلنے دو کہ یہ جنات کی چھینا جھپٹی کا وقت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان لهذه البيوت عوامر فاذا رأيتم منها شيئا فحرجوا عليها ثلثا فان ذهب والا فاقتلوا فانه كافر۔ یعنی ان گھروں میں بعض چیزیں آباد ہو جاتی ہیں۔ جب تم کوئی شے (سانپ وغیرہ کی شکل میں) دیکھو۔ تو تین مرتبہ اس کو نکلنے پر مجبور کرو۔ اگر نکل جائے۔ تو بہتر ورنہ اس کو مار ڈالو۔ کیونکہ وہ کافر ہے۔ (مشکوٰۃ) ایک حدیث میں مروی ہے۔ کہ فرمایا کہ جب سانپ نمودار ہو۔ تو کہو ہم تجھ کو حضرت نوح اور حضرت سلیمان کے عہد کا واسطہ دیتے ہیں۔ کہ ہم کو نہ ستا۔ پھر اگر دوبارہ نمودار ہو۔ تو مار ڈالو۔ (مشکوٰۃ) غرض احتیاط اور ہوشیاری تو مومن کی شان ہے۔ مگر جنات سے ڈرنے اور مرعوب ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ڈرنا صرف اللہ تعالیٰ سے ہی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي یعنی پس تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ اقبال سلمہٗ ؎

خوفِ حق عنوانِ ایمان ست و بس خوفِ غیر از شرکِ پنہاں ست و بس
بیمِ غیر اللہ عمل را دشمن است کاروانِ زندگی را رہزن ست
عزمِ محکم ممکنات اندیش ازو ہمتِ عالی تامل کیش ازو

خلقِ خوب و زشت ہست از ما نہاں میزنند بر دل بہر دم کوب شاں

لغات خلقِ خوب اچھی مخلوق مراد ملائکہ۔ زشت بُرا۔ بُری مخلوق مراد شیاطین۔ کوب چوٹ صدمہ۔

ترجمہ (بہت سی) بھلی اور بُری مخلوق ہم سے مخفی ہے جن کی (تاثیرات) کی چوٹ ہردم (ہمارے) دل پر لگی رہتی ہے۔

مطلب - اوپر یہ بیان کیا تھا۔ کہ انسان کے مخفی دشمن اس کے اغوا و ایذا کے درپے رہتے ہیں۔ اب اس بیت کا اشارہ ہے کہ اس دشمن کی جماعت کے مقابلے میں انسان کی حفاظت کیلئے ملائکہ بھی مامور ہیں۔ اور یہ بھی ہماری نظر سے مخفی ہیں۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِيْنُهٗ مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَالُوْا وَاِيَّاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِيَّايَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا يَاْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ۔ یعنی ابن مسعود رض سے روایت ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم سے ہر شخص پر اس کا ایک ساتھی جنوں میں سے اور ایک ساتھی فرشتوں میں سے مقرر ہے لوگوں نے عرض کیا۔ آپ پر بھی یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا ہاں مجھ پر بھی۔ مگر اللہ نے مجھے اس پر اعانت کی ہے پس وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ اسلئے مجھے نیکی کی بات ہی سوجھاتا ہے۔ (مشکوٰۃ) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً بِابْنِ اٰدَمَ وَلِلْمَلَكِ لَمَّةً فَاَمَّا لَمَّةُ الشَّيْطٰنِ فَاِيْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيْبٌ بِالْحَقِّ وَاَمَّا لَمَّةُ الْمَلَكِ فَاِيْعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِكَ فَلْيَعْلَمْ اَنَّهٗ مِنَ اللّٰهِ فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ الْاُخْرٰى فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ثُمَّ قَرَاَ اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ۔

یعنی ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان کی طرف سے فرزند آدم کے دل پر ایک اثر ہوتا ہے۔ اور فرشتے کی طرف سے ایک اثر ہوتا ہے۔ لیکن شیطان کا اثر پس وہ برائی کا وعدہ اور حق کی تکذیب ہے۔ لیکن

فرشتے کا اثر پس وہ نیکی کا وعدہ اور حق کی تصدیق ہے۔ پس جو شخص یہ محسوس کرے۔ تو اس کو سمجھ لینا چاہیے۔ کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر اللہ کی حمد کرنی چاہیئے۔ اور جو شخص دوسرا اثر محسوس کرے۔ تو اس کو اعوذ پڑھنی چاہیئے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ الشیطن یعدکم الخ یعنی شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے۔ اور تم کو بُرے کاموں کا حکم دیتا ہے۔ (مشکوۃ) حافظ

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسے ست ہشدار گوش دل بہ پیام سروش کن

اب فرماتے ہیں۔ کہ گو شیطان ایک مخفی و مستور ہستی ہے۔ مگر اس کا ضرر و نقصان رسانی تو بیّن اور بدیہی ہے۔ یہی اس کے وجود کی دلیل ہے۔ کیونکہ اثر کے وجود سے موثر کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

بہرِ غسل اَر در رَوی در جُویبار بر تو آسیبے زند در آب خار

لغات دَر پہلا حرف در زائد ہے۔ جویبار نہر۔ آسیب۔ صدمہ۔ تکلیف۔

ترجمہ اگر تو نہر کے اندر نہانے کے لئے داخل ہو۔ تو (اتفاقاً) پانی کے اندر تیرے کانٹا چبھ جاتا ہے۔

گرچہ پنہاں خار در آب ست پست چونکہ در تو میخلد دانی کہ ہست

لغات پست نیچے۔ تہ نشین۔ قعر آب میں۔ خلد کھجلی پیدا کرتا ہے۔ چبھتا ہے۔ صیغۂ مضارع ہے۔ خلیدن سے

ترجمہ اگرچہ (یہ) پوشیدہ کانٹا پانی (کی تھاہ) میں ہے۔ (مگر) جونہی کہ تمہارے چبھتا ہے۔ تو تم سمجھ جاتے ہو۔ کہ (وہ موجود) ہے۔

خار خارِ حسّہا و وسوسہ از ہزاراں کس بود نے یک کسہ

لغات خارخار بہت سے کانٹے تکرار لفظ بغرض اظہار کثرت۔ یک کسہ میں ہاے وصلیہ نسبت کے لئے ہے۔ یعنی از یک کس۔

ترجمہ حواس (کی لغزشوں) اور وسوسوں کے کانٹے ہی کانٹے ہزاروں اشخاص (یعنی شیاطین) کی طرف سے ہیں۔ نہ کہ ایک شخص کی طرف سے۔

مطلب۔۔۔ انسان کو بہکانے اور وسوسوں میں مبتلا کرنے والا کوئی ایک ہی شیطان نہیں۔ بلکہ بہت سے شیاطین اس کام پر لگے ہوئے ہیں۔ کوئی بچوں کو رولاتا اور ستاتا ہے۔ کوئی میاں بیوی میں تفرقہ برپا کرتا ہے۔ کوئی عقائد میں شبہات ڈالتا ہے۔ کوئی نماز میں قرأت بھلا دیتا ہے۔ کوئی وضو میں شک ڈالدیتا ہے۔ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اِنَّ اِبْلِیْسَ یَضَعُ عَرْشَہٗ عَلَی الْمَاءِ ثُمَّ یَبْعَثُ سَرَایَاہُ یَفْتِنُوْنَ النَّاسَ فَاَدْنَاھُمْ مِنْہُ مَنْزِلَۃً اَعْظَمُھُمْ فِتْنَۃً الخ یعنی ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے۔ پھر اپنی جماعتوں کو بھیجتا ہے۔ جو لوگوں میں فتنے ڈالتے ہیں۔ پس ان میں سے اس کا سب سے زیادہ مقرب وہ ہے۔ جو سب سے بڑا فتنہ برپا کرتا ہے۔ (مشکوۃ)

خار خار حسہا سے اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ فساد عقائد کے علاوہ قوائے ظاہر کا سوء عمل بھی شیطانی تاثیرات سے ہے۔ انسان کے حواس ظاہر اور دیگر قوائے و جوارح سب دل کے تابع ہیں۔ اور دل الہام ملائکہ اور وسوسہ شیاطین دونوں کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر دل وساوس شیطانیہ کے مقتضا پر عمل کرنے لگے تو اس کے اتباع میں تمام حواس، قوائے اور جوارح ارتکاب معاصی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ پھر انسان کی سب قوائے جسمانیہ اور صفات نفسانیہ شیطان کا لشکر اور اس کے اسلحہ بن جاتے ہیں۔ مجالس الابرار میں لکھا ہے۔ فَلَيْسَ لِلْاٰدَمِيِّ صِفَةٌ مِّنْ صِفَاتِ الْمَذْمُوْمَةِ اِلَّا وَهِيَ قُوْتٌ مِّنْ اَقْوَاتِ الشَّيْطَانِ وَ سَلَاحٌ مِّنْ اَسْلِحَتِهٖ وَبَابٌ مِّنْ اَبْوَابِهٖ وَمَدْخَلٌ مِّنْ مَّدَاخِلِهٖ۔ یعنی آدمی میں جس قدر بری صفات ہیں وہ سب شیطان کی روزی اسکے اسلحہ، اس کے دروازے اور اسکے داخل ہونے کے راستے ہیں۔

باش تا حسہائے تو مُبدل شود تا بہ بینی شاں و مشکل حل شود

لغات۔ باش ٹھہر۔ مبدل دال کے فتحہ سے۔ متغیر۔ بدل جانیوالا۔ ترکیب باش جملہ فعلیہ معلول۔ باقی کلمات علت اول اور علت دوم۔

ترجمہ ٹھہرو۔ تاکہ تمہارے (قوٰی و) حواس بدل جائیں۔ تاکہ تم ان (شیاطین) کو مشاہدہ کرلو اور (شیاطین کے موجود یا غیر موجود ہونے کی) مشکل حل ہو جائے۔

مطلب۔ اوپر پانی کے اندر کانٹا چبھنے سے وجود شیاطین پر استدلال کیا تھا۔ اب اس کی مزید توضیح کے لئے فرماتے ہیں۔ کہ ممکن ہے کسی کا سوء اعتقاد اور سوء عمل جو بتحریک شیطان ہوتا ہے۔ معتاد و معمول ہونے کی وجہ سے طبیعت ثانیہ بن چکا ہو۔ اور اس وجہ سے وہ اس تاثیر سے اسکے مؤثر یعنی شیطان کا سراغ نہ لگا سکے۔ اسکے لئے بہتر تدبیر یہ ہے۔ کہ کچھ دنوں ریاضات و مجاہدات کرتا ہے۔ تاکہ قوائے بہیمیہ کے مضمحل ہو جانے سے صفات ذمیمہ معدوم ہو جائیں۔ اور شیطان کا تعلق منقطع ہو جانے سے اس کے دل پر ملائکہ کیطرف سے نیک خیالوں اور نیک کاموں کے الہام ہونے لگیں۔ پھر وہ خود قیاس کرسکے گا۔ کہ پہلے قلب پر کوئی اور ہستی مؤثر تھی اور اب اور ہے۔ اور اس سے وجود شیاطین کا عقدہ حل ہو جائیگا۔ مجالس الابرار میں ہے۔ اِنَّ الْقَلْبَ مَهْمَا غَلَبَ عَلَيْهِ مُقْتَضَيَاتُ الْهَوٰى يَجِدُ الشَّيْطٰنُ مَجَالًا فَيُوَسْوِسُ فِيْهِ وَمَهْمَا اشْتَغَلَ بِالذِّكْرِ يَرْتَحِلُ عَنْهُ الشَّيْطٰنُ وَيُقْبِلُ اِلَيْهِ الْمَلَكُ وَيُلْهِمُ فِيْهِ وَالتَّطَارُدُ بَيْنَ جُنْدَيِ الْمَلَكِ وَالشَّيْطٰنِ فِيْ مَعْرَكَةِ الْقَلْبِ دَائِمٌ اِلٰى اَنْ يَّنْفَتِحَ الْقَلْبُ لِاَحَدِهِمَا یعنی جب دل پر ہوا و ہوس کے مقتضیات کا غلبہ ہوتا ہے۔ تو پھر شیطان کو موقع ملتا ہے۔ اور وہ اسمیں وسوسہ ڈالتا ہے۔ اور جب دل ذکر الہی میں مشغول ہوتا ہے۔ تو شیطان اس سے کوچ کر جاتا ہے اور فرشتہ اس کی طرف آتا ہے۔ اور اس میں الہام کرتا ہے۔ اور اسی طرح میدان قلب میں فرشتہ اور شیطان کی دونوں فوجوں کے مابین کشمکش جاری رہتی ہے۔ یہانتک کہ دونوں میں سے ایک فریق دل پر قابض ہو جاتا ہے۔ ؎ گر از وسوسۂ نفس و ہوا دور شوی بے شکے رہ ببری در حرم دیدارش

تا سخنہائے کیاں رد کردۂ تا کیاں را سرور خود کردۂ

حاشیہ: انسان تو نفس و شیطان کا بیمار ہو رہا ہے۔

لغات - کیاں - کاف کے کسرہ سے استفہام جمع کے لئے - سرور سردار **ترکیب** یہ شعر علت ثالث ہے - شعر سابق کے معلول کی - دوسرے مصرعہ میں حرف تا زائد ہے - اور عاطف مقدر ہے -
ترجمہ تاکہ (تبدیل حواس کے بعد تم کو معلوم ہو جائے کہ) کن (پاک ہستیوں) کے الہامات کو تم نے رد کیا ہے (اور) کن (ناپاک ہستیوں) کو تم نے اپنا سردار بنا لیا ہے -
مطلب یہ شعر سابقہ تقریر کا تتمہ ہے - یعنی ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ سے جب تمہارے دل سے شیطانی وساوس کا سلسلہ منقطع اور ملکی الہامات کا ورود شروع ہو جائیگا - تو تم خود محسوس کرو گے کہ اوہو ہم نے کن خبیث وجودوں کو اپنا قرین بنا لیا تھا - اور کیسے اشرف و ارفع وجودوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور اس سے تم کو شیطان کے وجود کا پورا یقین ہو جائیگا +

بازجستن نخچیراں سرّ و اندیشۂ خرگوش را

شکاروں کا خرگوش کے بھید اور تجویز کو دریافت کرنا

بعد ازاں گفتند کاے خرگوش چست — در میاں نہ آنچہ در ادراک تست

لغات - کاے کہ اے - چست چالاک ہوشیار نہ امر ہے نہادن سے - ادراک عقل - ذہن -
ترجمہ - پھر انہوں نے کہا اے چالاک خرگوش! جو کچھ (تدبیر) تیری سمجھ میں آئی ہے وہ بیان کر -

ایکہ با شیرے تو در پیچیدہ — باز گو رائے کہ اندیشیدہ

ترجمہ اے (بہادر خرگوش!) جو شیر سے کشتی لڑنے کو تیار ہے بتا کونسی رائے تجھے سوجھی ہے -

مشورت ادراک و ہشیاری دہد — عقلہا مر عقل را یاری دہد

ترجمہ مشورہ سمجھ اور احتیاط بخشتا ہے (مشورہ دینے والوں کی) عقلیں (طالب مشورہ کی) عقل کو مدد دیتی ہیں - نظامی رح سے

دہے را کہ بندش بود ناپدید — ز دانا تواں بازجستن کلید
زدن با خداوند فرہنگ راے — بفرہنگ باشد ترا رہنمائے

جامی رحمۃ اللہ علیہ سے

چو آید مشکلے پیش خردمند — کزاں مشکل فتد در کارِ او بند
کند عقلِ دگر با عقلِ خود یار — کہ تا در حلِّ آں گردد مددگار
ز یک شمعش نگیرد نور خانہ — فروزد شمعِ دیگر در میانہ

گفت پیغمبر بکن اے راے زن — مشورت کالمستشار مؤتمن

لغات راے زن صلاح مشورہ کرنیوالا - کالمستشار کاف تعلیلیہ مستشار جس سے مشورہ لیاجائے - موتمن

جس کے امانت سپرد کی جائے۔

ترجمہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اے رائے زنی کرنیوالے (پہلے کسی سے) مشورہ کرلے۔کیونکہ جس سے مشورہ لیا جاتا ہے۔ وہ امانت دار ہوتا ہے۔

مطلب - حدیث شریف کے کلمات صرف اس قدر ہیں۔اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ۔جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت کا ذمہ دار ہے۔یعنی اس کو لازم ہے۔کہ جس بات کو اپنی رائے میں طالب مشورہ کے لئے مصلحت سمجھے۔اس کے خلاف مشورہ نہ دے۔ورنہ وہ خائن ہے۔سعدی رح نے

بگو آنچہ دانی سخن سودمند   وگر ہیچکس را نیاید پسند

کہ فردا پشیماں برارد خروش   کہ آیا چرا حق نکردم بگوش

سوال حدیث کے کلمات صرف المستشار مؤتمن ہیں۔تو مولانا کا گفت پیغمبر یکن اے رائے زن الخ کہنا یعنی ان کلمات کو حضور علیہ السلام کا مقولہ بتانا کس لحاظ سے درست ہوگا۔

جواب جب اس حدیث میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مشورہ کے حقوق و آداب بیان فرما دئے تو اس سے معلوم ہوا۔کہ مشورہ ایک اہتم بالشان چیز ہے۔پس گویا آپنے مشورہ لینے کی ترغیب فرمادی۔اس لحاظ سے مولانا کا یہ فرمانا کہ گفت پیغمبر یکن اے رائے زن مشورت۔گویا حضور کے قول کا مقصد و معنی بیان کرنا ہے۔جس کو روایت بالمعنی کہتے ہیں۔اور قرآن مجید میں مشورہ کا حکم شاورھم (ان سے مشورہ لے) صاف صیغۂ امر میں وارد ہے۔جو اس روایت کا مؤید ہے۔

قولِ پیغمبر بجاں باید شنود   یاز گو تا چیست مقصودِ تو زود

ترجمہ (پس) پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کا قول (مشورہ کے متعلق) دل و جان سے سننا (اور ماننا) چاہیئے۔ (لہذا) جلدی بتاؤ۔تمہارا مقصد کیا ہے۔ (تاکہ ہم مناسب مشورہ دیں)

پوشیدہ داشتن خرگوش راز را از نخچیراں

خرگوش کا شکاروں سے بھید پوشیدہ رکھنا

گفت ہر رازے نشاید باز گفت   جفت طاق آید گہے گہ طاق جفت

لغات جفت جوڑا طاق اکیلا - ایک واحد۔

ترجمہ وہ (خرگوش) بولا۔ہر ایک بھید کی بات بیان نہیں کرنی چاہیئے۔(کیونکہ ایسی بازی میں) کبھی جفت طاق آتا ہے۔ اور کبھی طاق جفت۔

مطلب - بعض قسم کی بازیوں میں جیت اور ہار کا مدار جفت اور طاق نکلنے پر ہوتا ہے۔مگر کھیل کا نتیجہ بدست تقدیر ہوتا ہے۔کبھی طاق کے امیدوار کیلئے بازی میں جفت آتا ہے۔اور کبھی جفت کا احتمال رکھنے والے کے لئے طاق نکلتا ہے۔خرگوش کہتا ہے یہی حال مشورے کا ہے۔بیشک مشورہ مسنون و مشروع ہے۔مگر صرف ایسے امور میں جن کا اظہار خطرہ سے خالی نہ ہو۔جو خطرناک اور نازک معاملوں میں راز کی بات بغرض مشورہ ظاہر کردینے سے بعض اوقات [illegible]

روایت بالمعنی۔

تو تجھ تو کچھ اور ہوتی ہے۔ اور ہو جاتا ہے کچھ اور۔ سعدی رح ؎

مگو آنچہ گر بر ملا اوفتد ۔۔۔ وجودے ازاں در بلا اوفتد

جامی رح ؎ از سرّ سر مہر پشیماں نہ شد کسے ۔۔۔ بس فاش گشتہ سر کہ پشیمانی آورد

خامش نشیں کہ جمع نشستن بخامشی ۔۔۔ بہتر ز گفتنی کہ پریشانی آورد

از صفا گر دم زنی با آینہ ۔۔۔ تیرہ گردد زود یا ما آینہ

لغات صفا صفائی دم پھونک تیرہ گدلا ہے آپ ترکیب از صفا جار و مجرور متعلق تیرہ گردد کے۔

ترجمہ اگر آئینے کے سامنے تم پھونک مارو۔ تو وہ (اپنی) صفائی سے (متغیر ہوکر) ہماری نظر میں بے آب ہو جائیگا (یہی نتیجہ کسی صاف دل و مخلص دوست کے آگے راز ظاہر کرنے کا ہے)۔

مطلب - ایک یکرنگ و نیک نیت دوست جو سادگی و سلامتی طبع میں آئینہ سے مشابہ ہے۔ جبتک دوست کے راز سے واقف نہیں ہوتا۔ تو وہ اس کا خیرخواہ ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنا راز اسپر ظاہر کرتا ہے۔ تو اس کے دل میں حرص و طمع یا بغض و نفاق یا فساد و فتنہ انگیزی کے ارادے اسکے تمام خلوص و صاف دلی کو مکدر و تاریک کرکے بد معاملگی پر آمادہ کردیتے ہیں۔ نظامی رح ؎

مگو تا گفتنی در پیش اغیار ۔۔۔ نہ با اغیار یا محرم ترین یار

در بیان ایں سہ کم جنباں لبت ۔۔۔ از ذہاب و از ذہب وز مذہبت

لغات ذہاب چلنا۔ ذہب سونا۔ مال و دولت۔ مذہب۔ لغت میں گزرگاہ۔ وہ راہ جس سے جاتا ہو۔ اصطلاح میں دین۔ شرع۔ طریقہ۔ یہاں لغوی معنی مراد ہیں۔

ترجمہ - ان تین چیزوں کے اظہار میں لب کشائی نہ کرو۔ یعنی سفر کی تیاری۔ مال و دولت۔ گزرگاہ

مطلب کسی حکیم کا قول ہے۔ اُسْتُرْ ذَهَبَكَ وَذِهَابَكَ وَمَذْهَبَكَ۔ یعنی اپنا مال دولت اور ارادہ سفر اور راہ سفر کسی پر ظاہر نہ کرو۔ اگر مذہب سے دین و شرع اور اُخروی امور کے متعلق کسی خاص طریقہ کی پابندی مقصود سمجھی جائے۔ تو یہ مطلب ہوگا۔ کہ اپنا مذہب و مشرب بھی کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا جائے۔ جسکو اہل تشیع کی اصطلاح میں تقیہ کہتے ہیں۔ اور اُن کے نزدیک یہ ایک امر مشروع ہے۔ مگر اہل سنت والجماعت کے نزدیک جائز نہیں ہے چونکہ مولانا رحمۃ اللہ اہل سنت ہیں۔ لہذا اخفائے مذہب سے یہاں ان کی مراد اخفائے دین نہیں ہو سکتی۔

کیں سہ را خصم ست بسیار و عدو ۔۔۔ در کمینت ایستد چوں داند او

لغات۔ خصم دشمن۔ عدو۔ دشمن۔ کمیں گھات۔ تاک۔

ترجمہ ۔ کیونکہ ان تین چیزوں کے (لئے تمہارے) بہت سے دشمن ہیں۔ جب اس کو (ان کا حال) معلوم ہو جائیگا۔ تو وہ تمہاری تاک میں رہیگا۔

مطلب مال و دولت کیلئے دشمن چور ہوتے ہیں۔ اور ارادہ سفر کے متعلق بعض لوگ مقصد سفر کے حریف و رقیب ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص کسی دربار میں خاص عہدہ حاصل کرنے کے لئے جاتا ہے۔ یا اپنے

لڑکے کے لئے رشتہ نکاح کی تلاش کرنے جاتا ہے۔ تو پاس پڑوس میں سے کوئی حاسد اس کے مقصد کو معلوم کرکے فوراً آگے جاکر اس کے مقصد میں حارج ہوتا ہے۔ راہ سفر کے مخفی رکھنے میں یہ احتیاط ملحوظ ہے۔ کہ بعض اوقات کوئی دشمن چاہتا ہے کہ وہ کسی راستے میں تنہا ملجائے۔ تو اسکو کوئی جانی یا بدنی ایذا پہنچائے۔ غنی رح ؎

ہر چند تغافل کند ایمن مشو از خصم　　پیوستہ بود پشت کماں سوئے نشانہ

ور برانی با یکے گوے الوداع　　کُلُّ سِرٍّ جَاوَزَ الاِثْنَیْنِ شَاعْ

لغات برانی فعل مضارع واحد راندن سے۔ بگوئی الوداع۔ رخصت۔ خدا حافظ۔ جاوز آگے بڑھ گیا اثنین دو۔ مراد دولب یا دو شخص۔ شاع شائع ہوگیا۔ شہرت پا گیا۔

ترجمہ اور اگر تم کسی سے بیان ہی کر بیٹھو۔ تو (اب وہ تمہارا بھید نہ رہا) اس کو رخصت سمجھو۔ کیونکہ جو بھید دو (لبوں) سے نکلا۔ وہ مشہور ہوگیا۔

مطلب دو سے مراد غالباً دو لب ہیں۔ یعنی جب تم اپنے راز کو لبوں سے نکالوگے۔ تو پھر اس کو مشہور ہوا سمجھو۔ کما قال بعضہم ؎

وَسِرُّكَ مَا كَانَ عِنْدَ امْرِءٍ　　وَسِرُّ الثَّلَاثَةِ غَيْرُ الْخَفِيِّ

یعنی بھید وہی ہے۔ جو ایک (دل) کے پاس (مخفی) رہے۔ اور تینوں (یعنی زبان اور ہر دو لب) کے مابین آنیوالا بھید مخفی نہیں رہ سکتا۔ اور اگر دو سے دو شخص مراد ہوں۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ جب تم کسی دوست سے اپنا راز بیان کروگے۔ تو اس کو شائع ہوا سمجھو۔ کیونکہ دوست کا بھی آگے کوئی دوست ہوگا۔ جب تم اپنے دوست سے خود اپنا راز نہ چھپا سکے۔ تو ایک دوست اپنے دوست کا راز دوسرے دوست سے کیوں مخفی رکھے گا۔ و نعم ما قیل ؎

راز را با یار خود ہر چند بتوانی مگوے　　یار را یارے بود از یار یار اندیشہ کن

سعدی رح ؎
خامشی بہ کہ ضمیر دل خویش　　با کسے گفتن و گفتن کہ مگوے
اے سلیم آب سر چشمہ بہ بند　　کہ چو پر شد نتواں بستن جوے

ور دو سہ پرندہ را بندی بہم　　بر زمین مانند محبوس از الم

لغات پرندہ اڑنیوالے۔ پنچھی۔ تشدید را بضرورت شعری مانند فعل مضارع۔ جمع غائب از ماندن محبوس بندھا ہوا۔ الم دکھ۔ درد۔

ترجمہ اور اگر دو تین پرندوں کو اکٹھے باندھ دو۔ تو وہ (قید کے) دکھ سے مارے باندھے نیچے کے نیچے پڑے رہینگے۔

مطلب راز کے شائع ہونے کی یہ ایک دوسری مثال ہے۔ یعنی اگر تم اپنے دل کی مختلف راؤں کو دل میں روک رکھو تو اگرچہ وہ ایک دوسری سے مخالف ہوں۔ مگر دل کے اندر باہم مزاحمت نہ کرینگی دل میں چھپی کی چھپی رہینگی۔ لیکن اگر تم مشورے کی غرض سے ان کو زبان پر لاؤگے۔ تو اختلاف واقع ہوکر ان کا جھگڑا زبان زد عام ہو جائیگا۔ اور بھید آشکارا ہو جائیگا۔ صائب رح ؎

سزائے تست چوں گل گریہ تلخ پریشانی   کہ گفت اے غنچہ غافل دہن پیش صبا بکشا

مشورت دارند سر پوشیدہ خوب   در کنایت با غلط افگن مشوب

لغات کنایت اشارہ غلط افگن۔ غلطی میں ڈالنے والا۔ دھوکا دینے والا۔ مشوب ملایا ہوا۔ اسم مفعول ہے شوب سے جسکے معنی ہیں۔ ملانا۔ ملاوٹ۔ آمیزش۔ ترکیب دارند کی ضمیر جمع غائب ذوالحال سر پوشیدہ حال۔ در کنایت جار مجرور متعلق بہ دارند۔ مشورت ذوالحال مشوب حال۔ با غلط افگن متعلق بہ مشوب ہے۔

ترجمہ بھید کو مخفی رکھ کر مشورہ کرنا اچھا سمجھا گیا ہے۔ جو اشارے سے ہو۔ اور دوسروں کو اصلیت سے بیخبر رکھنے والی طرز سے ملا ہوا ہو۔

مطلب بے شک مشورہ کرنا اچھی بات ہے۔ مگر اس کے ساتھ اخفائے راز بھی ضروری ہے۔ لہذا مشورہ ایسے طرز کلام سے کرنا چاہیئے۔ کہ راز آشکارا نہ ہونے پائے۔ یعنی ایسے مبہم الفاظ میں گفتگو ہو۔ کہ مخاطب اصل حقیقت سے آگاہ نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص کو یہ مشورہ مطلوب ہے۔ کہ چار آدمی ایک ہزار روپے میں دہلی سے حج کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اور اس کو اندیشہ ہے۔ اگر صاف اسی عنوان سے مشورہ لیتا ہوں۔ تو لوگ سمجھ جائیں گے۔ کہ یہی شخص اپنے عیال سمیت حج کو جانا چاہتا ہے۔ اور اس کے پاس ہزار روپیہ موجود ہے۔ اور اندیشہ ہے۔ کہ چور اس کے روپے کا لالچ کریں۔ یا کوئی حاسد اس کے اس ارادہ خیر کا مانع ہو۔ اس لئے اس شخص کو مناسب ہے۔ کہ دہلی کی بجائے چار پانچ اسٹیشن گھٹا بڑھا کر کسی اور مقام کا ذکر کرے اور چار آدمی کی بجائے پانچ پورے آدمی اور دو بچے نصف نصف ٹکٹ کے فرض کر کے کل چھ آدمی سوال میں ذکر کرے۔ جو جواب ملے۔ اسکو ملحوظ رکھکر کم یا زائد سٹیشن اور ٹکٹوں کے کرایہ کی کمی بیشی کا حساب لگا کر کم کو شامل اور زائد کو منہا کر کے خود اپنے دل میں صحیح اندازہ لگا لے۔ اسطرح مطلوبہ جواب بھی مل جائیگا۔ اور راز بھی ظاہر نہ ہونے پائیگا (از کلید مثنوی بتصرف) و مثلہ ما قال النظامی رحمۃ اللہ علیہ

بسا گفتنیہا کہ نا شد نہفت   بدیگر زباں بایدش باز گفت

مشورت کردے پیمبر بستہ سر   گفت ایشانش جواب و بیخبر

ترکیب پیغمبر ذوالحال بستہ سر حال۔ گفت فعل ایشاں ذوالحال فاعل۔ شین مفعول بہ اول۔ جواب مفعول بہ ثانی بیخبر حال ایشاں سے۔

ترجمہ پیغمبر علیہ السّلام (بھی ہمیشہ) راز کو مخفی رکھ کر مشورہ فرماتے۔ یہ (حاضرین) آپ سے جواب عرض کر دیتے۔ اور (خود) بیخبر رہتے (کہ اصل واقعہ کیا ہے)

در مثالے بستہ گفتی رائے را   تا نداند خصم از سر پائے را

ترجمہ آپ کسی پیچیدہ مثال میں رائے (طلب معاملہ کو پیش) فرماتے۔ یہانتک کہ مخالف (اصل واقعہ کے) سر اور پیر سے آگاہ نہ ہونے پاتا

او جوابِ خویش بگرفتے ازو　　　　وز سوالش مے نبردے غیر بو

ترجمہ۔ آپ اسی سے اپنا جواب اخذ کر لیتے۔ اور غیر لوگ آپکے سوال کی بو بھی نہ پاتے۔

مطلب۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِذَا غَزٰی غَزْوَۃً وَرّٰی بِغَیْرِھَا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی جنگ کا موقع پیش آتا۔ تو اس کا اشارہ کسی دوسرے موقع کے پیرائے میں فرماتے ہیں۔ مولانا رح کا قول اسی مضمون کی روایت بالمعنی ہے۔

ایں سخن پایاں ندارد باز گرد　　　　سوئے خرگوش دلاور تا چہ کرد

لغات۔ باز گرد واپس چلو۔ دلاور بہادر۔

ترجمہ اس بحث کی تو انتہا نہیں۔ اب بہادر خرگوش کیطرف پھر عود کرو۔ کہ اس نے کیا کیا۔

قصہ مکر کردنِ خرگوش با شیر و بسر بُردن

خرگوش کا شیر کے ساتھ مکر کرنا اور اس کو انجام تک پہنچانا۔

حاصل آں خرگوش رائے خود نگفت　　　　مکر اندیشید با خود طاق و جُفت

ترجمہ الغرض اس خرگوش نے اپنی رائے ظاہر نہ کی اور دل ہی دل میں جوڑ توڑ کر کے حیلہ سوچ لیا۔

با وُحُوش از نیک و بد نکشاد راز　　　　سرِّ خود با جانِ خود میراند باز

ترکیب نیک و بد مضاف معاملہ مضاف الیہ محذوف۔ ترجمہ جنگلی جانوروں کے سامنے (معاملے کی) نیکی بدی کا راز نہ کھولا۔ اپنے بھید کا مطالعہ دل ہی دل میں کرتا رہا۔

ساعتے تاخیر کرد اندر شدن　　　　بعد ازاں شد پیشِ شیرِ پنجہ زن

لغات۔ ساعتے میں یائے وحدت کے لئے ہے۔ شدن جانا۔ پنجہ زن۔ پنجہ مارنے والا ترجمہ (پہلے تو) جانے میں ایک گھنٹہ بھر توقف کیا۔ اس کے بعد اس پنجہ زن شیر کی طرف روانہ ہوا۔

مطلب۔ شد پیش شیر سے یہ مراد نہیں کہ شیر کے سامنے جا پہنچا۔ بلکہ مراد یہ ہے۔ کہ شیر کے سامنے جا پہنچنے کیلئے چل پڑا۔ کیونکہ آگے شیر کی جن حرکات و سکنات کا ذکر ہے۔ ان کا وقوع خرگوش کی غیبوبت میں ہوا ہے

زاں سبب کاندر شدن وا ماند دیر　　　　خاک را میکند و مے غُرّید شیر

لغات وا بمعنی جدا و علیحدہ عموماً فعل کے ساتھ آتا ہے۔ میکند کندن کھودنا سے غرید غریدن غرّانا گرجنا۔ دھاڑنا سے ترکیب۔ تا حرف جار مقدر دیر مجرور ملکر متعلق واماند کے۔ جسکی ضمیر فاعلی راجع ہے خرگوش کی طرف۔ حرف تا جار۔ آں سبب اسم اشارہ و مشارٌ الیہ مبین اور لگلے الفاظ بیان ملکر مجرور ہوا۔ یہ متعلق

میکند کے ۔جس کا فاعل شیر ہے۔

ترجمہ (ادھر) شیر (بھی) اس سبب سے کہ اس (خرگوش) نے حاضر ہونے میں دیر تک توقف کیا تھا (غصے کے مارے) مٹی کرید رہا تھا۔ اور دھاڑ رہا تھا۔

گفت من گفتم کہ عہدِ آں خساں خام باشد خام و زشت و نارساں

لغات ۔گفت بمعنی میگفت ۔خساں جمع خس ۔کمینہ ۔سفلہ ۔نالائق ۔خام کچا ۔بیہودہ ۔زشت برا ۔نارسا ناتمام ۔انجام تک نہ پہنچنے والا۔

ترجمہ (اور) کہہ رہا تھا۔ میں نے (پہلے ہی) کہا تھا ۔کہ ان کمینوں کا عہد کچا ہوگا اور کچا ہونے کے علاوہ خراب و ناتمام بھی رہیگا۔

دمدمہ ایشاں مرا از خر فگند چند بفر بید مرا ایں دہر چند

لغات دمدمہ مکر و فریب ۔از خر افگندن ۔مکاشفات میں اس کے معنے لکھے ہیں ۔گدھے سے کم رتبہ بنا دینا ۔مگر بحر العلوم میں شیخ ولی محمد سے منقول ہے ۔کہ یہ معنی خلاف محاورہ ہیں ۔از خر فگندن کے صحیح معنی ہیں از مطلب دور ساختن و ہلاک کردن ۔چند بمعنی تاچند کب تک دہر سے اہل دہر مراد ہیں۔

ترجمہ ان کے مکر نے مجھ کو مار ڈالا۔ یہ اہل زمانہ مجھے کب تک دھوکا دینگے (ہاں) کب تک!

سخت درماند امیرِ سست ریش چوں نہ پس بیند نہ پیش از احمقیش

لغات درماندن عاجز آجانا ۔سست ریش بیوقوف ۔احمق ۔احمقی میں یائے مصدری ہے۔

ترجمہ (واقعی) وہ بیوقوف حاکم بھی بالکل نکما ہے ۔جو اپنی بیوقوفی سے پس و پیش نہ دیکھے۔

راہ ہموار ست و زیرش دامہا قحطِ معنی درمیانِ نامہا

لغات ہموار صاف برابر ۔دام جال ۔قحط کال ۔مراد کمیابی ۔

ترجمہ راستہ بظاہر صاف اور برابر ہے ۔اور اس کے نیچے جال (چھپے ہوئے) ہیں (بڑے بڑے دلچسپ) ناموں (اور لقبوں) میں معنی کا قحط ہے۔

مطلب ۔یہاں قصے سے ارشاد کے ایک مضمون کیطرف انتقال ہے ۔یعنی جس طرح ظاہری معاملات میں انجام بینی نہ کرنے سے غلطی میں مبتلا ہونے کا احتمال ہے ۔اس طرح باطنی معاملات اور سلوک و طریقت میں دور اندیشی نہ کرنے سے ضلالت ودبال میں گرفتار ہونے کا اندیشہ ہے ۔شیوخ مزور اور پیران ریاکار کے اقوال واحوال بظاہر ہموار راستے کی طرح قابل اطمینان نظر آتے ہیں ۔حالانکہ انکے پیچھے مکر و تزویر کا جال چھپا ہوتا ہے ۔مرید بے تمیز کورانہ ارادتمندی میں آکر ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں ۔حالانکہ اگر وہ دور اندیشی اور حقیقت شناسی سے کام لیتے ۔تو معلوم ہوجاتا کہ یہاں میاں صاحب حضرت صاحب شاہ صاحب پیرو مرشد ہادی و رہنما ذاکر و شاغل و عابد و زاہد وغیرہ اسما و القاب میں ان حقیقی اوصاف کا پتہ بھی نہیں ۔جوان

الفاظ کے معانی ہیں۔ حافظ رحمہ

صوفی نہادہ دام و سرِ حقّہ باز کرد | بنیاد مکر با فلکِ حقّہ باز کرد
ولہ بزیرِ دلق مرقع کمند ہا دارند | دراز دستیِ ایں کوتہ آستیناں بیں
صائب مکر صید خلق دارد زاہداں را گوشہ گیر | خاکساری پردۂ تزویر باشد دام را
ولہ طالبِ خلق اگر گوشہ عزلت گیرد | ہیچو دامے ست کہ در خاک نہاں میگردد
وقال بعضہم لباس شہرت ایں قوم خالی ازمعنی | بجز لباس قلمکار نیست چوں تصویر

لفظہا و نامہا چوں دامہاست | لفظِ شیریں ریگِ آبِ عمرِ ماست

ترجمہ (شیوخ مزوّر کی) باتیں اور القاب گویا جال ہیں (جو لوگوں کو مبتلائے عقیدت بناتے ہیں)۔ ان کے دلچسپ اقوال اور ملفوظات (گویا) ریت ہیں۔ اور ہماری عمر پانی ہے۔ (جو اس ریت میں جذب ہوا جاتا ہے۔)

مطلب ان مکار پیروں کے القاب و اسمار کا دام مکر ہونا تو اوپر بھی مذکور ہوچکا ہے۔ یہاں اسکے مکرر ذکر کے ساتھ انکے اقوال و ملفوظات کا بھی جاذب قلوب اور جالب طبائع ہونا بیان فرماتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ نکات تصوف، رموز معرفت اور اسرار طریقت کے بیان کرنے میں کچھ ایسی زمین و آسمان کی ملاتے ہیں۔ کہ عوام ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔ کہ ان کے یہ ملفوظات و اقوال سادہ لوح معتقدوں کی بربادی عمر کا موجب ہوتے ہیں۔ جو ان کی خدمت و اطاعت میں اپنی زندگی بسر کرڈالتے اور بجائے رشد و ہدایت کے گمراہی و ضلالت خرید کر خسرالدنیا والآخرہ کا مصداق بنتے ہیں۔ بقول کسے

جاہل برد ز مرشد بیمعرفت چہ فیض | کورے کجا عصا کش کور دگر شود

عمر چوں آب ست وقت او را چو جُو | خُلقِ باطن ریگِ جوئے عمرِ تو

لغات۔ جُو جیم کے ضمہ سے نہر۔ خُلق باطن ملکاتِ نفسانیہ۔ خصائل۔

ترجمہ عمر گویا پانی ہے (اور) زمانہ اس کی نہر ہے۔ اور (پیران و مشائخ کا) خلق باطن تیری نہر عمر کی ریت ہے۔

مطلب چنانچہ اگر یہ ریت پاک و طاہر ہے۔ تو پانی بھی پاک و صاف ہوگا۔ اگر یہ ریت نجس اور گندی ہے تو پانی بھی گدلا اور مکدر ہو جائیگا۔ یہ مثال ہو اسکی کہ اگر شیخ کا باطن پاک و نورانی ہوگا۔ تو مرید کی زندگی بھی فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوگی۔ اگر اس کے باطن میں خبث و تاریکی ہے۔ تو مرید کی عمر بھی اس کے اتباع سے تباہ و برباد ہو جائیگی۔ سعدی رحمہ

روے اگر چند پریچہرہ و زیبا باشد | نتواں دید در آئینہ کہ نورانی نیست

ان دونوں احتمالوں کی تفصیل اگلے اشعار میں آتی ہے

انتقاد۔ بعض شارحین کے نزدیک اس شعر میں خلق باطن سے خود مرید کے اخلاق ذمیمہ مراد ہیں۔ ادہر انکے نزدیک یہ شعر بے جوڑ اور غیر ضروری واقع ہوا ہے۔ ادھر تو شیوخ مزوّر کے اقوال کو ریگ سے

تشبیہ دی تھی - اور آگے چل کر خود شیوخ مزوّر کی ذات کو ریگ قرار دینگے - اور اس میں تو کوئی حرج نہیں - لوجود النسبتہ بینہما - مگر ان دونوں کے تشبیہوں کے درمیان مرید کے اخلاق کو ریگ سے تشبیہ دینا بیموقع ہے - اسلئے وہ بقول بعض اس کو الحاقی قرار دیتے ہیں - لیکن ظاہر ہے - کہ اگر یہاں خلق باطن سے پیر کے اخلاق سیئہ مراد ہوں - تو اس احتمال کی ضرورت نہیں رہتی - بلکہ یہ شعر اجمال اور آیندہ اشعار اس کی تفصیل قرار پاکر مطلب صاف اور مسلسل بن جاتا ہے - کما اخترناہ -

آں یکے ریگے کہ جوشد آب ازو سخت کمیاب ست رَو آنرا بجو

ترجمہ ایک وہ ریت ہے - جس سے (حکمت کا) پانی پھوٹ نکلتا ہے - وہ نہایت کمیاب ہے - جاؤ اس کی تلاش کرو - (اور طالب حکمت بنو)

مطلب - شیخ کامل اور شیخ ناقص چونکہ بظاہر یکساں نظر آتے ہیں - اسلئے دونوں کو ریگ سے تشبیہ دی ہے - مگر چونکہ بلحاظ اثر دونوں میں بیّن فرق ہے - اسلئے شیخ کامل کو اس ریگ سے تشبیہ دی ہے - جس سے شیریں و خوشگوار پانی نکلتا ہے - اور اس کے تلاش کرنے کی تاکید فرمائی - ہمائیؒ سے

شاید دو چار دامنِ اہل دلے شوی چوں آفتاب دست بگرد جہاں برار

ہست آں ریگ اے پسر مردِ خدا کہ بحق پیوست واز خود شد جدا

ترجمہ بیٹا! وہ ریت مرد خدا ہے - جو خدا سے واصل اور اپنی خودی سے دور ہوگیا - عراقیؒ سے

زحیرت جلگی گم گشتہ از خود ولے ہر یک دریں رہ رہنمائے

آب عذبِ دیں ہمے جوشد ازو طالباں را زاں حیات ست و نمو

لغات عذب شیریں - حیات زندگی سرسبزی - نمو بڑھنا پھلنا پھولنا - نشو و نما پانا -

ترجمہ دین کا شیریں پانی اس سے پھوٹ کر نکلتا ہے - جس سے طالبوں کو (ابدی) زندگی اور پھولنا پھلنا (نصیب ہوتا) ہے - جامیؒ سے

فیضے کہ بدل میرسد از سدرہ و طوبےٰ در سایۂ سرو قدِ دلجوے تو یابم

غیرِ مردِ حق چو ریگِ خشک داں کابِ عمرت را خورد او ہر زماں

لغات کاب کہ آب خورد نوشد - آشامد - آب عمر میں یا تو اضافت تشبیہی ہے - یا تمثیلی -

ترجمہ جو شخص مرد خدا نہیں - اسکو خشک ریت سمجھو - جو ہردم تمہارے آبِ عمر کو جذب کئے جا رہا ہے -

مطلب اگر آبِ عمر کی اضافت تشبیہی ہے - تو اس صورت میں اس سے زندگی مراد ہے - جسکو پانی سے تشبیہ دیگئی ہے - یعنی جس طرح ریت پانی کو چوس لیتا ہے - اسطرح اس شیخ مکار کی صحبت تیری زندگی کو چوس جائیگی اور اضافت تمثیلی کی صورت میں آب عمر سے زندگی کی رونق و برکت مراد ہے - پھر یہ مطلب ہوگا - کہ اس کی صحبت تیری برکات زندگی کو یعنی علم و عمل اور مال و دولت کو برباد کردے گی - صائبؒ سے

زصبح صادق لشناس صبح کاذب را　　مخور بجائے تباشیر استخواں زنہار

طالبِ حکمت شو از مردِ حکیم　　تا از و گردی تو بینا و علیم

لغات۔ حکمت۔ دانائی۔ یہاں معرفت و طریقت مراد ہے۔ حکیم سے حکیم روحانی یعنی پیر کامل مقصود ہے
بینا صاحب بصیرت۔ علیم کثیر العلم۔ بڑا عالم۔
ترجمہ مردِ حکیم سے حکمت طلب کرو۔ تاکہ تم اس سے صاحب بصیرت اور بڑے دانا بن جاؤ۔
مطلب۔ جب معلوم ہوگیا۔ کہ پیر دو قسم کے ہیں۔ ایک کامل دوسرے ناقص۔ تو واجب ہے۔ کہ پیر کامل ہی سے استفاضہ کرو۔ تاکہ تم کمال روحانی سے بہرہ ور ہو جاؤ۔ جامی رح ؎

مستغنیم بتربیتِ پیرمے فروش　　زیں مرشدانِ رہ زن و از راہ فتادہ ہم

منبعِ حکمت شود حکمت طلب　　فارغ آید او ز تحصیل و سبب

لغات منبع سرچشمہ۔ چشمے کے نکلنے کی جگہ۔ حکمت طلب۔ حکمت کو تلاش کرنیوالا۔ تحصیل حاصل کرنا
ترجمہ طالب حکمت۔ حکمت کا سرچشمہ بنجاتا ہے (اور وہ) تحصیل (کے مروجہ طریق) اور (حصول علم کے) اسباب (ظاہری) سے فارغ ہوتا ہے۔
مطلب۔ جو شخص حکمت و بصیرت طلب کرتا ہے۔ علم و حکمت کی باتیں اسکے دل سے فوارے کی طرح نکلنی شروع ہوجاتی ہیں۔ اور علوم وہبی و لدنی اس کے قلب پر اس طرح خود بخود فائض ہونے لگتے ہیں۔ کہ اس کو تحصیل علوم کیلئے اسباب ظاہری کی ضرورت نہیں رہتی۔ مولانا رح دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

؎ عاشقاں را شد مدرس حسنِ دوست　　دفتر و درس و سبق شاں روئے اوست
ولہ ؎ در دلت بینی علوم انبیا　　بے کتاب و بے معید و اوستا

لوحِ حافظ لوحِ محفوظے شود　　روحِ او از روحِ محظوظے شود

لغات لوح تختی۔ حافظ حفظ کرنے والا۔ یاد رکھنے والا۔ لوح محفوظ۔ وہ دفتر غیب جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تمام کے تمام احوال جو کل عالم میں واقع ہوئے یا ہونگے درج ہیں۔ محظوظ بہرہ یاب حصہ پانیوالا روح پہلا کلمہ روح حقیقی معنی یعنی جان پر محمول ہے۔ دوسرے کلمہ سے الہام مراد ہے
ترجمہ (پھر اس طالب حکمت کی قوت) حافظہ کی لوح (کثرت علم سے) لوح محفوظ بنجاتی ہے اور اس کی جان روح (یعنی الہام) سے بہرہ یاب ہوتی ہے۔
مطلب۔ طالب حکمت پہلے تو علوم و اسرار کو شیخ سے سنکر اپنے لوح دل پر محفوظ رکھتا تھا۔ پھر علوم کشفیہ لدنیہ کے انکشاف کے بعد اس کا دل بمنزلۂ لوح محفوظ بنجاتا ہے۔ کہ اس میں منجانب اللہ علوم حقیقتہ منتقش ہونے لگتے ہیں۔ پھر اس افاضۂ غیب اور الہام ربانی کو روح سے تعبیر فرماکر کہتے ہیں۔ کہ اس کی جان الہام سے بہرہ یاب ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا وحی یا الہام کو روح اس اعتبار سے کہا گیا ہے۔ کہ جس طرح روح حیات جسمانیہ کا سبب ہے۔ اسی طرح الہام حیات معنویہ کا ذریعہ ہے

چوں معلم بود عقلش ز ابتدا   بعد ازاں شد عقل شاگردے ورا

ترجمہ ۔ عقل بھی جو ابتدا میں اس کی معلم تھی (اب) اس کے بعد (وہی) عقل اس کی شاگرد بن گئی ۔
مطلب ۔ حصول معرفت سے پہلے عقل اس کی پیش رو تھی ۔ اور عقل ہی نے اس کو راہ طلب پر ڈالا تھا ۔ مگر اس کے بعد جب اس کو وہ وہ علوم و اسرار حاصل ہو گئے ۔ جو عقل و ادراک کے بس سے باہر ہیں ۔ تو عقل اس کے آگے محتاج اور زیردست ثابت ہوئی ۔ حافظ رح ؎

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق   ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

عقل چوں جبریل گوید احمدا!   گر یکے گامے زنم سوزد مرا

لغات جبرئیل ؑ وہ فرشتہ ہے جو وحی لاتا ہے ۔ اور معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھا ۔ گام قدم **ترکیب** سوزد کا فاعل سبحات الجلال محذوف ہر کا سیاق **صنائع** اس شعر میں تلمیح ہے قصہ معراج کی طرف
ترجمہ عقل (بھی سلوک کے مراتب عالیہ کو طے کرنے سے عاجز آکر) جبرئیل ؑ کی طرح (عذر کے کلمات) کہنے لگے گی ۔ (جس طرح جبرئیل ؑ نے معراج میں کہا تھا کہ) یا حضرت احمد صلی اللہ علیک وسلم ۔ اگر میں (آپ کے ساتھ) ایک قدم اور چلوں ۔ تو (فروغ تجلے) مجھے جلا دے گا ۔
مطلب وہ طالب مراتب سلوک کے ان اعلیٰ مقامات کو طے کرتا چلا جائیگا ۔ جہاں عقل کی رسائی ناممکن ہے اور عقل ان مراتب پر فائز ہونے سے معذور ہے ۔ جیسے جبرئیل ؑ نے معراج میں سدرۃ المنتہے سے آگے جانے سے عذر کیا تھا ۔ شرح بحر العلوم میں تحریر ہے کہ عقل کی تمثیل جبرئیل ؑ کے ساتھ اس لحاظ سے ہے ۔ کہ شب معراج میں جبرئیل ؑ پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنما تھے ۔ پھر سدرۃ المنتہے کے مقام پر پہنچ کر وہ آنحضرت صلعم کے شاگرد بنگئے ۔ اور آپکے ساتھ جانے کی ان کو طاقت نہ رہی معراج کے قصے میں مذکور ہے ۔ کہ جب سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مقام جبرئیل سے آگے چلنے لگے تو جبرئیل ؑ ٹھہر گئے ۔ سید عالم نے فرمایا ۔ یا اخی تم کیوں رفاقت نہیں کرتے ۔ انہوں نے جواب دیا ۔ لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ سُبُحَاتُ الْجَلَالِ یعنی اگر میں ایک سر انگشت بھر آگے چلوں ۔ تو انوار جلال مجھ کو پھونک ڈالیں سعدی رح ؎

چناں گرم در تیہ قربت براند   کہ در سدرہ جبرئیل ازو باز ماند
بگفتا فراتر مجالم نماند   بماندم کہ نیروے بالم نماند
اگر یکسر موئے برتر پرم   فروغ تجلی بسوزد پرم

مگر یہ روایت حدیث کی مشہور کتابوں میں نہیں ملتی ۔ تفسیر خازن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سدرۃ المنتہی کی وجہ تسمیہ میں اس قدر منقول ہے ۔ کہ اس مقام پر ملائکہ کے علم کی انتہا ہے ۔ اور اس سے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں گیا ۔

تو مرا بگذار زیں پس پیش راں   حد من ایں بود اے سلطان جاں

ترجمہ آپ مجھے اس سے پیچھے ہی رہنے دیجئے (اور خود) آگے تشریف لے جائیے ۔

اے سلطانِ جان میری حد یہی تھی۔ حافظ رح ؎

اندریں دائرہ مے باش چو دف حلقہ بگوش | ورقفائے خوری از دائرۂ خویش مرو

تتبع پا منہ بیروں ز حدِّ خود سعادتمند باش | نیست کمتر از ہما تا چند در ویرانہ ہست

ہر کہ ماند از کاہلی بے شکر و صبر | او ہمے داند کہ گیرد پائے جبر

لغات کاہلی سستی پا گرفتن قیام کرنا۔ **ترجمہ** جو شخص سستی کی وجہ سے ناشکر اور بے صبر رہا۔ وہ یہ سمجھتا ہے۔ کہ میں جبر پر قائم ہوں۔

مطلب۔ اوپر مرد حکیم یعنی پیر کامل کے تلاش کرنے کی ترغیب اور حصول فیوض کی تاکید کی تھی۔ اب اس طلب وسعی میں سستی کرنے کی مذمت فرماتے ہیں۔ کہ سست آدمی اپنی سستی کی وجہ سے طلب کمال میں کوتاہی کرتا ہے۔ اور الٹا خوش ہوتا ہے۔ کہ میں نے جبر محمود پر عمل کیا۔ یعنی اپنے اختیار کو اختیار خداوند میں محو کر دیا۔ حالانکہ اس غلط فہمی میں اس نے ناشکری اور بے صبری کے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے۔ ناشکری تو اس لحاظ سے ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کو قوائے مدرکہ و فاعلہ کی نعمتیں عطا فرمائی تھیں۔ تو ان سے کام لینا ان نعمتوں پر خدا کا شکر کرنے کے ہم معنی تھا۔ لیکن اس نے انکو معطل و بیکار رکھکر خدا کی ناشکری کی اور بیصبری اس لحاظ سے کہ وصول الی الحق کا ذریعہ اعمال واشغال اور ریاضات و مجاہدات تھے۔ جن پر اس سے صبر نہ ہو سکا۔ اس لئے ان سے کنارہ کش رہنا بے صبری کا ہم معنی ہے۔ ؎

حافظ صبور باش کہ در راہِ عاشقی | ہر کس کہ جاں نداد بجاناں نمیرسد

جامی رح نتواں نشستن از تگ و پو در طریقِ عشق | آنرا کہ پادپا ندہد دست پا بیست

ہر کہ جبر آورد خود رنجور کرد | تا ہماں رنجوریش در گور کرد

لغات رنجور بیمار **ترکیب** خود کے ساتھ را ر حرف جار یا علامت مفعولیت محذوف ہے۔ شین ضمیر مفعول ہے۔

ترجمہ جو شخص جبر (کے زعم باطل) پر کار بند ہوا اس نے اپنے آپ کو بیمار بنا لیا۔ یہاں تک کہ اسی بیماری نے اس کو (جہالت و بطالت کی) قبر میں مدفون کر دیا۔

مطلب۔ بیماری بعض فرائض اعمال کی بجا آوری کے لئے عذر مانی گئی ہے۔ مگر قائل جبر جو طلب وسعی سے کتراتا ہے۔ وہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو بیمار بنا رہا ہے۔ اور یہ بہانہ جوئی کی بیماری آخر اس کی روحانی موت کا باعث بنتی ہے۔ صائب رح ؎

چوں پذیرند از تو عذرِ لنگ کز بہر سفر | بادپائے ہمچو جانِ بیقرارت دادہ اند

گفت پیغمبر کہ رنجوری بلاغ | رنج آرد تا بمیرد چوں چراغ

لغات لاغ تمسخر۔ ہنسی۔ مخول۔ رنج۔ مرض

ترجمہ (چنانچہ) جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہنسی اور تمسخر سے بیماری (ظاہر) بیمار بنا دیتا ہے۔ یہانتک کہ (وہ بناوٹی بیمار) چراغ کی طرح گل ہو جاتا ہے۔

مطلب بعض منافقین احکام دین کی بجا آوری سے ٹلنے کے لئے جھوٹ موٹ اپنے آپکو بیمار ظاہر کرتے تھے۔ ان کے حق میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنْ تَمَارَضْتُمْ لَدَيْنَا تَمْرُضُوْا یعنی اگر تم ہمارے سامنے بیمار بنوگے۔ تو فی الواقع بیمار ہو جاؤ گے۔ (کذا فی بحر العلوم وغیرہ) نظامی ؎

بسا فالے کہ از بازیچہ برخاست ۔ چو اخترے گذشت آں فال شد راست

جبر چہ بود؟ بستنِ اشکستہ را ۔ یا بہ پیوستن رگِ بگسستہ را

لغات جبر کسی ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنا۔ کسیکو زبردستی کسی کام پر لگانا۔ سب نیکی بدی اللہ کیطرف سے سمجھنا اشکستہ میں الف زائد ہے۔ پیوستن ملانا۔ جوڑنا گسستہ ٹوٹا ہوا۔ کٹا ہوا۔

ترجمہ جبر (کا لغوی معنی) کیا ہے؟ ٹوٹے کو جوڑنا یا کٹی ہوئی رگ کو پیوستہ کرنا۔

مطلب۔ اوپر جبر کے عقیدے سے متمسک ہوکر سعی وطلب کو چھوڑنے والے کی تردید تھی اب یہ ذکر ہے۔ کہ اگر تم کو جبری بننا ہی منظور ہے۔ تو جبر محمود اختیار کرو۔

چوں دریں رہ پائے خود نشکستۂ ۔ برکہ میخندی چہ پا را بستۂ

ترجمہ جب تم نے اس راہِ (طلب) میں اپنے پاے (طلب) کو (شدت سعی سے) شکستہ ہی نہیں کیا۔ تو (جبر کے معنی صادق نہ آئے پھر) تم اور کس پر ہنستے ہو (اور) پاؤں کو کیا باندھ رکھا ہے۔

مطلب جبر بمعنی بستنِ شکستہ کے دعویدار کا فرض تھا۔ کہ پہلے پائے شکستن پر عمل کرتا۔ پھر بستن کو عمل میں لاتا۔ لیکن جب اس نے نہ سعی کی۔ نہ شدت سعی سے اپنے پائے طلب کو مضمحل و شکستہ کیا۔ پھر اس کا پاؤں کو باندھنا محض بوالہوس کر شہیدوں میں شامل ہونا ہے۔ جو جبر کا مصداق نہیں۔ جامی ؎

نیافت صفوتِ صوفی بحیلہ صاحب زرق ۔ نشد بصنعت قلاب زرِ ناب رصاص

اختلاف۔ بعض نسخوں میں نشکستہ کے نون کی بجائے بائے موحدہ ہے۔ اس صورت میں معنی یوں ہونگے تم نے اس راہِ طلب میں اپنا پاے سعی کیونکر شکستہ کیا ہے (اگر محض ترک ریاضات کا بہانہ ہے۔ تو) پھر کسی (منکر جبر) پر کیا ہنستے ہو (اور اپنے) پاؤں کو کیا باندھا ہے (کہ خود تم جبر محمود پر عامل نہیں ہو)

وانکہ پایش در رہِ کوشش شکست ۔ در رسید او را براق و بر نشست

لغات براق وہ بہشتی چوپایہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں سوار ہوئے۔ یہ چوپایہ خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ صنائع براق استعارہ ہے جذبِ الٰہی سے۔

ترجمہ اور جس شخص کا پاؤں طریق مجاہدہ میں شکستہ ہوا۔ اس کے لئے (جذبِ الٰہی) کا براق آیا۔ اور وہ اسپر سوار ہوگیا۔ (اور قربِ حق کی منزل تک پہنچ گیا)

مطلب در رہِ کوشش پا شکستن کے یہ معنی ہیں۔ کہ اس نے امکانی سعی و کوشش کے تمام مراتب

سیر قدمی اور سیر نظری

ختم کردئیے ہوں۔ کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ہو۔ یہانتک کہ وہ درجہ انتہا پر عجز واضمحلال سے پا شکستہ کا مصداق بن گیا ہو اور اس سے آگے مزید کوشش وسعی اس سے نہ ہو سکتی ہو۔ سعی وطلب سے مراد سلوک ہے۔ جسکو سیر قدمی کہتے ہیں۔ اور جذب الٰہی کا نام سیر نظری ہے۔ راہ سعی میں پاشکستہ ہونے سے پوری پوری سعی وطلب بجا لانا مراد ہے۔ اس شعر میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کمال سعی یعنی سلوک مقدم ہے۔ پھر جذب الٰہی جسکو اس شعر میں براق سے تعبیر کیا ہے۔ موصل الی الحق ہو جاتا ہے۔ کما قال السعدی رح

؎ بپائے طلب راہ بدانجا بری — وزانجا ببالِ محبّت پری

حاملِ دیں بُود او محمُول شد — قابلِ فرماں بُد او مقبُول شد

لغات - حامل اٹھانیوالا۔ محمول اٹھایا ہوا۔ قابل قبول کرنیوالا۔ مقبول قبول کیا ہوا۔

ترجمہ (پہلے) وہ دین کا بار اٹھانیوالا تھا۔ (اب) خود سوار بن گیا۔ (پہلے صرف) فرمان (خداوندی) کو قبول کرنے والا تھا۔ (اب) خداوند تعالٰی کا مقبول ہو گیا۔

مطلب - ایسا شخص جو حقِ مجاہدہ ادا کرکے واصل الی الحق ہو جائے۔ پہلے وہ بار اعمال واشغال برداشت کرتا تھا۔ جو سلوک کا حاصل ہے۔ اب جذبہ الٰہی نے بالاضطرار اسکو مقصود اصلی تک پہنچا دیا۔ صائبؒ

؎ چوں شبنم پاکیزہ گہر جسم گدازاں — در دامنِ گلزار بخورشید سوارند

تاکنُوں فرماں پذیرفتے ز شاہ — بعد ازاں فرماں رساند بر سپاہ

ترجمہ (اس کی مثال ایسی ہے۔ کہ گویا) اب تک بادشاہ کے احکام قبول کرتا تھا۔ (پھر ترقی مراتب کے بعد) خود فوج پر حکمرانی کرنے لگا۔

مطلب طالب پہلے اپنے شیخ کی اطاعت کرتا ہے۔ پھر حصول کمال کے بعد خود شیخ کامل بنکر مسند ارشاد پر متمکن ہو جاتا ہے۔ اور طالبوں کو فیض پہنچاتا ہے۔ حافظ رح ؎

ازاں زماں کہ بریں آستاں نہادم روے — فرازِ مسندِ خورشید تکیہ گاہِ من است

تاکنُوں اختر اثر کردے درو — بعد ازاں باشد امیرِ اختر او

لغات - اختر ستارہ امیر حاکم۔ افسر

ترجمہ اب تک ستارے اسپر اثر کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ ستاروں پر حکمراں ہوگا

مطلب کواکب کی تاثیر بالاستقلال ماننا تو شرک وکفر ہے۔ مولانا رح نے یہاں ان کا ذکر یا تو بناءً علی العرف کر دیا جیسے ادبیات شاعری میں بہت سی مشہور عام باتیں حوالۂ قلم ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ شرعاً وہ مورد اعتراض ہی ہوں۔ یا اس سے تاثیر کواکب بقضاء اللہ وقدرہ مراد ہے۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں جیسے کہ اس کتاب کے پہلے حصے میں اسکی تحقیق گزر چکی۔ کواکب پر حکمران ہونے کا یا تو یہ مطلب ہے۔ کہ وہ ان میں تصرف کرنے لگتا ہے۔ جو ایک قسم کی کرامت ہے۔ اور مولانا کے کلام میں کوئی کلمہ اس حکمرانی کے دوام واستمرار پر دلالت نہیں کرتا۔ جس سے کوئی اشکال واقع ہوتا۔ بلکہ یہ جزئی حکم ہے۔ یعنی وہ کبھی کواکب میں تصرف بھی کر سکتا (ہے)

یا حکمراں ہونیکے معنی یہ ہیں کہ چونکہ وہ شخص فنافی اللہ کا درجہ حاصل کرچکا ہے۔ اور ایسے شخص کی خواہش بالکل ارادہ خداوندی کے تابع ہوتی ہے۔ اور کواکب کا ارادہ خداوند کے زیر فرمان ہونا ظاہر ہی ہے۔ پس کواکب میں ارادۂ خداوندی سے جو تغیر و تبدل ہوگا۔ چونکہ وہ اس شخص کی خواہش کے موافق ہوگا۔ پس گویا وہ تغیر خود اسکی خواہش سے ہوا ہے۔ اس معنی مجازی سے اس کو امیر اختر کہدیا۔ صائب رح ؎

ہرکس کشید سر بگریبان نیستی　　　تسخیر کرد مملکتِ بے زوال را

گر ترا اشکال آید در نظر　　　پس تو شک داری در انشق القمر

لغات اشکال الف کے کسرہ سے مشکل۔ دشواری۔ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ معجزہ شق القمر مراد۔

ترجمہ اگر تم کو (اس شخص کے حاکم اختر ہونے میں) دشواری نظر آئے۔ تو تم معجزہ شق القمر میں بھی شک رکھتے ہو۔

مطلب حاکم اختر ہونا تو بعض تاویلات و توجیہات سے مورد اشکال بھی نہیں تھا۔ مگر جب تم ایک ناقابل اشکال امر میں شک و شبہ کرتے ہو۔ تو معجزہ شق القمر میں جو ایک تصرف خارق ہے۔ تم کو شک کیوں نہ ہوگا۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ ایک مسلمان اس معجزہ میں شک نہیں کر سکتا۔ جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ تو اس کو اولیاء کرام کے امیر اختر ہونے میں بھی شک نہ کرنا چاہیئے۔

سورۃ قمر کی ابتدائی آیت ہے۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ یعنی قیامت قریب آگئی اور چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ بخاری و مسلم دونوں میں یہ روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شِقَّتَیْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِشْھَدُوْا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہوگیا تو آپ نے فرمایا۔ گواہ رہو۔ اس روایت کے علاوہ صحیحین اور دیگر کتب احادیث میں اور بہت سی روایات شق القمر کے متعلق درج ہیں۔ جبیر ابن مطعم رضہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ قریش نے کہا۔ کہ محمد نے ہماری نگاہوں کو مسحور کردیا۔ تو ان میں سے بعض نے کہا۔ اگر اس نے ہم کو مسحور کیا ہو۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ تمام لوگ مسحور ہوجائیں اس کو ترمذی رح نے روایت کیا ہے۔ بعض نے اسپر یہ کلام اضافہ کئے ہیں۔ کہ پھر یہ لوگ آنے جانے والے قافلوں سے ملتے تھے۔ تو وہ انکو بتاتے تھے۔ کہ ہمنے بھی ایسا ہی دیکھا ہے۔ یہ تمام بیان تلخیصاً تفسیر خازن سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں آگے چلکر لکھا ہے کہ یہ وہ احادیث ہیں۔ جو اس عظیم الشان معجزہ کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔ جن کے ساتھ قرآن مجید کی شہادت شامل ہے۔ جو سب سے زیادہ زبردست دلیل اور قوی حجت ہے۔ اور اسکے امکان میں کوئی مومن شک نہیں کرسکتا۔ کیونکہ مخبر صادق نے اس کی خبر دی ہے۔ لہذا اسپر ایمان لانا اور اس کے وقوع کا اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ امام نووی رح شرح مسلم میں زجاج سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ بعض اہل بدعت و مخالفین ملت اسکے منکر ہیں اور بعض منکر لوگ کہتے ہیں۔ کہ اگر فی الواقع چاند دو ٹکڑے ہوگیا تھا۔ تو یہ نظارہ صرف اہل مکہ سے مخصوص نہ ہوتا۔ بلکہ تمام اہل زمین اس کو دیکھتے۔ علماء نے اس کا جواب یوں دیا ہے۔ کہ شق القمر کا واقعہ رات

کے وقت ظہور پذیر ہوا تھا۔ جبکہ دنیا مصروفِ خواب تھی۔ گھروں کے دروازے بند تھے۔ اور لوگ لحاف اور رزائیاں اوڑھے منہ سر ڈھکے لیٹے سو رہے تھے۔ ایسی حالت میں دنیا کے اندر شاذ و نادر ہی کوئی ایسا آدمی ہو سکتا ہے۔ جو آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھے اس کے حالات کا مطالعہ کرتا ہو۔ خصوصاً ایک ایسے حادثے کے لئے جس کا پہلے وہم و گمان بھی نہ ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چاند گرہن کے موقع پر جس کا پہلے انتظار بھی ہوتا ہے۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ جو اس کا نظارہ کرتے ہیں۔ اسیطرح طلوع نجوم و وقوع شہب وغیرہ ہزاروں فلکی عجائبات حدوث پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی انکو آنکھ بھر کر نہیں دیکھتا۔ جو دیکھتا ہے۔ وہ ذکر تک نہیں کرتا۔ ممکن ہے ہند چین۔ یورپ افریقہ وغیرہ اقطار ارض میں کسی نہ کسی نے شق القمر کا واقعہ دیکھا بھی ہو۔ تو اس کا چرچا نہ کیا ہو۔ یا اگر اس وقت چرچا ہوا بھی ہو۔ تو وہیں ہو ہوا کر رہ گیا ہو۔ اور کسی نے اس کو تواریخ میں درج نہ کیا ہو۔ جو آجتک شہادت بنکر ہمارے سامنے پیش ہوتا مگر اہل مکہ کی فرمایش سے یہ معجزہ ظہور پذیر ہوا۔ وہی اسکے دیکھنے کے منتظر و مترصد تھے۔ انہوں نے ہی بغور دیکھا باقی اہل دنیا کو نہ اس کا انتظار تھا نہ انہوں نے دیکھا۔ انتہیٰ۔ سعدی رح ؎

چو عزمش برآہیخت شمشیر بیم   بمعجز میانِ قمر زد دو نیم

تازہ کُن ایماں نہ از گُفتِ زباں   اے ہَوا را تازہ کردہ در نہاں

لغات۔ گفت قول۔ بات۔ زبانی بات۔ ہوا خواہش۔ نفسانی رائے نہاں باطن۔ دل۔

ترجمہ ایمان کو (صدق دل سے) تازہ کرو۔ نہ کہ صرف زبانی قول سے۔ اے تم نے اپنے باطن میں خواہشات نفس کو تازہ کر رکھا ہے۔

مطلب۔ اہل ہوا اور اہل بدعت کی عادت ہے۔ کہ وہ اپنے دنیوی مقصد اور نفسانی غرض کو تعلیمات شرع سے مقدم رکھتے ہیں۔ اور جن نصوص شرعیہ کو اپنے مقصد کے خلاف پاتے ہیں۔ ان کو تاویل و تحریف کی کانٹ چھانٹ سے اپنے مطلب کے موافق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چونکہ معجزہ شق القمر کے بارے میں بھی یہ احتمال تھا۔ کہ کوئی ملحد اس میں تاویل بعید کرنے لگے۔ اور اس کو کراماتِ اولیا کے لئے قابل استدلال نہ سمجھے۔ اس لئے فرماتے ہیں۔ کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے متعلق ایمان کو مضبوط کرنے کیلئے اقرار باللسان کے ساتھ تصدیق بالجنان بھی کرنی چاہیئے۔ صرف زبانی اقرار کافی نہیں۔ جبکہ دل میں ان معجزات کے متعلق مخالف خیالات رکھتے ہو۔ کیونکہ شرط ایمان یہ ہے۔ کہ اپنے ذاتی خیالات کو مقتضائے شرع کے تابع رکھیں۔ نہ یہ کہ احکام شرع کو اپنی رائے کے تابع بنائیں۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ یہانتک کہ اسکے ذاتی خیالات ان احکام شرع کے تابع ہو جائیں۔ جو میں لایا ہوں (مشکوٰۃ) نظامی رح ؎

عقل ار چہ خلیفۂ شگرف است   بر لوح سخن تمام حرف است

ہم مہر مؤیدی نہ دارد   تا دینِ محمدی ندارد

تا ہَوا تازہ ست ایماں تازہ نیست ۔۔۔ چوں ہَوا جز قفلِ آں دروازہ نیست

ترجمہ جب تک ہوائے نفسانی تازہ ہے۔ ایمان تازہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ہوائے نفسانی بجز اس کے کہ اس دروازہ (علوم و معارف) کا قفل ہے۔ اور کچھ نہیں۔

مطلب اس میں اس آیت کریمہ کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۔ کیا یہ لوگ قرآن مجید پر غور نہیں کرتے۔ یا دلوں پہ قفل لگے ہوئے ہیں (محمدؐ) غرض ایمان واذعان نتیجہ ہے۔ علوم حقیقتہ اور معارف صحیحہ کے حاصل ہونے کا۔ اور علوم و معارف کا دروازہ دل ہے۔ مگر جب دل پر نفسانی اغراض اور شیطانی وساوس کا قبضہ ہو۔ تو گویا علوم و معارف کے دروازے پر قفل لگ گیا۔ پھر تازگی ایمان کہاں۔ صائبؒ ؎

دل ز ہوس پاک کن فیض کشائش ببیں ۔۔۔ ہرچہ درونِ دل ست قفل برون درست

کردہ تاویلِ حرفِ بکر را ۔۔۔ خویش را تاویل کُن نے ذِکر را

لغات تاویل لغوی معنی پھیرنا بدلنا۔ اصطلاح میں ایک بات کو ظاہری معنی سے پھیر کر کسی اور احتمالی معنی پر حمل کرنا۔ شعر میں تاویل کے پہلے کلمے سے اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ اور دوسرے سے لغوی۔ بکر۔ بکسرِ با۔ ناکتخدا لڑکی۔ کواری۔ مراد محفوظ ذکر قرآن مجید۔

ترجمہ تم نے (قرآن مجید کے) محفوظ حروف کی تاویل کی ہے۔ (اگر کرتے ہو۔ تو خود) اپنے آپ کا تغیّر و تبدّل کرو۔ نہ کہ قرآن کی تاویل۔

مطلب قرآن مجید کو بکر اسلئے کہا کہ بکر محفوظ و دست نارسیدہ کو کہتے ہیں۔ اور قرآن مجید پر بھی باطل کی دسترس نہیں لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ باطل نہ اس کا مقابلہ کر سکتا ہے نہ تعاقب + قرآن مجید کا نام ذکر خود قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ یعنی ہم ہی نے قرآن مجید کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ خویش را تاویل کن کے یہ معنی ہیں۔ کہ تم جو جہل و نادانی میں مبتلا ہو۔ اپنے دل کے قفلِ ہوا کو توڑ کر علوم و معارف حاصل کرو۔ تاکہ تمہاری حالتِ جہل بدل جائے۔

فکرِ تو تاویل کردہ ذِکر را ۔۔۔ ذکر را ماں و بگرداں فکر را

لغات ماں صیغہ امر ماندن بمعنی گذاشتن سے گرداں گردانیدن پھیرنا سے صیغہ امر ہے۔

ترجمہ تمہاری قوتِ فکریہ نے قرآنی آیات کی تاویل کی ہے۔ قرآن کو (اس کی حالت پر) رہنے دو۔ اور اپنی قوت فکریہ کو بدلو۔

اختلاف ۔ یہ شعر ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔

بر ہَوا تاویلِ قرآں میکنی ۔۔۔ پست و کژ شد از تو معنیِ سَنی

لغات یرَ مطابقت کے لئے۔ کژ ٹیڑھا۔ ناراست۔ سستی۔ روشن۔

ترجمہ۔ تم محض اپنی ہوائے نفسانی کے مطابق قرآن مجید کی تاویل کرتے ہو۔ (اور) تمہاری (غلط تاویل کی) وجہ سے (قرآن مجید کے ظاہر اور) روشن معنی پست اور کج ہو گئے۔

مطلب۔ خودرائی اور اتباع ہوا کتاب اللہ کے حقیقی معنی سمجھنے میں مانع ہے۔ حافظ رح ؎

ہر کہ آئینہ صافی نشد از زنگِ ہوا — دیدہ اش قابلِ رخسارۂ حکمت نبود

قرآنمجید کے معانی میں اپنی رائے وعقل کو دخل کا موقع دینا ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَأْيِهٖ فَقَدْ كَفَرَ یعنی جس نے اپنے رائے سے قرآن کی تفسیر کی وہ کافر ہو گیا۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِتَّقُوا الْحَدِيْثَ عَنِّيْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ وَمَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَأْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ یعنی میرے نام سے (ہر ایسی ویسی) حدیث روایت کرنے سے بچو۔ مگر وہ جو تم جانتے ہو (کہ صحیح ہے) پس جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ لگائے۔ تو اس کو چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں سمجھے۔ اور جو شخص قرآنمجید کے معانی میں اپنے رائے سے کچھ کہے تو اسکو چاہیئے کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا سمجھے (ترمذی)

لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال رہے۔ کہ اگر کوئی کتاب وسنت کا عالم قواعد کلام کا ماہر اسلوب عربیت کا واقف مصالح شرع واصول دین کو سمجھنے والا نیک نیتی سے بلا کسی غرض نفسانی کے کوئی معنی بطور احتمال کے بیان کرے۔ تو اسکی مشروعیّت پر تمام امّت متفق ہے۔ عَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ قَالَ مَرَرْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ يَخُوْضُوْنَ فِي الْاَحَادِيْثِ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَوَقَدْ فَعَلُوْهَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَمَا اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَكَهٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِيْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ هُوَ الَّذِيْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا يَنْقَضِيْ عَجَائِبُهٗ هُوَ الَّذِيْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذَا سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ یعنی حارث الاعورؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ میں مسجد میں سے گذرا۔ تو دیکھا۔ کہ لوگ احادیث میں بحث و تکرار کر رہے ہیں۔ پھر میں حضرت علی رضہ کے پاس گیا۔ تو ان کو اس کی اطلاع دی۔ انہوں نے کہا کیا وہ ایسا کر رہے ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ کہ یاد رکھو عنقریب فتنہ برپا ہوگا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اس سے نجات دلانے والی کیا چیز ہے۔ فرمایا قرآنمجید۔ اس میں تم سے پہلے گزرنے والی امتوں کے حالات ہیں۔ اور تم سے پیچھے آنیوالے واقعات کی خبر ہے۔ اور تمہاری موجودہ ضروریات کے احکام ہیں۔ وہی فیصلہ ہے۔ وہ ہزل نہیں۔ جو کسی سے ڈر کر اس کو چھوڑیگا۔ اللہ اسکو توڑ ڈالیگا۔ اور جو شخص اس کے سوا کسی اور کتاب سے ہدایت

طلب کریگا۔ اللہ اسکو گمراہ کریگا۔ اور وہ اللہ کا مضبوط رسّا ہے۔ وہ حکمت والا ذکر ہے۔ وہ سیدھا ہے۔ یہ وہ ہے۔ جس سے خواہشات میں کجی نہیں آسکتی۔ اور نہ اس سے زبانیں تشابہ ہوسکتی ہیں۔ اور نہ علما اس سے سیر ہوسکتے ہیں۔ اور نہ وہ بار بار دہرانے سے پرانا ہوتا ہے۔ اور نہ اس کے عجائبات ختم ہوتے ہیں۔ یہ وہ ہے۔ کہ جب اس کو جنات نے سنا۔ تو وہ یہ بات کہنے سے باز نہیں رہ سکے۔ کہ ہم نے عجیب قرآن سنا۔ جو راست روی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ پس ہم اسپر ایمان لائے جو اس کا قائل ہوا۔ وہ سچا ہے۔ جس نے اسپر عمل کیا۔ اس نے اجر پایا۔ اور جس نے اس کے ساتھ حکم دیا۔ اس نے انصاف کیا۔ اور جس نے اس کی طرف دعوت دی۔ اس نے صراط مستقیم کی طرف ہدایت پائی۔ (مشکوٰۃ)

سوال مولانا کے قول میں مطلق تاویل کی تردید پائی جاتی ہے۔ حالانکہ علمار متاخرین نے قرآنمجید کی بہت سی آیات میں تاویل کی ہے۔ خصوصًا ان آیات صفات کی جنمیں ایسے کلمات آئے ہیں۔ جو جسمانیات کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ مثلاً اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ)۔ وہ رحمٰن ہو جو عرش کے اوپر قائم ہے۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (فتح) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔ اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (بقرہ) تم جدھر منہ کرو۔ ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ (سورہ قلم) جس روز کھولی جائے پنڈلی۔ وغیرہ وغیرہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک جسم وجسمانیات سے منزہ ہے۔ اس لئے علمار نے ان آیات میں استوار ید، وجہ، اور ساق کے کلمات کی تاویل کی ہے۔ کیا مولانا کے قول میں ایسی تاویل کی بھی تردید ہے؟

جواب یہ تاویلات علمائے حقانیین نے اصول شرعیہ اور قواعد عربیہ کو محفوظ رکھکر استحالہ نقلی وعقلی کے دفع کرنے اور تعارض کے رفع کرنے کے لئے کی ہیں۔ جو محض ایک شرعی و دینی مقصد ہے اور اُن کا یہ کام غرض نفسانی سے پاک ہے۔ اور اہل حق نے خلفًا عن سلف اس کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا اس قسم کی تاویلات کا رد مولانا کا مقصود نہیں۔ بلکہ یہاں اس تاویل باطل کا رد کرنا مدّ نظر ہے۔ جو اہل اہوا و مبتدعین کا شیوہ ہے۔ جس کو وہ کسی دینی مصلحت سے نہیں۔ بلکہ محض نفسانی و شیطانی اغراض کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ ان کو کسی شرعی اصول کے ماتحت نہیں لاتے۔ بلکہ محض اپنے عقلی قیاس سے کام لیتے ہیں۔ جیسے کہ بعض گمراہ فرقے معجزات انبیا اور رفع عیسےٰ کی تاویل کرتے ہیں۔ اور اکثر فلاسفہ حشر ونشر، صراط و میزان وبہشت ودوزخ کو مختلف تاویلی معنوں پر محمول کرتے ہیں

زیافتِ تاویلِ رکیکِ مگس

مکھی کی کمزور دلیل کا اوداپن

مانَد اَحوالت بداں طُرفہ مگس ۔ کوہمے پنداشت خود را ہست کس

لغات مانَد بفتح نون صیغہ مضارع مانستن بمعنی مشابہ بودن سے طُرفہ بضم طا عجیب و نادر

ترجمہ تمہاری حالت اس عجیب وغریب مکھی کے ساتھ مشابہ ہی جو سمجھتی تھی کہ میں بھی کچھ ہوں

از خودی سرمست گشتہ بے شراب   ذرہ خود را شمردہ آفتاب

ترجمہ (جو) خود پسندی سے شراب پئے بغیر مست ہو رہی تھی (جو) ایک ذرہ ہو کر اپنے آپ کو سورج سمجھتی تھی۔

وصفِ بازاں را شنیدہ در زماں   گفتہ من عنقائے وقتم بیگماں

لغات بازاں جمع باز۔ غیر ذوی العقول کی جمع الف نون کے ساتھ خلاف قیاس ہوتی ہے۔ جیسے درختاں اسپاں
عنقا عین کے فتحہ سے ایک خوبصورت پرندے کا نام۔ جس کی نسبت کہتے ہیں۔ کہ وہ زمانہ قدیم میں ہوتا تھا۔ مگر اس کی نسل ناپید ہو گئی۔ اس لئے اس لفظ سے خوبصورت پرندے یا کسی معدوم اور فرضی چیز کے لئے استعارہ کرتے ہیں۔ عین کے ضمہ سے اس کا تلفظ غلط ہے۔
ترجمہ وہ (مکھی) بازوں کی تعریف سنتے ہی بول اُٹھی۔ کہ بیشک میں اپنے زمانے کی عنقا ہوں

آں مگس بر برگِ کاہ و بولِ خر   ہمچو کشتیباں ہمے افراشت فر

لغات برگ کاہ گھاس کا پتا۔ افراشتن بلند کرنا۔ فر عزت شان و شکوہ۔
ترجمہ وہ مکھی گدھے کے پیشاب میں ایک گھاس کے پتے پر بیٹھی ملاح کی طرح شیخیاں بگھارتی تھی۔

گفت من کشتی و دریا خواندہ ام   مدتے در فکر آں میماندہ ام

ترجمہ کہنے لگی۔ کہ میں نے دریا کی کشتی کا حال (کتابوں میں) پڑھا ہے۔ ایک مدت سے اس فکر میں تھی (کہ فن جہاز رانی میں مہارت پیدا کروں)

اینک ایں دریا و ایں کشتی و من   مردِ کشتیبان و اہلِ رائے و فن

ترجمہ (آخر میری آرزو پوری ہو گئی چنانچہ) یہ لو دریا ہے اور یہ کشتی ہے۔ اور میں ملاح ہوں اور اہل الرائے اور ماہر فن ہوں۔
مطلب۔ مکھی بولِ خر کو دریا۔ برگ کاہ کو کشتی اور اپنے آپ کو ملاح سمجھ کر اپنی جہاز رانی کی مہارت کے گیت گا رہی ہے۔ یہی حال تاویل باطل کرنے والے کا ہے۔ کہ وہ بھی اپنے محدود و ناقص معلومات کو بحرِ معانی سمجھ کر ہمہ دانی کے زعم میں اپنی تاویلات کی ٹوٹی پھوٹی کشتی چلانے لگتا ہے۔ اور سمجھتا ہے۔ کہ علوم و معارف کے ہفت قلزم میرے بس میں ہیں۔

بر سرِ دریا ہمے راند او عمد   مینمودش ایں قدر بیروں زحد

لغات عمدہ لکڑی جس سے کشتی بان کشتی چلاتے ہیں۔ چپو۔ بیروں زحد غیر محدود۔ ناپیدا کنار۔
ترجمہ (پس) وہ (اسی حقیر و متعفن) دریا پر چپو مار رہی تھی۔ اور یہی (دریا) اس کو ناپیدا کنار نظر

آرہا تھا۔

بود بیحد آں چمیں نسبت بدو — آں نظر کو بیند آنرا راست کو

لغات چمیں پیشاب۔ پاخانہ۔ یہاں پیشاب سے مراد ہے۔ راست ٹھیک اصلیت کے موافق۔ کو پہلا کو مخفف ہے۔ کہ اوکا۔ دوسرا کو بمعنی کہاں کہاں۔

ترجمہ (بیشک) وہ پیشاب اس کی نسبت (کے لحاظ) سے بے حد تھا۔ ایسی نظر (اس میں) کہاں تھی کہ اس (پیشاب) کو ٹھیک (اندازے سے) دیکھتی۔

عالمش چنداں بود کش بینش ست — چشم چندیں بحر ہم چندینش ست

لغات بینش نگاہ۔ چندیں اتنی سی مترکیب کش میں کاف بیانیہ شین مضاف الیہ مقدم۔ بینش مضاف مؤخر بحر۔ مضاف۔ شین ضمیر مضاف الیہ جو چند بینش میں ہے۔

ترجمہ اس (مکھی) کا عالم بھی اتنا ہی (محدود و مختصر) ہے۔ جتنی اس کی نظر ہے۔ (جس کی) اتنی (تنگ) آنکھ (ہے) اس کا (یہ نرالا) دریا بھی اتنا ہی ہے۔

صاحب تاویل باطل چوں مگس — وہم او بول خر و تصویر خس

لغات تصویر۔ تصور۔ خیال۔ عقیدہ۔

ترجمہ (پس) باطل تاویل (کرنے) والا گویا مکھی ہے۔ اس کا وہم بول خر ہے۔ اور (اس کا) تصور گھانس پھونس کا تنکا ہے۔

مطلب اس شعر میں مثال کی ممثل لہ کے ساتھ تطبیق کی ہے۔ یعنی جس طرح ایک مکھی اپنی تنگ نظری سے بول خر کو دریا سمجھ کر اس میں سیر حسی کر رہی ہے۔ اسی طرح ایک ملحد و بیدع بھی اپنے اوہام باطلہ کو جن کا منشا کوئی حقیقی علم نہیں ہے۔ ایک سچی تحقیق سمجھ کر سیر ذہنی اور حرکت فکری کر رہا ہے جامی رحمۃ اللہ علیہ ؎

فکر شفا بیش ہمہ بیماری است	بیس نجاتش ز گرفتاری ست
جانب کفر است اشارات او	باعث خوف ست بشارات او
جستجوئے گہر از نقش پئے موج کند	سادہ لوحے کہ رہ حق بدلائل بردو

گر مگس تاویل بگذارد برائے — آں مگس را بخت گرداند ہمائے

ترجمہ اگر (یہ) مکھی (کا سا کج رائے و تنگ نظر مبتدع) اپنی رائے سے تاویل کرنا چھوڑ دے۔ تو وہ (خوبی) قسمت کی بدولت مکھی سے ہما بن جائے۔

مطلب امور دین میں اپنی رائے سے تاویل کرنا یعنی خود الٹکل پچو معنی لگانا منع ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر تاویل و تفسیر میں اپنی ذاتی رائے کو دخل کا موقع نہ دیا جائے۔ بلکہ دلائل شرعیہ سے اصول

وسفینہ کے ماتحت تاویل کی جائے تو ممنوع نہیں۔ بلکہ علما میں شائع و ذائع ہے۔ جیسے کہ اوپر سوال و جواب کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ امور دین میں حکم لگانے یا معنی بیان کرنے والا اگر اپنی ذاتی راے کے دخل سے بچ کر دلائل شرع کے ماتحت چلے۔ تو وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ کہ اس کو علمائے حقانیین میں جگہ مل جاتی ہے۔

آں مگس نبود کش ایں غیرت بود — روح اُو نے درخورِ صورت بود

لغات کش کہ اورا درخور لائق۔ مطابق اس شعر کا قافیہ محل نظر ہے۔

ترجمہ وہ (شخص) مکھی (کہلانے کا مستوجب) نہیں۔ جس میں اس قدر غیرت (دینی) ہو (کہ شرعی مسائل میں اپنے ذہنی تصرفات سے کام لینا پسند نہ کرے)۔ اس کی روح اس کے ظاہر کے موافق نہیں ہوتی۔

مطلب یعنی اگرچہ بظاہر وہ علوم درسیہ ظاہریہ کی کمی کی وجہ سے ناقص نظر آئے۔ مگر اس لحاظ سے کہ اس کا دل دین کی عظمت و جلال سے معمور ہے۔ اور اس کا سر دین کے ادب و تعظیم میں خم ہے۔ اور وہ ہر دینی مسئلے میں لب کشائی کرتے وقت پوری دیانت اور احتیاط کا پابند ہے۔ بیشک اس کی روح ان فضائل عالیہ کی وجہ سے بڑا رتبہ رکھتی ہے۔ جو بہت سے کثیر العلم لوگوں کو بھی حاصل نہیں۔ جامی رح

طعنہ بر من مزن بصورت زشت — اے تہی از فضیلت و الفضائل
تن بود چوں غلاف جاں شمشیر — کار شمشیر مے کند نہ غلاف

ہمچو آں خرگوش کو بر شیر زد — روح اُو کے بود اندر خورد قد

لغات زد حملہ کیا۔ اندر خورد بمعنی درخور۔ لائق۔ موافق

ترجمہ چنانچہ وہ خرگوش جس نے شیر پر حملہ کیا۔ اس کی رُوح (اس کے) جسم کے موافق کب تھی؟

مطلب جس طرح خرگوش بظاہر حقیر و ضعیف تھا۔ مگر باطن میں شیر جیسی خونخوار ہستی کو تباہ کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ اسی طرح ممکن ہے۔ کہ کوئی شخص ظاہر میں ناقص مگر باطن میں صاحب کمال ہو۔ جیسے اکثر مستور الحال اہل اللہ ہوتے ہیں۔ خواجوی کرمانی رح ؎

خوشا سر فرازان کوتاہ دست — بزرگان خرد و بلندان پست
ہمہ نامداران گم کردہ نام — ہمہ کامکاران ناکردہ کام
ہمہ بختیاران بے تخت و رخت — ہمہ تاجداران بے تاج و تخت
چو یوسف بزندان و مسکن عزیز — نہ اندر دست چیزے نہ محتاج چیز

رنجیدن شیر از دیر آمدن خرگوش

خرگوش کے دیر کرکے آنے سے شیر کا خفا ہونا

شیر میگفت از سر تیزی و خشم　　گز رہِ گوشم عدو بربست چشم

ترجمہ شیر (خرگوش کے انتظار میں) تندی اور خفگی سے کہہ رہا تھا۔ کہ دشمن (نخچیروں) نے (مجھے دم دے کر) کان کی راہ سے میری آنکھوں پر (دھوکے کی) پٹی باندھ دی۔
مطلب افسون و افسانہ کی باتوں سے مجھے پھسلا لیا ہے۔ کما قیل ؎

شیوۂ حشمت فریب جنگ بود　　ما غلط کردیم صلح انگاشتیم

مکرہائے جبریانم بستہ کرد　　تیغ چوبیں شاں تنم را خستہ کرد

لغات جبریاں عقیدہ جبر کے قائل۔ یہاں اس سے نخچیر مراد ہیں۔ کیونکہ وہ جبر کی تائید میں شیر سے بحث کرتے تھے۔ بستہ مقید۔ چوبیں۔ لکڑی کی خستہ زخمی تیغ چوبیں شاں میں فک اضافت ہے۔
ترجمہ ان جبریوں کے مکر نے مجھے (ترک صید کا) مقید کردیا (اور) ان کی لکڑی کی تلوار (کی سی دلائل باطل حق نما) نے میرے بدن کو خستہ (یعنی ضرر رسیدہ) کردیا۔ حافظ رح ؎

اے دل بیا کہ ما بہ پناہِ خدا رویم　　زانچہ آستین کوتاہ و دست دراز کرد

زیں سپس من نشنوم آں دمدمہ　　بانگِ دیواں ست و غولاں آں ہمہ

لغات سپس۔ بعد پیچھے۔ دمدمہ مکر و فریب۔ دیو۔ جن۔ شیطان۔ غول چھلاوا۔
ترجمہ آیندہ میں کبھی اس طرح دم میں نہیں آؤنگا۔ وہ سب جنوں اور چھلاووں کی آوازیں ہیں۔ ؎

برو فسانہ مخواں و فسوں مدم حافظ　　کزیں فسانہ و افسوں مرا بسے یاد ست

بردراں اے دل تو ایشاں را مایست　　پوستِ شاں برکن کہ غیر پوست نیست

لغات بردراں دراندیدن پھاڑ ڈالنا سے بر زائد ہے۔ پوست چمڑا۔ چھلکا۔ دوسرے پوست سے منافقانہ ظاہرداری مراد ہے جس کی توضیح آگے خود فرماتے ہیں۔ برکن کندن اوھیڑنا سے بر زائد ہے۔
ترجمہ اے دل! اب توقف نہ کر۔ ان کو پھاڑ ڈال۔ ان کے چمڑے اوھیڑ ڈال کیونکہ (ان میں) ظاہرداری کے سوا اور کچھ نہیں۔
مطلب بدعہد دبیوفا اور غدار و پیماں شکن کی سزا یہی ہے۔ کہ اس کے ٹکڑے اڑا دئے جائیں۔
نظم ؎ پیماں شکن ہر آئینہ گردد شکستہ حال　　ان العہود عند ملوک النہی ذمم

پوست چہ بود گفتہائے رنگ رنگ　　چوں زرہ برآب کش نبود درنگ

ترکیب زرہ موصوف۔ برآب متعلق قائم کے جو زرہ کی صفت مقدر ہے۔
ترجمہ پوست کیا ہے؟ طرح طرح کی باتیں۔ جیسے آبشار کی (لہروں کی) زرہ جس کو کچھ دیر بھی

(قیام) نہیں ہے

مطلب - اوپر تحیّروں کی ان ظاہر آراستہ و دلفریب باتوں کو پوست سے تعبیر کیا تھا جو صداقت و راستی کے مغز سے خالی تھیں - اب اس مضمون پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے الفاظ کا بمنزلہ پوست اور غیر مقصود بالذات ہونا اور معانی کا بمنزلہ مغز اور مقصود بالذات ہونا بیان فرماتے ہیں - ؎

تنگنائے شہر صورت نیست جائی جلئے تو
سوئے معنی رو کہ ہست آں ملک را معنی فراخ

ایں سخن چوں پوست معنی مغز دال ایں سخن چوں نقش معنی ہمچو جاں

ترجمہ یہ بات گویا پوست ہے - معنی کو اس کا مغز سمجھ - یہ بات گویا صورت ہے - (اور) معنی گویا جان (ہے)

مطلب جس طرح پوست اور نقش غیر مقصود اور مغز اور روح مقصود ہوتی ہے - اسی طرح کلام ظاہری غیر مقصود اور اس کا [illegible] و معنی مقصود ہوتا ہے - ؎

رہ بمعنی نبرد ہر کہ ز صورت صافی ہمچو آئینہ تہیدست ز بازار شود

پوست باشد مغز بد را عیب پوش مغز نیکو را ز غیرت غیب پوش

ترجمہ (الفاظ کا) پوست (معنی کے) بُرے مغز کا عیب ڈھکتا ہے (اور) اچھے مغز کو غیرت کی وجہ سے (نظروں سے) غائب رکھ کر پوشیدہ رکھتا ہے -

مطلب - جس طرح پوست اپنے اندر کے اچھے یا بُرے مغز کو محفوظ و پوشیدہ رکھتا ہے - اسی طرح الفاظ کی خاصیت ہے - کہ اگر انکے معانی میں خدع و مکر اور کید و شید کی برائیاں ملی ہیں - تو الفاظ کی ظاہری رنگینی و دلآویزی ان کو چھپا لیتی ہے - اور اگر ان کے معانی ایسے اسرار گرانقدر پر مشتمل ہیں - جن کو ناقدر شناس لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا تقاضائے غیرت کے خلاف ہے - تو پوست الفاظ ایسے معانی کے مغز کو بھی مخفی دستور رکھتا ہے - پس کلام ظاہر اپنے اثر و خاصیت کے لحاظ سے پوست کے ساتھ مشابہ ہے - اور اس میں سے ایک خاص قسم یعنی دلآویز مگر پر فریب کلام بے بقائی کی صفت زرہ بر آب سے ملتی جلتی ہے - جیسے کہ اوپر ایک شعر میں گذر چکا ہے - اب اسی مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں -

چوں قلم از باد بُد دفتر ز آب ہر چہ بنویسی فنا گردد شتاب

ترجمہ جب قلم ہوا سے اور دفتر پانی سے ہو - تو جو کچھ تم لکھو گے - فوراً نابود ہو جائیگا -

مطلب سطح آب کے نقوش ہوا سے پیدا ہوتے ہیں - اس لئے ہوا کو قلم اور سطح آب کو کاغذ قرار دیا - اور ایسی تحریر کی ناپایداری ظاہر ہے -

نقش آب ست ار وفا خواہی ازاں باز گردی دستہا خود گزاں

لغات نقش بر آب کنایہ ہے ناپایدار و عارضی چیز سے گزاں اسم حالیہ گزیدن کاٹنا سے۔
ترجمہ۔ وہ تو نقش بر آب (یعنی ناپایدار ہے) اگر تم اس سے وفا چاہو۔ تو تم کو اپنے دست (حسرت) کاٹتے ہوئے واپس آنا پڑے گا۔
مطلب مکار و فریبی لوگوں کی باتوں میں وفا نہیں۔ جو اپنے آپ کو پیری و مرشدی کے لباس میں نمایاں کرتے ہیں۔ جو کوئی ان کی باتوں پر یقین کرتا ہے۔ آخر مبتلائے حسرت و ندامت ہوتا ہے۔
صائب رح ؎ فریب گریۂ زاہد مخور زسادہ دلی کہ دام در دل دانہ ست سبحہ داماں را

باد در سر دم ہوا و آرزوست چوں ہوا بگذاشتی پیغام ہوست

لغات ہوا خواہش نفسانی۔ ہو۔ اسم ذات باری تعالیٰ۔ حق۔
ترجمہ لوگوں کی ہوا ے (نفسانی سراسر) حرص و آرزو ہے۔ اگر تم اس ہوا کو چھوڑ دو۔ تو (تمہاری طرف خاص) خدا کے پیغام (یعنی واردات غیب) آنے لگیں۔
مطلب۔ اوپر کہا تھا۔ کہ قلم باد سے صفحۂ آب پر جو کچھ لکھا جائے۔ وہ نقش بر آب و ناپایدار ہے۔ اب فرماتے ہیں۔ کہ وہ باد ہے کیا؟ وہ حرص فضول اور آرزوئے خام ہے۔ جس کے ترک کرنے سے دل میں یہ صلاحیت پیدا ہوسکتی ہے۔ کہ وہ پیغامات غیب کا مورد ہو۔ کیونکہ جو روح پابند حرص ہو۔ وہ ترقی نہیں کرسکتی۔ سعدی رح ؎

برادج فلک چوں پرد جرّہ باز کہ در شہپرش بستہ سنگ آز
گرش دامن از چنگ شہوت رہا کنی رفت تا سدرۃ المنتہیٰ

امیر خسرو رح ؎
حرص بخاکت کشد شارع دیں گیر زانکہ بے روش مصطفےٰ راہ بر افلاک نیست

خوش بود پیغامہائے کردگار کو ز سر تا پائے باشد پایدار

لغات خوش اچھا۔ خوب۔ مبارک کردگار کاف کے کسرہ سے کرنے والا۔ کام کا مالک۔ فارسی میں خداوند تعالیٰ کا نام ہے۔
ترجمہ اللہ کے پیغام خوب ہوتے ہیں۔ جو اوّل سے آخر تک پایدار ہوتے ہیں۔

خطبۂ شاہاں بگردد واں کیا جز کیا و خطبہ ہائے انبیا

لغات خطبہ جمعہ کی نماز سے پہلے اور عید کی نماز کے بعد جو خطبہ پڑھنا مشروع ہے۔ اس میں حمد و نعت کے بعد دوسری دعاؤں کے ساتھ سلطان وقت کی بھی دعا ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اس کو اس بادشاہ کے نام خطبہ پڑھنا کہتے ہیں۔ جب اس کے بعد دوسرا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے۔ تو پہلے بادشاہ

کا نام خطبہ سے ساقط کرکے نئے بادشاہ کا نام درج ہو جاتا ہے۔ کیا کاف کے کسرہ سے پہلوان مالک پاکیزہ یہاں بمعنی مصدری یعنی مالکیت وسرداری آیا ہے۔

ترجمہ (چنانچہ دنیاوی) بادشاہوں کے خطبے اور سرداری (یکے بعد دیگرے) بدل جاتی ہے۔ بخلاف (شاہان حق یعنی) انبیا کے خطبوں اور سرداری کے (کہ بدلتی نہیں)

مطلب ایک بادشاہ مرجاتا ہے۔ یا معزول ہو جاتا ہے۔ تو اس کا سکہ وخطبہ متروک ہو کر نئے بادشاہ کا سکہ وخطبہ جاری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ انسانی امور میں سے ہے۔ بخلاف اس کے پیغمبروں کی شریعتیں چونکہ سب اصولاً متحد ہیں۔ اس لئے ایک پیغمبر کے بعد جو دوسرا پیغمبر آتا ہے۔ اس کی شریعت پہلے پیغمبر کی شریعت سے اصولاً مخالف نہیں ہوتی۔ گو بعض فروعات احکام میں احوال انسانیہ کے متغیر ہو جانے کے سبب سے اختلاف ہوتا ہے۔ اور تمام شرائع کو اس اصولی جامعیت کے لحاظ سے دین کہتے ہیں۔ غرض تمام انبیا کا دین ایک ہی ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام تک ایک ہی چلا آتا ہے اگرچہ شرائع کے جزوی احکام میں اختلاف ہوتا ہے۔ یہاں پیغام الٰہی سے دین مراد ہے۔ جو غیر متبدل و ناقابل تغیر ہے۔

زانکہ بوش پادشاہاں از ہواست یار نامہ انبیا از کبریاست

لغات بوش بار موحدہ کے فتحہ سے کروفر۔ شان وشوکت یارنامہ زائے معجمہ سے اور رائے مہملہ سے دونوں طرح آیا ہے۔ سامان تجمل شان و شوکت۔ تفاخر۔

ترجمہ کیونکہ بادشاہوں کی آن بان حرص وہوا سے ہے اور انبیاء کی عزت وعظمت خاص خدا سے ہے۔

مطلب ہوا وہوس کے سامان کا نقوش ہوائیہ کی طرح ناپایدار ہونا جو اوپر مذکور تھا۔ اسی کے ذیل میں فرماتے ہیں۔ کہ دولت وسلطنت بھی چونکہ سامان حرص وآز ہے۔ اس لئے ناپایدار ہے۔ سعدی رہ ؎

جہاں اے پسر ملک جاوید نیست ز دنیا وفاداری امید نیست
نہ بر باد رفتے سحرگاہ وشام سریر سلیماں علیہ السّلام
بآخر ندیدی کہ برباد رفت خنک آنکہ با دانش و داد رفت

از درمہا نام شاہاں برکنند نام احمد تا قیامت میزنند

لغات برکنند نکال ڈالتے ہیں۔ مٹادیتے ہیں۔ میزنند منقش کرتے ہیں۔ زدن بمعنی ضرب سکہ مضروب کرنا

ترجمہ بادشاہوں کے نام تو ان کے مرنے یا معزول ہونے کے بعد درم ودینار سے مٹا دیتے ہیں دیگر انبیاء کا یہ رتبہ ہے کہ) احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک قیامت تک منقش کرتے رہینگے۔

فیضی غفراللہ
اسرار ازل خزینۂ او محراب ابد مدینۂ او
دینش بفروغ جاودانی مصباح زجاج آسمانی
بر بام ابد قدم کوبش پیشانی عرش خاکروبش

مطلب - جو امر حرص و ہوا کے تقاضے سے ہو۔ وہ ناپائیدار ہے۔ اور جو اللہ کی طرف سے ہو وہ دائمی و ابدی ہے

نامِ احمد نامِ جملہ انبیاست چونکہ صد آمد نود ہم پیشِ ماست

لغات صد سو نود نون اور واو دونوں کے فتحہ سے ننانویں (۹۹)

ترجمہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سارے انبیاء کے ناموں کا مجموعہ ہے۔ جب سو (کا عدد) آگیا۔ تو (ضمناً) نوّے (کا عدد) بھی ہمارے سامنے (آچکا) ہے۔

مطلب اوپر ذکر تھا۔ کہ انبیاء کی عزت وعظمت خاص خدا کی طرف سے ہے۔ اس لئے وہ ابدی و دائمی ہے۔ اور یہ ذکر تمام انبیاء کو شامل تھا۔ مگر نام صرف حضرت احمد صلے اللہ علیہ وسلم کا لیا گیا ہے۔ اس سے کوئی شخص دوسرے انبیاء کی نفی نہ سمجھ لے۔ کہ ان کی شان وعظمت کو بقا نہیں رہا۔ جیسے کہ بظاہر ان کی شرائع کے منسوخ ہونے سے یہی شبہ ہو سکتا ہے۔ جس کا ایک جواب تو اوپر گزر چکا ہے۔ کہ شرائع انبیاء اصولی حیثیت سے متحد ہیں اور ان سب کو دین الٰہی کہتے ہیں۔ ان کی منسوخیت فروعی حیثیت سے ہوتی ہے۔ جس سے ان کے اصولی اتحاد میں کوئی نقص وارد نہیں ہوتا۔ دوسرا جواب مولانا یہاں دیتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے سے آپ کی تخصیص اور دوسروں کی نفی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ کمال احمدی تمام انبیا کے کمالات کا جامع ہے۔ کما قال بعضہم ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پس آپ کا نام گویا تمام انبیاء کا نام اور آپ کا وجود حکماً سب انبیاء کا وجود ہے۔ اور آپ کی شریعت کا بقا حکماً سب شرائع کا بقا ہے۔ صائب رح ؎

سپردہ جا بتو ہر کس ز بزم بیروں رفت توئی بجائے ہمہ ہیچکس بجائے تو نیست

آپ کے وجود و بقا کا بمنزلہ تمام انبیا کے وجود و بقا کے ہونے کی مثال ایسی ہے۔ جیسے سو کا عدد نوّے کو شامل ہے۔ اگر دیگر انبیاء کے کمالات کو نوّے فرض کرلیں۔ تو کمال محمدی بمنزلہ سو کے ہے۔ کہ نوّے کا عدد اس کے ضمن میں آگیا۔ امیر خسرو رح ؎

احمد مرسل کز و چرخ علو یافتہ نامہ تلک الرسل فضل از و یافتہ

ایں سخن پایاں ندارد اے پسر قصۂ خرگوش گو و شیر نر

ترجمہ عزیزمن ! اس بات کی (کہ مرضیات خدا پایدار اور مقتضیات ہوا ناپایدار ہوتے ہیں) کوئی انتہا نہیں (لہذا) خرگوش اور شیر نر کا قصہ بیان کرو۔

ہم در بیانِ مکرِ خرگوش و تاخیر او در رفتن پیش شیر

یہ بیان بھی خرگوش کے مکر اور اس کے دیر سے جانے کے ذکر میں ہے۔

لطف دگر کوی گوی العقد و ا اسم ... [illegible]

در شدن خرگوش بس تاخیر کرد — مکر را با خویشتن تقریر کرد

لغات۔ شدن جانا۔ تاخیر دیر لگانا۔ تقریر۔ بات قائم کرنا۔ کچھ بیان کرنا۔
ترجمہ خرگوش نے جانے میں بڑی دیر کی (اور) اپنے دل میں حیلہ سوچتا رہا۔

در رہ آمد بعدِ تاخیرِ دراز — تا بگوشِ شیر گوید یک دو راز

ترجمہ بڑی دیر کے بعد (شیر کی قیام گاہ کی) راہ لی تاکہ شیر کے کان میں ایک دو راز کی باتیں کہے۔

تا چہ عالمہاست در سودائے عقل — تا چہ پہناست ایں دریائے عقل

لغات تا حرف تنبیہ بمعنی خبردار چہ برائے تفخیم عقل سے وہ قوت شعور مراد ہے جو انسان کے علاوہ حیوان میں بھی ہوتی ہے۔
ترجمہ دیکھو تو (حیوانی) عقل کی دھن میں کیا کیا عالم سما رہے ہیں۔ دیکھو تو یہ دریائے شعور کس قدر چوڑا ہے۔ (کہ انسان اور بہائم و سباع سب کو محیط ہے)
مطلب خرگوش کے عجائبات دماغیہ ہی کا یہ کرشمہ تھا۔ کہ شیر نر کی سی ہیبتناک ہستی کو ملیا میٹ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ورنہ اس حقیر جانور کی بساط ہی کیا تھی۔ اقبال سلمہ ؎

بہرِ حفظِ خویشتن مردِ ناتواں — حیلہ ہا جوید ز عقلِ کارداں
در غلامی از پئے دفعِ ضرر — قوتِ تدبیر گردد تیز تر
پختہ چوں گردد جنونِ انتقام — فتنہ اندیشی کند عقلِ غلام

بحرِ بے پایاں بود عقلِ بشر — بحر را غواص باید اے پسر

لغات۔ بحر دریا۔ سمندر۔ بے پایاں نامحدود۔ ناپیداکنار۔ غواص غوطہ خور۔
ترجمہ۔ انسانی عقل ایک بحرِ ناپیداکنار ہے (اس) سمندر میں کوئی غوطہ مارنے والا چاہیئے۔
مطلب حیوانی عقل کا دریا تو وسیع مگر محدود تھا۔ انسانی عقل کا سمندر غیر محدود ہے۔ کیونکہ لطیفہ عقل عالم امر سے ہے۔ اور اس عالم کے تمام لطائف حدود سے منزہ ہیں۔ جس کی تحقیق اس شرح کے پہلے حصّے میں گزر چکی۔ پھر فرماتے ہیں۔ کہ اس بحرِ بے پایاں میں کوئی غوطہ مارنے والا چاہیئے۔ جو اس سے گوہرِ معرفت نکال لائے۔ حافظ رح ؎

گوہرِ معرفت اندوز کہ با خود ببری — کہ نصیبِ دگراں است نصابِ زر و سیم

صورتِ ما اندریں بحرِ عذاب — میدود چوں کاسہا بر روئے آب

لغات عذاب بمعنی عذب شیریں خوشگوار۔ شاید یہ کلمہ بضرورت شعری عذب سے معدول کر لیا ہو۔ ورنہ کتب لغت میں یہ کلمہ بایں معنی نہیں ملتا۔ روئے آب پانی کی سطح۔
ترجمہ ہماری صورت (یعنی اجسام) اس (روح و عقل) کے دریا شیریں میں (اس طرح)

تیر رہی ہے ۔ جیسے پانی کی سطح پر پیلے ۔

مطلب ۔ روح کو دریائے ناپیدا کنار سے اور اجسام کو کوزوں سے تشبیہ دی ہے ۔ جو اس دریا کی سطح پر تیرتے پھرتے ہیں ۔ کیونکہ اجسام محدود و معدود ہیں ۔ اور روح غیر محدود اور تشبیہ دو وجہ سے ہے ۔ ایک تو یہ کہ اگر کوزے کثرت سے ہوں ۔ تو کوزے نظر آتے ہیں ۔ پانی نظر نہیں آتا ۔ اسی طرح اجسام نظر آتے ہیں اور ارواح محسوس نہیں ہوتیں ۔ غنی کاشمیری رح ؎

در غبارِ تن نیابد کس نشاں از جانِ پاک　　　آب تا بیروں بیاید از میاں بردار خاک

دوسری وجہ یہ کہ جس طرح کوزوں کی حرکت پانی کی وجہ سے ہے ۔ اس طرح اجسام کی حرکت روح کے تصرف سے ہے ۔

صائبؒ ؎　ساکن از شیشۂ ساعت نشود ریگ رواں　　　گرچہ در جسم بود روح ہماں در سفر ست

تا نشد پُر بر سرِ دریا چو طشت　　　چونکہ پُر شد طشت در وے غرق گشت

لغات ۔ بر سرِ دریا ۔ دریا کی سطح پر ۔ طشت ۔ تھال ۔ لگن ۔ پرات ۔

ترجمہ ۔ (اور اس وقت تک تیر رہی ہے) جب تک (اس) دریا کی سطح پر طشت کی طرح پُر نہیں ہوئی ۔ جب طشت پُر ہو گیا ۔ تو اس میں ڈوب گیا ۔

مطلب ۔ جب تک اجسام نورِ عقل سے پُر نہیں ہوتے ۔ اس وقت تک اُن پر احکام جسمانیہ کا غلبہ رہتا ہے ۔ اور آثار روحانیت مخفی رہتے ہیں ۔ جس طرح کوزے پانی کی سطح پر پھیلے ہوئے ہوں ۔ تو پانی مستور رہتا ہے ۔ پھر جب اجسام نورِ عقل سے پر ہو جاتے ہیں ۔ اور بصیرت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے ۔ تو احکام جسمانیہ مثلاً شہوت غضب وغیرہ مغلوب اور احکام روحانیہ یعنی محبت و معرفت غالب ہو جاتے ہیں ۔ جیسے مذکورہ مثال میں کوزے میں پانی بھر جانے کے بعد وہ پانی میں ڈوب جاتا ہے ۔ اور پانی اس کے اوپر پھر جاتا ہے ۔ صائبؒ ؎

با حبابِ تنِ خاکی نتواں واصل شد　　　کوزۂ خود شکن لب بلب جو بگذار

اس کے بعد اب وجہ تشبیہ بیان فرماتے ہیں :-

عقل پنہان ست و ظاہر عالمے　　　صورتِ ما موج یا از وے نمے

ترجمہ ۔ عقل (جو لطیفہ غیبی ہے) پوشیدہ ہے ۔ اور عالم (اجسام) ظاہر ہے ۔ ہماری صورت (اجسام بلحاظ تابع ہونے کے) اس کی موج ہے ۔ یا اس کی کچھ نم ہے (جو دریا کے تابع ہوتی ہے)

مطلب ۔ اوپر عقل کو دریا سے اور جسم کو کوزے سے تشبیہ دی تھی ۔ اب ان کی وجہ تشبیہ دو طرح سے بیان فرماتے ہیں ۔ یعنی ایک تو عقل مخفی اور جسم ظاہر ہے جس طرح پانی کی سطح پر طشت ظاہر ہوتا ہے ۔ اور پانی اس کے نیچے مخفی ہوتا ہے ۔ اسی طرح عقل جسم میں پنہاں ہے ۔ دوسرے جسم عقل کے تابع ہے ۔ اور وہ عقل کو اپنے اندر مخفی رکھتا ہے ۔ جس طرح موج دریا کے تابع ہوتی ہے ۔ اور کثرتِ امواج دریا کو اپنے نیچے مخفی کر لیتی ہے

صائبؒ ؎　دل ز قیدِ جسم چوں آزاد گردد وا شود　　　چوں حباب از خود کند قالب تہی دریا شود

ہر چہ صورت مے وسیلت سازدش　　　زاں وسیلت بحر دور اندازدش

ترکیب تقدیر کلام یوں ہے ہرچہ صورت ست بعض انساں اورا وسیلہ ے سازد۔ مے حرف زائد جو فعل سے متصل آیا ہے۔ بضرورت وزن منفصل آیا ہے۔ ہرچہ اسم موصول۔ آں مبتدا مقدر صورت خبر۔ است رابط محذوف یہ ۔ جملہ اسمیہ ہوکر صلہ ہوا۔ موصول وصلہ ملکر مبتدا ہوا مے سازد فعل۔ بعض انسان فاعل محذوف شین ضمیر منصوب راجع بہ مبتدا مفعول بہ اوّل ۔ وسیلت مفعول بہ ثانی۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہوئی۔ دوسرے مصرعہ میں شین ضمیر منصوب بعض انساں کی طرف راجع ہے۔

ترجمہ جو چیز (کہ محض) صورت (ہے بعض لوگ) اس کو (مقصود حقیقی کا) ذریعہ بناتے ہیں۔ (اور) دریا (یعنی) اس (کمزور) وسیلے کے سبب سے ان کو (اپنے اندر سے نکال کر) پھینک دیتا ہے (پس ان لوگوں کو ادراک معانی نصیب نہیں ہوتا)

مطلب صورت کا توسل موصل الی الحق نہیں جیسے کہ مشرک لوگوں نے اصنام کو وسیلہ تقرب بنانا چاہا اور کہا۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زر ۱۶) ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں۔ کہ ہم کو خدا سے نزدیک کردیں۔ جامی رح ؎

بدستِ خود بُتِ سنگیں تراشند ‏ ‏ ‏ ز مہر او دلِ غمگیں خراشند
بود معلوم کز سنگے چہ خیزد؟ ‏ ‏ ‏ بمعبودیش جز ننگے چہ خیزد؟

یا جیسے فلاسفہ نے اپنی بے معنی اور دور از حقیقت دلائل کو واجب الوجود کی معرفت کا وسیلہ بنانا چاہا۔ صائب رح ؎

جستجوئے گہر از نقش پئے موج کند ‏ ‏ ‏ سادہ لوحے کہ رہِ حق بدلائل پوید

آخر صورت کو وسیلہ تقرب بنانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اشتغال بالصورت کی وجہ سے ادراک معنی نصیب نہیں ہوتا جس کو وہ مقصود حقیقی کا وسیلہ بناتا ۔ کیونکہ وصول الی اللہ کا اصل ذریعہ معرفت اور طلب ہے اور یہ عقل کے افعال ہیں۔ نہ کہ جسم وصورت کے۔ صائب رح ؎

جلوۂ شاہدِ مقصود بود پردہ نشیں ‏ ‏ ‏ تا مصفّا نشود آئینۂ جانِ طلب

تا نہ بیند دل دہندہ راز را ‏ ‏ ‏ تا نہ بیند تیر دُور انداز را

لغات دہندہ راز = راز بتانے والا۔ مراد مرشد کامل۔ دور انداز = دور پھینکنے والا **ترکیب** بیند فعل دل فاعل۔ دہندہ راز مفعول بہ اسی طرح مصرعہ ثانیہ کی ترکیب ہے۔ دونوں جملے معطوف علیہ اور معطوف مل کر شرط ہوئی۔ اگلا شعر اس کی جزا ہے۔ وھذا ما اشاد الیہ صاحب المکاشفات لعلہ اوفق مما قالوا۔ بعض شارحین نے ان جملوں کو علت بنایا ہے۔ اور اوپر کا شعر ہرچہ صورت الخ اس کا معلول قرار دیا ہے۔ مگر ہم نے ترجمہ میں پہلی تقدیر کو اختیار کیا ہے۔ دوسری تقدیر کا فرق اس کے بعد ظاہر کرینگے۔

ترجمہ جب تک کہ دل راز بتانے والے (یعنی مرشد کامل) پر نظر نہ کرے (اور) جب تک کہ تیر اپنے دور پھینکنے والے کو نہ دیکھے۔ تب تک :۔ (اگلا شعر ملا کر پڑھو)

اختلاف - ترکیب میں لکھا جاچکا ہے۔ کہ بعض شارحین نے اس شعر کو علت اور سابقہ شعر کو معلو[ل]

نتیجۂ صورت پرستی حق سے دوری ہے۔ کفر و زیغ

قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک دل موصوف اور دہندہ راز اس کی صفت اور اسی طرح تیر موصوف اور دور انداز اس کی صفت ہے اور ان دونو ترکیبوں میں دل سے مراد روح ہے۔ ترجمہ ان کے نزدیک یوں ہے:۔
(صورت کا توسل غیر مفید ہے۔ اس سے عالمِ معنی سے بعد ہو جاتا ہے) حتیٰ کہ وہ (متوسل بصورت) روح کو نہیں دیکھ سکتا۔ جو رازگو ہے۔ اور اپنے فکر و عرفان کو تیر کی طرح دور دور پہنچاتی ہے۔ (ورنہ وہ اس کو وسیلۂ قرب بنا لیتا۔ جو موصل الی المطلوب ہو سکتی ہے)

اسپِ خود را یاوہ داند وز ستیز میدواند اسپِ خود در راہ تیز

لغات۔ یاوہ بیہودہ۔ آوارہ۔ گم۔ ستیز جنگ۔ جھگڑا۔ میدواند فعل حال دوانیدن دوڑانا سے
ترجمہ (تب تک اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو) اپنے گھوڑے کو گم ہوا سمجھے۔ (حالانکہ خود اس پر سوار ہے) اور جھگڑا کرتا ہوا اپنے گھوڑے کو تیز دوڑا رہا ہے۔
مطلب۔ اوپر صورت کے توسل کا غیر مفید ہونا اور روح و عقل کا قابلِ توسل ہونا مذکور تھا۔ اب سوال ہو سکتا ہے۔ کہ روح ہے کہاں تاکہ اس کو قربِ الٰہی کا وسیلہ بنایا جائے۔ اس کا جواب یہ دیا ہے۔ کہ روح تم سے بہت ہی قریب ہے۔ بلکہ تم کو اس کے ساتھ معیت تامہ حاصل ہے۔ مگر بقول صائب رح

دیدۂ ظاہر بکنہِ روح نتواند رسید ❊ چوں مسیحا را تواند دیدۂ سوزن شناخت

وہ تم کو محسوس نہ ہونے کے باعث بعید معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کے مشاہدہ کا بڑا وسیلہ مرشد کامل ہے جس کے افاضہ سے طالب کے دل میں اسرارِ معرفت القا ہوتے ہیں (یہ دہندہ راز کا مطلب ہے) اور جس کے ہاتھ پر طالب کی ترقی روحانی کا انحصار اس طرح ہوتا ہے جس طرح تیر انداز کے ہاتھ پر تیر کے پرواز کا مدار (یہ دور انداز تیر سے مقصد ہے) جب تک ایسے مرشد پر نظرِ ارادت نہ ہو۔ اس وقت طالب روح اپنی روح کو اس طرح ڈھونڈھتا پھرتا ہے جس طرح ایک سوار گھوڑے کو تلاش کرنے والا حالانکہ وہ اسی گھوڑے پر سوار ہے۔ اب آگے چند اشعار میں اسی طالبِ اسپ کا ذکر ہے جو اپنی غلطی اور گمراہی میں گھوڑے کے چور کو تلاش کرتا ہے۔

اسپِ خود را یاوہ داند آں جواد واسپِ خود او را کشاں کردہ چو باد

لغات۔ جواد جوانمرد۔ کشاں اسم حالیہ بمعنی اسم مفعول۔
ترجمہ وہ شہسوار اپنے گھوڑے کو گم ہوا سمجھتا ہے۔ حالانکہ گھوڑا خود اس کو ہوا کی طرح اڑائے لئے جا رہا ہے۔

در فغان و جستجو آں خیرہ سر ہر طرف پرساں و جویاں در بدر

لغات۔ خیرہ سر بدمزاج۔ اکھڑ۔ پرساں اسم حالیہ از پرسیدن۔ جویاں اسم حالیہ از جستن۔ دربدر میں با برائے انصاق ہے۔
ترجمہ۔ وہ اکھڑ آدمی دربدر ہر طرف (یہ بات) پوچھتا اور ڈھونڈھتا ہوا غل مچانے اور تلاش

کرنے میں (معروف ہے)۔

کانکہ دزدید اسپ مارا کو و کیست؟ اینکہ زیر ران تست انجواجہ چیست

ترکیب اوپر کے شعر میں پرساں کا مفعول بہ این مقدر تھا۔ جو بیتن ہے۔ اور اس شعر کا پہلا مصرعہ اس کا بیان ہے۔ دوسرے مصرعہ کے صدر میں کسے پرسد مقدر ہے۔

ترجمہ کہ جس نے میرا گھوڑا چرایا ہے۔ کون ہے؟ اور کہاں ہے؟ (کسی نے پوچھا) حضرت! یہ جو آپ کی ران کے نیچے ہے (یہ) کیا (جانور) ہے؟

آرے ایں اسپ لیک آں اسپ کو؟ باخود آ اے شہسوار اسپ جو!

لغات آرے حرف ایجاب۔ ہاں باخود آ صیغہ امر ہے۔ باخود آمدن سے ہوش میں آنا۔ اپنے آپے میں آنا۔

ترجمہ (تو جواب دیتے ہیں کہ) ہاں یہ گھوڑا ہی ہے۔ لیکن وہ گھوڑا کہاں ہے! (پھر مخاطب کہتا ہے)۔ اے گھوڑے کو ڈھونڈنے والے شہسوار! ہوش میں آؤ۔

وصفہا را مستمع گوید براز تا شناسد مرد اسپ خویش باز

لغات مستمع سننے والا۔ براز میں باظرفیت یا مطابقت کے لئے یعنی بطور راز گوئی۔ باز حرف زائد ہے۔

ترجمہ سننے والا (اس سے) بطور راز گوئی (کان میں) گھوڑے کی نشانیاں بیان کرتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے گھوڑے کو پہچان لے۔

مطلب جس طرح یہ گھوڑا اسی شخص کے پاس ہے۔ بلکہ وہ اس پر سوار ہے۔ مگر وہ اپنی بیخبری و نادانستگی میں اس کو اپنے سے بعید اور گم سمجھتا ہے۔ یہی حال روح کا ہے۔ کہ وہ گھوڑے کی طرح انسان کو لئے لئے پھرتی ہے۔ کیونکہ جسم کے تمام آثار و حرکات روح کی بدولت واقع ہوتے ہیں۔ مگر باوجود اس قدر معیت کے جب انسان اس کا ادراک نہیں کرتا۔ تو اس سے بیخبر ہے۔ اور تعجب کے ساتھ اس کے بارے میں اس طرح پوچھتا ہے۔ جس طرح کسی دور اور غائب کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

اس مثال میں روح کو گھوڑے سے اور ذی روح کو سوار سے تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ عموماً مشہور یہ ہے کہ روح بمنزلہ سوار اور جسم بمنزلہ مرکب کے ہے۔ جو گویا روح کا آلۂ عمل اور واسطۂ حرکت ہے۔ چنانچہ اخلاق ناصری میں لکھا ہے۔ "بدن آلتے و ادا تے ست نفس را مانند آلات و ادوات صنائع و محترفہ را"۔ مگر ان دونوں قولوں میں درحقیقت کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ جسم کی حرکت روح کی حرکت کے تابع ہے۔ اس لئے روح کو یہاں مرکب کہدیا۔ چنانچہ مرکب جدھر جاتا ہے۔ راکب اس کے ساتھ اور اس کے تابع ہوتا ہے لیکن چونکہ روح تمام حرکات و افعال کی مبدء ہے۔ جس طرح خاص سوار کا قصد رو بمنزل ہونے کا مستدعی ہوتا ہے اور مرکب کو محض اس کے اشارے سے اُدھر جانا پڑتا ہے۔ اس اعتبار سے روح کو سوار اور جسم کو اس کا مرکب کہا جاتا ہے۔ فلا منافاۃ۔

جاں ز پیدائی و نزدیکی ست گم   چوں شود پر آب و لب خشکے چو خم

لغات۔ پیدائی ظاہر ہونا۔ نمایاں ہونا۔ خم مٹکا۔

ترجمہ (یہی حال) جان (کا ہے جو) غایت ظہور اور قرب کی وجہ سے (ہماری نظر سے) گم ہے۔ کیونکہ وہ اس مٹکے کی مثل ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہے۔ اور اس کے منہ کے کنارے خشک ہیں۔

مطلب جس طرح پانی سے بھرا ہوا مٹکا باہر سے خشک ہوتا ہے۔ تو بظاہر یقین نہیں آتا۔ کہ اس کے اندر پانی ہوگا۔ اسی طرح روح باوجود قریب و موجود ہونے کے مخفی اور غیر مدرک ہے۔ اور رُوح کو ادراک کرنے کی صرف ایک تدبیر ہے یعنی کسی مرشد کامل سے تربیت رُوحانی حاصل کرنا جس کی ضرورت کا اوپر اشارہ فرما چکے ہیں۔ کہ تا نہ بیند دل دہندہ الخ اب وہ طریقہ بیان فرماتے ہیں۔ جو رُوح کے ادراک کے لئے کار آمد ہے۔ اور مرشد بھی اسی کی تلقین کیا کرتا ہے۔

در درون خود بیفزا درد را   تا بہ بینی سبز و سرخ و زرد را

ترجمہ (ادراک رُوح کا شوق ہے تو) اپنے دل میں درد (طلب) بڑھاؤ۔ تاکہ تم پر گوناگوں چیزیں (لطائف غیب) منکشف ہوں۔

مطلب۔ درد طلب اور سوز جستجو ہی سب سے بہتر وسیلہ ہے۔ حصول کمالات کا۔ کما قیل ؎

ایں کار نہ بہ عقل و تدبیرے نیست   جز درد طبیب را عناں گیرے نیست

مذکورہ مختلف الالوان چیزوں سے لطائف غیبیہ مراد ہیں۔ اہل مکاشفہ فرماتے ہیں۔ کہ لطائف غیبیہ کو خاص خاص رنگوں سے مناسبت ہے۔ چنانچہ لطیفہ روح کا رنگ سفید ہے لطیفہ قلب کا سُرخ۔ لطیفہ سِرّ کا سبز اور لطیفہ نفس کا زرد ہے۔ اس اعتبار سے ممکن ہے۔ کہ مولانا رحمۃ نے اس عبارت سے یہ لطائف بالوان مراد لئے ہوں۔ یا رنگوں کے ذکر سے مطلق مختلف چیزیں مراد ہوں۔ جیسے کہہ دیتے ہیں۔ فلاں شخص سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ اس نے زمانہ کا گرم و سرد دیکھا ہے۔ تلخ و شیریں چکھا ہے۔ خلاصہ مطلب یہ کہ طلب و مجاہدہ کرو۔ تو اللہ تعالیٰ تم کو امور روحانیہ کے ادراک کی ذوقی و وجدانی بصیرت عطا فرمائیگا۔ جس کے ذریعہ سے راہ سلوک طے کر سکو گے۔ صائب رح ؎

قفل دل را نیست مفتاحے بغیر از دست سعی
سنگ زن بر سینہ تا ایں در بروئت وا شود

کے بہ بینی سرخ و سبز و بور را   تا نہ بینی پیش ازاں سہ نور را

لغات بور گلابی رنگ۔ بعض نے سُرخ مائل بسیاہی لکھا ہے۔

ترجمہ تم سُرخ و سبز اور گلابی رنگ کی چیزوں کو کب دیکھ سکو۔ جب تک کہ ان تینوں (رنگ کی چیزوں) سے پہلے نور کو نہ دیکھو۔

مطلب۔ یہاں سے اس مضمون کی توضیح شروع ہوتی ہے۔ کہ رُوح غایت ظہور و قرب کی وجہ سے ہماری نظر

سے مستور ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کہ رنگ کو دیکھنے سے پہلے روشنی کا دیکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ ہر رنگ روشنی کی وساطت سے نظر آسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رات کے اندھیرے میں کوئی رنگ نظر نہیں آسکتا۔ کیونکہ اس وقت روشنی نہیں ہوتی۔ اور سب جانتے ہیں۔ کہ جب ہم کسی چیز کو اور اس کے رنگ کو دیکھتے ہیں۔ تو اس کے ساتھ روشنی بھی نظر آتی ہے۔ اس لئے روشنی کے ظہور میں کوئی شک نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ جب ہم کوئی رنگ دیکھتے ہیں۔ تو روشنی کو اوّلاً دیکھتے ہیں اور رنگ کو ثانیاً۔ پس اس میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ کہ روشنی کا ظہور رنگوں کے ظہور سے اشد و اقویٰ ہے۔ مگر باوجود اس کے جب ہم کسی رنگ کو دیکھتے ہیں۔ تو اس بات کو ہم بالکل محسوس نہیں کرتے۔ کہ ہم نے رنگ سے پہلے روشنی کو دیکھا ہے۔ اور نہ ہم کو رنگ سے پہلے روشنی کو محسوس کرنے کی طرف التفات ہوتی ہے۔ پس جس طرح روشنی باوجود کمال ظہور اور غایت قرب کے ہماری ذہنی توجہ سے مستور و مخفی ہے۔ اسی طرح روح کو باوجود اظہر و اقرب ہونے کے ہم ادراک نہیں کرسکتے ان چند اشعار میں یہی مضمون مندرج ہے۔

لیک چوں در رنگ گم شد ہوشِ تو　　شد ز نور آں رنگہا روپوشِ تو

لغات ہوش عقل۔ ادراک۔ مجازاً التفات۔ توجہ۔ احساس۔ روپوش نقاب۔ حجاب۔

ترجمہ لیکن چونکہ تمہاری توجہ رنگ میں محو ہو رہی ہے۔ اس لئے وہ رنگ نور (کے احساس) سے (روکنے کے لئے) تمہارا حجاب بن گئے ہیں۔

چونکہ شب آں رنگہا مستور بود　　پس بدیدی دیدِ رنگ از نور بود

لغات مستور مخفی۔ پوشیدہ دید حاصل مصدر از دیدن از نور میں از تعلیلیہ ہے۔

ترجمہ (چنانچہ) رات کے وقت وہ رنگ (اندھیرے میں) چھپے ہوئے تھے۔ تو تم کو معلوم ہوگیا کہ رنگ کا نظر آنا نور (کے ذریعہ) سے تھا۔

نیست دیدِ رنگ بے نورِ بروں　　ہمچنیں رنگِ خیالِ اندروں

لغات بروں ظاہر محسوس۔ اندروں باطن۔ عالمِ معنی۔ عقلیات۔ اس کے ساتھ رنگ کی اضافت بطور مشاکلت ہے۔

ترجمہ (خلاصہ یہ کہ) رنگ کا دیکھنا ظاہری (آنکھ کے) نور کے بدوں (ممکن) نہیں یہی حال خیال کے رنگ کا ہے۔ جو (ایک امر) باطنی ہے۔

مطلب روح کے اجلیٰ بدیہیات ہونے کے باوجود مدرک و محسوس نہ ہونے کے ثبوت میں ایک مثال تو یہ دی تھی کہ روشنی باوجودیکہ الوان کے احساس کے وقت اجلیٰ اور اقرب ہوتی ہے۔ مگر الوان تو محسوس ہوتے روشنی کے احساس کی طرف مطلق توجہ اور التفات نہیں ہوتی۔ آپ اس کی دوسری مثال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اسی طرح باطنی رنگ یعنی امور معقولہ کا حال ہے۔ جن کا ادراک نورِ عقل سے ہوتا ہے۔ اور نورِ عقل بھی حسی روشنی کی طرح ظاہر بنفسہٖ اور مظہر لغیرہٖ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ان امور مدرکہ کی بہ نسبت اظہر و اقرب ہوتا ہے۔ مگر یہاں بھی ادراک اشیاء کے وقت مدرک ان اشیاء مدرکہ کی طرف

توجہ ہوتی ہے۔ نور عقل کی طرف مطلق التفات نہیں ہوتی۔ نیچے کے شعر میں ان دونوں مثالوں کو سامنے رکھ کر ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔

ایں بروں از آفتاب از سہاست ۔۔۔ واں دروں از عکس انوار علاست

لغات ۔ سہا سین کے ضمہ سے ایک باریک ستارے کا نام ہے۔ علا بلندی مراد عالم بالا۔ ملاء اعلیٰ۔ حظیرۂ قدس از عکس میں حرف از بیانیہ ہے۔ اضافیہ یا تعلیلیہ قرار دینے کی صورت میں تکلف کرنا پڑتا ہے۔

ترجمہ یہ ظاہری (روشنی تو) آفتاب وسہا (وغیرہ ستاروں) کی ہے۔ اور وہ باطنی (نور) عالم بالا کے انوار کا عکس ہے۔

مطلب مذکورہ دونوں مثالوں میں دو قسم کے ظاہری و باطنی نوروں کا ذکر آیا تھا۔ اب دونوں کا فرق ان کے مبدء کے لحاظ سے بیان فرماتے ہیں یعنی پہلا نور نجوم فلک کا پرتو ہے۔ اور دوسرا عالم بالا کا انعکاس انوار ہے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔ کہ فرشتوں کی ایک بڑی جماعت خاص اس کام پر مامور ہے۔ کہ جو حکم عالم بالا سے مترشح ہو۔ اس کے متعلق وہ مخلوق کے دل میں ایسے خیالات اور ارادوں کی تحریک پیدا کر دیں جن سے وہ اس حکم کے مطابق عمل کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ پھر فرماتے ہیں۔ دربما تقاتلت فئتان نجاءت الملئکۃ تزین فی قلوب ھذہ الشجاعۃ والثبات باحادیث وخیالات یقتضیہا المقام وتلہم حیل الغلبۃ وتؤید فی الرمی واشباھہ وفی قلوب تلک اضداد ھذہ الخصال لیقضی اللہ امرا کان مفعولا۔ یعنی کبھی دو فوجیں مصروف پیکار ہوتی ہیں۔ تو وہ فرشتے آکر ایک فوج کے دل میں شجاعت اور ثابت قدمی کے ایسے خیالات القا کرتے ہیں۔ جو اس موقع کے لئے مناسب ہوتے ہیں اور ان کو فتح پانے کی تدبیر سمجھاتے ہیں۔ اور تیر اندازی وغیرہ میں مدد دیتے ہیں۔ اور دوسری فوج کے دل میں ان امور کے خلاف باتیں القا کرتے ہیں تاکہ جو بات خدا کی تقدیر میں مقرر ہو چکی ہے۔ وہ اس کو پوری کرے۔

حافظ رحمہ اللہ

بارہا گفتہ ام و بار دگر میگویم ۔۔۔ کہ من دلشدہ ایں رہ نہ بخود مے پویم
درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ۔۔۔ آنچہ استاد ازل گفت بگو مے گویم

غرض انسان کے خیالات، ارادات اور احادیث نفس سب الہامات غیب ہوتے ہیں۔

نور نور چشم خود نور دل ست ۔۔۔ نور چشم از نور دلہا حاصل ست

لغات نور چشم سے مراد بصارت ہے۔ اور اس کے نور سے مقصود احساس باصرہ ہے۔ نور دل سے مراد بصیرت قلب ہے۔

ترجمہ آنکھ کے نور کا احساس خود دل کا نور ہے۔ آنکھ کا نور دلوں کے نور سے حاصل (ہوتا) ہے

مطلب خلاصہ مقصود یہ ہے کہ نور باطنی نور ظاہری سے قوی تر ہے۔ نور ظاہری کی ایک قسم نور آفتاب ہے جس کا ذکر آچکا ہے۔ دوسری قسم نور چشم ہے جس طرح رنگوں کے دیکھنے کیلئے نور آفتاب شرط ہے اسی طرح آنکھ کا نور بھی شرط ہے چنانچہ جس طرح نور آفتاب کے انتفا کی حالت میں رات کے

وقت کوئی رنگ نظر نہیں آسکتا۔ اسیطرح نورِ چشم نہ ہونے کی صورت میں نابینا کو بھی کوئی رنگ دکھائی نہیں دے سکتا۔ اب نورِ ظاہری کی ایک قسم یعنی نورِ چشم کو لے کر فرماتے ہیں۔ کہ وہ نورِ قلب کے تابع ہے۔ کیونکہ یہ بات مسلمہ ہے کہ مدرک اصل میں مدرکات باطنیہ ہیں۔ اور مدرکات ظاہری ان کے لئے محض آلات و وسائط اور جواسیس ہیں۔ اس لئے نورِ قلب کو نورِ چشم کا نور کہا ہے۔ یعنی آنکھ کے نور کا مبدء انکشاف اور مدار احساس نورِ قلب ہے۔ جس کو قوت عقلیہ یا بصیرت کہتے ہیں۔ پس جب یہ نور باطن نورِ ظاہر سے صفت ظہور میں افضل و اغلب ہے اور نورِ ظاہری باوجودیکہ اسی صفت میں مفضول و مغلوب ہے۔ اس طرح مختفی و مستور رہتا ہے۔ کہ اس کی طرف التفات ہی نہیں ہوتی۔ تو نورِ باطنی جس میں کمال ظہور ہے۔ وہ تو بطریق اولیٰ مخفی و محجوب ہوگا

باز نورِ نورِ دل نورِ خدا است — کو ز نورِ عقل و حس پاک و جدا است

لغات باز حرف عطف۔ پھر۔ اس کے بعد۔ پس نور نورِ دل بصیرت کی روشنی۔ نورِ عقل بصیرت قلب نورِ حس بصارت چشم۔

ترجمہ اس کے بعد (واضح ہو کہ) بصیرت کو روشن کرنے والا خدا تعالیٰ کا نور ہے۔ جو عقل و حس کے نور یعنی باطنی (ادراک اور ظاہری احساس) سے پاک اور جدا ہے۔

مطلب۔ اوپر عیان زپیدائی و نزدیکی ست گم کے ثبوت میں نور کی مثال دی تھی۔ اب اس سے ترقی کر کے نور الانوار یعنی ذات پاک حق جل و علا کا ذکر فرماتے ہیں۔ کہ وہ تمام موجودات سے زیادہ اقرب و اظہر ہے۔ اس لئے وہی سب سے زیادہ غیر نمایاں بھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کہ نورِ چشم، ظاہری نور ہے۔ نورِ نورِ چشم، باطنی نور یعنی قوت عاقلہ یا نورِ دل ہے۔ اور نورِ نورِ دل، یعنی نورِ نورِ نورِ چشم، نور الٰہی ہے۔ جو نور الانوار ہے اور قدیم ہونے کی صفت کے لحاظ سے نورِ چشم اور نورِ دل دونوں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ جو حادثات ہیں۔ اور وہ حدوث کی صفت سے منزہ و مبرا ہے۔ وہ تمام ادراکات و انکشافات اور تمام انوار عیون و بصائر قلوب کا مبدء ہے۔ مگر خود اس کو نہ کوئی نورِ حس محسوس کر سکتا ہے۔ نہ کوئی نورِ عقل ادراک کر سکتا ہے۔ فیضی رح ؎

حادث بقدیم کے برد راہ — کتان ز کجا و پرتو ماہ
نطفم چہ کند بہ سرّ تحقیق — دریا شدہ میہمان ابریق

یہی مطلب ہے اس کا کہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (سورۂ انعام) یعنی یہ نگاہیں اس کو ادراک نہیں کر سکتیں۔ اور وہ ان کو ادراک کرتا ہے۔ اور وہ باریک بین اور باخبر ہے۔ حافظ ؒ

دیدن روئے ترا دیدۂ جاں مے باید — ویں کجا مرتبۂ چشم جہاں بین من ست

فی الحقیقت وہ نور الانوار جو نورِ چشم اور نورِ قلب کا مبدء و منتہی ہے۔ احساس و ادراک سے برتر ہے۔ فیضی رح ؎

نورِ تو بدیدہ دید نتواں — بارش بنظر کشید نتواں
آں نور کز و دو دیدہ باز ست — مژگاں گسل و نظر گداز ست

اس کی تحقیق یہ ہے۔ کہ مخلوق کا انکشاف ایک امر حادث ہے۔ اور ہر حادث کے لئے ایک علت اور مبدء کی ضرورت ہے۔ کیونکہ حادث کا محدث سے مستغنی ہونا ایک امر محال ہے۔ پس انکشاف محسوسات

کی ضرورت ہے ۔کیونکہ حادث کا محدث سے مستغنی ہونا ایک امر محال ہے ۔ پس انکشاف محسوسات کا مبدء نور حسّی ہے ۔پھر اس نور حسی کے انکشاف کے لئے بھی مبدء ضروری ہوا۔ کیونکہ وہ بھی امر حادث ہے ۔اور وہ مبدء قوت عاقلہ کا نور ہے ۔ پھر چونکہ یہ بھی ایک انکشاف ہے ۔ اس کے لئے بھی ایک مبدء ہونا چاہیئے ۔ پس اس کا مبدء نور الٰہی ہے ۔جو قدیم ہے ۔ اگر اس کا مبدء بھی کسی امر حادث کو تسلیم کر لیا جاوے ۔ تو دَور یا تسلسل لازم آئیگا۔ وکلا ہما باطلان ۔ اور نور الٰہی چونکہ سب سے بڑھکر دراک ابصار اور کشاف انوار ہے ۔ لہٰذا وہ اپنے ظہور میں سب سے بڑھ کر ہے ۔ اور ظہور علت تھی خفا کی ۔ تو مبدء الانوار میں اس حیثیت سے اختفا بھی سب سے زیادہ ہوگا۔ اور نعم ما قال مولانا اسمٰعیل مرحوم ؎

اخفا کے لئے ہے اس قدر جوش و خروش	یاں ہوش کا مقتضا ہے بننا مدہوش
حسنِ ازلی تو ہے ازل سے ظاہر	یعنی ہے تجلیوں میں اپنے روپوش

ذات حق کے شدت اختفا کی ایک وجہ تو اس کا کمال ظہور اور انتہائے قرب ہے ۔جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ۔چنانچہ فرمایا۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۔اور ہم شاہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں (ق ع ۱) اور ایک وجہ اس کا دوام و سرمدیت ہے ۔یعنی اس کا نور کبھی کسی وقت فی حینٍ مّن الاحیان اور فی وقتٍ من الاوقات غائب نہیں ہوتا ۔کہ پھر بقاعدہ الاشیاء تعرف باضدادھا اس کا ادراک ہو سکتا۔

و نعم ما قال مولانا اسمٰعیل رح ؎

کیا کھلے جو کبھی نہ تھا پنہاں	کیوں ملے جو کبھی جُدا نہ ہوا

جیسے کہ اگر آفتاب کے طلوع میں دوام و استمرار ہوتا ۔تو اس کی روشنی کو تمیز کرنا سخت مشکل ہوتا۔ مگر چونکہ رات کے وقت اس کی روشنی زائل ہوتی ہے تو اس کا احساس و ادراک بخوبی ہو جاتا ہے ۔پس نور الٰہی کا ظہور مستدیم و مستمر ہے ۔جس کے درمیان کوئی لمحہ اس کے غیبوبت کا نہیں ہے ۔اسلئے اس کا ادراک و احساس اور بھی متعسر ہے ۔یہی مطلب ہے ۔اس آیت کا هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (سورہ حدید رکوع اول) یعنی وہ ازلی و ابدی ہے ۔وہ بلحاظ قدرت آشکار اور بلحاظ ذات مخفی ہے ۔اور وہی وجہ ہے ۔کہ وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ۔لیکن مخلوق حادث جو محدود بین العدمین ہے ۔ اس کا ادراک نہیں کر سکتی ۔مولانا اسمٰعیل رح ؎

خدایا اوّل و آخر بھی تو ہے	خدایا باطن و ظاہر بھی تو ہے
وہ اول تو کہ ہے آخر سے آخر	وہ آخر تو کہ ہے اول سے فاخر
ہے تو باطن میں ظاہر بلکہ اظہر	بظاہر بن گیا تو عین مظہر
کھلا جتنا ہوا اتنا ہی مستور	چھپا جتنا رہا کھلتا بدستور
ازل سے تا ابد ہے ایک ہی شان	ترا طغرا ہے الآن کما کان
نہ پایا ہے نہ پائے گا کبھی تو	کہ ہے معروف و عارف آپ ہی تو
تصور قرب کا دوری ہے تجھ سے	خیالِ بُعد مہجوری ہے تجھ سے
نہ دوری ہے نہ نزدیکی نہ مابین	عبارت منقطع لا غیر لا عین

نیچے کے اشعار میں اسی مضمون کا بیان ہے ۔

حضرت وحدت کا ادراک ہی ادراک ہے ۔

شب نُبُد نُور و ندیدی رنگ را　　پس بضدِّ آں نُور پیدا شُد ترا

لغات نبد نہ بود کا مخفف ضد مقابل ومخالف پیدا ظاہر نمایاں۔
ترجمہ رات کو نور نہ تھا۔ اور (اسی وجہ سے) تم نے رنگ کو نہ دیکھا۔ پس (دن کی) ضد (یعنی رات) کی بدولت تم کو اس نور کا احساس ہوا۔ (جو دن میں رنگ کا مبدء انکشاف تھا)

شب ندیدی رنگ کاں بے نُور بُود　　رنگ چہ بود؟ مُہرہ کور و کبُود

لغات مہرہ منکا۔ گنٹھے کا دانہ کور اندھا۔ بے نور۔ کبود۔ نیلا سیاہ تاریک۔
ترجمہ رات کے وقت تم رنگ کو نہ دیکھ سکے۔ کیونکہ وہ روشنی سے خالی تھی (اور) رنگ (بذاتہ) کیا ہوتا ہے؟ ایک مہرہ بے نُور و تاریک (اس لئے وہ بلا وساطت نور کے خود بخود مدرک نہیں ہو سکتا تھا)

کہ نظر بر نُور بود آنگہ بر رنگ　　ضد بضد پیدا بُود چُوں رُوم و زنگ

ترجمہ کیونکہ (پہلے) نور پر نظر پڑتی ہے۔ پھر رنگ پر (اور یہ بات کہ دن بھی کوئی چیز ہے رات کی تاریکی میں جو دن کی ضد ہے بخوبی محسوس کر لیتے ہو۔ کیونکہ) ضد کا احساس اس کی ضد سے ہوتا ہے۔ جیسے رومی اور زنگی (میں ایک دوسرے کا کالا گورا ہونا ان کی شناخت کا معیار ہے)۔

دیدنِ نُور ست آنگہ دیدِ رنگ　　ویں بضدِّ نُور دانی بے درنگ

ترجمہ نور کا نظر آنا (مقدم) ہے۔ پھر رنگ کا دیکھنا (واقع ہوتا ہے) اور اس کو تم نور کے ضد (یعنی تاریکی) سے بلا تامل پہچان سکتے ہو۔

پس بضدِّ نُور دانستی تو نُور　　ضد ضد را می نماید در صُدُور

ترجمہ پس تم نے نور کے ضد (یعنی تاریکی) سے نور کو پہچانا (کیونکہ) ضد ہی ضد کو (واقع میں) موجود ہوتا دکھاتی ہے۔

رنج و غم را حق پئے آں آفرید　　تا بدیں ضد خوشدلی آید پدید

ترجمہ خداوند تعالیٰ نے رنج و غم کو اس لئے پیدا کیا ہے۔ کہ اس ضد سے خوشی کا احساس ہو۔
مطلب دنیا میں غم و الم مشکلات و مصائب، فتنہ و فساد، جدال و قتال کی ہنگامہ آرائیوں میں قدرت کا راز یہ ہے۔ کہ انسان بقاعدہ الاضداد تعرف باضدادہا، راحت و مسرت، یسر و غنا، امن و عافیت وفاق و مسالمت کو محسوس کرے۔ اور ان نعمتوں کے عطا کرنیوالے منعم کو پہچانے اور اس کا شکر بجالائے۔ چنانچہ کہا ہے۔ قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید۔ جامی رح سہ

درخم ایں دائرۂ ہزل وجد	ضد مبیّن نشود جز بضد
زلزلہ در گنبد خضرا فگن	یکدو سہ قارورہ ہم در شکن
باغ عناصر کہ زمینش خوش ست	آب گوارندہ ہوا دلکش ست
خاص تریں میوۂ او کادمی ست	لذتش از چاشنی محرمی ست
پختہ و خامش ہمہ بر خاک ریز	بر سرش از باد اجل خاک بیز
تا ہمہ دانند کہ صانع توئی	مبدع ایں جملہ بدائع توئی

پس نہانہا بضد پیدا شود چونکہ حق را نیست ضد پنہاں بود

ترجمہ غرض پوشیدہ چیزیں (اپنی اپنی) ضد سے ظاہر ہوتی ہیں۔ چونکہ خداوند تعالیٰ کی کوئی ضد نہیں۔ پس وہ پوشیدہ (کا پوشیدہ) ہے

نورِ حق را نیست ضدے در وجود تا بضد او را تواں پیدا نمود

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کے نور کی کوئی ضد نہیں (جس کی موجودگی میں معاذ اللہ وہ زائل ہوجائے) تاکہ اس کو ضد کے ذریعہ سے نمایاں کیا جاسکے۔

لاجرم اَبْصَارُنَا لَا تُدْرِکُہٗ وَھُوَ یُدْرِکُ بیں تو از موسیٰ وکُہ

ترجمہ۔ اسی لئے ہماری نظر ادراک اس (کی کنہ) کو نہیں پاسکتی۔ اور وہ (ہماری نظروں کو) ادراک کرتا ہے (اسکے ثبوت کے لئے تم) حضرت موسیٰ ؑ اور کوہ (طور کے واقعہ) پر غور کرو۔

مطلب یہ شعر آیہ لا تدرکہ الابصار الخ کے کلمات اور مضمون پر مشتمل ہے۔ جس کا ترجمہ اوپر گذر چکا ہے یعنی چونکہ اشیاء کا ادراک ان کی اضداد کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی کوئی ضد نہیں۔ اس لئے ہماری یہ نگاہیں اسکو ادراک نہیں کرسکتیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کوہ طور پر غور کرکے دیکھ لو کہ انہوں نے درگاہ باری سے التجا کی تھی۔ کہ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ۔ الٰہی مجھے اپنا جمال دکھا کہ میں تیرا نظارہ کروں۔ تو حکم ہوا۔ لَنْ تَرَانِیْ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ پھر جب اللہ تعالیٰ نے تجلّی فرمائی۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوکر گر پڑے۔ اور پہاڑ پاش پاش ہوگیا۔ اس واقعہ کا ذکر اس شرح کے پہلے حصے میں بھی گذر چکا ہے۔

سوال اوپر کی بحث سے اور کوہ طور کے واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں ہے۔ لیکن احادیث میں وارد ہے۔ کہ عالم عقبیٰ میں اہل جنت اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بہرہ اندوز ہونگے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ عِیَانًا۔ عنقریب تم اپنے پروردگار کو صاف صاف طور پر دیکھ لوگے (مشکوٰۃ) اور ایک موقع پر فرمایا۔ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ ھٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِیْ رُؤْیَتِہٖ یعنی عنقریب تم اپنے پروردگار کا اس طرح دیدار کروگے۔ جس طرح اس چاند کو دیکھتے ہو۔ اس کے دیدار میں تمہیں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی (مشکوٰۃ) فکیف التوفیق؟

جواب دیدار الٰہی کا امتناع صرف دنیا سے مخصوص ہے۔ آخرت میں اہل جنت دیدار الٰہی سے مشرف ہونگے۔ اور یہی عقیدہ اہل سنت کا ہے۔ مگر معتزلہ کے نزدیک دنیا و آخرت میں کسی جگہ دیدار الٰہی ممکن نہیں۔ اور وہ آیت مذکورہ لا تدرکہ الخ کو اپنے دعوے کی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ اس کا جواب اوّل تو یہ ہے۔ کہ لا تدرکہ صیغہ مضارع ہے اور مضارع کے معنی حقیقۃً زمانہ حال کے لئے ہوتے ہیں۔ اور مجازاً استقبال کے لئے اور یہاں اسکے معنے حقیقت پر محمول ہیں۔ یعنی خاص حال کے لئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اب عالم دنیا میں نگاہیں اس کو ادراک نہیں کرسکتیں۔ اور استقبال کے لئے حمل نہیں کرسکتے۔ یعنی یہ معنی نہیں ہوسکتے۔ کہ پھر عالم عقبےٰ میں ادراک نہیں کرسکیں گی اور حال و استقبال دونوں زمانوں کے لئے محمول کرنے کی صورت میں یہ کلمہ حقیقی و مجازی دونو اکٹھے معنوں پر محمول کرنا پڑیگا۔ جو درست نہیں۔ اور یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ کہ اس کو صرف مجازی معنی میں استقبال کے لئے خاص کردیں۔ کیونکہ پھر دنیا میں ادراک کا امکان ماننا پڑیگا۔ حالانکہ اس کا قائل کوئی بھی نہیں۔ دوسرے الابصار کا لام عہد کے لئے ہے۔ یعنی یہ خاص نگاہیں جو دنیا میں ہیں۔ اس کو ادراک نہیں کرسکتیں۔ مگر آخرت میں انہی نگاہوں میں قوت تحمل پیدا کردی جائیگی۔ تیسرے آیت میں ادراک کی نفی ہے۔ نہ کہ رویت کی۔ ادراک کے معنی ہیں۔ کسی چیز کو احاطہ کرلینا۔ یا اس کی کنہ دریافت کرلینا یا کسی چیز کو گرفت میں لانا اور رویت سے صرف معاینہ و نظارہ مراد ہے۔ اور ان دونوں میں کوئی تلازم نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فلما ترٰی الجمعان قال اصحٰب موسٰی انا لمدرکون۔ جب دونوں فوجوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ تو موسیٰ کی جماعت نے کہا ہم ان کو پالینگے۔ قال کلا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا ہرگز نہیں۔ اس آیت میں رویت کے اثبات کے ساتھ ہی ادراک کی نفی موجود ہے۔ جس سے ثابت ہوا۔ کہ اگر رویت ہو اور ادراک نہ ہو۔ تو اس میں کوئی منافاۃ نہیں۔ کیونکہ رویت اور چیز ہے۔ اور ادراک اور چیز۔ (کذا فی تفسیر مظہری)

سوال معتزلہ جو دیدار الٰہی کی نفی کے استدلال میں آیہ لا تدرکہ کو پیش کرتے ہیں۔ اگر یہ استدلال درست نہیں۔ جیسے کہ جواب بالا سے ظاہر ہے۔ تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو رویت باری تعالیٰ کے عدم امکان کے ثبوت میں کیوں پیش کیا ہے؟

جواب مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے محض بطور تنظیر استشہاد کیا ہے۔ گذشتہ اشعار میں دعویٰ یہ تھا۔ کہ ذات باری کی کوئی ضد نہ ہونے کے سبب۔ سے ہم کو اس کے ادراک کی طرف توجہ اور التفات نہیں ہے۔ اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ذات باری کے ادراک کے لئے اگر توجہ اور التفات چھوڑ جہد وسعی بھی کریں۔ تو عدم تحمل کی وجہ سے ادراک نہیں کرسکتے۔ پس وہاں اختفا بمعنی عدم توجہ ہے۔ اور یہاں اختفا بمعنی عدم ادراک ہے۔ عدم توجہ کی علت عدم ضد ہے۔ اور عدم ادراک کی علت عدم تحمل ہے۔ غرض اختفا اور اس کی علت دونوں جگہ مختلف ہے۔ مگر آیت کا مذکورہ اختفا اسی اختفا کی ایک نظیر ہے جس کا اشعار میں دعوٰی کیا گیا تھا۔ اس اعتبار سے مولانا نے یہ آیت بطور ثبوت پیش کی ہے۔ یہ بھی واضح رہے۔ کہ موسیٰ علیہ السّلام کے تجلی کے لئے تاب مشاہدہ نہ لانے کا قصہ بھی بطور نظیر پیش کیا ہے۔ ورنہ وہ بھی پوری طرح یہاں چسپاں نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ ایک خاص تجلی تھی۔ جس کا ادراک باوجود قصد و التفات کے بھی نہ ہوسکا۔ اور اشعار کا مذکورہ اختفا بمعنی عدم التفات ہے ؎

چو آفتاب بہر ذرّہ مے نمائی رُخ ولیک چشم عراقی نمے کند ادراک

صُورت از معنی چو شیر از بیشہ داں   یا چو آواز و سخن ز اندیشہ داں

لغات از اضافیہ ہے۔ بیشہ جنگل خصوصًا شیر کے رہنے کا جنگل۔ اندیشہ خیال۔ تصور۔ صورت ذہنیہ۔
ترجمہ صورت اور معنی کی نسبت ایسی سمجھو۔ جیسے شیر اور بن کی۔ یا جیسے آواز و سخن اور خیال کی۔
مطلب۔ یہاں سے ایک اور تمثیل شروع ہوتی ہے۔ اس امر کے ثبوت میں کہ عالم معنی اصل اور قوی ہے۔ اور عالم صورت۔ فرع اور ضعیف ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح بیشہ میں بمقابلہ شیر کے بقا و استمرار ہے۔ کہ ایک بیشہ میں سینکڑوں شیر پیدا ہوتے ہیں۔ اور نوبت بنوبت مرتے رہتے ہیں۔ مگر بیشہ اپنی حالت پر قائم ودائم رہتا ہے۔ اور جس طرح خیالات و تصورات بہ نسبت اصوات و الفاظ کے اقدم و اسبق اور وسیع و دیرپا ہوتے ہیں۔ اور اصوات و الفاظ تصورات کے مقابلے میں حادث و متجدد اور محدود و سریع الزوال ہوتے ہیں۔ صائب رح سے

حباب از عہدۂ تسخیر دریا بر نمے آید   مسخر چوں کند الفاظ اسرار معانی را

اسی طرح معنی میں بہ نسبت صورت کے زیادہ بقا و قیام ہے۔ اور صورت میں حدوث و تجدد۔ پس معنی اصل ہے۔ اور صورت فرع۔

ایں سخن و آواز از اندیشہ خاست   تو ندانی بحر اندیشہ کجاست

ترجمہ۔ یہ آواز اور سخن خیال و فکر سے پیدا ہوا ہے۔ تم اتنا نہیں جانتے۔ کہ اس خیال و فکر کا دریا کہاں (رہتا) ہے۔
مطلب۔ اس سے تصورات یا صور ذہنیہ کے وجود پر استدلال فرماتے ہیں۔ اندیشہ سے صورت ذہنیہ اور دریائے اندیشہ سے عقل مراد ہے۔ اور عقل کا مقام نہ ہونا اس وجہ سے ہے۔ کہ وہ عالم امر کا لطیفہ ہے۔ جو محدود بالمکاں نہیں ہے۔ اس لئے اس کا تعین ناممکن ہے۔

لیک چوں موج سخن دیدی لطیف   بحر آں دانی کہ ہم باشد شریف

لغات۔ لطیف۔ باریک۔ نازک۔ پاکیزہ۔ شریف۔ بزرگ۔ شاندار۔
ترجمہ لیکن جب تم نے سخن کی موج کو پاکیزہ پایا۔ تو سمجھ لیا۔ کہ وہ دریائے (فکر و خیال) بھی شاندار ہوگا۔
مطلب سخن سے الفاظ و کلام اور موج سخن سے معانی یا صور ذہنیہ مراد ہیں۔ جو کلام کا منشا ہیں جامی رح سے

ہست نفس قالب و جانش سخن   ایں سخن زندہ دلاں گوش کن

اور صور ذہنیہ کا منشا عقل ہے۔ اگرچہ عقل محسوس نہیں ہے۔ مگر کلام محسوس ہے۔ جو بواسطہ صور ذہنیہ کے عقل کا اثر ہے۔ اس لئے اثر سے مؤثر کے وجود پر استدلال کر سکتے ہیں۔ کہ وہ کس قدر رفیع الشان ہے۔ صاحب مکاشفات لکھتے ہیں۔ کہ ان اشعار میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ بیان حقائق کے لئے جو رمز و کنایہ کا طریقہ ارباب مشاہدہ نے اختیار کیا ہے۔ اگر وہ تمہارے دل نشین نہ ہو۔ تو علمائے ظاہر کا طریق ہی

عمل میں لاؤ۔ یعنی اثر سے موثر پر صورت سے مصور پر موج سے دریا پر اور آواز سے فکر و خیال پر استدلال کرنے کا ڈھنگ اختیار کرو۔ صائب ؎

زیر لنیم بہ گلزارے تواں رہ بُرد
چہ لازم ست مقید بہ مضمون باشید

چُوں ز دانش موج اندیشہ بتاخت
از سخن و آواز او صورت بساخت

ترجمہ۔ جب عقل سے صور ذہنیہ کی موج اٹھی۔ تو وہ کلام اور آواز کی صورت میں جلوہ گر ہو گئی۔

مطلب۔ یہ سابقہ مضمون کی تتمیم ہے۔ یعنی صورت ذہنیہ۔ جو پہلے ذہن میں موجود اور ذہنی عوارض سے مقترن ہوتی ہے۔ پھر وہ کلام کی صورت میں آکر خارجی عوارض سے متکیف ہو جاتی ہے۔ اور اس کی حقیقت وہی رہتی ہے۔

از سخن صورت بزاد و باز مُرد
موج خود را باز اندر بحر بُرد

ترجمہ کلام سے ایک صورت پیدا ہوئی۔ اور پھر فنا ہو گئی (وہ) موج پھر اپنے آپ کو دریا میں لے گئی۔

مطلب۔ ایک قائل نے اپنے خیال کو صورت ذہنی سے نکال کر خارجی صورت میں سامع کو پہنچا دیا۔ تو سامع کے ذہن نے فوراً اس کو صورت و تلفظ وغیرہ خارجی عوارض سے مجرد کر کے اخذ کر لیا۔ اور وہ خیال جس طرح ایک دریائے عقل سے نکلا تھا۔ اسی طرح موج کی صورت کی دوڑ کر دریائے عقل میں جا ملا۔

صورت از بے صورتے آمد بروں
باز شد کہ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ترجمہ (کلام کی) صورت (محسوسہ) ایک بے صورت چیز (یعنی عقل) سے نکلی اور پھر (اسی کی طرف) چلی گئی۔ کیونکہ (ہر چیز) اپنے مبدء و معاد کی طرف رجوع کرتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ ہم اس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

مطلب اصل مقصود تو ظاہر ہی ہے۔ کہ کلام کا اپنے منشا یعنی عقل سے نکلنے اور پھر خزانہ عقل میں جا پہنچنے کا بیان ہے۔ مگر اشارۃً اس اصول فطرت کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ کہ کل شئ یرجع الی اصلہ ؎

بازگشت بوے مشک آخر بآہوے ختن
مے شود راجع باصل خویش صائب نوبہا

سر بپائے نخل آخر میگذارد برگ و بار
ہر کجا فرع ست آرد رو باصل خود غنی ؎

اور ضمنیاً اس امر کا تصور دلایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو صورت و شکل سے منزہ ہے۔ تمام عالم صورت کو مخلوق کیا ہے۔ اور پھر سب کا رجوع اسیکی طرف ہے۔ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ اور اسیکی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے (تغابن) وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (یٰس)

پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتے ست
مصطفےٰ فرمود دنیا ساعتے ست

لغات رجعت واپسی۔ دوبارہ زندہ ہونا۔ رجعتے میں یائے تنکیر ہے۔ اور ساعتے میں یائے وحدت۔

ترجمہ پس تجھ پر (سکوت و تکلم سے) ہر دم موت اور رجعت (طاری ہوتی رہتی) ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ دنیا ناپائیداری میں گویا ایک ساعت ہے۔

مطلب ۔ یہاں سے بطور تفریع تجدد امثال کے مسئلے کا بیان ہے۔ اوپر بیان ہوا تھا۔ کہ کلام قوت عاقلہ سے پیدا ہو کر پھر اسیکی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور اگر دو بارہ اس کے ساتھ تکلم کیا جائے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ اسیطرح خارج کی طرف ظہور پاکر پھر اپنے مبدء کی طرف رجوع کر جائیگا۔ پس اس کلام پر خارج میں وجود اور عدم بطور تعاقب طاری ہوتے رہتے ہیں۔ لہذا فرماتے ہیں۔ کہ جب تمہارے کلام پر مرگ و رجعت طاری ہوتی رہتی ہے تو گویا خود تم پر موت و حیات تعاقباً عارض ہوتی ہے۔ اور اس تعاقب مرگ کی وجہ سے امتداد حیات ایک ساعت بھی نہیں رہنے پاتی۔ اور اس کے ساتھ متناسب ہے۔ اس حدیث کا مضمون کہ اَلدُّنْیَا سَاعَۃٌ لَیْسَ فِیْھَا رَاحَۃٌ فَاجْعَلُوْھَا طَاعَۃً کَیْ لَا یَحْصِلَ نَدَامَۃٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔ یعنی دنیا گھڑی بھر ہے۔ جس میں کوئی آرام نہیں۔ پس اس کو طاعت میں صرف کرو۔ تاکہ قیامت کے روز ندامت نہ اٹھاؤ۔ یہ حدیث واعظوں میں مشہور ہے اور انیس الواعظین وغیرہ کتب وعظ و تذکیر میں منقول ہے۔ اور علامہ بحر العلوم نے بھی بلا جرح اس کو نقل کیا ہے مگر حدیث کی مشہور و مستند کتابوں میں مروی نہیں۔ ہمارے نزدیک اگر یہ حدیث بہیں الفاظ صحیح نہ بھی ہو۔ تو اس کا مضمون صحیح ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ یعنی تم دنیا میں اس طرح بسر کرو۔ گویا کہ تم پردیسی ہو۔ بلکہ رہرو ہو۔ یہاں تک لکھ چکنے کے بعد موضوعات کبیر ملا علی قاری رحؒ کو جو کھول کر دیکھا۔ تو اس میں یہ لکھا پایا حدیث الدنیا ساعۃ فاجعلھا طاعۃ کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ مگر اس کا معنی صحیح ہے چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے۔ کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَۃً مِّنْ نَّھَارٍ ۔ یعنی جس روز وہ اس چیز کو جس کا وعدہ ان سے کیا گیا تھا۔ (یعنی قیامت کو) دیکھ لینگے۔ گویا وہ دن کی ایک ساعت سے زیادہ نہیں ٹھیرے۔ اور یہ مضمون اس امر کے منافی نہیں ہے۔ جو ثابت ہو چکا ہے۔ کہ دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے کیونکہ جو عمر گذر گئی ہے۔ وہ گویا ساعت بھر سے زیادہ نہ تھی۔ انتہٰی

رفع اشتباہ شاید کسیکو یہ خیال ناشی ہو۔ کہ تکلم و سکوت کے تعاقب میں ساعت بساعت پیدا ہونے والے وقفوں کو جو حیات و موت سے تعبیر کیا ہے۔ اس کو الدنیا ساعۃ کے مضمون سے کیا مناسبت ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں ناپائیداری کی جو وجہ مشترک ہے۔ وہی وجہ تمثیل ہے یعنی جس طرح حالت تکلم میں کلام ظاہری کا ثبات تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی عمر جب گزر چکتی ہے۔ تو وہ ساعت بھر سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی۔ کما قیل ؎

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں گشت از نظر ۔۔۔ یک لحظہ غافل چوں شدم صد سالہ راہم دور شد

صائب رحؒ ؎

این ہستی باطل چو شرر محض نمود ست ۔۔۔ یک چشم زدن رہ ز عدم تا بوجود ست

فکر ما تیرے ست از ہُو در ہوا ۔۔۔ از ہوا کے پاید آید تا خُدا

لغات ہُو اسم ذات باریتعالیٰ۔ بعض اسی کو اسم اعظم کہتے ہیں۔ پاید صیغہ مضارع پائیدن ٹھیرنا قائم رہنا سے

تجدد امثال

صنائع ہو اور ہوا میں تجنیس ناقص۔
ترجمہ۔ ہمارا فکر (واندیشہ بھی) خدا کا ایک تیر ہے۔ جو (ہمارے) ہوا (کے سے ناپایدار وجود) میں ہے وہ ہوا میں کب تک قائم رہے۔ آخر خدا کی طرف آتا ہے (کذا فی المکاشفات)
مطلب۔ یہ دوسری تفریع ہے۔ پہلی تفریع میں تو کلام کے بے بقا ہونے کا ذکر تھا۔ اب فکر اور صورت ذہنیہ کا بے بقا ہونا بیان فرماتے ہیں۔ کہ ہمارے افکار و خیالات حادث و ناپایدار ہونے کی وجہ سے ہمارے پاس نہیں رہتے۔ بلکہ خداوند تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ہر نفس نو مے شود دنیا و ما بیخبر از نو شدن اندر بقا

لغات۔ ہر نفس ہر لمحہ۔ ہر دم۔ بقا زندگی۔ حیات۔ جینا۔
ترجمہ۔ دنیا ہر دم نئی بنتی ہے۔ اور ہم زندگی میں اس کے نئے بننے سے بے خبر ہیں۔
مطلب۔ اوپر کلام اور صور ذہنیہ کے حدوث و تجدد اور پھر عدم و بے بقائی کا ذکر تھا۔ اب فرماتے ہیں۔ کہ صرف تمہارے کلام و خیال پر کیا منحصر ہے۔ تمام عالم میں یہی سلسلہ جاری ہے۔ کہ ہر چیز نئی پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر نابود ہو جاتی مگر ہم تماشائے حیات کی محویت میں اس کو محسوس نہیں کرتے۔ صائب رح ؎

چندانکہ در کتاب جہاں مے کنم نظر یک حرف بیش نیست کہ تکرار مے شود

عمر ہمچوں جوئے نو نو میرسد مستمری مینماید در جسد

لغات۔ جوئے نہر مستمر لگاتار۔ دائم۔ ہمیشہ رہنے والا۔ جسد جسم۔ بدن۔
ترجمہ۔ تمہاری عمر (جو) نہر کی طرح (جاری ہے) نئی آتی (رہتی) ہے (اور) جسم میں لگاتار نظر آتی ہے۔
مطلب۔ نہر کا پانی ایک طرف سے آرہا ہے۔ اور دوسری طرف جا رہا ہے۔ اور یہاں تک نظر کام کرتی ہے۔ ایک ہی پانی نظر آتا ہے۔ حالانکہ ایک آن میں جو پانی ہمارے سامنے ہے۔ دوسری آن میں وہ دور نکل جاتا ہے۔ اور اس کی جگہ دوسرا پانی ہوتا ہے۔ مگر بوجہ تسلسل رفتار اور تماثل اجزاء ایک جزو آپ کا آگے نکل جانا، اور دوسرے جزو کا اس کی جگہ آجانا ہم محسوس نہیں کرتے۔ یہی حال زیست و حیات کا ہے۔ کہ ایک آن میں عمر کا جو حصہ ہے۔ دوسری آن میں اس حصے سے متغائر حصہ ہے۔ مگر اتصال آوان اور امتداد حیات کی وجہ سے وہ تمیز نہیں ہوتا۔ حالانکہ عمر رفتہ رفتہ ختم ہوتی جا رہی ہے۔ کما قیل ؎

از بہر قطع کردن نخل حیات تو چوں ارّہ دو سر نفس اندر کشاکش است

آں ز تیزی مستمر شکل آمدست چوں شرر کش تیز جنبانی بدست

لغات۔ مستمر شکل مرکب غیر امتزاجی۔ بطور وصف یعنی چیزے کہ صورت مستمر دارد۔ شرر۔ چنگاری شعلہ کش کہ اش کا مخفف ہے۔ جنبانی تو ہلائے۔ مضارع مخاطب از جنبانیدن۔
ترجمہ وہ تیزی کی وجہ سے لگاتار صورت رکھتی ہے۔ اس چنگاری کی طرح جس کو تم ہاتھ میں لیکر تیزی سے ہلاؤ۔

مطلب - عمر کے بظاہر مستمر و مستدیم نظر آنے مگر فی الحقیقت آناً فاناً اس کے اجزا کے منتفی و منقرض ہونے کی مثال ایک تو نہر کے پانی سے دی تھی - دوسری شعلہ جوّالہ سے دیتے ہیں :

شاخِ آتش را بجنبانی بساز   در نظر آتش نماید بس دراز

لغات - شاخ ٹہنی - لکڑی - شاخِ آتش جلتی لکڑی ساز بناوٹ - صفائی - اہتمام - کوشش -
ترجمہ - اگر تم جلتی لکڑی کو صفائی سے ہلاؤ - تو (اس کا شعلہ جوّالہ) نہایت لمبی آگ دکھائی دیگی -
مطلب لکڑی کے سرے پر کی آگ کا جتنا قلیل وجود ہے - وہ صرف اتنے ہی قلیل حیز میں متحیز ہے - جب اس کو سرعت کے ساتھ گھمایا جائے - تو حرکت کے مطابق آگ کا کامل یا نصف دائرہ نظر آتا ہے - حالانکہ اتنی مسافت میں آگ ہرگز نہیں ہے - بلکہ وہی قلیل الوجود آگ پہلے ایک حیز میں تھی - پھر اس حیز کو چھوڑ کر دوسرے حیز میں جا پہنچی - پھر تیسرے میں - علیٰ ہذا - غرض وہی چھوٹی سی آگ اپنے مطابق چھوٹی سی مسافت میں حیز بہ حیز چل رہی ہے - مگر اس کی سرعت رفتار امتداد و مسافت کے ساتھ مل کر ایک آتشیں دائرہ دکھا رہی ہے -

ایں درازیِ مدت از تیزیِ صُنع   مے نماید سرعت انگیزیِ صُنع

لغات درازیِ مدت - طولِ بقا - امتدادِ حیات - از تیزی میں حرف از تعلیلیہ ہے - صُنع - پیدا کرنا - وجود میں لانا - سُرعت سین کے ضمہ سے جلدی ترکیب مے نماید فعل ایں درازیِ مدت اس کا فاعل - از تیزیِ صنع متعلق مے نماید کے - سرعت انگیزیِ صنع مرکب اضافی مفعول بہ مے نماید کا - درازیِ مدت میں فک اضافت ہے -
ترجمہ (بس یہ طولِ بقا موجودات کو) جلدی جلدی وجود میں لائے جانے (کے لحاظ) سے صُنع (باری تعالیٰ) کی سرعت ایجاد (کا تماشا) دکھا رہی ہے -
مطلب - جب عمر کے گذرنے نہر کے جاری ہونے اور شعلہ کے گردش کرنے سے یہ بات ہمارے ذہن نشین ہو جائے - کہ یہ امتداد و استمرار کس قدر نامحدود تجددات پر مشتمل ہے - تو اس سے ہم کو قدرت حق کے نامتناہی عجائبات کا خیال کرنا چاہیئے - جو تمام اشیاء عالم میں اس قسم کے تجددات و احداثات کا عمل کرتی رہتی ہے -

طالبِ ایں سِرّ اگر علامہ ایست   نک حُسام الدین کہ سامی نامہ ایست

لغات علّامہ عالم سے صیغۂ مبالغہ ہے - بڑا عالم - نک مخفف اینک کا - سامی بزرگ - نامہ کتاب -
ترجمہ اس راز (قدرت) کا طالب اگر کوئی علامہ ہے - تو حسام الدین کو دیکھ لو - جو (جامع اسرار ہونے کے لحاظ سے خود مجسم) شاندار کتاب ہیں -
مطلب تجدد امثال کی تقریر سے مولانا قدرت حق کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے تھے - اب فرماتے ہیں - کہ راز قدرت کے ماہر ضیاء الحق حسام الدین ہیں مفصل سننا چاہتے ہو - تو ان سے سُن لو - حسام الدین آپ کے خلیفۂ اعظم تھے - جن سے مولانا کو کمال محبت تھی - اور مثنوی کی تالیف کے اصلی محرک بھی وہی تھے - اس لئے

مثنوی میں متعدد مرتبہ ان کا ذکر آیا ہے۔ شرح کے دیباچہ میں ان کا مفصل حال لکھا گیا ہے۔ جو حصہ اول کے آغاز میں ہے۔

وصفِ او از شرح مستغنی بود   رو حکایت کن کہ بیگہ میشود

لغات مستغنی بے پروا۔ جس کو کوئی ضرورت نہ ہو۔ بیگہ بیوقت۔
ترجمہ ان کی تعریف تو شرح کی غیر محتاج ہے۔ جاؤ (باقی قصہ) سناؤ۔ کیونکہ وقت گذرا جا رہا ہے۔

رسیدن خرگوش بشیر وخشم شیر بروے

خرگوش کا شیر کے پاس پہنچنا اور شیر کا اس پر غصہ

شیر اندر آتش و در خشم و شور   دید کاں خرگوش مے آید ز دور

ترجمہ شیر نے (انتظار کی) آگ اور (بدعہدی کے) غصے اور (اظہار غضب کے) شور میں دیکھا کہ وہ خرگوش دور سے آرہا ہے۔

میدود بے دہشت و گستاخ او   خشمگین و تند و تیز و ترش رو

ترجمہ وہ بے دھڑک اور دلیرانہ دوڑتا (کودتا آرہا) ہے (بلکہ الٹا) غضبناک اور تند اور تیز اور ترشرو (ہے)۔

نوٹ یہانتک شیر کے خیال کی نقل ہے اگلا شعر مولانا کا مقولہ ہے جسمیں خرگوش کے گستاخانہ آنے کی توجیہ کی ہے

کز شکستہ آمدن تہمت بود   وز دلیری دفع ہر ریبت بود

لغات شکستہ بحالت انکسار۔ یہ حال تہمت الزام ریبت شک و شبہ۔
ترجمہ کیونکہ انکسار کے ساتھ آنے سے (شک ہوتا ہے۔ اور خواہ مخواہ) تہمت لگ جاتی ہے اور دلیری سے ہر شک دور ہو جاتا ہے۔ کما قیل۔ ع دلاور بود در سخن بے گناہ

چوں رسید او پیشتر نزدیک صف   بانگ بر زد شیر ہاں! اے ناخلف!

من کہ گاواں را زہم بدریدہ ام   من کہ گوشِ شیر نر مالیدہ ام

نیم خرگوشے چہ باشد کو چنیں   امر ما را افگند اندر زمیں

لغات ہاں حرف تنبیہ خبردار ناخلف۔ جو بزرگوں کا نیک جانشین نہ ہو۔ نیم نصف۔ مراد حقیر و ناچیز۔
ترکیب چوں رسید الخ شرط بانگ بر زد الی آخر الابیات جزا۔ بانگ مبین اے ناخلف الخ بیان

ترجمہ جب وہ (حاضرین کی) صف کے پاس ذرا آگے بڑھا۔ تو شیر نے ڈانٹا کہ ارے او ناخلف! میں نے تو بڑے بڑے سانڈ بیلوں کے پرخچے اڑا دیئے ہیں۔ میں نے شیر نر کی گوشمالی کردی ہے۔ ایک ذرا سا خرگوش جو ہمارے حکم کو مٹی میں ملا دے کیا حقیقت رکھتا ہے۔

ترکِ خواب و غفلتِ خرگوش کن　　　غرشِ این شیر اے خرا گوش کن

لغات ترک کن چھوڑ دے۔ خواب خرگوش کھوے اور خرگوش کی مشہور کہانی کی طرف تلمیح ہے۔ غرش گرج خر گدھا۔ مراد بیوقوف۔ صنائع خرگوش کے کلمے میں تجنیس تام ہے۔
ترجمہ (اب یہ) غفلت اور خواب خرگوش ترک کردے۔ ارے بیوقوف! اب شیر کی گرج سن۔

عذر گفتن خرگوش بشیر از تاخیر و لابہ کردن

خرگوش کا اپنی تاخیر کے متعلق شیر سے عذر کرنا اور خوشامد کرنا

گفت خرگوش الاماں عذریم ہست　　　گر دہد عفوِ خداوندیت دست

لغات لابہ خوشامد۔ چاپلوسی۔ مجازاً بمعنی فریب الاماں۔ امن۔ جاں بخشی۔ مفعول بہ محذوف الفعل یعنی در اصل اَسْئَلُ الْاَمَانَ ہے عذریم بمعنی مرا عذرے ست۔
ترجمہ خرگوش نے عرض کیا۔ میں اماں چاہتا ہوں۔ اگر آنحضور کی مالکانہ خطابخشی میری دستگیری کرے۔ تو میں ایک عذر پیش کرتا ہوں۔

باز گویم چوں تو دستوری دہی　　　تو خداوندی و شاہ و من رہی

لغات۔ دستوری دال کے فتحہ سے اجازت رہی غلام خادم۔
ترجمہ اگر حضور اجازت دیں تو عرض کروں آپ (میرے) مالک اور بادشاہ ہیں۔ اور میں (حضور کا) غلام (ہوں)

گفت چہ عذر اے قصورِ ابلہاں!　　　ایں زماں آیند در پیشِ شہاں؟

لغات قصورِ ابلہاں کمترین بیوقوفاں۔ احمق لوگوں میں سب سے زیادہ حقیر۔ صنائع عذر و قصور کے لفظوں میں مناسبت
ترجمہ شیر بولا ارے کمترین بیوقوفاں! کیا (خاک) عذر (کریگا)۔ بھلا بادشاہوں کے حضور میں اس وقت (دیر کر کے) آیا کرتے ہیں؟

مرغ بیوقتی سرت باید برید　　　عذرِ احمق را نمے باید شنید

لغات مرغ بے وقت یا مرغ بے ہنگام۔ وہ مرغ جو بیوقت بانگ دے۔ چونکہ عام مرغ پو پھٹنے کے وقت بانگ دیتے ہیں۔ اس لئے ان کی بانگ طلوع فجر کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ اور مسافر اور عبادت گزار لوگ جاگ کر

اپنے اپنے مقاصد پر متوجہ ہوجاتے ہیں۔ لیکن جو مرغ قبل از فجر بانگ دینے لگے۔ اس سے اندیشہ ہے۔ کہ وہ لوگوں کو فجر کے متعلق غلط فہمی میں ڈال دے۔ اس لئے اس کو ذبح کر ڈالنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔
ترجمہ (بیوقت آتے ہیں) تو مرغ بے ہنگام (کا سا) ہے۔ تجھے ذبح کر ڈالنا چاہیئے۔ احمق کا عذر نہیں سننا چاہیئے۔ صائب رحہ

مکن یا ارتکاب جرم اظہار پشیمانی — چہ حاجت یا دروغ آمیختن آلودہ دلانی

عذرِ احمق بدتر از جرمش بود — عذرِ ناداں زہرِ ہر دانش بود

ترجمہ۔ کیونکہ احمق کا عذر اس کے گناہ سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ نادان کا عذر ہر عقل کا زہر ہوتا ہے۔ صائب رحہ

عذرِ گناہِ بے ادباں جرم دیگرست — زخمِ دروں بہ بخیہ فراہم نمے شود

عذرت اے خرگوش از دانش تہی — من نہ خرگوشم کہ در گوشم نہی

لغات خرگوش مرکب غیر امتزاجی یعنی گدھے کے سے کان والا ترکیب از دانش متعلق تہی کے۔ اور تہی صفت ہے خرگوش کی۔ نہی فعل با فاعل عذر اس کا مفعول یہ صنائع خرگوش کے لفظ میں تجنیس تام۔ خرگوشم اور درگوشم میں تجنیس لاحق۔
ترجمہ اے عقل سے خالی خرگوش (یا ہیں گدھے کے سے (فضول باتیں سننے والے) کان نہیں رکھتا۔ کہ تو مجھے اپنا (بے معنی) عذر سناتا ہے۔ صائب رحہ

از سیہ کاراں حدیث توبہ جرم دیگرست — جامۂ خود را ہماں بہتر نشوید گلخنی

گفت اے شہ ناکسے را کس شمار — عذر استم دیدگاں را گوش دار

لغات۔ ناکس نالائق۔ کس آدمی۔ استم ستم ظلم الف زائد ہے۔ استم دیدگاں مظلوماں۔
ترجمہ (خرگوش) بولا اے بادشاہ (تھوڑی دیر کے لئے) ایک نالائق کو لائق فرض کر لیجئے۔ اور مظلوم کے عذر کو سن لیجئے۔

خاص از بہرِ زکوٰۃِ جاہِ خود — گمرہے را تو مراں از راہِ خود

ترجمہ خصوصاً اپنے جاہ و منزلت کا صدقہ سمجھ کر ایک گمراہ کو اپنے راستے سے نہ ہٹائیے۔
کما قیل ؎ سیہ دار سرے بخاکساران جہاں — شکرانہ آنکہ سرفرازت کردہ اند

بحر کو آبے بہر جو مے دہد — ہر خسے را بر سرو رُو مے نہد

لغات۔ بحر دریا۔ سمندر۔ جو نہر۔ خس گھاس پھونس کے معنی میں فارسی کلمہ ہے۔ اور کمینہ سفلہ کے معنی میں عربی ہے۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں اور دوسرے معنی کی طرف ایہام ہے۔ بر سرو رو نہادن کنایہ ہے۔ عزت افزائی کرنے سے

ترجمہ دریا جو نہر کو پانی دیتا ہے وہ ہر تنکے کو (اپنی دریا دلی سے) سر اور منہ پر رکھتا ہے۔
مطلب پانی میں جو خس و خاشاک پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ سطح آب پر ہی رہتا ہے۔ اس سے یہ مضمون اخذ کیا۔ کہ دریا با وجود اس عظمت و شوکت کے۔ کہ نہر جیسی عظیم الشان ہستی اس کی محتاج ہے۔ خس و خاشاک کی سی حقیر چیز کی بھی عزت افزائی کرتا ہے۔ کما قیل ؎

نظر کردن بدرویشاں بزرگی را بیفزاید سلیماں با ہمہ حشمت نظرہا بود با مورش

کم نخواہد گشت دریا زیں کرم از کرم دریا نگردد بیش و کم

ترجمہ دریا کا اس احسان سے کوئی نقصان نہیں ہوتا (کیونکہ) بخشش کرنے سے دریا کم و بیش نہیں ہوتا۔ کما قیل ؎

ز احساں مے شود صاحب کرم را دولت افزوں تر بلے ہر چاہ را آب از کشیدن بیشتر گردد

گفت دارم من کرم بر جائے او جامۂ ہر کس بُرم بالائے او

لغات برجا۔ بر موقع۔ مناسب بُرم قطع میکنم از بریدن۔ بالائے قد۔ اس سے پہلے بائے مطابقت مقدر ہے
ترجمہ (شیر) بولا۔ میں بخشش حسب موقع کیا کرتا ہوں۔ ہر شخص کا کپڑا اس کے قد کے موافق بیونتا کرتا ہوں۔ سعدی رح ؎

نہ ہر کس سزاوار باشد بمال یکے مال خواہد یکے گوشمال
چو گربہ نوازی۔ کبوتر خورد چو فربہ کنی گرگ یوسف درد

گفت بشنو گر نباشد جائے لطف سر نہادم پیش اژدرہائے عنف

لغات۔ عنف عین کے ضمہ سے سختی درشتی بدسلوکی کرنا۔ لطف و عنف کا قافیہ محل نظر ہے۔
ترجمہ (خرگوش) بولا (برائے خدا) سن تو لیجئے۔ اگر (آپ کا براہِ) کرم (سن لینا) بموقع ہو۔ تو میں آپ کی تندی کے اژدہے کے سامنے سر رکھ دیتا ہوں (جو چاہیں۔ سو کریں)

من بوقتِ چاشت در راہ آمدم با رفیقِ خود سوئے شاہ آمدم

ترجمہ میں نے ایک پہر دن چڑھے کے قریب راہ لی۔ اور اپنے (ایک) رفیق کے ساتھ حضور کی طرف آنے لگا

با من از بہر تو خرگوشے دگر جفت ہمرہ کردہ بودند آں نفر

لغات جفت جوڑا۔ جوڑی دار نفر جماعت۔ لوگ۔
ترجمہ ان لوگوں (یعنی نخچیروں) نے حضور کے لئے ایک اور خرگوش میرے ساتھ شامل کر دیا تھا

شیرے اندر راہ قصدِ بندہ کرد قصدِ ہر دو بیشدہ آیندہ کرد

ترجمہ (اچانک) ایک شیر نے راستے میں بندے کا قصد کیا۔ (بلکہ) دونوں (حضور کی طرف) آنیوالے بندوں کا قصد کیا ۔

گفتمش ما بندۂ شاہنشہیم خواجہ تاشانِ کہ آں درگہیم

لغات خواجہ تاش نوکر خادم لوگ۔ ہر نوکر دوسرے نوکر کا خواجہ تاش ہوتا ہے۔ کہ کمرتبہ۔ ادنیٰ۔
ترجمہ میں نے اس کو سمجھایا۔ کہ ہم شاہنشہ کے غلام ہیں۔ اس درگاہ میں اکٹھے رہنے والے ادنےٰ خادم ہیں۔

گفت شاہنشہ کہ باشد شرم دار پیشِ من تو یادِ ہر ناکس میار

ترجمہ وہ (اجنبی شیر) کہنے لگا۔ کون ہوتا ہے۔ شاہنشاہ؟ ایسی بات کہتے شرم کرو۔ میرے آگے ہر کمینے کا ذکر نہ کرو۔

ہم ترا و ہم شہت را بَر دَرم گر تو با یارت بگردی از بَرم

لغات بَر پہلا بر زائد ہے۔ دوسرا بر بمعنی پیش ہے۔ گردی فعل مضارع مخاطب گشتن پھرنا سے۔
ترجمہ اگر تم اپنے ساتھی سمیت میرے حضور سے چلے گئے۔ تو تم اور تمہارا بادشاہ دونوں کے ٹکڑے کرڈالوں گا۔

گفتمش بگذار تا بارِ دگر روئے شہ بینم برم از تو خبر

ترجمہ میں نے کہا چھوڑ دو۔ تاکہ ایکبار (اپنے) بادشاہ کا دیدار کروں اور تمہاری خبر پہنچا دوں

گفت ہمرہ را گرو نہ پیشِ من ورنہ قربانی تو اندر کیشِ من

ترجمہ وہ بولا اپنے ساتھی کو میرے پاس گروی رکھ جاؤ۔ ورنہ تم میرے مذہب میں (میری) قربانی ہو۔

لابہ کردیمش بسے سودے نکرد یارِ من بستد مرا بگذاشت فرد

ترجمہ (حضور!) ہم نے اس کی بہتیری خوشامد کی۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ (آخر) اس نے میرے رفیق کو پکڑ ہی لیا۔ اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا۔

ماندہ آں ہمرہ گرو در پیشِ او خوں رواں شد از دلِ بیخویشِ او

ترجمہ وہ (میرا) ہمراہی اس کے پاس گروی رہ گیا۔ اور اس کے دل سے جو اپنے آپ کو بیکس (پاتا) تھا۔ خون رواں ہوگیا۔

یار م از زفتی سہ چنداں بُد کہ من ہم بلطف و ہم بخوبی ہم بہ تن

لغات ۔ زفتی ۔ فربہی ۔ موٹا پا ۔ سہ چنداں ۔ تگنا ۔ سہ گنا ۔ بُد بود کا مخفف ۔
ترجمہ میرا ہمراہی میری نسبت فربہی میں تگنا تھا ۔ عمدگی میں بھی اور خوبی میں بھی اور جسم میں بھی ۔

بعد ازیں زاں شیر آں رہ بستہ شد　　حالِ ما ایں بود کت دانستہ شد

لغات زاں شیر میں زاں سبب کی ہے ۔ کت کہ ترا کا مخفف ہے ۔
ترجمہ اس کے بعد (یعنی آیندہ کے لئے) وہ راستہ اس شیر کی وجہ سے مسدود ہو گیا ۔ ہمارا حال یہ تھا ۔ جو حضور کو معلوم ہو گیا ۔

از وظیفہ بعد ازیں امید بُر　　حق ہمے گویم ترا الحق مُر

لغات وظیفہ روز کا مقررہ کام یا چیز یا روزی بُر صیغۂ امر ہے ۔ بُریدن کاٹنا سے ۔ الحق مُر ۔ سچ کڑوا ہوتا ہے ۔
ترجمہ اس کے بعد آپ روزینے کی امید نہ رکھیں ۔ میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں (اگرچہ) سچ ناگوار ہوتا ہے

گر وظیفہ بایدت رہ پاک کُن　　ہیں بیا و دفع آں بیباک کُن

ترجمہ اگر آپ کو روزینہ چاہیئے ۔ تو راستہ صاف کیجئے ۔ ہاں ہاں آیئے اور اس گستاخ (حریف) کو دفع کیجیے ۔

جواب گفتن شیر خرگوش را و رواں شدن با او

شیر کا خرگوش کو جواب دینا اور اس کے ساتھ روانہ ہونا

گفت بسم اللہ بیا تا او کجاست　　پیش رَو شو گر ہمے گوئی تو راست

ترجمہ (شیر نے) کہا بسم اللہ چلیے آؤ تا کہ میں دیکھ لوں کہ) وہ کہاں ہے ۔ اگر تم سچ کہتے ہو تو آگے آگے چلو ۔

تا سزائے او و صد چوں او دہم　　ور دروغ ست ایں سزائے تو دہم

ترجمہ تاکہ اس کو اور اس جیسے (اگر) سو (شیر بھی ہوں تو ان سب) کو سزا دوں ۔ اور اگر یہ (تیرا) جھوٹ ہے ۔ تو تجھ کو (اس کی) سزا دوں ۔

اندر آمد چوں قلاوزے بہ پیش　　تا بَرد او را بسوئے دامِ خویش

لغات قلاوز بدرقہ ۔ رہبر ۔ پیش رو تا سببیہ ہے ۔
ترجمہ (غرض) وہ (خرگوش) بدرقے کی طرح آگے چلنے لگا ۔ تاکہ اس کو اپنے جال کی طرف لے جائے ۔

سُوئے چاہے کو نشانش کردہ بُو · چاہِ مَغ را دامِ جانش کردہ بُود

لغات مَغ میم کے فتحہ سے عمیق ۔ گہرا۔
ترجمہ ایک کنوئیں کی طرف (لیچلا) جس کو (پہلے) تاڑ رکھا تھا اس گہرے کوئیں کو اس کی جان کا پھندا قرار دے رکھا تھا۔

میشدند ایں ہر دو تا نزدیکِ چاہ · اینت خرگوشے چو آب زیر کاہ

لغات اینت بکسر الف و نون غنہ کلمہ تحسین و تعجب بمعنی زہے ۔ خرگوشے میں یا برائے تحقیر۔ آب زیر کاہ مکار و منافق۔
ترجمہ دونوں کنوئیں کے قریب جا پہنچے ۔ دیکھو تو یہ ناچیز خرگوش (مکر و فریب میں) گویا تنکے کے نیچے (بہنے والا) پانی (ہے) صائب رحمہ
چوں شود دشمن ملائم احتیاط از کف مدہ · مکرہا در پردہ باشد آبِ زیر کاہ را

آب کاہے را بہاموں مے برد · آب کوہے را عجب چوں میبرد

ترجمہ پانی ایک تنکے کو جنگل سے (بہا) لے جاتا ہے (یہ) عجیب پانی ہے کہ ایک پہاڑ کو کس خوبی سے بہائے لئے جا رہا ہے۔

دامِ مکرِ او کمندِ شیر بُود · طرفہ خرگوشے کہ شیرے را رُبود

ترجمہ اس کے مکر کا جال شیر کے لئے کمند تھا۔ عجیب خرگوش تھا۔ جو شیر کو (مار) لے گیا۔

مُوسیئے فرعون را تا رودِ نیل · میکشد با لشکر و جمعِ ثقیل

لغات موسیئے میں موسےٰ کا الف مقصورہ یا سے بدل گیا۔ اور آخر میں یائے تنکیر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا حال اس شرح کے پہلے حصے میں لکھا گیا ہے۔ فرعون مصر کے قدیم بادشاہوں کا لقب ہے۔ جو عمالقہ اولیٰ میں سے تھے۔ مگر زیادہ تر اسی بادشاہ کے لئے یہ لقب بولا جاتا ہے۔ جو حضرت موسےٰ علیہ السلام کے عہد میں حکمران تھا۔ اور اس کا نام ولید بن مصعب تھا۔ وہ بڑا ظالم سرکش بادشاہ تھا۔ پہلے مشرک تھا۔ پھر خدائی دعوے کرنے لگا تھا۔ جمع جماعت ۔ انبوہ ۔ ثقیل بھاری ۔ کثیر۔
ترجمہ (جس طرح) ایک (بے سروسامان آدمی یعنی حضرت) موسیٰ ع فرعون (جیسے متکبر بادشاہ) کو دریائے نیل تک لشکر اور بھاری جماعت سمیت لئے جا رہے ہیں۔
مطلب بے شک جب تائیدِ الٰہی کسی کی پشت پناہ ہو۔ تو وہ بے سروسامانی میں بھی متکبر و سرکش سلاطین کے جلال و جبروت کو خاک میں ملا سکتا ہے۔ کما قیل ۔
تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب · تنہا جہاں بگیرد بے منت سپاہے

پشّہ نمرود را با نیم پر میشگافد بیرو دنا مغز سر

لغات نمرود ایک کافر بادشاہ کا نام ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں سوادِ عراق پر حکمران تھا۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ وہ مشہور ظالم بادشاہ ضحاک کا صوبہ تھا۔ اور بعض کے نزدیک مستقل و خود مختار تھا۔ اسی بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا۔ جس میں خدا کے حکم سے ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ یہ بادشاہ خدائی کا مدعی تھا۔ لوگوں سے اپنے آپ کو سجدہ کراتا تھا۔ آخر خداوند جل و علا نے اس سرکش و متکبر کو اس کے تکبر کی جزا یوں دی۔ کہ ایک ذلیل سے ذلیل مخلوق کے ہاتھوں اس کو ہلاک کرایا۔ یعنی ایک مچھر اس کے دماغ میں گھس گیا۔ جو اس کی موت کا باعث ہوا۔

ترجمہ ایک مچھر آدھے پر کے ساتھ نمرود (کی کھوپری) کو چیر کر اس کے مغزِ سر تک جا پہنچتا ہے۔

مطلب مولانا شیر و خرگوش کے واقعہ سے عجائباتِ قدرت کو استنباط کرتے ہیں۔ اور مذکورہ دونوں مثالیں اس بات کی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔ کہ وہ چاہے تو ایک ضعیف و ناتوان اور بے سر و سامان مخلوق کے ہاتھ سے کسی قوی و توانا ہستی کو ہلاک کر دے۔

حالِ آں کو قولِ دشمن را شنود بیں جزائے آنکہ شد یارِ حسود

ترجمہ اس شخص کا حال دیکھ جس نے دشمن کی بات سنی (یہ) اس بات کی سزا (تھی) کہ حاسد کا یار بنا۔

مطلب شیر و خرگوش کے واقعہ میں یہ دوسری بات استنباط فرماتے ہیں۔ کہ حاسد اور دشمن کی بات ماننا اور اس کو اپنا رفیق بنا لینا خطرناک ہے۔ غنی رح ؎

ایمن مشو ز دشمن شد گرچہ با تو ہمرنگ آتش کہ خصم کاہ است وارد لباس کاہی

صائب ؎ خصم بدگو ہر اگر حرفِ ملائم گوید استخوانیست کہ در لقمہ نہاں میگردد

حالِ فرعونے کہ ہاماں را شنود حالِ نمرود یکہ شیطاں را ستود

لغات فرعونے میں یائے توصیفی یا موصولہ ہے۔ اس لقب کے شاہانِ مصر کے لئے عام ہونے کی وجہ سے بغرضِ تخصیص اس پر یائے توصیفی داخل ہوئی ہے۔ یعنی تمام فراعنہ میں سے خاص وہ فرعون جو ہامان کی بات مانتا تھا۔ ہامان فرعون کے وزیر کا نام ہے۔ جو اصل باعث تھا۔ اس کی گمراہی کا اور محرک تھا اس کی تمام سرکشیوں اور شرارتوں کا۔ لکھا ہے کہ کئی مرتبہ فرعون کو اپنی غلطیوں سے تنبہ ہوا۔ اور اس نے توبہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر ہر بار ہامان اس کو بہکاتا تھا۔

ترجمہ (یہی) حال اس فرعون کا (ہوا) جس نے ہامان کا کہنا مانا۔ یہی حال (کم بخت) نمرود کا (ہوا)۔ جو شیطان کا مداح تھا۔ کما قیل ؎

آں کس کہ خدا منصبِ خوارئیش دھد
شیطاں بکار و یار یارئیش دھد

دشمن ارچہ دوستانہ گویدت دام داں گرچہ زدانہ گویدت

لغات دوستانہ۔ دوست کے آخر میں حروف انہ کا اضافہ معنی لیاقت کا افادہ کرتا ہے۔

ترجمہ دشمن اگرچہ دوستی کے رنگ میں (کچھ) کہے اس کو جال سمجھو۔ اگرچہ (بظاہر) اس کی بات دانہ ہو۔

مطلب ۔ دشمن کی بات پر اعتماد کرنا خلاف احتیاط ہے۔ وہ جو کچھ کہے اس کا مقصد الٹ سمجھنا چاہئے سعدیؒ

حذر کن زانچہ دشمن گوید آن کن — کہ بر زانو زنی دستِ تغابن

گرت راہے نماید راست چوں تیر — ازاں برگرد و راہِ دست چپ گیر

گر ترا قندے دہد آں زہر داں گر بتو لطفے کند آں قہر داں

ترجمہ اگر وہ تم کو مصری دے۔ تو اس کو زہر سمجھو اگر تم پر مہربانی کرے۔ تو اس کو قہر سمجھو ؎

نہیں ہر قند زہر سے خالی — نہیں ہر لطف قہر سے خالی

مہر میں کچھ ادائیاں ہیں چھپی — نیکیوں میں برائیاں ہیں چھپی

صائب ؎ زخمہا در چاشنی دارد تمناہائے خصم — سگ بروے دوستی داماں قاتل میکشد

چوں قضا آید نہ بینی غیرِ پوست دشمناں را باز نشناسی ز دوست

ترجمہ جب قضا آتی ہے۔ تو تم سوائے ظاہری حالت کے کچھ نہ دیکھو گے۔ دشمن و دوست میں تمیز نہ کر سکو گے۔

مطلب حزم و احتیاط کی ہدایت کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ بعض اوقات حزم و احتیاط بھی بیکار ثابت ہوتی ہے چنانچہ جب ایک دشمن کے ہاتھ سے مفر پانا مقدر ہو۔ تو انسان کی بصیرت و بصارت بھی کام نہیں دیتی۔ کما قیل ؎

؎ قضا شخصے ست ہیچ انگشت دارد — چو خواہد از کسے کارے برارد

دو بر بینہ گزارد داں دو بر گوش — یکے بر لب نہد گوید کہ خاموش

چوں چنیں شد ابتہال آغاز کن نالہ و تسبیح و روزہ ساز کن

لغات ۔ ابتہال۔ زاری کرنا۔ گڑگڑانا۔ ساز کن۔ سامان کر۔ اہتمام کر۔

ترجمہ ۔ جب ایسا ہو۔ تو (خدا کی درگاہ میں) عجز و نیاز شروع کرو۔ زاری اور تسبیح اور روزے کا سامان کرو۔

مطلب ۔ چوں چنیں شد کے دو معنی ہیں (۱) جب ایسا ہے (۲) جب ایسا ہو اور اس لحاظ سے اس کا مطلب دو طرح ہو سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ جب یہ بات ہے۔ کہ قضا کے سامنے تدبیر کی کوئی پیش نہیں جاتی۔ بلکہ انسان خود دشمن کے ہاتھ میں جا گرفتار ہوتا ہے۔ تو مناسب ہے۔ کہ ایسے ناگہانی مصائب سے بچنے کے لئے خدا سے دعا کریں۔ دوسرا مطلب یہ ہے۔ کہ جب ایسا واقعہ ہو جائے کہ انسان کی قضا آ گئی ہو۔ اور وہ اپنے پاؤں

سے مصائب کے منہ میں جارہا ہو۔ اور کوئی تدبیر وسعی کارگر نہ ہو تو یہ وقت ہے کہ خدا کی درگاہ میں دعا کرے۔ اور صدقہ وخیرات اور صوم وصلوٰۃ وغیرہ ظاہری و باطنی عبادتوں کے ساتھ استمداد کرے ؎

جب الجھنے لگے سررشتۂ تدبیر ترا — جب نشانے سے رہے دور ہر اک تیر ترا
لوگ جب تجھ سے بگڑنے لگیں بے جرم و قصور — ہر طرف سے تجھے جب گھیر لیں آفات و شرور
الغرض جب ہو زمانے کی ہوا تیرے خلاف — جب ہو سب دائرۂ ارض و سما تیرے خلاف
چھوڑ پروا کہ کواکب نہ ہو پابندِ فلک — ہاتھ اٹھا بہرِ دعا پیش خداوندِ فلک

سوال۔ کیا حکم قضا اور نزولِ بلا کے آگے صدقہ وخیرات اور دعا ومناجات سے کچھ فائدہ متصور ہے؟

جواب۔ بیشک صدقہ وخیرات سے مصائب ونوائب بلکہ موت تک ٹل سکتی ہے۔ اور دعا سے بھی ہر بلا دفع ہوسکتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی جلد اول کے صفحہ ۱۵ میں فرماتے ہیں۔ وربما یکون العبد قد احیط بہ وقضی بہلاکہ فی عالم المثال فالہم الی بذل اموال خطیرۃ وتضرع الی اللہ ہو وناس من المرحومین فمحا ہلاکہ بنفسہ باہلاک مالہ وہو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرد القضاء الا الدعاء ولا یزید فی العمر الا البر اور بسا اوقات بندہ قضا کے قابو میں آجاتا ہے۔ اور عالم مثال میں اس کی موت کا فیصلہ ہوچکتا ہے۔ (جسکو خواب وغیرہ کے ذریعہ سے محسوس کرکے) وہ فوراً بہت سے اموال خیرات کرنے لگتا ہے۔ اور وہ خود اور کئی دوسرے مقبول لوگ اللہ کی بارگاہ میں تضرع کرتے ہیں۔ تو اس کے مال کے خرچ کرنے سے اس کی موت ٹل جاتی ہے۔ اور یہی معنی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کا کہ قضا کو دعا ہی لوٹاتی ہے۔ اور عمر کو صدقہ ہی بڑھاتا ہے۔ تاثیر دعا کے متعلق اسی جلد کے صفحہ ۲۵ پر خود اپنا ایک کشف بیان فرماتے ہیں۔ ان ناساً تشاجروا فیما بینہم وتحاقدوا فالتجأت الی اللہ فرأیت نقطۃ مثالیۃ نورانیۃ نزلت من حظیرۃ القدس الی الارض فجعلت تنبسط شیئاً فشیئاً وکلما انبسطت زال الحقد عنہم فما برحنا المجلس حتی تلاطفوا ورجع کل واحد منہم الی ما کان من الالفۃ وکان ذلک من عجیب آیات اللہ عندی یعنی چند آدمی باہم جھگڑنے اور بغض وعداوت کرنے لگے۔ میں نے بارگاہ ایزدی میں التجا کی۔ تو مجھے ایک نقطہ مثالی نورانی نظر آیا۔ جو حظیرۂ قدس سے زمین پر نازل ہوا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ پھیلنے لگا۔ اور جوں جوں پھیلتا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا بغض وکینہ دور ہوتا جاتا تھا۔ ابھی ہم اسی نشست میں تھے۔ کہ وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ نرمی سے پیش آنے لگے۔ اور ہر ایک کے دل میں وہی الفت پیدا ہوگئی جو پہلے تھی۔ اور یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی ان عجیب نشانیوں میں سے تھا۔ جو مجھ پر منکشف ہوئیں۔

اس سے ذرا آگے چلکر فرماتے ہیں۔ وقد بینت السنۃ بیاناً واضحاً ان الحوادث یخلقہا اللہ قبل ان تحدث فی الارض خلقاً ما ثم ینزل فی ہذا العالم فیظہر فیہ کما خلق اول مرۃ سنۃ من اللہ تعالیٰ ثم یمحی الثابت ویثبت المعدوم بحسب ہذا الوجود قال اللہ تعالیٰ یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب مثل ان یخلق اللہ البلاء خلقاً ما فینزل لہ علی المبتلی ویصعد الدعاء فیردہ وقد یخلق الموت فیصعد البر ویردہ۔ یعنی احادیث شریفہ سے یہ بات پوری طرح روشن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام حوادث کو ان کے زمین پر حادث ہونے سے پہلے کسی پیدائش کے ساتھ

صدقہ اور دعا سے بلائیں ٹلتی
موت بھی ٹل جاتی ہے

پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد ان کو اس عالم میں نازل کرتا ہے۔ پھر وہ یہاں اس طرح ظہور میں آتے ہیں جس طرح پہلے کسی سنت اللہ کے ماتحت پیدا کئے گئے تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس وجود کے لحاظ سے ان میں سے کسی ثابت کو معدوم اور کسی معدوم کو ثابت کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ جس کو چاہتا ہے مٹاتا ہے۔ اور ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس لوح محفوظ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک بلا کو کسی طرح کی پیدائش سے پیدا کرتا ہے۔ پھر اس کو اس شخص پر جس کے لئے وہ بلا بنی ہے۔ نازل کرتا ہے۔ ادھر سے دعا اوپر چڑھتی ہے۔ تو وہ اس بلا کو لوٹا دیتی ہے۔ اور کبھی موت کو پیدا کرتا ہے۔ تو نیکی اوپر چڑھتی ہے۔ اور اس کو لوٹا دیتی ہے۔ الخ

نالہ میکن کاے توعلام الغیوب　　زیر سنگ مکر بد ما را مکوب

لغات۔ علام الغیوب۔ غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ مکوب فعل نہی کوفتن کوٹنا سے۔

ترجمہ رو (روکر دعا کرو) کہ اے غیب کی باتوں کے جاننے والے ہم کو کسی برے (بیدین آدمی) کے سنگ مکر سے صدمہ نہ پہنچائیو۔ نظامی رح ؎

نگہدار از رختۂ رہزناں　　مکن شاد بر من دلِ دشمناں

یا کریم العفو ستار العیوب　　انتقام از ما مکش اندر ذنوب

لغات کریم کے اصل معنی ہیں جوانمرد۔ گناہ بخشنے والا۔ سخی۔ اور اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے۔ مگر یہاں عفو کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ورزق کریم آیا ہے۔ ستار پردہ پوش۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے۔ عیوب عیب کی جمع۔ ذنوب ذنب کی جمع۔ گناہ۔

ترجمہ۔ اے عظیم الشان بخشش والے (اے ہمارے) عیوب پر پردہ ڈالنے والے ہمارے گناہوں کا بدلہ نہ لے۔ جامی رح ؎

گناہم اگر از حد برون ست　　ہزاراں بار ازاں فضلت فزون ست
اگر باشد دو صد خرمن گناہم　　توانی سوختن از برق آہم
اگر باشد ز عصیاں صد کتابم　　توانی شستن از چشم پر آبم

آنچہ در کون ست اشیا زانچہ ہست　　وانما جانِ ترا بہر حالت کہ ہست

لغات۔ کون دنیا۔ جہان۔ عالم خلق۔ وا کشادہ۔ ظاہر۔ نما صیغہ امر نمودن دکھانا سے۔

ترجمہ۔ موجودات میں سے جس قدر چیزیں اس جہان میں ہیں (ہمارے) دل کو ان کی واقعی حالت دکھا دے۔

مطلب یہ شعر ترجمہ ہے اس دعا کا جو کسی بزرگ سے منقول ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ۔ الٰہی۔ اشیاء عالم کے اصلی حقائق جو کچھ ہیں ہم کو دکھا دے جس سے یہ مقصود ہے کہ ہم خیر و شر

اور نفع و ضرر میں تمیز کر سکیں۔

گر سگی کردیم اے شیر آفریں — شیر را مگمار بر ما زیں کمیں

لغات - سگی میں یائے مصدری ہے۔ کتاپن۔ مگمار۔ صیغہ نہی گماشتن مقرر کرنا سے۔ کمیں گھات کی جگہ۔
ترجمہ اگرچہ ہم نے کتوں کے سے بُرے افعال کئے ہیں (مگر) اے شیر کو پیدا کرنے والے تو اس کمیں گاہ سے (نمودار ہونے والے) درندہ (شیطان) کو ہم پر مقرر نہ کر (کہ ناگہاں ہم پر حملہ کردے) کما قال رح

چوں عنایاتت شود یا مانقیم — کے بود بیمے ازاں وزد لئیم

آب خوش را صورت آتش مدہ — اندر آتش صورت آبی منہ

ترجمہ خوشگوار پانی کو آگ کی شکل میں نمایاں نہ کر۔ (اور) آگ میں پانی کی صورت نہ رکھ
مطلب - یعنی ایسا نہ ہو کہ ہم نفس کے دھوکے سے کسی مفید چیز کو مضر سمجھ کر چھوڑ بیٹھیں۔ اور کسی مضر چیز کو مفید سمجھ کر اختیار کر لیں۔ جامی رح ؎

میانِ نیک و بد تخلیط کردیم — گہے افراط و گہ تفریط کردیم
رہ فرمودنیها کم سپردیم — بنا فرمودنیها پا فشردیم
ز ناکوشیدنِ خود در خروشیم — بدہ توفیقِ کوشش تا بکوشیم

از شراب قہر چوں مستی دہی — نیستہا را صورت ہستی دہی

لغات نیستہا غیر موجود چیزیں۔ ہستی وجود۔ موجودگی۔ مستی دیوانگی۔ زوال عقل۔
ترجمہ (الٰہی) جب تو اپنے قہر کی شراب سے کسی کی عقل زائل کر دیتا ہے۔ تو بے اصل وغیر موجود چیزوں کو (اس کی نظر کے سامنے) موجود چیزوں کی صورت دیدیتا ہے۔
مطلب یعنی ان لوگوں کی نگاہوں میں راست بینی و حقیقت شناسی کی صلاحیت نہیں رہتی۔ وہ اپنے اعمال کے نتائج سمجھتے ہیں کچھ اور پیش آتے ہیں کچھ اور۔ یہ حالت ان لوگوں کی شقاوت اور ان پر قہر الٰہی کے نزول کی علامت ہے۔ اور یہی مطلب ہے۔ اس کا کہ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا اور ان کی آنکھیں تو ہیں۔ لیکن ان سے دیکھ نہیں سکتے۔ ہاتفی رح ؎

چو خواہد قضا سر نگونت کند — بکردار بد رہنمونت کند
کسے را کہ بدگشت روز سیہ — نگردد نصیبش بجز گمرہی

چیست مستی؟ بند چشم از دید چشم — تا نماید سنگ گوہر پشم یشم

لغات بند چشم بستگی چشم۔ پشم اون۔ یشم بیائے تحتانی۔ ایک سبز رنگ کا پتھر جسکو عربی میں یشب کہتے ہیں مشہور ہے کہ یہ پتھر جس شخص کے پاس ہو۔ وہ بجلی کے ضرر سے محفوظ رہتا ہے۔
ترجمہ زوال عقل (یا مستی) کیا ہے؟ (یہی کہ) آنکھ کا بصارت سے بند ہو جانا یہاں تک کہ اس کو

پتھر بصورت مروارید اور پشم بصورت سنگ یشب دکھائی دینے لگے۔

مطلب مستی سے مراد یہ ہے۔ کہ قوت تمیز نہ رہے۔ اور غیر نافع اشیاء کو نافع سمجھنے لگے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔ والاٰثام ربما تشتبہ بما لیس باثم کقول المشرکین انما البیع مثل الربوا اما لقصور العلم او لغرض دنیوی یفسد بصیرتہ یعنی گناہوں پر کبھی مباحات کا شبہ پڑنے لگتا ہے۔ جیسے مشرکوں نے کہا تھا۔ کہ بیع تو بالکل رباکی سی ہے۔ اور یہ اشتباہ یا تو کم علمی کے سبب سے ہوتا ہے۔ یا کسی دنیوی غرض سے جو اس کی بصیرت کو خراب کر دیتی ہے۔

چیست مستی؟ چشمہا مبدل شدن ... چوب گز اندر نظر صندل شدن

لغات ۔ چوب گز۔ جھاؤ کی لکڑی۔ یہ ایک درخت کا نام ہے۔ جو زیادہ تر دریا کے کناروں پر ہوتا ہے۔

ترجمہ مستی کیا ہے؟ ادراکات (باطنی) کا بدل جانا اور جھاؤ کی لکڑی کا صندل دکھائی دینا۔

مطلب جب بصیرت قلب اور قوت تمیز زائل ہو جاتی ہے۔ تو غیر مفید چیزیں مفید نظر آنے لگتی ہیں۔ اور اس سے بصارت چشم کا زوال نہیں۔ بلکہ بصیرت قلب کا زوال مراد ہے۔ اور اس حالت میں بصارت ظاہری بھی غیر مفید ہو جاتی ہے۔ **کما قیل** ؎

گر شود بینش دو چنداں بے بصیرت را چہ فیض ... بیکشد احول دو میل سرمہ چشم خویش را

الخلاف ۔ یہ شعر ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔

قصۂ سلیمان علیہ السلام و ہُدہُد و بیان آنکہ چوں قضا آید چشمہا بستہ شود

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہُدہُد کا قصہ اور اس بات کا بیان کہ جب قضا آتی ہے۔ تو آنکھیں بند ہو جاتی ہیں

چوں سلیماں را سراپردہ زدند ... جملہ مرغانش بخدمت آمدند

لغات سلیمانؑ ایک پیغمبر کا نام ہے۔ جن کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے۔ سراپردہ خیمہ شاہی خیمہ۔ زدند نصب کیا

ترکیب مرغانش بخدمت در اصل مرغاں بخدمتش ہے۔ یعنی خدمت مضاف مؤخر اور شین مضاف الیہ مقدم آیا ہے۔

ترجمہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا (شاہی) خیمہ نصب کیا گیا۔ تو تمام پرندے آپ کی خدمت میں (سر دربار) حاضر ہوئے۔

مطلب حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کہ وہ پرندوں کی بولیاں سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پرندے ان کے دربار میں حاضر ہوئے۔ دیکھو پیچھے حضرت سلیمانؑ کی انگشتری کا حال۔

ہمزبان و محرم خود یافتند ... پیش او یک یک بجاں بشتافتند

لغات ہمزبان دو شخص ایک بولی بولنے والے ایک دوسرے کے ہمزبان ہوتے ہیں۔ محرم بفتح میم و راے مفتوح واقفکار۔

ترجمہ انہوں نے (حضرت سلیمان علیہ السلام کو) اپنا ہمزبان اور محرم پایا۔ تو سب کے سب (دل و جان) سے ان کی طرف ٹوٹ پڑے۔

جملہ مرغاں ترک کردہ جیک جیک ۔۔۔ با سلیماں گشتہ افصح من اخیک

جیک جیک اسم صوت ۔ پرندوں کی آواز ۔ افصح صیغہ اسم تفضیل ۔ زیادہ خوش گو۔

ترجمہ سب پرندے (اپنے معمولی) چیں چیں چھوڑ کر حضرت سلیمان ع کے ساتھ اس صفائی سے بولنے لگے ۔ کہ تیرا بھائی بھی تیرے ساتھ (اس طرح) نہ بول سکے۔

ہمزبانی خویشی و پیوندی است ۔۔۔ مرد با نامحرماں چوں بندی است

لغات خویشی قرابت پیوندی رشتہ داری کا تعلق بندی قیدی ۔ گرفتار۔

ترجمہ ہمزبانی (بھی ایک قسم کی) رشتہ داری اور تعلق ہے (جو) مرد (ایسے) نامحرموں کے ساتھ (بیٹھنے پر مجبور ہے ۔ جو ہمزباں نہ ہوں وہ) گویا ایک قیدی ہے ۔ صائب رہ ؎

ماتم فرہاد کوہ بے ستوں را سرمہ داد ۔۔۔ بے ہم آوازے نفس بیہم کشیدن مشکل ست

اے بسا ہندو و ترک ہمزباں ۔۔۔ اے بسا دو ترک چوں بیگانگاں

لغات ۔ ہندو ۔ ہندوستان کی سیاہ فام قوم ۔ ترک ترکستان کے باشندے جو خوش رنگ ہوتے ہیں۔
ترک و ہندو سے دو غیر جنس ، بعید الدیار ، و مختلف الصنف قومیں مراد ہیں۔

ترجمہ اے (مخاطب) بہتیرے ہندو اور ترک ہمزباں ہو کر محرم ہو جاتے) ہیں ۔ بہتیرے دو ترک (ہمزباں نہ ہونے کے سبب سے) گویا (ایک دوسرے سے) بیگانے ہیں۔

مطلب اشتراک زبان کا تعلق نہایت موثر و مستحکم ہے ۔ اور اس سے دو غیر جنس غیر قوم اور غیر ملک کے آدمیوں میں اس قدر اتحاد پیدا ہو جاتا ہے ۔ کہ ان کو اپنے اپنے ہم جنس لوگوں کی بھی چنداں پروا نہیں رہتی ؎

تواں برید چو مقراض صائب از عالم ۔۔۔ دریں زمانہ اگر ہمزباں شود پیدا

پس زبان محرمی خود دیگر ست ۔۔۔ ہمدلی از ہمزبانی بہتر ست

لغات محرمی محرم ہونا ۔ ہمراز ہونا آخر میں یائے مصدری ہے ۔ ہمدلی اتحاد قلبی ۔ ہمخیال و ہم مشرب ہونا۔

ترجمہ (یہ تو زبان مقال کا حال تھا) اس کے بعد (واضح ہو کہ) محرمی کی زبان اور ہی (چیز) ہے (اور) ہمدلی ہمزبانی سے بہتر ہے۔

مطلب اوپر کے دو شعروں میں بولی کے اتحاد اور لغت کے اشتراک کا ذکر تھا ۔ کہ اس سے ایسے تعلقات قائم ہو سکتے ہیں ۔ جو قومیت و برادری کے تعلقات سے بھی زیادہ مستحکم ہوتے ہیں ۔ اب مولانا رہ مجانست معنوی کے بیان کی طرف انتقال فرماتے ہیں ۔ کہ یہ ظاہری ہمزبانی تو ایک ادنیٰ چیز ہے ۔ بمقابلہ اس کے باطنی ہمزبانی جو محرمیت کی زبان ہے اور ہی بات ہے ۔ اور ظاہری ہمزبانی سے ہمدلی یعنی باطنی ہمزبانی افضل ہے ۔ صائب رہ ؎

اگر تن را ز تن گردون سنگین دل جدا سازد   دریں وحدت سرا دل را کہ از دل باز میدارد

اختلاف ۔ بعض شارحین کے خیال میں یہ شعر اوپر کے دونوں شعروں کی تفریع ہے ۔ گویا مولانا رح مذکورہ مضمون کی طرف انتقال انہی شعروں سے فرماتے ہیں یعنی ہمزبانی خویشی و پیوندی ست الخ سے ہی معنوی جنسیت کا بیان شروع ہو جاتا ہے ۔ ان کے زعم میں ہمزبانی سے جنسیت مراد ہے ۔ اور ان تینوں اشعار میں ربط قائم کرنے کے لئے ان کو محض تکلف سے کام لینا پڑا ہے ۔ مولانا بحر العلوم رح فرماتے ہیں " وحمل لفظ ہمزبانی بر جنسیت و اتحاد اوصاف بعید ست از ظاہر کلام "

غیر نطق و غیر ایما و سجل   صد ہزاراں ترجماں خیزد ز دل

لغات نطق گویائی ایما اشارہ سجل سین اور جیم کے کسرہ اور لام کی تشدید سے تحریر ۔ کتاب صحیفہ ۔ مگر یہاں بلا تشدید بحالت وقف ہے ترجمان تا کے فتح اور جیم کے فتح وضمہ سے دونوں طرح درست ہے بیان کرنے والا ۔ حال گو ۔ مترجم ۔

ترجمہ (اگر ہمدلی یعنی باطنی ہمزبانی حاصل ہو تو) بولے بغیر اور اشارے اور تحریر کے بدوں لاکھوں ترجمان دل سے پیدا ہو جاتے ہیں ۔ (جو دوسرے کو دل کے مدعا سے آگاہ کر دیتے ہیں)

مطلب معنوی مناسبت میں جو پیر و مرید اور محب و محبوب میں ہوتی ہے باطنی ہمزبانی حاصل ہو جاتی ہے ۔ اور باطنی ہمزبانی سے یا تو کلام نفسی مراد ہے ۔ کہ ایک شخص دل ہی دل میں کچھ کہے اور دوسرا اپنے دل کے کان سے سن لے یا یہ مراد ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کا مافی الضمیر بیان و اظہار کے بغیر خود سمجھ جائے ۔ جیسے کہ اہل محبت میں ہوتا ہے ۔ سعدی رح سہ

دو کس را کہ باشد بہم جان و ہوش   حکایت کنانند و لیکن خموش

جملہ مرغاں ہر یکے اسرار خود   از ہنر و از دانش و از کار خود

با سلیماں یک بیک وا مینمود   از برائے عرضہ خود را مے ستود

لغات عرضہ عین کے فتحہ سے پیش کرنا ۔ اور اس کے ضمہ سے جو چیز پیش کی جائے **ترکیب** جملہ مرغاں سے پہلے از تبعیضیہ مقدر ہے یعنی ہر یکے از جملہ مرغاں اور وا مے نمود کا فاعل ہر یکے ہے مے ستود کی ضمیر فاعلی بھی اسی طرف راجع ہے ۔ از برائے عرضہ اپنے معطوفین سمیت جو آئندہ شعر میں آتے ہیں متعلق ہے مے ستود کا ۔ باقی سب متعلقات وا مینمود کے ہیں ۔ یک بیک میں با الصاق کی ہے ۔

ترجمہ سب پرندوں میں سے ہر ایک اپنے ہنر اپنی عقل اور اپنے کاروبار کے متعلق اپنے بھید حضرت سلیمان عم کے حضور میں ایک ایک کر کے بیان کرتا تھا ۔ (اور اپنے آپ کو) پیش کرنے کے لئے اپنی تعریف کرتا تھا ۔

از تکبر نے و از ہستی خویش   بہر آں تا رہ دہد اورا بہ پیش

لغات - ہستی خودی - غرور -

ترکیب ازہستی سے پہلے نے حرفِ نفی مقدر ہے - نے از تکبر اور نے از ہستی دونوں معطوف ہیں - شعر سابق میں از برائے عرضہ پر - دوسرے مصرعہ پر بلکہ حرف اضراب مقدر ہے - دید کا فاعل ضمیر راجع بحضرت سلیمانؑ

ترجمہ (یہ بات) نہ تکبر سے تھی - نہ اپنی خودی سے (بلکہ) اس غرض سے (تھی) کہ آپ اس کو اپنی پیشی میں بلا لیں -

چوں بباید بردہ را خواجہ ۔۔۔ عرضہ دارد از ہنر دیباچہ

لغات بردہ بندہ - غلام - خواجہ مالک - آقا - دیباچہ بیاے معروف و جیم تازی - عربی لفظ ہے یعنی چہرہ و رخسار اور چونکہ خطبہ کتاب بھی کتاب کے لئے بمنزلہ چہرہ کے ہوتا ہے - اس لئے مجازاً اس کو بھی دیباچہ کہنے لگے - اور دیباچہ بیاے مجہول و جیم فارسی دیبا کا مصغر ہے - جو فارسی لفظ ہے - دیبا شاہی لباس کا کپڑا ہوتا تھا - جو زر و جواہر سے مکلل کیا جاتا تھا - اور سامان آرایش سمجھا جاتا تھا - چونکہ خطبہ کتاب بھی بلحاظ حسن عبارت و رعایت صنائع و براعت الاستہلال وغیرہ کتاب کی باقی عبارت سے زیادہ آراستہ و پیراستہ ہوتا ہے - اس لئے اس کو مجازاً دیباچہ کہنے لگے - اور ممکن ہے کہ دیباچہ مفرس ہو دیباجہ کا یا دیباجہ معرب ہو دیباچہ کا واللہ اعلم بالصواب -

ترجمہ (چنانچہ) جب کسی غلام کو کسی (اور) آقا (کے پاس جانے) کی ضرورت ہوتی ہے - تو وہ (یعنی غلام) اپنا اچھے سے اچھا ہنر پیش کرتا ہے (تاکہ وہ اُسے خرید لے)

اختلاف بعض نسخوں میں بباید از بایستن کی بجائے بیاید از آمدن درج ہے - اس صورت میں معنی یوں ہونگے - کہ جب ایک آقا کسی غلام کو (بغرض خرید) پاتا ہے - تو الخ مگر اگلے شعر چونکہ دارد از خریدارش ننگ الخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اختیار کردہ نسخہ ہی اوفق وارجح ہے - کیونکہ یہاں ان دو متقابل باتوں کا ذکر ہے - کہ یا تو غلام کو اس آقا کے پاس جانے کی حاجت ہو - یا وہ اس کے پاس جانے سے کتراتا ہو - اور دونوں جگہ فعل کا اصل مسند د غلام ہے - اور یہ مفہومات بباید کے نسخے سے ہی پورا اتر سکتا ہے - بخلاف نسخہ بیاید کے - کہ نہ تو اس کا ننگ دارد کے ساتھ کوئی تقابل ہے - نہ دونوں فعلوں کا مسند ایک ہے - بلکہ بیاید کا فاعل آقا ہے - اور ننگ دارد کا فاعل غلام -

چونکہ دارد از خریدارش ننگ ۔۔۔ خود کند بیمار و کر و شل و لنگ

لغات ننگ شرم - عار کر بہرا - شل شین کے فتحہ سے جس کے ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے ہوں - لنگ - لنگڑا

ترجمہ (لیکن) جب وہ (کسی وجہ سے) اس (آقا) کی خریداری کو ناگوار سمجھتا ہے - تو اپنے آپ کو بہرا - لولا - اور لنگڑا بنا لیتا ہے (تاکہ وہ اس کو نہ خریدے)

مطلب - اوپر کے دو شعروں میں اس امر کا اشارہ تھا کہ اگر عارف اپنے کمال کا اظہار کرے - تو اس کو دعوے اور غرور و تکبر پر محمول نہ کرنا چاہئے - بلکہ اس سے اظہار بندگی مقصود ہے تاکہ خداوند تعالیٰ اس سے اور زیادت یا طالبوں کا اعلام مدنظر ہوتا ہے تاکہ وہ اس سے مستفید ہوں - کبھی تحدیث نعمت مراد ہوتی ہے جو شکر کا ایک شعبہ

قال بعضہم

زاں روے کہ بندۂ تو دانند مرا ۔۔۔ بر ہر دو یک چشم نشانند مرا

لطف تو کہ عام ست و عنایت مخصوص ۔۔۔ ور نہ چہ کسم خلق چہ دانند مرا

کبھی غلبہ حال سے بھی اظہار کمالات پر لب کشائی ہوجاتی ہے۔ جیسے کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے کہدیا تھا۔ سبحانی ما اعظم شانی (اللہ رے میں۔ میری شان کس قدر بڑی ہے)۔
اب اس شعر میں یہ رمز ہے۔ کہ کبھی عارف فتنے سے بچنے کے لئے اخفائے کمال پر مجبور ہوتا ہے۔ صائبؒ

نہاں در زنگ اناں چوں تیغ وارم جوہر خود را
کہ من از عرض جوہر دوست تر دارم سر خود را

کبھی وہ نااہل لوگوں کے سامنے اظہار کمال فضول سمجھتا ہے۔ صائب رہ ؎

دلیل جوہر مردی ست پاس اہلیت جستن
زنا محرم نگہدار ید ایکار معانی را

کبھی اپنی تعریف و تشہیر کو مخل طمانیت اور مضر فراغت سمجھ کر خاموش رہتا ہے۔ صائب رح ؎

درد سر خواہی کشیدن از ہجوم بلبلاں
جلوہ گاہِ گل مکن آں گوشۂ دستار را

نوبت ہُدہُد رسید و پیشہ اش
واں بیانِ صنعت و اندیشہ اش

لغات۔ صنعت ہنر۔ کاریگری۔ کام کاج۔ اندیشہ خیالات۔

ترجمہ (غرض اب) ہدہد اور اس کے کاروبار کے (پیش ہونے) اور اس کی صناعی اور اس کے خیالات کے بیان کی باری آئی۔ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ۝ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ۝ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ۝ (سورہ نمل ۲۶) اور سلیمانؑ نے پرندوں کی موجودات لی۔ تو کہا کیا بات ہے۔ کہ ہم ہدہد کو نہیں دیکھتے۔ یا غیر حاضر ہے۔ ہم اس کو ضرور سخت سزا دیں گے۔ یا اُسے ذبح کر ڈالینگے۔ یا وہ ہمارے حضور میں کوئی وجہ پیش کرے۔ صاف صاف۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد (ہدہد آ حاضر ہوا۔ اور) کہنے لگا۔ مجھ کو ایک ایسا حال معلوم ہوا ہے۔ جو حضور کو معلوم نہیں ہوا۔ اور میں شہر سبا کی تحقیق خبر لے کر حضور میں آیا ہوں۔

گفت اے شہ یک ہنر کاں کہتر ست
باز گویم گفتِ کوتہ بہتر ست

لغات گفت حاصل مصدر گفتن سے۔ بات۔ کلام کوتہ چھوٹا۔ مختصر۔ مجمل۔

ترجمہ اس نے عرض کیا۔ حضرت میں اپنا (صرف) ایک چھوٹا سا ہنر بیان کرتا ہوں۔ (زیادہ تفصیلات میں نہیں پڑوں گا۔ کیونکہ) مختصر بات اچھی ہوتی ہے۔ نظامی رح ؎

با اینکہ سخن بلطف آب ست
کم گفتن ایں سخن صواب ست

کم گوئے گزیدہ گوے چوں دُر
تا ز اندک تو جہاں شود پُر

گفت بر گو تا کدام ست آں ہنر
گفت من آنگہ کہ باشم اوج بر

بنگرم از اوج با چشم یقیں
مے بہ بینم آب در قعر زمیں

تا کجا ہست و چہ عمقستش چہ رنگ؟ از چہ میجوشد زخاکے یا زِ سنگ؟

لغات - اوج بلندی - قعر گہرائی عمق گہرائی -

ترکیب بر حرف جار اپنے مجرور یعنی اوج سے مؤخر آیا ہے - باشم براوج اور بنگرم بچشم یقین جملہ معطوفہ شرط ہے
مے بہ بینم آب الخ اس کی جزا - جس میں این ہمین مقدر ہے - جو آب پر معطوف ہے - اور تا کجا ہست الخ اس کا بیان
یا باشم براوج شرط ہے - بنگرم اس کی جزا - اور بہ بینم بتقدیر حروف جار اس کا متعلق - مگر بعض شارحین نے ترجمہ
میں بنگرم از اوج کو اس طرح جزا قرار دیا ہے - کہ مے بہ بینم حشو رہ جاتا ہے - وَ ہٰذا غیر مستحسن فَانْظُرْ کَیْفَ ترجمنا -

ترجمہ آپ نے فرمایا بیان کرو - وہ کونسا ہنر ہے - اس نے عرض کیا - جب میں بلندی پر ہوتا ہوں -
(اور) بلندی پر سے یقین کی نظر کے ساتھ دیکھتا ہوں - تو میں زمین کی تہ میں پانی دیکھ لیتا ہوں - (اور اس
کو بھی دیکھ لیتا ہوں) کہ وہ (پانی) کہاں ہے - کتنا گہرا ہے - کیا رنگ ہے - کس چیز سے نکلتا ہے -
میدانی مقام سے (نکلتا ہے) یا سنگلاخ سے -

دوسری ترکیب کے لحاظ سے یوں ترجمہ ہو گا :-

اس نے عرض کیا جب میں بلندی پر ہوتا ہوں - تو وہیں سے ہر چیز کو (اشتباہ کی نظر سے نہیں
بلکہ) یقین کی نظر سے دیکھ سکتا ہوں (حتیٰ کہ) زمین کی تہ میں پانی کو (بھی) دیکھ لیتا ہوں الخ

اے سُلیماں بہرِ لشکر گاہ را در سفر میدار ایں آگاہ را

لغات - لشکرگاہ معسکر، کیمپ - آگاہ واقف - تجربہ کار - آزمودہ کار - پہلے مصرعہ میں حرف را زائد ہے -

ترجمہ یا حضرت سلیمان ؑ فوجی کیمپ کے لئے (جب کہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے) اس (خادم) کو سفر
میں ساتھ رکھو (جو پانی کے مقاموں سے) آگاہ ہے -

پس سُلیماں گفت مارا شو رفیق در بیاباں ہائے بے آب اے شفیق

ترجمہ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا - اے ہمدرد تو بے آب جنگلوں میں ہمارے ساتھ رہا کر

تا بیابی بہرِ لشکر آب را در سفر سقا شوی اصحاب را

ترجمہ تاکہ تو فوج کے لئے پانی دریافت کرے (اور) ہمراہیوں کے لئے سفر میں پانی پلانے والا
بن جائے -

ہمرہِ ما باشی و ہم پیشوا تا کُنی تو آب پیدا بہرِ ما

ترجمہ تو ہمارے ساتھ رہا کر - اور آگے آگے چلا کر - تاکہ تو ہمارے لئے پانی ڈھونڈھ نکالا کرے

باش ہمراہِ من اندر روز و شب تا نہ بینید از عطش لشکر تعب

لغات عطش پہلے دونوں حرفوں کے فتحہ سے پیاس۔ تشنگی۔ تعب پہلے دونوں حرفوں کے فتحہ سے تکان۔ رنج۔

ترجمہ رات دن میرے ساتھ رہا کرتا کہ لشکر پیاس سے تکلیف نہ اُٹھائے۔

بعد ازاں ہُدہُد بدو ہمراہ بُود — زانکہ از آبِ نہاں آگاہ بود

لغات بدو اصل میں با او تھا۔ الف دال سے بدل گیا۔ زانکہ میں زا علت کے لئے ہے۔

ترجمہ اسکے بعد ہدہد آپکے ساتھ رہتا تھا۔ کیونکہ وہ مخفی پانی (کو ڈھونڈ نکالنے) کا تجربہ رکھتا تھا۔

طعنہ زدن زاغ در دعوےٰ ہُدہُد

ہُدہُد کے دعوے پر کوّے کا جرح کرنا

زاغ چُوں بشنود آمد از حسد — با سُلیماں گُفت کو کژ گفت و بد

لغات زاغ کوّا۔ کو اصل کہ او ہے۔ کژ کج ٹیڑھا۔ نا راست۔ غلط۔ از حسد میں حرف از سببیت کے لئے ہے۔

ترجمہ جب کوّے نے (یہ فیصلہ) سنا۔ تو اس نے حاضر ہوکر براہ حسد حضرت سلیمان عؑ سے عرض کیا۔ کہ اس (ہدہد) نے غلط اور ناروا بات کہی ہے۔

از ادب نبود بہ پیشِ شہ مقال — خاصہ خود لافِ دروغین و مُحال

لغات مقال مصدر میمی۔ گفتگو۔ بات چیت۔ خود حرف زائد ہے۔ لاف گپ شپ۔ شیخی کی بات۔ دروغین غین کے کسرہ سے دروغ کے ساتھ منسوب جھوٹی۔ یا اور نون کا ایراد نسبت کے لئے ہے۔ جیسے زرین اور بلورین میں محال ناممکن۔

ترجمہ (اول تو) بادشاہ کے حضور میں بات کرنا (ہی) خلاف ادب ہے۔ خاص کر ایسی شیخی کی بات جو سراسر جھوٹی اور ناممکن ہو۔

گر مرا اورا ایں نظر بودے مُدام — چُوں ندیدے زیرِ مشتِ خاک دام

ترجمہ اگر اس کو ہمیشہ کے لئے ایسی (دوربین) نظر حاصل ہوتی۔ تو ایک مشت خاک کے نیچے (چھپے ہوئے) جال کو کیوں نہ دیکھ لیتا۔

چُوں گرفتار آمدے در دام اُو؟ — چُوں قفس اندر شُدے ناکام اُو؟

لغات آمدے یعنی شدے اندر حرف جار قفس سے موخر آیا ہے۔ ایسی صورت میں قفس پہ حرف بار لانا یعنی بقفس اندر کہنا لازم تھا۔ مگر تنگی وزن سے با نہیں آسکی۔

ترجمہ (پھر) کیوں وہ جال میں گرفتار ہوتا ہے کیوں ناکام ہوکر پنجرے میں پڑتا

پس سلیماں گفت کا ہدہد رواست ؟　　　کز تو در اوّل قدح ایں دُرد خاست

لغات قدح قاف اور دال کے فتحہ سے پیالہ۔ جام شراب دُرد دال کے ضمّہ سے تلچھٹ۔ گاد۔ تہ نشیں۔
ترجمہ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ اسے ہُدہُد کیا یہ روا ہے۔ کہ تیرے (قول و قرار کے) پہلے ہی پیالے میں یہ (جھوٹ کی) تلچھٹ نکلے۔
مطلب۔ خم شراب کی تہ میں کچھ نہ کچھ تلچھٹ ہوتی ہے۔ جو ساری شراب کے نکل چکنے کے بعد آخری پیالوں میں آنی چاہیے۔ لیکن اگر وہ پہلے ہی پیالے میں آجائے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ساقی نے بے تمیزی اور لاپروائی سے پیالا بھرا ہے۔ اور جسکو پلانے کے لئے یہ پیالہ بھرا ہے۔ اس کا کوئی لحاظ نہیں رکھا۔ مقصود مثال یہ ہے کہ اے ہُدہُد اگر تجھ کو جھوٹ بولنا تھا۔ تو اس کے لئے بہتیرے مواقع پڑے تھے۔ پہلی ہی بات میں جھوٹی شیخی پر کیوں اُتر آیا؟ کما قیل ؎

تراسن باصفا دانستہ بودم　　　غلط کردم خطا دانستہ بودم

چوں نمائی مست خود را اے دروغ　　　پیش من لافے زنی آنگہ دروغ

لغات دوغ وہ دودھ جس سے مکھن نکال لیا جائے۔ چھاچھ۔
ترجمہ اے (جھوٹے) جس نے (بجائے شراب کے) چھاچھ پی رکھی ہے۔ تو مستی کیونکر دکھا رہا ہے۔ تو میرے سامنے شیخی بگھار رہا ہے۔ اور پھر جھوٹ۔

جواب گفتن ہدہد مر سلیماں را دریں طعنہ

ہدہد کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں اس جرح کا جواب عرض کرنا

گفت اے شہ بر من عور گدا　　　قول دشمن مشنو از بہر خدا

لغات۔ عور عین کے ضمّہ سے برہنہ کذا فی الغیاث۔
ترجمہ (ہُدہُد) نے عرض کیا اے بادشاہ خدا کے لئے مجھ نادار فقیر کے برخلاف (میرے) دشمن کی بات پر توجہ نہ کیجئے۔

گر بہ بطلاں ست دعوٰی کردنم　　　نک نہادم سر ببر از گردنم

لغات سر نہادن۔ لغوی معنی سر رکھنا۔ اور بروئے محاورہ رضا مند ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یہاں دونوں معنی کام دے سکتے ہیں۔
ترجمہ۔ اگر میرا دعوی باطل ہے۔ تو لیجئے میں سر رکھدیتا ہوں۔ حضور گردن سے جدا کر دیں۔
اختلاف۔ بعض نسخوں میں یہ شعر یوں ہے۔ گر نباشد ایں کہ دعوی میکنم۔ من نہادن سر بریں گردنم یعنی اگر یہ بات فی الواقع نہ ہو جسکا میں دعوٰی کر رہا ہوں۔ تو مجھے منظور ہے۔ حضور میرا سر گردن سے جدا کر دیں۔

زاغ کو حکم خدا را منکر ست　　گر ہزاراں عقل دارد کافر ست

ترجمہ کوا جو قضائے الٰہی کا منکر ہے۔ اگر اس کو ہزاروں عقلیں حاصل ہوں۔ تو بھی (اس سو اعتقاد کی وجہ سے) وہ کافر ہے۔

مطلب اگر کوئی عاقل و مبصر اور محتاط و ہوشیار آدمی کسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہو جائے۔ تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ اس شخص میں عقل و بصیرت اور احتیاط و ہوشیاری نہ تھی۔ بلکہ یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ قضائے الٰہی نے اس کو مبتلائے مصیبت کیا ہے۔ جس کے آگے زورِ عقل اور قوتِ تدبیر بیکار ہو جاتی ہے۔ صائب رحمہ

چو عشق دشمن جاں شد حذر چہ کار کند　　قضا چو تیغ برارد سپر چہ کار کند

پس زاغ کا یہ اعتراض کہ اگر ہُدہُد آب زیرِ زمین کو دیکھ سکتا ہے۔ تو دانۂ تہِ خاک کو کیوں نہیں دیکھتا گویا قضائے الٰہی کا انکار ہے۔ جو کفر ہے۔ کیونکہ والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ کا عقیدہ داخلِ ایمان ہے

در تو تا کافے بود از کافراں　　جائے گند و شہوتی چوں کافِ راں

لغات تا شرط کے لئے کافے حرفے۔ جزوے۔ حصہ۔ شمہ۔ گندگی۔ نجاست۔ کافِ ران۔ شرمگاہ

صنائع کافراں اور کافِ راں میں تجنیس مرکب۔

ترجمہ (انکار قضا کا کفر صریح تو بڑی بات ہے) اگر تم میں کافروں (کے وصفِ کفر) کا ایک شمہ بھی ہو۔ تو تم شرمگاہ کی طرح گندگی اور شہوت کی جگہ ہو۔

صائب رحمہ　گناہے را زخردی سہل مشمار　　کہ خرمنہائے عالم دانہ دانہ ست

من ببینم دام را اندر ہوا　　گر نپوشد چشم عقلم را قضا

ترجمہ میں (جیسے آب زیرِ زمین کو دیکھ سکتا ہوں۔ تو) ہوا میں (اڑتا اڑتا) دام (زیرِ خاک) کو بھی دیکھ سکتا ہوں۔ بشرطیکہ قضائے الٰہی میرے چشمِ عقل کو بند نہ کرے۔

مطلب قضا کے آگے باریک بینی و بعید نظری کچھ کام نہیں دیتی۔ جیسے کہ بقول سعدی رحمہ ایک گدھ نے چیل کے ساتھ بحث کرتے ہوئے اپنی دور بینی کے دعویٰ میں میلوں کی بلندی پر سے کہا مجھے وہ دانہ نظر آ رہا ہے جو میدان میں پڑا ہے۔ لیکن جب اپنے دعوے کا ثبوت دینے کے لئے اس دانہ کو اٹھانے آئی۔ تو ایک مضبوط جال میں گرفتار ہو گئی۔ ؎

شنیدم کہ میگفت و گردن بہ بند　　نباشد حذر با قدر سود مند
اجل چوں بخونش براورد دست　　قضا چشم باریک بینش ببست
در آبے کہ پیدا نہ دارد کنار　　غرور شناور نیاید بکار

چوں قضا آید شود دانش بخواب　　مہ سیہ گردد بگیرد آفتاب

لغات بخواب شدن سو جانا۔ گرفتن آفتاب۔ سورج کو گرہن لگنا۔

ترجمہ جب قضا آتی ہے۔ تو عقل سو جاتی ہے۔ چاند سیہ پڑ جاتا ہے۔ (اور) سورج کو گرہن لگ جاتا ہے۔
مطلب۔ یا تو یہ مطلب ہے۔ کہ کسوف و خسوف بھی قضاء الٰہی سے ہے۔ یا دوسرے مصرعہ میں بطور استعارہ پہلے مصرعہ کے مضمون کی تائید ہے۔ یعنی عقل و ادراک جو مہر و ماہ کی طرح روشن ہیں۔ قضاء الٰہی کے آگے تاریک و بے نور ہو جاتے ہیں

از قضا ایں تعبیہ کے نادر ست ؎ از قضا داں کو قضا را منکر ست

لغات تعبیہ سامان۔ آراستگی۔ ساز باز۔ نادر عجیب۔ انوکھا۔
ترجمہ قضا سے ایسا سامان ہو جانا کب کوئی نئی بات ہے۔ یہ بات بھی قضا ہی سے سمجھو۔ کہ وہ (کوا) قضا کا منکر ہے۔
مطلب ہُدہُد کہتا ہے کہ اگرچہ کوّے کا مجھ کو دروغگوئی سے متہم کرنا ایک سخت حملہ ہے۔ جو دوسرے لحاظ سے قضا کا انکار بھی ہے۔ لیکن اس کا یہ انکار کرنا اور مجھ پر الزام لگانا بھی بمقتضائے الٰہی ہے۔ اس لئے مجھے اس سے انتقام لینے کا ارادہ نہ رکھنا چاہیئے۔ کما قال السعدیؒ ؎

گر گزندت رسد ز خلق مرنج ... کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج
از خدا داں خلاف دشمن و دوست ... کہ دل ہر دو در تصرف اوست

قصہ آدم علیہ السلام و بستن قضا نظر او را از مراعات صریح نہی و ترک نہی و تاویل

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ اور قضا کا ان کی نظر کو صریح نہی کی رعایت سے باز رکھنا اور آپ کا نہی کو ترک کرنا اور تاویل اختیار کرنا

بو البشر کو عَلَّمَ الْاَسْمَا بگ ست ؎ صد ہزاراں علمش اندر ہر رگ ست

لغات بو البشر انسان کے باپ یعنی حضرت آدم علیہ السلام۔ بگ۔ بیگ کا مخفف ہے۔ بہادر۔ امیر۔ سردار
ترجمہ ابو البشر (حضرت آدم علیہ السلام) جو (فخر) علم الاسماء کے تاجدار ہیں۔ ان کی رگ رگ میں لاکھوں علم ہیں۔
مطلب۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا اور اللہ نے آدم علیہ السلام کو سارے نام بتا دیئے۔ اسماء کی تفسیر میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد اور قتادہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں۔ کہ ہر چیز حتے کہ ایک پیالے اور پیالی کے نام تک مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ تمام واقعات مراد ہیں۔ جو قیامت تک واقع ہونے والے ہیں۔ بعض کے نزدیک اسماء سے مراد آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کے اسماء ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ ہر چیز کی صفات مراد ہیں۔ اہل تاویل کہتے ہیں کہ اس سے عربی فارسی ترکی وغیرہ دنیا کی تمام زبانیں مراد ہیں۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کو اس وقت بتا دی گئیں۔ پھر آپ کی اولاد میں سے ہر قوم نے الگ الگ زبان اختیار کر لی۔ کذا فی التفسیر المظہری مولانا رح یہاں تعلیم اسماء کی تفسیر جو تھے قول کے مطابق فرماتے ہیں۔

حضرت آدم ؑ کو تعلیم اسماء کا اعزاز ملنا

اِسمِ ہر چیزے چناں کاں چیز ہست   تا بپایاں جانِ اورا داد دست

لغات - پایاں آخر۔ انجام۔ انتہا۔ دست دادن حاصل ہونا۔

ترجمہ ہر چیز کا نام (اور) جس حالت پر کہ وہ ہے۔ (اور جس حالت پر) آخر تک (رہیگی) اِن کی رُوح کو (سب کچھ) معلوم ہوگیا۔

مطلب - خلاصہ تفسیر کا یہ ہوا۔ کہ حضرت آدم ؑ کو صرف اشیاء کے نام یاد کرا دینا مراد نہیں۔ بلکہ یہاں اسمار کا کلمہ حقائق واوصاف کو بھی متناول ہے۔ پس تعلیم اسمار۔ سے مراد یہ ہوئی۔ کہ ان کو تمام اشیاء کے نام اور ماہیات اور خواص بتا دیئے۔ اور چونکہ ان حقائق و آثار میں سے بہت سے امور انسان کی مخصوص وجدانیات میں سے ہیں اور ملائکہ ان سے منزہ ہیں۔ جیسے شوق و نفرت۔ فرح و حزن راحت و تعب۔ جوع و عطش و نحو ذالک۔ اس لئے ان کے علم کی استعداد ملائکہ میں نہ تھی۔ اگر ان کو ان چیزوں کا علم عطا کیا بھی جاتا۔ تو بجز الفاظ کے اور کچھ ان کو مستفاد نہ ہوتا بخلاف حضرت آدم علیہ السلام کے کہ ان امور کے متعلق ان کا علم بوجہ وجدان واتصاف کے کامل تھا۔ اسی لئے انہوں نے ملائکہ پر فضیلت پائی۔ اور چونکہ خلیفۃ اللہ کا کام یہ ہے۔ کہ دنیا میں احکام الٰہی کی تنفیذ کرے۔ اور اس کے لئے محل تنفیذ کے آثار و خواص کا علم ضروری ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کو عطا ہوچکا تھا۔ اور فرشتے اس سے عاری تھے۔ اس لئے خلافت کا منصب بھی بجائے ملائکہ کے حضرت آدم علیہ السّلام کو ملا۔ (کذا فی کلید مثنوی)

ہر لقب کو داد آں مُبدل نشُد   آنکہ چُستش خواند او کاہل نشد

لغات کو دراصل کہ او ہے۔ مبدل دال کے فتحہ سے اسم مفعول ہے ابدال سے تبدیل شدہ۔ متغیر۔

عروض مبدل بفتح دال اور کاہل بکسرہا کا قافیہ محل نظر ہے۔ مگر اساتذہ کے کلام میں ایسی مسامحات واقع ہوئی ہیں۔ جیسے سعدی رح کے کلام میں ایک جگہ کافر بکسر فار اور سر بفتح سین کا قافیہ آیا ہے۔ ؎

ور شہوتِ نفس کافر یہ بند   وگر عاشقی لت خورو سر بہ بند

ترجمہ (چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو واقعیات کا علم عطا ہوا تھا۔ اس لئے) انہوں نے (جس چیز کا) جو لقب ٹھہرا دیا۔ وہ تبدیل نہیں ہوا۔ (مثلاً) جس چیز کو انہوں نے چالاک قرار دیا۔ وہ سُست نہیں ہوئی۔

مطلب قدرت نے جس چیز کی ماہیت اور جو حالت بنادی ہے۔ وہ غیر متبدل ہے۔ کیونکہ وہ سنت اللہ کے مطابق ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَحْوِیْلاً۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کا ہر چیز کا نام رکھنا اسی سنت اللہ کے ماتحت تھا۔ اس لئے وہ نام بھی غیر متغیر تھا۔

ہر کرا او مُقبل و آزاد خواند   او عزیز و خرّم و دِلشاد ماند

لغات مقبل با اقبال۔ خوش نصیب۔ مقبول۔ عزیز با عزت۔ محبوب۔ غالب۔

ترجمہ جس شخص کو انہوں نے با اقبال اور آزاد فرمادیا۔ وہ (ہمیشہ) با عزت اور خوش وخرم رہا

ہر کہ آخر مومن ست اوّل بدید ہر کہ آخر کافر او را شد پدید

ترجمہ جو شخص خاتمہ کے وقت مومن (ہونے والا) ہے (اس کو انہوں نے) پہلے ہی دیکھ لیا۔ جو آخر کافر (ہونے والا) ہے۔ وہ بھی ان پر ظاہر ہوگیا۔

ہر کہ آخر بیں بود او مومن ست ہر کہ آخر بیں بود او بیدن ست

لغات آخر بین آخرت کا خیال رکھنے والا۔ عاقبت اندیش آخُر چوپایوں کے چارہ کھانے کی جگہ۔ کھرلی بیدن مخفف ہے بیدین کا۔ **صنائع** آخِر بکسر خار اور آخُر بضم خا میں تجنیس۔ شعر مرصع ہے۔

ترجمہ۔ جو شخص عاقبت کا خیال رکھتا ہے۔ وہ مومن ہے (اور) جس کے دل میں چرنے چگنے کی دھن سمائی ہے۔ وہ بیدین ہے۔

مطلب۔ جب آخری حالت قابل اعتبار ہے۔ جس کے علم کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام نے ملائکہ پر شرف پایا۔ تو ہر مومن و صالح آدمی کو لازم ہے۔ کہ آخرت کا خیال رکھے۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ؎

گر اہل معرفتی دل در آخرت بندی نہ در خرابۂ دنیا کہ حسرت آباد ست

صنایع براے روزی آخر نیز فکرے کن بس ست چند کنی فکر آب و ناں اینجا

لغات نجات آخرت را کارگر باش دریں منزل ز رفتن باخبر باش

ببیں پیش از تو شاہانے کہ مردند ز مال و مملکت با خود چہ بردند

یماقی مال بد خواہ تو باشد بہ بخشی توشۂ راہ تو باشد

اسم ہر چیزے تو از دانا شنو رمز و سرّ علّم الاسما شنو

ترجمہ ہر چیز کا نام دانا سے سنو۔ علم الاسماء کا بھید اور رمز (اسی سے) سنو۔

مطلب۔ جب معلوم ہوگیا۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ملائکہ پر فضیلت اس علم کی بدولت ہے۔ جو علم الٰہی کے مطابق تھا۔ حتیٰ کہ وہ جس چیز کا جو نام تجویز کرتے تھے۔ وہ غیر متبدل ہوتا تھا۔ تو تم کو لازم ہے۔ کہ جس چیز کا علم حاصل کرنا چاہو۔ کسی دانائے کامل سے حاصل کرو۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ علمی و عملی استفاضے کے لئے ایسے علما کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے۔ جو عالم کامل۔ صالح و متقی اور متادب باآداب شریعت ہوں۔ بیدین سادھوؤں یا مبتدع فقیروں کی ہمنشینی جیسے کہ بعض فقیر دوست لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ اچھی نہیں۔ عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین اتاہ عمر فقال انا اسمع احادیث من یھود تعجبنا افتری ان نکتب بعضھا فقال امتھوّکون انتم کما تھوّکت الیھود والنصاریٰ لقد جئتکم بھا بیضاء نقیۃ ولو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی یعنی حضرت جابر رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ جبکہ آپ کے پاس حضرت عمر نے حاضر ہوکر عرض کیا۔ کہ ہم یہودیوں سے ایسی باتیں سنتے ہیں۔ جو دل کو اچھی لگتی ہیں۔ کیا آپ کی رائے میں ہم بعض باتوں کو لکھ لیا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم بھی یہود و نصاریٰ کی طرح

مبتلا ہے حیرت ہو۔ (یعنی اپنے دین سے مطمئن نہیں ہو) میں ایک نورانی و روشن شریعت تمہارے لئے لایا ہوں۔ اور اگر موسیٰ زندہ ہوتے۔ تو ان کو بھی ناچار میری اتباع کرنا پڑتا (مشکوٰۃ) سعدی رح ؎

اگر تو حکمت آموزی بدیوانِ محمد ﷺ رو ... کہ بو جہل آں بود کز خود بدانش بوالحکم گردد

عراقی ؎ بروں از شرع ہر راہے کہ خواہی رفت گمراہی

خلافِ دیں ہر آں علمے کہ خواہی خواند شیطانی

اسمِ ہر چیزے بر ما ظاہرش ... اسمِ ہر چیزے بر خالق سرّش

ترجمہ ہر چیز کا نام ہمارے نزدیک اس کے ظاہر کے اعتبار سے ہے (اور) اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز کا نام اس کے باطن کے لحاظ سے ہے۔

مطلب۔ چونکہ ہم ہر چیز کی اصل حقیقت سے محجوب ہیں۔ اس لئے اس کا نام اس کے ظاہر کے اعتبار سے رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کا خلیفہ برحق اس چیز کا جو نام تجویز کرتے ہیں۔ وہ اس کی حقیقت اور اس کے انجام و مآل کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ نیچے کے اشعار میں اسی مضمون کی توضیح ہے۔ حافظ رح ؎

ما از درونِ در شدہ مغرور صد فریب ... تا خود درون پردہ چہ تقریر میکنند

نزدِ موسیٰ نامِ چوبش بُد عصا ... نزدِ خالق بود نامش اژدہا

ترجمہ (چنانچہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ان کی لکڑی کا نام عصا تھا (مگر) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا نام اژدہا تھا۔

بُد عمر را نام اینجا بت پرست ... لیک مومن بود نامش در الست

لغات۔ بُد مخفف ہے بود کا۔ الست سے یوم میثاق مراد ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمام ذریات آدم ع کو پیدا کر کے فرمایا تھا۔ الست بربکم اور انہوں نے اقرار ربوبیت کے طور پر کہا تھا۔ بلیٰ۔

ترجمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام یہاں (ایام جاہلیت میں) بت پرست تھا۔ لیکن یوم میثاق میں (جبکہ انہوں نے اقرار ربوبیت کر لیا تھا) ان کا نام مومن قرار پا چکا تھا۔

آنکہ بُد نزدیکِ ما نامش منی ... پیشِ حق این نقش بُد کہ با منی

لغات منی نطفہ نقش صورت۔ جسم۔ کالبد بامنی باس ہستی صنائع منی بمعنی نطفہ اور منی ضمیر متکلم و حرف ربط میں صنعت تجنیس مرکب۔

ترجمہ جس چیز کا نام ہمارے قیاس (کی رو) سے (ایک وقت میں) منی تھا۔ وہ خدا کے سامنے یہی صورت تھی۔ جیسے کہ تم میرے سامنے ہو۔

مطلب جو قطرہ آب رحم مادر میں قرار پا کر مدت معینہ کے بعد انسانی صورت میں پیدا ہوا۔ اور مثلاً زید کے نام سے موسوم ہو گیا۔ وہ استقرار فی الرحم کے وقت ہمارے نزدیک محض ایک قطرہ تھا۔ مگر علم الٰہی میں وہ

اس وقت بھی زید کے نام سے موسوم اور اپنے تمام معینہ اوصاف و آثار کے ساتھ معلوم تھا۔

صُورتے بُد ایں منی اندر عَدم　　پیشِ حق موُجود نے بیش و نہ کم

ترجمہ یہ منی (کتم) عدم میں خدا کے سامنے ایک صورت میں موجود تھی (جو اس موجودہ صورت سے) نہ زیادہ تھی نہ کم۔

حاصِل آمد آں حقیقت نامِ ما　　پیشِ حضرت کاں بود انجامِ ما

ترجمہ غرض جس حقیقت (اور اصلیت) پر ہمارا انجام ہونے والا ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی ہمارا نام قرار پاتی ہے۔

مرد را بر عاقبت نامے نہند　　نے بر اں کاں عاریت نامے نہند

لغات عاقبت انجام ۔آخرالامر ۔خاتمہ ۔عاریت چند روز کے لئے مانگا ہوا ۔ چند روزہ۔

ترجمہ آدمی کا نام (اس کے) انجام کے مطابق رکھتے ہیں ۔ (اور وہ نام) اس نام کے مطابق نہیں (ہوتا) جو (لوگ اپنی سمجھ کے مطابق) چند روز کے لئے رکھ لیتے ہیں +

چشمِ آدم کو بنُورِ پاک دید　　جان و سرِّ نامہا گشتش پدید

ترجمہ حضرت آدم ؑ کی آنکھ نے جو نور پاک (کی طاقت) سے نظر اُٹھائی ۔ تو اس پر سرِّ اسمار اور (وجود) ارواح ظاہر ہوگیا۔

مطلب حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی قدس سرہ تفسیر مظہری میں وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کی تفسیر میں اسماء کے متعلق مذکورہ سابق اقوال لکھنے کے بعد فرماتے ہیں ۔کہ یہ اقوال درست نہیں اور اس کی دلیل درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں ۔کہ میرے نزدیک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو تمام اسمائے الٰہیہ سکھائے تھے۔ مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں ۔کہ سرِّ نامہا سے اسمار الٰہیہ مراد ہیں۔ کیونکہ ہر چیز کا نام اس لحاظ سے مقرر ہوتا ہے ۔ کہ وہ چیز اسمائے الٰہیہ میں سے کسی خاص اسم کی مظہر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء الٰہیہ
[illegible]

چُوں ملک انوارِ حق بروے بتافت　　در سجُود افتاد و در خدمت شتافت

ترکیب ۔ پہلا مصرعہ بتافت فعل اور انوارِ حق فاعل کے ساتھ جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہے ۔ دوسرا مصرعہ جملہ معطوفہ ہوکر جزا دوسرے مصرعہ میں افتاد کا فاعل ملک ہے ۔ اس شعر میں تعقید لفظی ہے یعنی جزا کا فاعل ملک شرط میں بضرورت شعری بے موقع درج ہوگیا۔

ترجمہ جب حضرت آدم ؑ پر اللہ تعالیٰ کے انوار (علم) درخشاں ہوئے ۔تو فرشتے سربسجود ہوگئے ۔ اور خدمت گزاری پر آمادہ ہوئے

مطلب ۔تفصیل قصہ قرآن مجید میں یوں ہے ۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى

الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۔ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۔ یعنی آدمؑ کو سب چیزوں کے نام بتا دیئے۔ پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے روبرو پیش کرکے فرمایا۔ کہ اگر تم سچے ہو۔ تو ہم کو ان کے نام بتاؤ۔ بولے تو پاک ذات ہے۔ جو کچھ تو نے ہم کو بتا دیا ہے۔ اس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہیں۔ تو ہی جاننے والا مصلحت کا پہچاننے والا ہے۔ حکم دیا۔ کہ اے آدم تم فرشتوں کو ان کے نام بتاؤ۔ جب آدم نے فرشتوں کو اُن چیزوں کے نام بتا دیئے۔ (تو خدا نے فرشتوں سے) فرمایا۔ کیوں ہم نے تم سے نہیں کہا تھا۔ کہ آسمانوں کی اور زمین کی سب مخفی چیزیں ہم کو معلوم ہیں۔ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جو کچھ تم ہم سے چھپاتے تھے۔ ہم کو معلوم ہے اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا۔ کہ آدم کے آگے جھکو تو شیطان کے سوا سب جھک پڑے۔ اس نے نہ مانا۔ اور شیخی میں آگیا۔ اور نافرمان بن بیٹھا۔ (سورۃ بقرہ ع ۴)

حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے ملائکہ کا سجدہ بغرض عبودیت نہ تھا۔ کہ معاذ اللہ اس پر شرک کا الزام آئے۔ بلکہ ایک طرح کی تعظیم و تکریم تھی۔ تفسیر مظہری میں لکھا ہے۔ کہ یہاں سجدہ کے معنی تذلل و تواضع کے ہیں۔ جس سے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے تسلیم و آداب بجا لانا مقصود تھا۔ اور یہی مراد اخوان یوسفؑ کے سجدے سے ہے۔ جو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کیا تھا۔ بغوی کہتے ہیں کہ یہ قول اصح ہے۔ اور اس میں چہرہ زمین پر نہیں رکھا جاتا تھا۔ صرف کسیقدر سر جھکایا جاتا تھا۔ پھر جب دین اسلام آیا۔ تو یہ طریقہ تعظیم باطل قرار پایا۔ اور اس کی جگہ سلام مقرر ہوا۔

اختلاف۔ ایک شارح نے پہلا مصرعہ یوں نقل کیا ہے۔ چوں ملک انوارِ حق بروے بیافت۔ یعنی بیافت کو بیائے تحتانی لکھا ہے۔ اس صورت میں بیافت کا فاعل ملک ہو جاتا ہے۔ اور تعقید نہیں رہتی۔

چوں ملائک نورِ حق دیدند ازو ۔۔۔ جملہ افتادند در سجدہ برو

ترجمہ جب فرشتوں نے ان سے نورِ حق کا مشاہدہ کیا۔ تو سب ان پر سجدہ کرتے ہوئے جھک گئے *

مدح ایں آدم کہ نامش مے برم ۔۔۔ قاصرم گر تا قیامت بشمرم

ترجمہ میں جن حضرت آدمؑ کا نام لے رہا ہوں۔ ان کی تعریف اگر قیامت تک کروں (تو بھی) پوری نہ کر سکوں۔

مطلب حضرت آدم علیہ السلام باوجود اس فضل و کمال کے کہ خداوند تعالیٰ نے ان کو علم اسماء سکھایا۔ اور فرشتوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرکے ان کی فضیلت ثابت کی۔ بلکہ فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ مگر جب قضا آتی ہے۔ تو وہ بھی غلطی کر جاتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

ایں ہمہ دانست و چوں آمد قضا　دانش یک نہی شد بروے خطا

لغات دانش عقل و فہم۔ سمجھنا نہی امتناعی حکم۔
ترجمہ (الغرض آدم علیہ السّلام کو) یہ سارا علم تھا۔ اور جب قضا آئی۔ تو وہ ایک امتناعی حکم کے سمجھنے میں خطا کھا گئے۔
مطلب ہدہد کہتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام با وجود اس فضل و کمال کے غلطی کر گئے۔ تو ہم کس شمار و قطار میں ہیں۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ

جائیکہ برقِ عصیاں بر آدم صفی زد　مارا چگونہ زیبد دعوائے بیگناہی

کاے عجب نہی از پئے تحریم بود　یا بتاویلے بدو توہیم بود

لغات تحریم۔ حرام قرار دینا تاویل کسی کلام کو اس کے ظاہری مفہوم سے پھیر کر کسی ایسے معنی پر محمول کرنا۔ جس کا احتمال صحیح ہو سکے۔ توہیم وہم دلانا۔
ترجمہ (حضرت آدم ع حیران تھے) کہ بڑا تعجب ہے۔ یہ (دانہ گندم کی) ممانعت حرمت کی وجہ سے تھی۔ یا کسی تاویل سے تھی۔ اور مجھے وہم میں ڈالا گیا۔
مطلب ۔ تفصیل قصہ قرآن مجید میں یوں ہے۔ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۔ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۔ اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بی بی بہشت میں بسو۔ اور اس میں جہاں کہیں سے تمہارا جی چاہے بافراغت کھاؤ۔ مگر اس درخت (گندم) کے پاس مت پھٹکنا ورنہ تم اپنا نقصان کرو گے۔ پس شیطان نے ان کو وہاں سے پھسلا دیا۔ اور جس حالت میں تھے۔ اس سے ان کو نکلوا کر چھوڑا۔ اور ہم نے حکم دیا۔ کہ تم سب اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور زمین میں تمہارے لئے ایک وقت تک ٹھکانا اور ساز و سامان ہے۔ (بقرہ ع ۴)
شعر کا مطلب یہ ہے کہ شجرہ ممنوعہ کے متعلق حضرت آدم ع کو یہ خیال آتا تھا۔ کہ آیا اس تحریم سے اس درخت کے پھل کا حرام ہونا بصریح معنی مراد ہے۔ یا اس حکم کا کچھ اور مطلب ہے۔ اور درخت فی الواقع حرام نہیں۔
رفع اشتباہ شاید کسی کو اس شعر کے مضمون سے یہ خلجان عارض ہو۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو شجرہ کے متعلق جو حکم ہوا تھا۔ اگر اس میں ان کو شک و شبہ تھا۔ تو حکم الٰہی میں شک و شبہ ہونا ایک پیغمبر کی شان کے برخلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر کسی حکم الٰہی کے برحق ہونے میں شک و ارتیاب ہو۔ تو یہ بات بیشک شان نبوت سے معارض بلکہ مقتضائے ایمان کے خلاف ہے۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کو اس قسم کا شک نہیں تھا۔ بلکہ ان کو شجرہ ممنوعہ کے متعلق خداوند تعالیٰ کی طرف سے حکم صادر ہونے کا تو یقین تام تھا۔ صرف اس امر میں ان پر خفا باقی تھا۔ کہ آیا یہ حکم حقیقی معنی میں امتناعی حکم ہے۔ یا اس کا مطلب

کچھ اور ہے۔ گویا ان کو نفس حکم میں شک نہیں تھا۔ بلکہ کیفیت حکم میں ایک قسم کا خفا باقی تھا اور اس خفا کی وجہ سے ان کے دل میں اضطراب و خلجان عارض ہو رہا تھا۔ جس کو مولانا یہاں تعجب سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اگلے شعروں میں اس کو حیرت سے تعبیر کریں گے۔ اور اس قسم کا تعجب و حیرت یا اضطراب و خلجان کا عارض ہونا منصب نبوت کے لئے مضر نہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی مرتبہ بعض امور کے متعلق اس قسم کا خفا عارض ہونے کا موقعہ پیش آیا ہے۔ مثلاً قصہ افک اور معاملہ ابن صیاد وغیرہ اور آپ ایسے امور میں نزول وحی تک متردد و متفکر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم عؑ نے ایک مرتبہ دریا میں ایک مردہ مچھلی دیکھی۔ جسکو دریائی جانور اور گوشت خوار پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ آپ کو خیال آیا کہ اس قسم کے مردے قیامت کے روز کیونکر زندہ کئے جائینگے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کی رب ارنی کیف تحیی الموتی الہی مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کریگا۔ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ارشاد ہوا کہ کیا تم (احیائے موتے پر) ایمان نہیں لائے۔ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔ عرض کیا کیوں نہیں۔ مگر (یہ سوال) اس لئے (کیا ہے)۔ کہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہو اس واقعہ سے ظاہر ہوا کہ ایمان کے باوجود اطمینان قلب کا ایک مزید درجہ ہے۔ اسیطرح حضرت آدم عؑ کو باوجودیکہ شجرہ ممنوعہ کے متعلق خدا کے حکم پر کامل یقین و ایمان تھا۔ مگر ابھی مزید اطمینان کی ضرورت باقی تھی۔ اور ابھی ان کو رفع خلجان و حصول اطمینان کا موقع نہیں ملا تھا۔ کہ شیطان نے ان کو دھوکا دینے کا یہ موقع غنیمت سمجھا۔ وقال قدس سرہٗ ؎

جان بابا گویدت ابلیس ہیں	تا بدم بفریبدت دیو لعین
ایں چنیں تلبیس با بابات کرد	آدمی را ایں سیہ رخ مات کرد

در دلش تاویل چوں ترجیح یافت — طبع در حیرت سوئے گندم شتافت

ترجمہ جب (وسوسہ شیطان سے) ان کے دل میں تاویل نے ترجیح پائی۔ تو طبیعت حیرت میں (آکر) گندم کی طرف مائل ہوگئی۔

مطلب قرآن مجید میں اور جگہ حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کے اس قصے کے متعلق آیا ہے۔ کہ شیطان نے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام سے کہا۔ ما نھکما عن ھذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا خلدین یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو اس درخت سے اس لئے منع کیا ہے۔ کہ کہیں تم اس کے کھانے سے فرشتے نہ بنجاؤ۔ یا حیات دوام حاصل نہ کر لو۔ گویا شیطان نے یہ تاویل ان کے ذہن نشین کردی۔ کہ یہ درخت فی نفسہ حرام نہیں۔ بلکہ اس وجہ سے تم پر ممنوع کر دیا گیا ہے کہ تم کو یہ کمالات حاصل نہ ہو جائیں ؛

باغباں را خار چوں در پا رفت — دزد فرصت یافت کالا برد تفت

لغات کالا مال تفت۔ گرم۔ سرگرم۔ فرصت موقع پانا۔ **ترکیب** تفت حال ہے اور دزد ذوالحال۔

ترجمہ جب باغباں کے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا۔ تو چور کو موقع مل گیا۔ اور وہ تیزی سے مال چرا لے گیا ؛

مطلب۔ جس طرح ایک باغبان کے پاؤں میں کانٹے کا چبھنا اور اس کا پاؤں کو لیکر بیٹھ جانا چور کے لئے باغ کے پھل اور میوے چرا لے جانے کا موقع پیدا کر دیتا ہے۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں شجرہ کی صریح نہی یا تاویل کی متعلق جو حیرت پیدا ہو رہی تھی۔ وہ شیطان کے لئے ان کو بہکانے میں مدد بن گئی۔ یہانتک کہ اس نے حضرت آدم عم کے دل میں وسوسے ڈال کر ان کو اس درخت کا پھل کھلا ہی دیا۔ جس کی پاداش میں ان کو جنت سے نکل جانے پر مجبور ہونا پڑا۔ صائب رہ سہ

خود شمار گنہ را کہ گنا ہیست بزرگ گندمے کرد ز فردوس بروں آدم را

چوں ز حیرت رست باز آمد براہ دید بردہ دزد رخت از کارگاہ

ترجمہ پھر جب حضرت آدم علیہ السلام حیرت سے نکلے۔ تو ان پر اصلیت منکشف ہوئی۔ (اور) دیکھا کہ چور کارخانہ سے (سارا) مال اسباب چرا لیگیا۔

مطلب۔ یعنی جب حضرت آدم علیہ السلام کو شجرہ ممنوعہ کے تناول کے سبب سے حکم ہوا۔ کہ جنت سے نکل جائیں۔ تو پھر ان کو تنبیہ ہوا۔ اور معلوم ہوگیا۔ کہ یہ سب شیطان کا فریب تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا۔ کہ ان کو نعیم جنت سے محروم کردے۔ مگر اب کیا ہوتا تھا۔ چار و ناچار بہشت سے نکلنا اور زمین پر اترنا پڑا۔ صائب رہ سہ

منکہ سر رشتۂ تدبیر ز دستم رفتست نکنم خاک زمین را بسر خود چکنم

ربنا انا ظلمنا گفت و آہ یعنی آمد ظلمت و گم گشت راہ

ترجمہ (تب) حضرت آدم علیہ السلام ربنا ظلمنا کہہ کہہ کر مناجات کرنے اور (درد و سوز سے) آہیں بھرنے لگے۔ یعنی (الہی) اندھیر چھا گیا۔ اور ہم سے راستہ گم ہوگیا۔

مطلب۔ حضرت آدم عم عتاب الہی کے نازل ہونے کے بعد دنیا میں آکر آہ و زاری کے ساتھ یہ دعا کرتے تھے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ ”الہی ہم نے اپنے آپ کے ساتھ برا کیا تو کیا۔ پس اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور خسارہ پانیوالوں میں سے ہونگے۔ حافظ رہ سہ

فقیر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے کہ جز ولائے توام نیست ہیچ دستاویز

دوسرے مصرعہ میں مولانا رہ کا اشارہ اس امر کی طرف ہے۔ کہ اس دعا میں ظلمنا ظلم سے مشتق نہیں ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ حضرت آدم عم نے جو کچھ کیا وہ تاویل کے ماتحت کیا تھا۔ اور تاویل کے ساتھ کوئی کام کرنا گناہ کبیرہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ لفظ ظلمت سے مشتق ہے۔ پس ظلمنا انفسنا کے معنی یوں ہونگے۔ کہ ہم نے اپنے آپ کو تاریکی میں ڈال لیا۔ اپنے رتبہ اور منزلت کو ملحوظ رکھکر کام نہ کیا۔

ایں قضا ابرے بود خورشید پوش شیر و اژدرہا بود زو ہمچو موش

ترجمہ (الغرض یا حضرت سلیمان عم) یہ قضا ایک بادل ہے۔ سورج کو چھپا لینے والا۔ جس کے آگے شیر اور اژدھے بھی چوہے کی طرح (ضعیف و عاجز) ہیں۔ سعدی رہ سہ

اگر در حیاتت نماند ست بہر　　چنانت کشد نوشدارو کہ زہر
نہ رستم چو پایان روزی بخورد　　شغاد از نہادش برآورد گرد

من اگر دامے نہ بینم گاہِ حکم　　من نہ تنہا جاہلم در راہِ حکم

ترجمہ اگر میں قضا کے آنے پر جال کو نہیں دیکھ سکتا۔ تو قضا کے راستے میں صرف میں ہی بیخبر نہیں ہوں (بلکہ سب کا یہی حال ہے۔) جامی رحمہ

چوں از قضا گریز تواند کسے کہ بود　　دستِ قضا عناں کش او ہر کجا گریخت

اے خنک آں کو نکوکاری کند　　زور را بگذارد و زاری کند

ترجمہ (اے مخاطب) خوش نصیب ہے۔ وہ شخص جو (وقوع لغزش کے بعد) نیکوکاری (اختیار) کرے حجت بازی چھوڑ دے اور توبہ و استغفار کرے۔

مطلب۔ یہاں سے مقولہ مولنا رح شروع ہوتا ہے۔ یعنی مبارک ہے وہ شخص کہ جب اس سے بتقاضائے بشریت کوئی خطا ہو جائے تو اس کے کفارہ کے لئے طاعات وعبادات اور خیرات و مبرات وغیرہ نیک کام کرنے لگے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔ نور الحسنة یمحو عن وجه القلب ظلمة السيئة۔ یعنی نیکی کا نور صفحہ دل سے گناہ کی تاریکی کو مٹا دیتا ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ ان الواجب عليه التوبة والندم والاشتغال بالتكفير بحسنة تضاده۔ یعنی مرتکب گناہ پر واجب ہے کہ توبہ کرے۔ نادم ہو۔ اور کسی ایسی نیکی کو گناہ کا کفارہ بنائے جو اس سے متضاد ہو۔ زور را بگذارد سے یہ مراد ہے۔ کہ فضول حجت آرائی سے باز رہے۔ جیسے جاہل لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ جو گناہ کرتے ہیں۔ وہ تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور قضاء الہی کے مطابق ہم سے صادر ہوتے ہیں۔ پس ان پر ہم کو کیوں مواخذہ ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ بلکہ لازم ہے۔ کہ توبہ و استغفار کرے تاکہ اگر ارتکاب خطا بقضائے الہی ہوا ہے۔ تو توبہ و استغفار بھی بقضائے الہی ہو جائے اور یہ قضا اس قضا کے زخم کے لئے مرہم بن جائے۔ نیچے کے اشعار اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

گر قضا پوشد سیہ ہمچوں شبت　　ہم قضا دستت بگیرد عاقبت

ترجمہ اگر قضا سیہ (بختی کا لباس بن کر) رات کی طرح تجھ کو چھپالے۔ تو انجام کار قضا ہی تیری دستگیری بھی کرے گی۔

مطلب۔ اگر مشکلات و مصائب بقضائے الہی پیش آئیں۔ تو دعا و مناجات کی طرف متوجہ ہو جاؤ شاید اسی ذریعہ سے دفع مصائب اور حل مشکلات مقدر ہو۔ سعدی رحمہ

مپندار ازیں در کہ ہرگز نہ بست　　کہ نومید گردد برآوردہ دست

گر قضا صد بار قصدِ جاں کند　　ہم قضا جانت دہد درماں کند

ترجمہ اگر قضا سو بار بھی تیری جان لینا چاہتی ہے۔ تو قضا ہی تجھے جان بھی دیگی (اور اس کا) علاج

بھی) کرے گی۔

مطلب - جب قضا بلا بن کر آتی ہے۔ تو دعا بھی قضا بنکر اس کا مقابلہ کرتی ہے۔ کما قال حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا یخلق اللہ تعالی البلاء خلقاما فینزله علی المبتلی ویصعد الدعاء فیردہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایک بلا کو کسی طرح کی پیدائش کے ساتھ پیدا کرتا ہے۔ پھر اس کو کسی مبتلا پر نازل کرتا ہے۔ اور ادھر سے دعا اوپر جاتی ہے۔ تو وہ دعا اس بلا کو دفع کر دیتی ہے۔ صائب رحمہ ؎

دستِ دُعا بود سپرِ ناوکِ قضا　　　　در کار خیر صرف کن اقبال خویش را

ایں قضا صد بار گر راہت زند　　　　بر فرازِ چرخ خرگاہت زند

ترجمہ - یہ قضا اگر سو بار تجھے راستے میں لوٹتی ہے۔ تو (یہی قضا) تیرا خیمہ آسمان پر نصب (بھی) کرتی ہے۔

مطلب - یہ شعر بھی اوپر کے اشعار کا ہم مضمون ہے۔ یعنی اگر نزول بلا مقدر ہے۔ تو مناجات و دعا کرو شاید اس کے ذریعہ سے دفع بلا اور حصولِ درجات بھی مقصد ہو۔ ان اشعار کا خلاصہ مطلب ایک اور طرح بھی ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر تم قضائے الٰہی پر راضی رہو۔ اور تقدیر خداوندی پر سر تسلیم خم کر دو۔ تو قضا کی زحمت تمہارے لئے میدان برحمت ہو جائے۔ کلیم رحمہ ؎

مرد حق بیں کہ بلا را ز خدا مے بیند　　　　تیغ را بر سر خود بال ہمائے بیند

از کرم داں اینکہ مے ترساندت　　　　تا بملکِ ایمنی بنشاندت

ترجمہ - یہ قضا جو تم کو ڈراتی ہے۔ تو اس کو (ایک طرح کی) مہربانی سمجھو تاکہ تم کو امن و اطمینان کی سرزمین میں لا بٹھائے۔

مطلب - نیک بندہ ڈرتا ہے کہ مبادا مجھ سے کوئی خطا سرزد ہو۔ اور اس کی پاداش میں مستوجب عذاب ٹھہروں حالانکہ ارتکاب معاصی اور جزائے اعمال اگر ہے۔ تو وہ سب مقدر و محتوم ہو چکا ہے۔ پس یہ خوف اس کے تقویٰ و پارسائی اور نجاتِ عقبیٰ کا باعث ہو جاتا ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (النازعات ۲۶) اور جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکتا رہا۔ تو (اس کا) ٹھکانا بس بہشت ہوگا۔ سعدی رحمہ ؎

نکونام را کس نگیرد اسیر　　　　بترس از خدا و مترس از امیر

چوں بترساند ترا آگہ شوی　　　　ور نترساند ترا گمرہ شوی

ترجمہ - جب (قضا) تم کو ڈراتی ہے۔ تو تم چوکس ہو جاتے ہو۔ اور اگر تم کو نہ ڈرائے تو تم گمراہ (و غافل) ہو جاؤ۔

مطلب مصائب و نوائب کا خوف رفع غفلت کی ایک غیبی تدبیر ہے۔ قال بعضہم ؎

نماید گوشمالِ دہر ہشیار اہل غفلت را　　　　چو مدہوشے کہ از مالیدنِ اعضا بہوش آید

این سخن پایاں ندارد گشت دیر گوش کن تو قصۂ خرگوش و شیر

ترجمہ یہ بات ختم ہونیوالی نہیں (ادھر) دیر ہوگئی - اب خرگوش اور شیر کا قصّہ سنو۔

پائے واپس کشیدن خرگوش از شیر چوں نزدیک چاہ آمد

کوئیں کے پاس آکر خرگوش کا شیر سے قدم پیچھے ہٹا لینا

شیر با خرگوش چوں ہمراہ شد پُرغضب پُرکینۂ بدخواہ شد

ترجمہ جب شیر خرگوش کے ساتھ گیا۔ تو غضبناک اور دشمن کے کینے سے پُر ہو رہا تھا

بود پیشا پیش خرگوشِ دلیر ناگہاں پا را کشید از پیشِ شیر

لغات پیشاپیش میں الف اتصال کے لیے ہے۔ پائے کشیدن - رک جانا - ٹھہر جانا۔
ترجمہ دلیر خرگوش آگے آگے (چل رہا) تھا۔ کہ اچانک شیر کے سامنے سے ٹھٹک کر رہ گیا۔

چُونکہ نزدِ چاہ آمد شیر دید کز رہ آں خرگوش ماند و پا کشید

ترجمہ - جب شیر کوئیں کے پاس آیا۔ تو دیکھا۔ کہ وہ خرگوش راہ سے ٹھہر گیا ہے۔ اور ٹھٹک رہا ہے

گفت پا واپس کشیدی تو چرا پائے را واپس مکش پیش اندرا

لغات پائے واپس کشیدن - چلنے سے رُک جانا - ٹھہر جانا۔
ترجمہ (شیر نے کہا۔ تو نے قدم پیچھے کیوں ہٹا لیا۔ پاؤں پیچھے نہ ہٹا آگے چلا آ۔

گفت کو پایم کہ دست و پائے رفت جانِ من لرزید و دل از جائے رفت

لغات کو کہاں - دست و پا رفتن - بدحواس ہوجانا - ہاتھ پاؤں پھولنا - دل از جائے رفتن گھبرا جانا - سہم جانا۔
ترجمہ (خرگوش) بولا کہاں کا پاؤں - میرے تو مارے ڈر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ میری جان کانپ گئی اور دل سہم گیا۔

رنگِ رویم را نمے بینی چو زر؟ ز اندروں خود مید ہد رنگم خبر

ترجمہ تو میرے چہرے کا رنگ نہیں دیکھتا (جو زردی سے) سونے کا سا (ہو رہا ہے) میرا رنگ ہی دل کا حال بتا رہا ہے۔ امیر خسرو بھی ہے

تو حالِ من خود ازیں روئے زرد بیں و مپرس کہ من بروئے تو پیدا سخنے تو انم کرد

حق چو سیما را معرف خواندہ است چشم عارف سوے سیما ماندہ است

لغات سیما نشان۔ علامت۔ مجازاً پیشانی۔ معرّف تعریف کرنیوالا۔ حال بتانے والا۔ عارف پہچاننے والا۔

ترجمہ ۔ چونکہ اللہ تعالٰی نے پیشانی کو حال بتانیوالی فرمایا ہے (اس لئے کسی آدمی کو) پہچاننے والے کی نظر (اس کی) پیشانی کی طرف رہتی ہے۔

مطلب یہاں اس آیت کے مضمون کی طرف تلمیح ہے۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (خیرات تو) اُن حاجتمندوں کا حق ہے۔ جو اللہ کی راہ میں گھرے بیٹھے ہیں۔ ملک میں کسی طرف کو جا نہیں سکتے۔ بیخبر آدمی اُن کی خودداری کی وجہ سے اُن کو غنی سمجھتا ہے۔ لیکن تو ان کی صورت سے ان کو صاف پہچان جائے۔ کہ لگ لپٹ کر لوگوں سے نہیں مانگتے۔ (بقرہ ع ۳۷)

سیما کا معرف ہونا ایک اور آیت میں بھی مذکور ہے۔ جو آگے درج ہوگی۔

کلمہ تعرفہم سے مولانا نے یہ بات اخذ کی ہے کہ اللہ نے پیشانی کو معرف قرار دیا ہے۔ اور عارف سے بتقاضائے قرینہ یا تو لغوی معنی یعنی کسی انسان کو پہچاننے والا مراد ہے۔ یا اصطلاحی معنی یعنی اہل معرفت اور صوفی مراد ہے۔ کہ وہ بھی اہل ارادت کا حال ان کی پیشانی سے معلوم کر لیتا ہے۔ صائب رح ؎

در جبہۂ من شعلۂ فطرت بتواں دید چوں تیغ عیاں جوہر از ین چین جبین است

رنگ و بو غماز آمد چوں جرس از فرس آگہ کند بانگ فرس

لغات ۔ غمّاز اشارہ کرنیوالا۔ چغلخور۔ جرس گھڑیال۔

ترجمہ رنگ و بو گھڑیال کی طرح (چلا چلا کر) حال بتاتے ہیں۔ گھوڑے کا ہنہنانا گھوڑے (کے اوصاف) کی خبر دیتا ہے۔ حافظ شیرازی رح ؎

روے زرد است و آہ درد آلود عاشقاں را گواہ رنجوری

بانگ ہر چیزے رساند زو خبر تا بدانی بانگ خر از بانگ ذر

لغات ذرّ جمع ذرہ چیونٹی۔ بعض شراح نے در بدال مہملہ نقل کیا ہے۔ بمعنی دروازہ۔

ترجمہ ہر چیز کی آواز اس کی (حالت سے) آگاہ کرتی ہے۔ تم کو لازم ہے۔ کہ گدھے کی (سخت) آواز سے لیکر چیونٹی کی (خفیف و غیر محسوس) آواز تک (تمام آوازوں) کے فرق کو سمجھو۔ (اور ہر چیز کی آواز سے اس کے احوال کا سُراغ لگاؤ)

مطلب اس سے قرآن مجید کی سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک آیت کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں سیما کے معرف ہونے کے ساتھ ہی آواز کے معرف ہونے کا بھی ذکر ہے۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللهُ اَضْغَانَهُمْ وَلَوْ نَشَاءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ کیا وہ لوگ جن کے

دلوں میں روگ ہے۔ اس خیال میں ہیں۔ کہ خدا ان کی دلی عداوتوں کو کبھی ظاہر نہیں کریگا۔ اور ہم چاہتے۔ تو تمہیں ان لوگوں کو دکھا دیتے۔ کہ تم ان کو ان کی صورت ہی سے پہچان لیتے۔ اور تم ان کو طرز کلام سے ضرور پہچان لوگے اور اللہ تم سب کے عملوں کو جانتا ہے۔ جامی رح ؎

ہست سخن پردہ کش رازہا   زندہ کن مردۂ آوازہا

گفت پیغمبر بہ تمییز کساں   مرء مخفی لدیٰ طی اللساں

ترجمہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں تمیز کرنے کے بارے میں فرمایا ہے۔ کہ آدمی اپنی زبان (کے بند رکھنے) میں مخفی ہے۔

مطلب مولانا بحرالعلوم رح لکھتے ہیں کہ یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ المرء مخبوء فی لسانہ لافی طیلسانہ آدمی اپنی زبان میں مخفی ہے۔ نہ کہ اپنی چادر میں۔ سعدی رح ؎

تا مرد سخن نگفتہ باشد   عیب و ہنرش نہفتہ باشد

وقال بعضہم ؎   در سخن گفتن خطاے جاہلاں پیدا شود

تیر کج چوں از کماں بیروں رود رسوا شود

رنگِ رو از حالِ دل دارد نشاں   رحمتم کن مہر من در دل نشاں

لغات نشاں۔ نشانی علامت اور صیغہ امر نشاندن بٹھانا سے۔ صنائع کہ نشاں میں صنعت تجنیس تام

ترجمہ (میرے) چہرے کی رنگت دل کے حال کی نشانی ہے (اے شیر) مجھ پر رحم کر (یعنی دشمن سے نجات دلا) اور میری محبت دل میں قائم کر (کہ میں تیرا خادم جاں نثار ہوں) صائب رح ؎

رحم کن بر ماسیہ بختاں کہ با آں سرکشی   شمع در شبہا بدست آرد دل پروانہ را

رنگِ روے سرخ دارد بانگِ شکر   رنگِ روے زرد دارد صبر و نکر

لغات بانگ آواز۔ نکر عذاب۔ تکلیف   صنائع۔ مقابلہ۔ ترصیع

ترجمہ سرخ چہرے کی رنگت (زبان حال سے دل کے) شکر (اور احسانمندی کو) پکار (پکار کر بیان کر) رہی ہے۔ زرد چہرے کی رنگت صبر اور عذاب (کی علامت) رکھتی ہے ؎

قصۂ عشق تو جامی ز کساں چوں پوشد   چہرہ گویاست اگرچند زباں خاموش ست

در من آمد آنچہ در وے گشت مات   آدمی و جانور جامد نبات

لغات مات شکست خوردہ۔ منہزم۔ مقید۔ گرفتار جامد جمادات۔ اینٹ پتھر۔ نبات درخت، گھاس وغیرہ زمین سے اُگنے والی چیزیں۔

ترجمہ (اے شیر!) مجھ میں وہ چیز سما گئی ہے۔ جس کے آگے آدمی اور جانور اور جمادات و نباتات (غرض) سب شکست پا گئے۔

مطلب خرگوش کہتا ہے۔ کہ میری حالت کے متغیر ہونے کا سبب یہ ہے۔ کہ مجھ پر موت کا خوف چھا رہا ہے۔ اور موت وہ چیز ہے۔ جو خدا کے سوا ہر چیز کو فنا کر کے چھوڑے گی۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ مگر اس کی ذات پاک كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (رحمٰن رکوع ۲) جتنی مخلوقات زمین پر ہے۔ سب فنا ہو جانے والی ہے۔ اور تمہارے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی۔ کما قیل ؎

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید ۔۔۔ ز جام دہر مئے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

درمن آمد آنکہ دست و پا برد ۔۔۔ رنگِ رُو و قُوّت و سیما برد

لغات دست و پا بردن حواس باختہ کر دینا۔ سیما سے یہاں لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی علامت۔

ترجمہ مجھ میں وہ چیز سما گئی ہے۔ جو حواس باختہ کر دیتی ہے۔ چہرے کا رنگ اڑا دیتی ہے۔ قوت کو زائل اور علامات (صحت) کو تبدیل کر دیتی ہے۔

مطلب خوف موت وہ چیز ہے۔ جو انسان کو بدحواس اور متغیر الحال بنا دیتی ہے۔ صائب رح ؎

ہر سر موئے ترا با زندگی پیوندہا ست ۔۔۔ با چنیں وابستگی از خود بریدن مشکل است

آنکہ در ہر چہ در آمد بشکند ۔۔۔ ہر درخت از بیخ و بُن او بر کند

ترجمہ (مجھ میں) وہ چیز (سما گئی ہے) کہ وہ جس چیز میں سمائے اس کو توڑ ڈالے (اور) ہر درخت کو بیخ و بن سے اکھیڑ ڈالے۔

مطلب بڑے بڑے تناور و شہزور موت کے حملے میں کمزور و ناتوان ثابت ہوتے ہیں صائب رح ؎

طعمۂ مور می شوی گرچہ سلیماں شدۂ ۔۔۔ زال سپید بہی اگر رستم دستاں شدۂ

ایں خود اجزا اند کلیات ازو ۔۔۔ زرد کردہ رنگ و فاسد کردہ بُو

لغات اجزا جزئیات۔ چھوٹی مخلوق یا مختلف انواع کے افراد و اشخاص کلیات طبقات عظیمہ جو بہت سی چھوٹی مخلوق پر مشتمل ہوں۔ یا بڑی بڑی مخلوقات۔ جیسے ارض و فلک۔ شمس و قمر۔ کوہ و دریا۔ باغ و صحرا۔

ترجمہ یہ تو (خیر) چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں۔ بڑی بڑی چیزوں کا بھی اس (کی دہشت) سے یہ حال ہے۔ کہ رنگ زرد ہو جاتا ہے اور بو بگڑ جاتی ہے۔ کما قیل ؎

بیک روز و بیک ساعت بیکدم ۔۔۔ دگرگوں میشود احوالِ عالم

تا جہاں گہ صابرست و گہ شکور ۔۔۔ بوستاں گہ حُلّہ پوشد گاہ عُور

لغات صابر صبر کرنیوالا۔ شکور۔ شکر گذار۔ حلہ۔ پوشاک۔ شاہانہ لباس۔ عور برہنہ۔

ترجمہ۔ یہانتک کہ جہاں (بھی) کبھی (زوال و تنزل پر) صابر ہے۔ اور کبھی (ترقی و عروج پر)

شاکر ہے۔ باغ کبھی سبز پوشاک پہنے ہوئے ہے۔ کبھی ننگا ہے۔ سعدی رحمہ

شگوفہ گاہ شگفتہ ست وگاہ خوشیدہ درخت وقت برہنہ ست ووقت پوشیدہ

آفتابے کو بر آید نار گوں ساعتے دیگر شود او سر نگوں

لغات نار آگ ناگوں مرکب غیر امتزاجی۔ سرنگوں اوندھا۔

ترجمہ۔ سورج جو (صبح کے وقت) آگ کی طرح (دھکتا) نکلتا ہے۔ دوسری گھڑی وہ ڈھلنے لگتا ہے۔ صائب رحمہ

بلند و پستِ جہاں در قفائے یکدگر ست اگر بماہ برائے نظر بچاہ انداز

اختران تافتہ بر چار طاق لحظہ لحظہ مبتلائے احتراق

لغات اختر ستارہ تافتہ از تافتن چمکنا۔ چار طاق ایک قسم کا چار گوشہ خیمہ۔ جسکو ہندی میں راوٹی کہتے ہیں۔ احتراق جل جانا۔ اہل نجوم کی اصطلاح میں پانچ ستاروں یعنی زحل، مشتری، زہرہ، عطارد، مریخ، میں سے کسی ستارے کا سورج کے ساتھ ایک برج میں جمع ہونے کی وجہ سے اس کی شعاع میں مخفی ہو جانا۔

ترجمہ چمکدار ستارے (آسمان کی) راوٹی پر دمبدم (سورج کے آگے) ماند پڑجانے میں مبتلا ہیں۔

ماہ کو افروزد اختر در جمال شد ز رنج دق او ہمچوں ہلال

لغات اختر افروختن خوش نصیب ہونا۔ **صنائع** ماہ اختر ہلال متناسبات ہیں۔ ہلال استعارہ ہے لاغر سے۔

ترجمہ چاند خوبصورتی میں روشن اختر ہے۔ وہ بھی دق کی بیماری سے ہلال کی طرح (لاغر) ہے۔

مطلب۔ چاند جو پندرھویں تاریخ سے گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ اس کو دق کے مریض سے تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ وہ بھی روز بروز گھلتا اور لاغر ہوتا جاتا ہے۔ صائب رحمہ

مہ تمام ہلال وہلال شد مہ بدر بیک قرار کہ در روزگارے ماند

اجرام فلک کے تغیرات وانقلابات کے ذکر کے بعد اب زمین۔ کوہ و دریا اور عناصر کا ذکر کرتے ہیں۔

ایں زمین با سکون و با ادب اندر آرد زلزلہ اش در لرز و تب

ترجمہ یہ زمین (کیسی) باسکون و باادب (ہے) زلزلہ اس کو (بھی) تپ لرزہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اے بسا کہ زیں بلائے مردہ ریگ گشتہ ہست اندر جہاں او خوردہ ریگ

لغات کہ مخفف ہے کوہ کا مردہ ریگ بضم میم ویائے مجہول مُردے کا مال۔ ناچیز۔ فرومایہ۔ خوردہ باریک۔

ترکیب بلائے مردہ ریگ میں ترکیب اضافی نہیں ہے۔ ورنہ معنی میں تکلف کرنا پڑیگا۔ بلکہ زیں بلائے متعلق جملہ ہے۔ بلا کی یا تفخیم کے لئے ہے۔ اور بسا کوہ مبتدا مردہ ریگ اس کی خبر اور کلمہ ربط محذوف ہے۔

ترجمہ اے مخاطب! بہتیرے پہاڑ اس بلائے عظیم سے ناچیز بنگئے اور (پس پس کر) باریک ریت (کی طرح) ہو گئے۔

ایں ہوا با روح آمد مقترن چوں قضا آید وبا گشت و عفن

لغات مقترن نزدیک۔ مناسب وبا عام پھیلنے والا مرض عفن۔ متعفن۔ گندا۔ سڑا ہوا۔
ترجمہ یہ ہوا (جو) روح کا ساتھ دے رہی ہے۔ جب قضا آتی ہے۔ (تو) وبا بنجاتی اور گندی ہو جاتی ہے

مطلب ضروریات حیات میں ہوا سب سے مقدم اور زیادہ ضروری ہے۔ اگر طعام نہ ملے۔ تو انسان آٹھ دن تک نہیں مرتا۔ اگر پانی نہ ملے۔ تو تین دن تک اس کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن اگر سانس لینے کے لئے ہوا نہ ملے۔ تو انسان چند منٹ میں مرجائے۔ غرض جو ہوا تنفس کے ذریعہ سے انسان کی قوت روح اور معاون زندگی ہے۔ بقول حضرت سعدی "ہر نفسیکہ فرو مے رود ممد حیات است" تماشائے قدرت یہ ہے۔ کہ وہی ہوا متعفن ہوکر وبا کی صورت اختیار کرتی ہے۔ اور انسان کے خرمن حیات کے لئے برق خاطف ثابت ہوتی ہے۔

آب خوش کو روح را ہمشیرہ شد در غدیرے زرد و تلخ و تیرہ شد

لغات ہمشیرہ۔ بھائی۔ بہن۔ غدیر۔ جوہڑ۔ تالاب تیرہ گدلا۔ مکدر۔
ترجمہ خوشگوار پانی جو روح کا بھائی بن گیا ہے (قضا سے یہ بھی) جوہڑ میں (پڑا پڑا) زرد اور تلخ اور گدلا ہو گیا۔

مطلب۔ انسان کی ضروریات زندگی میں ہوا سے دوسرے درجہ پر پانی ہے۔ مگر وہ بھی مکدر و متعفن ہو کر بجائے معین صحت ہونے کے مضر صحت بن جاتا ہے۔

آتشے کو باد دارد در بروت ہم یکے بادے برو خواند تموت

لغات باد در بروت داشتن مغرور ہونا **صنائع** آتش و باد میں مناسبت ہے۔
ترجمہ آگ جو ہوا سے مونچھ پھلائے ہوئے ہے (یعنی بڑی مغرور ہے) ہوا ہی کا ایک جھونکا اس کے لئے پیغام فنا ہے۔

خاک کو شد مایۂ گل در بہار ناگہاں بادے برارد زو دمار

لغات دمار برآوردن۔ ہلاک کر دینا۔ تباہ کرنا۔ ترجمہ (سبزہ زار کی) زمین جو موسم بہار میں سب کی مایۂ (شادمانی) ہے۔ اچانک باد (خزاں) اس کا ستیا ناس کر جاتی ہے۔ حافظ رحمہ سے

رسم بد عہدی ایام چو دید ابر بہار گریہ اش بر سمن و سنبل و نسریں آمد

حال دریا زاضطراب و جوش او فہم کن تبدیلہائے ہوش او

لغات۔ اضطراب دریا دریا کا موجزن ہونا ۔ تبدیل ہوش حواس باختگی۔
ترجمہ دریا کا حال (دیکھو اس کی) بیقراری اور جوش سے اس کی بدحواسی معلوم کر لے۔

چرخ سرگرداں کہ اندر جستجوست حالِ او چوں حالِ فرزندانِ اوست

ترجمہ سرگرداں آسمان جو (اپنی مسلسل حرکت کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا کسی) جستجو میں ہے۔ اس کا حال بھی اس کی اولاد (موالید ثلاثہ) کی طرح ہے۔
مطلب اوپر اربعہ عناصر اور موالید ثلاثہ یعنی حیوانات و نباتات و جمادات کے انقلاب تغیرات کا ذکر تھا۔ اب فرماتے ہیں۔ کہ خود آسمان بھی جس کی آغوش تاثیرات میں ان چیزوں کی نشو و نما ہوتی ہے۔ اس قسم کے انقلابات کا نشانہ بنا ہوا ہے۔

گہ حضیض و گہ میانہ گاہ اوج اندرو از سعد و نحسے فوج فوج

لغات اوج۔ حضیض۔ میانہ۔ اہل ہیئت کہتے ہیں کہ ساتوں ستارے ایک دائرہ پر حرکت کرتے ہیں۔ اور اس دائرہ کا مرکز ایک نقطہ ہے۔ جو فلک الافلاک کے مرکز سے اوپر ہے اور وہی زمین کا مرکز ہے۔ اور اس دائرے پر ایک نقطہ فلک الافلاک کے مرکز سے ابعد ہے۔ اور ایک نقطہ اس سے اقرب ہے۔ نقطہ ابعد کو اوج کہتے ہیں اور نقطہ اقرب کو حضیض کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ نقطے اس دائرے پر ہیں کہ فلک الافلاک کے مرکز سے ان کا بعد اس قدر ہے جس قدر وہ اس دائرے کے مرکز سے دور ہیں۔ ان دونوں نقطوں کو اوسط کہتے ہیں۔ مولانا نے اوسط کو بضرورت شعری بطور ترجمہ میانہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ سعد نیک نیلیگی مبارک ستارے۔ مثلاً مشتری و زہرہ وغیرہ۔ منازل قمر میں سے بائیسویں منزل اور وہ دو ستارے ہیں جدی کے سینگوں پر۔ اور ایک ستارہ ان دونوں ستاروں کے پاس اور ہے۔ جس کو شاۃ سعد کہتے ہیں یعنی سعد کی بکری گویا سعد۔ اس بکری کو ذبح کر رہا ہے۔ اسی واسطے اس کو سعد ذابح بھی کہتے ہیں نحس نامبارک۔ منحوس ستارے۔ مثلاً زحل اور مریخ وغیرہ فوج فوج یعنی کثیر۔
ترجمہ (اور فلک کا تغیر یہ ہے کہ اس کی حرکت سے) کبھی نقطہ حضیض (پیدا ہوتا ہے) کبھی بعد اوسط۔ کبھی اوج۔ اور اس (فلک) کے اندر سعد و نحس (ستاروں کی) کثرت ہے۔

گہ شرف گاہے صعود و گہ فرح گہ وبال و گہ ہبوط و گہ ترح

لغات شرف بلندی اہل نجوم کی اصطلاح میں ہر برج ایک خاص ستارے کے لئے خانہ شرف ہے۔ چنانچہ برج حمل سورج کے لئے خانہ شرف ہے۔ صعود اوپر چڑھنا۔ حضیض سے اوج کی طرف ستارے کی حرکت کرنا ہبوط ہا اور یا کے ضمہ سے اترنا۔ اہل نجوم کی اصطلاح میں ستاروں کی خاص منازل کا نام ہے جہاں ان ستاروں کا پہنچنا ان کے منسوبات کی پستی و تنزل کی دلیل ہے۔ جیسے کہ آفتاب کا محل ہبوط میزان ہے۔ اور قمر کا محل ہبوط عقرب ہے۔ فرح خوشی۔ اہل نجوم کی اصطلاح میں کسی خاص برج کو کسی خاص ستارے کا خانہ فرح کہتے ہیں۔ مثلاً حمل خانہ فرح ہے عطارد کا۔ ترح فرح کی ضد ہے۔ نجومیوں کے نزدیک ہر ستارے

کا تنزّل اس کے خانہ فرح سے ساتویں برج میں ہوتا ہے۔ جیسے عطارد کا خانہ ترح میزان ہے۔ جو حمل سے ساتواں بُرج ہے۔ وبالؔ سختی۔ دشواری نجومیوں کی اصطلاح میں کسی ستارے کا اپنے بُرج کے مقابل یعنی ساتویں بُرج میں آنا جیسے آفتاب کا برج اس کی حرارت مزاج کی مناسبت سے اسد ہے۔ پس دلو جو اسی سے ساتواں بُرج ہے اس کا خانہ وبال ہے۔

ترجمہ (اور ان ستاروں کو) کبھی شرف (حاصل ہوتا ہے) کبھی صعود اور کبھی فرح کبھی وبال اور کبھی ہبوط اور کبھی ترح۔

فائدہ کواکب کی سعادت ونحوست کے اعتقاد کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ جس میں عدم احتیاط روا رکھنا آدمی کو شرک وکفر میں مبتلا کرسکتا ہے۔ مفتاح العلوم کے حصّۂ اول میں اسپر مفصل بحث کی جاچکی ہے۔

از خود اے جزوے زکلہا مختلط فہم مے کن حالتِ ہر منبسط

لغات ۔ مختلط ۔ مرکب ۔ منبسط بسیط ۔ مفرد۔

ترجمہ اے (مخاطب تو جو) جزو (ہے اور) کئی امور کلیہ سے مرکب (ہے) تو اپنی حالت سے ہر مفرد (جز) کی حالت کو سمجھ لے۔

مطلب ۔ اوپر عناصر کے تغیّر کا ذکر تھا۔ جن کو امور کلیہ یا اصول کہتے ہیں۔ کیونکہ تمام اجسام ان سے مرکب ہیں۔ گویا اجسام ان کی جزئیات اور وہ اجسام کی کلیات ہیں۔ اور انسان بھی انہی کلیات کی ایک جزئی ہے۔ لہٰذا فرماتے ہیں۔ کہ اے انسان جو امور کلیہ یعنی عناصر سے مرکب ہے۔ اپنے تغیر احوال سے اپنے اجزا یعنی آب و خاک و باد و آتش کے تغیر کا حال سمجھ لے۔ جن سے تو مرکب ہے۔ انسان کا تغیر تو ظاہر ہے۔ کہ قطرۂ آب سے مضغۂ گوشت بنا۔ روح کی معیت ہوئی۔ بچہ بن گیا۔ جوان ہوا۔ بڑھاپے کو پہنچا۔ آخر موت آئی۔ تو روح جدا ہوگئی۔ اور جسم مٹی میں مل گیا۔ اسیطرح اسکے اجزاے جسم بھی جنکو عناصر کہتے ہیں۔ تغیرات کا تختۂ مشق ہیں۔ پرانی تحقیقات کی رو سے انسان کے عناصر جسم صرف چار ہیں۔ مگر تحقیقات جدیدہ سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ تقریبًا سولہ اشیاء سے انسان کا جسم بنا ہے۔ جن میں سونا چاندی۔ تانبا۔ لوہا۔ گندھک بھی شامل ہیں۔ تغیر اجزا۔ کے سمجھنے کے لئے مثال کے طور پر فولاد کو لو۔ جو انسان کا جزو جسم ہے۔ انسان کے تندرست بدن میں فولاد کی ایک خاص معین مقدار موجود رہتی ہے۔ کبھی وہ مقدار کم ہوجاتی ہے۔ تو بدن زرد، جگر خراب، قوت کم، ہاضمہ ضعیف ہوجاتا ہے۔ کچھ اور فولاد جو کبھی معدن میں مٹی کے ساتھ مخلوط پڑا تھا۔ پھر اسپر صفائی اور نکھار کا عمل ہوا۔ خالص فولاد کی شکل میں آیا۔ کوٹ پیٹ کر باریک کیا گیا۔ بعض جڑی بوٹیوں کے ساتھ ملکر آگ میں پڑا۔ کشتہ ہوا۔ پھر بعض دواؤں کے ہمراہ مرکب بنا۔ طبیب کی تجویز سے اس مریض کے پیٹ میں گیا۔ ہضم ہوا۔ خون میں ملا۔ جسم کے فولاد کی کمی اس سے پوری ہوئی۔ مریض کی حالت اچھی ہونے لگی۔ خون سُرخ اور جسم توانا ہوگیا۔ دیکھو اس فولاد نے کتنی مرتبہ مٹی پانی آگ اور ہوا کی سیر کی۔ اور کس قدر تغیرات کی منزلیں طے کیں۔ یہی حال باقی اجزاے جسم کا ہے

سوال ۔ اس شعر اور اس کی تشریح میں پہلے تو عناصر کو کلیات کہا ہے۔ پھر انہی کو منبسط یعنی اجزا کہا ہے۔ کیا اس میں تعارض نہیں ؟

انسان کا تغیر

جواب - عناصر یعنی آب، خاک و باد و آتش تمام اجسام میں مشترک ہیں - اس عموم اشتراک کے لحاظ سے وہ امور کلیہ ہیں - لیکن کوئی خاص جسم جس آب و خاک اور باد و آتش سے مرکب ہے - وہ اس جسم کے اجزا ہیں - اور یہی اجزاء ان امور کلیہ کی جزئیات ہیں - فلا تعارض پہلے جو عناصر کے تغیرات کا ذکر کیا تھا - وہ عام تغیرات تھے جن کا تعلق ان امور کلیہ سے یا اکائیہ تھا - اب یہاں ان تغیرات کی طرف اشارہ ہے - جو خاص انسان کے اجزاء جسم پر وارد ہوتے ہیں - و بینہما بون بین -

چوں نصیبِ مہتراں دردست و رنج ۔۔۔ کہتراں را کے تواند بود گنج

ترجمہ جب بڑے لوگوں کی قسمت (میں) درد و رنج (لکھا) ہے - تو چھوٹے لوگوں کے حصے میں (خوشی کا) خزانہ کب آئے -

مطلب مہتراں سے مراد اصول اور امور کلیہ ہیں - اور کہتراں سے مقصود فروع اور امور جزئیہ ہیں - چنانچہ نیچے کے شعر میں اس اشارہ کی توضیح کی ہے -

چونکہ کلیات را رنج ست و درد ۔۔۔ جزو ایشاں چوں نباشد روئے زرد

ترجمہ جب کلیات (تغیرات و انقلابات کے) رنج و درد میں مبتلا ہیں - تو ان کی جزئیات کیوں نہ زرد رو (یعنی متغیر) ہوں -

خاصہ جزوے کو ز اضداد ست جمع ۔۔۔ ز آب و خاک و آتش و باد ست جمع

ترجمہ خصوصاً ایسی جزئی (تو بہت ہی تغیرات کا مورد ہو سکتی ہے) جو مخالف اجزا سے مرکب ہو (یعنی) پانی - مٹی - آگ اور ہوا کا مجموعہ ہو -

مطلب - جب کلیات مورد تغیرات ہیں - تو جزئیات کیوں نہ ہوں - خاصکر ایسی جزئیات جو اضداد کا مجموعہ ہیں - یعنی انسان -

سوال مشہور تو یہ ہے کہ اجتماع اضداد محال ہے - مگر یہاں مذکورہ جزئیات میں اجتماع اضداد کا وقوع تسلیم کیا ہے -

جواب اجتماع اضداد کا محال ہونا اس لحاظ سے ہے - کہ ایک چیز پر ایک وقت میں متضاد امور صادق نہیں آ سکتے - مثلاً ایک چیز ایک ہی وقت سیاہ اور سفید نہیں ہو سکتی - یہاں یہ بات نہیں - یہاں دو متضاد چیزوں کا اکٹھا ہونا مقصود ہے - چنانچہ یہ محال نہیں ہے کہ دو سیاہ اور سفید چیزیں اکٹھی ہو جائیں +

ایں عجب نبود کہ میش از گرگ جست ۔۔۔ ایں عجب کیں میش دل در گرگ بست

لغات میش بھیڑ - گرگ بھیڑیا - جست از جستن - کودنا - بھاگ جانا -

ترجمہ یہ بات (موجب) تعجب نہیں - کہ بھیڑ بھیڑیے سے بھاگ نکلی (بلکہ) تعجب (کی بات) اگر تو یہ ہے - کہ بھیڑ نے بھیڑیے کے ساتھ دل لگا لیا -

مطلب انسان آب آتش اور باد وخاک سے مرکب ہے۔ اگر ان متضاد و مخالف عناصر میں کشمکش واقع ہو جائے تو تعجب کی بات نہیں۔ بلکہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ان عناصر میں اتفاق کیونکر ہے۔ اس شعر میں خوف موت کا علاج مضمر ہے یعنی انسان کا مرنا اور دنیا کو چھوڑ جانا محل تعجب نہیں۔ بلکہ زندہ رہنا موجب حیرت ہے۔ لہذا زندگی کو ناپائدار و ناقابل اعتبار سمجھنا چاہیئے۔ اور مرنا ایک طبعی اور فطری امر ہے۔ اس سے ڈرنا اور گھبرانا نہیں چاہیے۔ لسان العصر رحمہ

ع موت سے ڈرنا بشر کا اک خیال خام ہے　　اصل فطرت میں فقط آرام ہی آرام ہے

زندگانی آشتی ضدّہا ست　　مرگ آں کاندر میاں شاں جنگ خاست

لغات - آشتی صلح - دوستی - اتحاد - مناسبت۔

ترجمہ (انسان کی) زندگی کیا ہے؟ مخالف چیزوں کا باہم تعلق ہے (اور) موت یہ (ہے) کہ ان (مخالف) چیزوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔

مطلب - اوپر کے شعر میں جو زندگی کو ناپایدار اور ناقابل اعتبار فرمایا تھا۔ اب اس دعوی کی دلیل پیش کرتے ہیں۔ جس کا پہلا مقدمہ یہ ہے۔ کہ زندگی کا مدار اس پر ہے کہ اس کے عناصر جسم میں اتفاق واتحاد ہے۔ دوسرا مقدمہ آگے آئیگا۔

صلح اضداد ست ایں عمر جہاں　　جنگ اضداد ست عمر جاوداں

ترجمہ (یا یوں کہو کہ) یہ دنیوی زندگی مخالف چیزوں کی (باہمی) صلح ہے (اور) ان مخالف چیزوں کی جنگ ابدی زندگی ہے۔

مطلب - یہ اسی مقدمہ اولی کا دوسرے الفاظ میں اعادہ ہے۔ عمر جاوداں یعنی ابدی زندگی کے لفظ سے یہ نکتہ نکلتا ہے کہ یہاں جسم سے انسانی جسم مراد ہے یعنی مرنے کے بعد انسان ہی ابدی زندگی پاتا ہے۔ موالید ثلاثہ کی دیگر اقسام کے لیے موت کے بعد حیات مستمر ثابت نہیں کیونکہ انسان صرف ان عناصر اربعہ سے ہی مرکب نہیں۔ جو دیگر مخلوقات کی ترکیب جسمانی میں بھی داخل ہیں۔ بلکہ اس میں ان اجزاے اربعہ کے علاوہ جو عالم خلق سے ہیں۔ عالم امر کے اجزا بھی شامل ہیں جن کو لطائف کہتے ہیں (دیکھو اس کتاب کی جلد اول) یہی وجہ ہے کہ اس کے اجزا کا افتراق عمر جاوداں کا موجب ہے۔ کیونکہ محض ان اجزاے اربعہ کا افتراق عمر جاوداں کو مستلزم نہیں۔ یہ افتراق تو غیر انسان مخلوقات میں بھی پایا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کے لیے ابدیت مسلم نہیں۔ بعض شارحین نے اس شعر میں عمر بعین مہملہ کی بجائے غمر بغین معجمہ نقل کیا ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہونگے "اور ان مخالف چیزوں کی جنگ ہمیشہ کے لیے دریائے عدم کا ڈوباؤ ہے" یعنی آدمی مرجاتا ہے۔

زندگانی آشتی دشمناں　　مرگ وا رفتن باصل خویش داں

ترجمہ (یا یوں کہو کہ) ان عنصری) دشمنوں کی صلح (ہماری) زندگی ہے (اور ان کا) اپنے اصل کی طرف چلے جانا (ہماری) موت (ہے)

مطلب - یہ بھی اس مقدمہ اولی کا تیسرے پیرایہ میں اعادہ ہے۔ یعنی جب انسان مرجاتا ہے۔ تو روح

خوف موت کا علاج

انسان کی ابدی زندگی

اپنے مقام میں چلی جاتی ہے۔ اور اجزائے جسم آب و خاک و باد و آتش اپنے اپنے معادن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

صلح دشمن وار باشد عاریت دل بسوئے جنگ دارد عاقبت

ترجمہ (اور یہ عناصر کی صلح) دشمن (کی صلح) کی طرح عارضی ہوتی ہے۔ (جو) آخر الامر جنگ کی طرف مائل رہتا ہے۔

مطلب ۔ یہ زندگی کی ناپائداری کے استدلال کا مقدمہ ثانیہ ہے۔ جس کے متعلق اوپر اشارہ کیا گیا تھا۔ ترتیب مقدمتین قیاس حملی کی شکل اول میں یوں ہے۔ زندگی صلح اضداد پر موقوف ہے۔ اور صلح اضداد عارضی و چند روزہ ہوتی ہے جس کا نتیجہ آخر تقریر میں یہ نکالیئے۔ کہ زندگی چند روزہ ہے۔ سعدی رح ؎

چار طبع مخالف و سرکش چند روزے بوند باہم خوش
گر یکے زیں چہار شد غالب جان شیریں برآید از قالب
لاجرم مرد عارف کامل ننہد بر حیات دنیا دل

روز کے چند از برائے مصلحت باہمند اندر وفا و مرحمت

لغات روزکے میں کاف تصغیر کے لئے ہے۔ باہمند باہم اند ہے۔ مرحمت مہربانی۔ عنایت۔ شفقت۔ مراد اتفاق

ترجمہ (یہ اضداد) چند روز کے لئے کسی (خاص) مصلحت سے ایک دوسرے کے ساتھ مسالمت اور ملاپ رکھتے ہیں۔

مطلب ۔ عناصر جسم جو باہم اضداد کی نسبت رکھتے ہیں۔ اس مصلحت سے آپس میں متحد و مجتمع ہیں کہ انسان کا محل عمل دنیا یعنی عالم اجسام ہے اور جب قدرت الٰہیہ کا تقاضا ہوا۔ کہ انسان حسب استعداد اعمال بجالاۓ تو اس کو دنیا میں بھیجا گیا۔ جہاں ایسے اعمال کا اکتساب جن پر جزا و سزا مترتب ہو۔ توسط جسم کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے جب تک انسان کا مرتکب اعمال ہوتے رہنا مشیت خداوندی میں مقدر ہے۔ اس وقت تک اس کا جسم صحیح و سالم اور اس کے اجزائے جسم متوافق و متحد رہتے ہیں۔ لیقضی اللہ امرًا کان مفعولا۔ صائب رح ؎

تا رسیدن بادہ را باخم مدارا لازم است
ورنہ بیزار از تن خاکی ست افلاطون ما

عاقبت ہر یک بجوہر باز گشت ہر یکے با جنس خود انباز گشت

لغات عاقبت آخر الامر۔ انجام کار۔ جوہر سے اصل مراد ہے۔ انباز۔ شامل۔ شریک۔

ترجمہ آخر ہر ایک (جزا پنے) اصل کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور ہر ایک اپنی جنس (یعنی نوع) میں جا شامل ہوتا ہے۔

مطلب ۔ اجزائے جسم کے باہم متفق رہنے سے جو مصلحت تھی۔ جب وہ پوری ہو چکی ہے تو سب اجزا منتشر و متفرق ہو کر اپنے اپنے ٹھکانے جا لگتے ہیں۔ نعمت خاں عالی فرماتے ہیں ؎

یاران زمانہ ہمچو دنداں باشند یک چند بہم رفیق و چسپاں باشند

بروند چو قفص عمر از پہلو ہم — خنداں خنداں زہم گریزاں باشند

مگر یہ افتراق ابدی نہیں۔ کیونکہ حشر میں یہی اجزا پھر دوبارہ جمع ہو کر اس جسم کی صورت اختیار کر لینگے۔ بلکہ دائمی زندگی کے حصول کے لئے ایک مرتبہ یہ افتراق ہونا شرط ہے۔

لطفِ باری ایں پلنگ و رنگ را — اِلف داد و بُرد زیشاں جنگ را

لغات۔ پلنگ۔ تیندوا۔ اس کو چیتا سمجھنا غلطی ہے۔ دیکھو غیاث اللغات۔ رنگ۔ بز کوہی۔ اِلف ہمزہ کے کسرہ سے الفت۔ خوگر ہونا۔ بُرد زائل کرد۔

ترجمہ۔ خدا کی مہربانی نے ان تیندوے اور پہاڑی بکرے (کے سے مخالف عنصروں) میں الفت ڈال دی۔ اور ان سے لڑائی رفع کر دی۔

لُطفِ حق ایں شیر را و گور را — اِلف داد ستایں دو ضد را در وفا

ترجمہ۔ خدا کی مہربانی نے ان شیر اور گورخر (کے سے مخالف عنصروں) میں (یا۔ یوں کہو کہ) ان دو متخالف چیزوں میں الفت ڈال دی۔

مطلب۔ یہ سب تمہید مقدمات تھی۔ جس کا نتیجہ نیچے نکالتے ہیں۔

چُوں جہاں رنجُور زندانی بُود — چہ عجب رنجُور گر فانی بُود

ترجمہ (غرض) جب جہان (ایسے مخالف عناصر کے مرض سے) بیمار (اور اس عالم کون و فساد کا) قیدی ہو۔ تو کیا تعجب ہے۔ اگر (ایسا) بیمار چند روز کا مہمان ہو۔

مطلب۔ حیات جسمانی کے عدم بقا اور ارتفاقات دنیا کی ناپائداری کے بیان سے مقصد یہ ہے۔ کہ طالبِ حق ان کی طرف مائل نہ ہو۔ بلکہ ان حوادث سے ان کے محدث کی طرف متوجہ ہو کر اس کی طلب میں سرگرم رہے۔ سعدی رحمہ

جہاں اے برادر نماند بکس — دل اندر جہاں آفریں بند و بس
ہمہ تخت و ملکے پذیرد زوال — بجز ملک فرمانده لایزال

حافظ رحمہ — بادستہ بدست یاد اگر دل نہی بہیچ — در معرضے کہ تخت سلیماں رود بیاد

پُرسیدنِ شیر سببِ پایٔ واپس کشیدن خرگوش را و جواب اُو

شیر کا خرگوش سے ٹھٹک رہنے کا سبب پوچھنا اور اس کا جواب

خواند بر شیر اُو ازیں رُو پندہا — گفت من پس ماندہ ام زیں بندہا

لغات۔ بند۔ قید۔ رکاوٹ۔ تدبیر۔ حیلہ۔ خیال۔

ترجمہ اس (خرگوش) نے شیر کو اس قسم کی نصیحتیں سنائیں (اور) کہا میں ان موانع (یا ان خیالات) کی وجہ سے پیچھے رہ گیا۔

شیر گفتش تو ز اسباب مرض　　این سبب گو خاص کاینستم غرض

ترکیب ۔ شعر میں تعقید لفظی ہے ۔ ترتیب الفاظ یوں ہے ۔ شیر گفتش تو بگو کہ از اسباب مرض این سبب خاص است کہ مرا غرض است ۔ ترکیب ظاہر ہے ۔ کاینستم غرض میں کاف بیانیہ ہے جس کا مبین این سبب خاص ہے ۔ اور اس صورت میں کاینستم غرض خرگوش کا قول ٹھہرے گا ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے ۔ کہ یہ کاف تعلیلیہ ہو ۔ اس صورت میں کاینستم غرض شیر کا مقولہ بن جائیگا ۔ بگو معلول ۔ اینستم غرض علت ۔

ترجمہ (۱) شیر نے اس کو کہا تو یہ بتا کہ مرض (خوف) کے اسباب میں سے یہ خاص سبب ہے کہ (جس کا مانع رفتار ہونا) میری مراد ہے۔

(۲) شیر نے اس کو کہا تو مرض (خوف) کے اسباب میں سے یہ خاص سبب (جو مانع رفتار ہو رہا ہے) بتادے کہ وہی (دریافت کرنا) میرا مقصود ہے۔

پاے را واپس کشیدی تو چرا　　میدہی بازیچہ واہی مرا

لغات بازیچہ چکمہ ۔ دھوکا ۔ واہی سست ۔ فضول ۔

ترجمہ تونے (اپنا) پاؤں پیچھے کیوں ہٹایا ۔ (کیا) تو مجھے فضول دھوکا دے رہا ہے۔

گفت آں شیر اندریں چہ ساکن ست　　اندریں قلعہ ز آفات ایمن ست

ترجمہ خرگوش بولا وہ شیر اس کوئیں میں رہتا ہے (وہ) اس قلعہ میں آفات سے امن میں ہے ۔

یار من بستد ز من در چاہ برد　　بر گرفتش از رہ و بے راہ برد

ترجمہ میرے ہمراہی خرگوش کو مجھ سے چھین کر کوئیں میں لے گیا ۔ اس کو راہ چلتے چلتے پکڑ لیا اور ناجائز طور پر لے گیا ۔

قعر چہ بگزید ہر کو عاقل ست　　زانکہ در خلوت صفاہائے دل ست

ترجمہ (اے طالب!) جو عقلمند ہے اس نے کوئیں کی گہرائی (کی اقامت) اختیار کرلی ۔ کیونکہ تنہائی میں دل کی صفائیاں (حاصل ہوتی) ہیں ۔

مطلب ۔ کوئیں کے اندر شیر کے اقامت گزیں ہونے کی مناسبت سے مولانا بیان عزلت کی طرف انتقال فرماتے ہیں ۔ یعنی عزلت کو اہل عقل اختیار کرتے ہیں ۔ کیونکہ وہ مہذب نفس اور مصفی باطن ہے ۔

حافظ رحمہ

کنج عزلت کہ طلسمات عجائب دارد
فتح آں در نظر ہمت درویشان ست

ظلمتِ چہ بہ کہ ظلمتہائے خلق سر نبرد آنکس کہ گیرد پائے خلق

لغات ظلمت چہ کوئیں کی تاریکی ظلمت ہائے خلق دل کی سیاہی جو صحبتِ مخلوق سے دل پر پیدا ہو جاتی ہے۔ سر بردن سلامت رہنا۔ **صنائع** ظلمت کے کلمہ میں صنعت مشاکلہ ہے۔ اور سر اور پائے میں تضاد ہے۔

ترجمہ مخلوق کی (صحبت سے پیدا ہونے والی قلبی) تاریکیوں سے کوئیں کی تاریکی بہتر ہے۔ جو شخص خوشامد میں مخلوق کے پاؤں پکڑتا ہے۔ اس کا سر سلامت نہیں رہتا۔

مطلب ان دونوں شعروں میں عزلت کی فضیلت کا بیان ہے۔ مگر عزلت کا افضل یا غیر افضل ہونا ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ چونکہ عزلت و یکسوئی سے مقصود یہ ہے۔ کہ نسبت قلبیہ مع اللہ حاصل ہو۔ اور صحابہ کو بوجہ فیضان صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشاغل اختلاط اس یکسوئی سے مانع نہ تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ یعنی وہ لوگ ایسے ہیں۔ کہ ان کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتی۔ سعدی رح ؎

گرت مال و جاہ ست و زرع و تجارت چو دل با خدا یست خلوت نشینی

صائب رح ؎ چو غنچہ ہر کہ بوحدت سرائے دل رہ برد حضور گوشہ خلوت در انجمن دارد

اس لئے صحابہ میں اس کے متعلق کوئی بحث و تکرار نہ تھی۔ اس کے بعد تابعین میں اختلاف پیدا ہوا۔ احیاء العلوم میں لکھا ہے۔ کہ عزلت کو پسند کرنیوالے اور صحبت و مخالطت پر اس کو ترجیح دینے والے یہ حضرات ہیں۔ سفیان ثوری۔ ابراہیم بن ادہم۔ داؤد طائی۔ فضیل ابن عیاض۔ سلیمان الخواص۔ یوسف ابن اسباط۔ حذیفۃ المرعشی۔ بشر الحافی رضی اللہ عنہم۔ اکثر تابعین صحبت و مخالطت و تکثیر تعارف اور توسیع اخوت کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ کہ اس سے اہل اسلام میں محبت بڑھتی ہے۔ تعلقات استوار ہوتے ہیں۔ اور اعانت دین کے اسباب میسر ہوتے ہیں۔ اس جماعت میں یہ حضرات شامل ہیں۔ سعید بن مسیب۔ شعبی۔ ابن ابی لیلی ہشام بن عروہ۔ ابن شبرمہ۔ شریح۔ شریک بن عبد اللہ۔ ابن عیینہ۔ ابن مبارک۔ شافعی۔ احمد بن حنبل۔ اور بہت سے دیگر حضرات رضی اللہ عنہم انتہیٰ۔

قول فیصل یہ ہے۔ کہ عزلت کے فوائد و غوائل میں اختلاف ایسا ہے۔ جیسے نکاح یا تجرد کی فضیلت میں اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف مختلف اشخاص کی جداگانہ حیثیات احوال سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ان کی کوئی دینی یا دنیوی غرض کسی سے متعلق نہیں ہوتی۔ اور نہ دوسرے لوگوں کی کوئی غرض ان سے وابستہ ہوتی ہے۔ یا ان کو اختلاط و مصاحبت کے خلجانات و تشویشات پر صبر کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ تو ایسے لوگوں کے لئے خلوت جائز بلکہ مستحسن ہے۔ خصوصاً ایام فتن و شرور میں۔ کما قال فی مجالس الابرار۔ لیس للعاقل فی ھذا الزمان الا التحصن بالسکوت وملازمۃ البیوت۔ یعنی آجکل عقلمند کو مناسب یہی ہے۔ کہ چپ اور خاموش اور گھروں میں روپوش رہے۔ احادیث میں جو عزلت و خلوت کی ترغیب آئی ہے۔ وہ انہی حالات پر محمول ہے۔ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بھا شعف الجبال ومواقع القطر یفر بدینہ من الفتن۔ رواہ البخاری

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنقریب وہ زمانہ آنیوالا ہے۔ کہ مسلمان کا سب سے اچھا مال بکریاں ہوں گی۔ جن کو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقاموں میں لئے پھرے گا۔ اپنے دین کو سلامت رکھنے کے لئے فتنوں سے بھاگے گا۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے (مشکوٰۃ) غنی رح سہ

زدست انداز دشمن نیست غم خلوت گزیناں را ۔۔۔ کہ بیم آستیں نبود چراغ زیر داماں را

جامی رح سہ زابنائے دہر وقت کسے خوش نمے شود ۔۔۔ خوش وقت آنکہ معتکف کنج عزلت ست

صائب رح سہ آسودگی بگوشۂ عزلت نشستن ست ۔۔۔ سر رشتۂ امید ز عالم گسستن ست

پہلو تہی نمودن روشندلاں ز خلق ۔۔۔ بر روئے زنگیاں در آئینہ بستن ست

لیکن جس شخص کو دوسرے لوگوں سے کوئی حاجت دینی مثلاً علوم ضروریہ حاصل کرنے کی ضرورت ہو۔ یا دنیوی ضرورت ہو۔ مثلاً طلب معاش و نفقہ عیال جبکہ وہ توکل پر قادر نہ ہو یا خود لوگوں کو اس کی طرف دینی یا دنیوی احتیاج ہو۔ تو اس کے لئے خلوت و عزلت درست نہیں۔ اور بعض احادیث سے جو خلوت کی نفی ثابت ہے وہ اسی قسم کی صورتوں پر محمول ہے۔ چنانچہ احیاء العلوم میں یہ روایت درج ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہ قال غزونا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمررنا بشعب فیہ عیینۃ طیبۃ الماء فقال واحد من القوم لو اعتزلت الناس فی ھذا الشعب و لن افعل ذلک حتی اذکرہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تفعل فان مقام احدکم فی سبیل اللہ خیر من صلاتہ فی اھلہ ستین عاما الحدیث۔ یعنی حضرت ابوہریرۃ رضہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جہاد پر گئے۔ تو ہم ایک غار کے پاس سے گذرے۔ جس میں پاکیزہ پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ تھا۔ تو لوگوں میں سے ایک نے کہا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ لوگوں سے جدا ہو کر اس غار میں ٹھکانا کروں۔ اور میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا ذکر کئے بدون ایسا نہیں کر سکتا۔ تو آپ نے فرمایا۔ ایسا مت کرو۔ کیونکہ ایک شخص کا اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں (مسلمانوں کے ہمراہ) کھڑا ہونا (لوگوں سے کنارہ کر) اپنے عیال میں ساٹھ برس تک نماز پڑھتے رہنے سے افضل ہے۔ الخ۔ نظامی رح سہ

نہ گوگرد سرخی نہ لعل سپید ۔۔۔ کہ جوینده باشد ز تو نا امید

بمردم در آمیز گر مردمی ۔۔۔ کہ با آدمی خوگر ست آدمی

عزلت کے مستحسن یا غیر مستحسن ہونے کی صورتیں ایسی حالت میں ہیں جبکہ اس کو بطور عادت علی الدوام اختیار کیا جائے۔ لیکن سلوک و طریقت کے مبتدی کے لئے اصلاح قلب اور صفائے باطن اس کے بغیر ناممکن ہے۔ صحابہ کرام کے قلوب صافیہ اور نفوس زاکیہ تو بوجہ برکات عہد اس کے محتاج نہ تھے۔ کما قلنا آنفا۔ مگر اس زمانے کے لوگوں کے لئے طریق سلوک کی پہلی منزل عزلت ہے۔ جس کے بغیر چارہ نہیں۔ سعدی رح سہ

کسے گیرد آرام دل در کنار ۔۔۔ کہ از صحبت خلق گیرد کنار

صائب سہ زنگ صحبت را بخلوت میتواں از دل زدود ۔۔۔ زندگانی در جہاں بے گوشۂ دل مشکل ست

اور اسی کی طرف مولانا کا اشارہ ہے۔ کہ زانکہ در خلوت صفاہائے دل ست۔ کیونکہ تصفیہ دل کی غرض سے مبتدی ہی خلوت اختیار کریگا۔ بخلاف دوسرے لوگوں کے کہ ان کی خلوت سے غرض اجتناب فتن و احتراز شرور وغیرہ ہوتی ہے۔

گفت پیش آ زخم او را قاہرست
تو ببیں کاں شیر در چہ حاضرست؟

لغات زخم چوٹ - وار - حملہ . قاہر غالب - زبردست کاں کہ آں۔

ترجمہ شیر نے کہا ذرا آگے تو آ۔ میں ابھی اس پر بلا کی چوٹ کرتا ہوں۔ تو (انتا) دریافت کر لے۔ کہ آیا وہ شیر کوئیں میں موجود ہے؟

گفت من سوزیدہ ام زاں آتشی
تو مگر اندر برِ خویشم کشی

لغات - سوزیدن سوختن - آتشی آتش مزاج بر بغل - گود

ترجمہ (خرگوش نے) کہا میں (تنہا آگے نہیں جا سکتا۔ کیونکہ میں (آتش مزاج (شیر) کا جلایا ہوا ہوں ہاں تو مجھے اپنی گود میں لے لے۔ (تو جا سکتا ہوں)

تا بہ پشتیِ توا ے کانِ کرم
چشم بکشایم بچہ در بنگرم

لغات پشتی مدد - اعانت کانِ کرم معدنِ جود بچہ درچہ تھا۔ درحرف جار موخر آیا اس کی جگہ با درج کی گئی -

ترجمہ تاکہ اے لکھ داتا میں تیری مدد سے آنکھیں کھول کر کوئیں میں نظر کروں۔

من بہ پشتیِ تو تانم آمدن
کہ نگہدارم دراں چہ بے رسن

لغات تانم توانم کا مخفف ہے

ترجمہ میں تیری (مدد کے بھروسے) پر اس کوئیں میں رسی کے بغیر نظر کر سکتا ہوں۔

مطلب سوال ہو سکتا ہے۔ کہ کوئیں میں نظر کرنے کے لئے رسی کا کیا کام؟ یا تو یہ مراد ہے۔ کہ میں تیری مدد کے بھروسے پر کوئیں کی تلاشی لینے کے لئے رسی کے بغیر بھی اس کے اندر اتر سکتا ہوں۔ لہذا نگہدارم کے بعد جملہ "فرود آیم" مقدر ماننا پڑیگا یا یہ کہ خرگوش آغوش شیر کے سہارے پر خوب جھک کر جھانکنے کو تیار ہے۔ ورنہ زیادہ جھکنے کی صورت میں گرنے کے خوف سے کسی رسی کا استمساک ضروری ہوتا۔ یا بے رسن چاہ کی صفت ہے۔ یعنی ایسا ویران وغیر معمور کا ہ جو شیر جیسی خونخوار بلاؤں کا مسکن ہے۔ ڈول رسی کا وہاں کوئی کام نہیں۔ واللہ اعلم۔

نظر کردنِ شیر در چاہ و دیدنِ عکسِ خود را و عکس آں خرگوش

شیر کا کوئیں میں نظر کرنا اور اپنا عکس اور خرگوش کا عکس اس میں دیکھنا

چونکہ شیر اندر برِ خویشش کشید
در پناہِ شیر تا چہ مے دوید

ترجمہ جب شیر نے اس کو اپنی بغل میں لے لیا۔ تو وہ شیر کی پناہ میں کوئیں تک دوڑتا گیا۔

چونکہ در چہ بنگریدند اندر آب — اندر آب از شیر و او درتافت تاب

لغات درتافت چمکا۔ در زائد ہے۔ تاب چمک۔ عکس آو کی ضمیر خرگوش کی طرف راجع ہے۔
ترجمہ جونہی انہوں نے کوئیں میں پانی کے اندر نظر کی۔ تو پانی میں شیر اور اس (خرگوش) کا عکس پڑا۔

شیر عکس خویش دید از آب تفت — شکل شیرے در برش خرگوش زفت

لغات دید بمعنی پنداشت سمجھا۔ گمان کیا۔ تفت گرم۔ زفت۔ فربہ۔ موٹا۔ **ترکیب** تفت حال ہے شیر سے اس کو آب کی صفت قرار دینے سے معنی میں لغویت پیدا ہو جاتی ہے۔ کما ازتکبہ بعضہم۔
ترجمہ شیر نے گرم مزاجی کی حالت میں پانی میں سے اپنے عکس کو (حریف) شیر کی شکل اور اس کی بغل میں ایک موٹا خرگوش سمجھا۔

چونکہ خصم خویش را در آب دید — مر ورا بگذاشت اندر چہ دوید

ترجمہ جب اس نے اپنے دشمن کو پانی میں دیکھا۔ تو اس (خرگوش) کو تو الگ پھینکا (اور خود) کوئیں کے اندر کود پڑا۔

در فتاد اندر چہے کو کندہ بود — زانکہ ظلمے بر سرش آئندہ بود

ترجمہ وہ اس کوئیں میں جا پڑا جو اس نے (خود) کھودا تھا۔ اس لئے کہ (اس کا) ظلم اسکے سر پر آنیوالا تھا۔
مطلب مثل مشہور ہے۔ چاہ کن را چاہ درپیش اور اسی کے ہم مضمون ایک حدیث مشہور ہے۔ مَنْ حَفَرَ لِاَخِیْہِ قَلِیْبًا اَوْقَعَہُ اللہُ فِیْہِ قَرِیْبًا یعنی جو شخص اپنے بھائی کے لئے کنواں کھودے۔ تھوڑے دنوں میں اللہ خود اسی کو اسی کوئیں میں گراتا ہے۔ موضوعات کبیر میں لکھا ہے۔ کہ عسقلانی رح کہتے ہیں۔ مجھے اس حدیث کی اصل بالکل نہیں ملی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اسی طرح بعض یوں کہتے ہیں۔ مَنْ حَفَرَ بِئْرًا لِاَخِیْہِ وَقَعَ فِیْہِ جو شخص اپنے بھائی کے لئے کنواں کھودتا ہے۔ خود اس میں گرتا ہے۔ لیکن اس کے معنی صحیح ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مستفاد ہیں۔ وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ اور نہیں الٹ پڑتا مکر بڑا مگر اس کے کرنے والوں پر۔ جامی رح سے

دلا گوش کن از من ایں نکتۂ خوش — کہ ماندست در گوشم از نکتہ داناں
کہ ہر کو کشد تیغ نامہربانی — شود کشتۂ تیغ نامہرباناں

قال بعضہم سے
بر ستمگر بیشتر وارد اثر تیغ ستم — عمر کوتاہ از تعدی تیشہ و سیلاب را

اسی کے مطابق مولانا فرماتے ہیں۔ کہ شیر کا ظلم جو وہ نخچیروں پر کیا کرتا تھا۔ خود اسپر نازل ہونے والا تھا۔ مگر واضح ہے کہ یہ ظلم حقیقی نہیں۔ بلکہ اضافی ہے یعنی نخچیروں کے حق میں تو بیشک اس کا اثر مثل ظلم کے ہے۔ لیکن چونکہ شیر خود بحکم دین و شریعت یا بمقتضائے فطرت و طبیعت ترک ایذا پر مکلف و مامور نہیں ہے۔ لہذا یہ فعل اس کی اپنی حالت کے لحاظ سے ظلم نہیں ہے۔ درندوں کے اس فعل کے ظلم نہ ہونے کی ایک اور دلیل ہو یعنی

موذی جانوروں کا قتل قبل از ایذا ایک امر مشروع ہے اور اس کی مشروعیت بتا رہی ہے۔ کہ سباع و حشرات الارض کا پھاڑ کھانے یا کاٹ کھانے کا فعل ظلم وجور کی قبیل سے نہیں۔ ورنہ صرف وقوع ایذا کے بعد بطور جزائے جرم ان کو قتل کرنا مشروع ہوتا۔ مگر چونکہ ان کا فعل خود ان کے لئے کوئی جرم نہیں۔ اس لئے ان کا قتل کیا جانا وقوع جرم پر موقوف نہیں۔ بلکہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے۔ اس کی مصلحت کے لئے ان کا قتل اصولاً جائز رکھا گیا ہے۔ خواہ اُن سے وقوع ایذا ہو یا نہ ہو۔

چاہِ مُظلم گشت ظُلمِ ظالماں　　اینچنیں گُفتند جُملہ عالماں

لغات ۔ مظلم تاریک۔

ترجمہ ۔ ظالموں کا ظلم تاریک کنواں ہے۔ تمام عالم ایسا ہی فرماتے ہیں۔

مطلب ۔ ظلم خود ظالم کے لئے ہولناک جزا کا موجب بن جاتا ہے۔ سعدی رح ؎

ستمگر جفا بر تنِ خویش کرد　　نہ بر زیر دستان درویش کرد
بسے بر نیاید کہ بنیاد خود　　بکند آنکہ بنہاد بنیادِ بد

ہر کہ ظالم تر چہش با ہول تر　　عدل فرمودست بدتر را بتر

لغات چہش چاہِ او بتر بدتر کا مخفف ہے۔

ترجمہ جو زیادہ ظالم ہے۔ اس کا (جزا و سزا کا) کنواں بھی زیادہ ہولناک ہے۔ چنانچہ انصاف کا تقاضا ہے۔ کہ اینٹ کا جواب پتھر ہو۔

مطلب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کسی برائی کا بدلہ اس کے برابر ہو۔ دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ یعنی اور ہم نے توریت میں یہود کو تحریری حکم دیا تھا۔ کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک۔ اور کان کے بدلے کان۔ اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ (مائدہ ع ۷) صائب رح ؎

گرچہ مجمر از ستمگاری زد آتش در سپند　　دود تلخش انتقام از دیدۂ مجمر کشید

ایکہ تو از ظُلم چاہے میکنی　　از برائے خویش دامے می تنی

لغات مے تنی صیغہ حال از تنیدن تننا (مصدر فیوض)

ترجمہ اے (غافل) تو جو ظلم کا کنواں کھود رہا ہے۔ خود اپنے لئے جال تن رہا ہے۔

مطلب جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ سعدی رح ؎

نکوکار مردم نباشد بدش　　نورزد کسے بد کہ نیک آیدش
شر انگیز ہم در سر شر رود
چو کژدم کہ در خانہ کمتر رود

بر ضعیفاں گر تو ظلمے میکنی ۔۔۔ واں کہ اندر قعر چاہِ بے بُنی

لغات قعر گہرائی۔ بے بن بے تھاہ آخر میں یائے خطاب رابط جملہ ہے۔

ترجمہ اگر تو کمزور لوگوں پر ظلم کر رہا ہے۔ تو یاد رکھ کہ تو ایسے کوئیں کی گہرائی میں (چلا جا رہا) ہے۔ جس کی تھاہ نہیں۔ سعدی رحمہ اللہ

دو کس چہ کنند از پئے خاص و عام ۔۔۔ یکے نیک محضر یکے زشت نام
یکے تا کند تشنہ را تازہ حلق ۔۔۔ دگر تا بگردن در افتند خلق
اگر بد کنی چشم نیکی مدار ۔۔۔ کہ ہرگز نیارد گز انگور بار

گرد خود چوں کرم پیلہ بر متن ۔۔۔ بہر خود چہ میکنی اندازہ کن

لغات کرم پیلہ ریشم کا کیڑا۔ متن صیغہ نہی تنیدن سے کن صیغہ امر کندن کھودنا سے۔

ترجمہ (اے غافل) تو ریشم کے کیڑے کی طرح اپنے گرد تار نہ لپیٹ (اگر) اپنے لئے (مصیبت کا) کوآں کھودتا ہے۔ تو اس کی بھی کوئی حد چاہیئے۔

مطلب ریشم کا کیڑا اپنے لعاب کا تار نکال نکال کر اپنے اوپر لپیٹتا جاتا ہے۔ جو خشک ہو کر ریشم بن جاتا ہے یہ ریشمی غلاف گویا کہانا ہے۔ جس کے اندر وہ آخر مر جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ کیڑا اپنے لعاب سے اپنی قبر تیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح تم بھی لوگوں پر ظلم و ستم کر کے اپنے لئے مصیبت کا کوآں کھود رہے ہو۔ مگر اس کی کوئی حد اور اندازہ چاہیئے۔ جس کو تم برداشت کر سکو۔ سعدی رحمہ اللہ

بیسے بر نیاید کہ بنیادِ خود ۔۔۔ بکند آنکہ بنہاد بنیادِ بد

اگر اندازہ کن میں کاف ضمہ کے ساتھ ہو تو ترجمہ اور بھی صاف ہو جاتا ہے۔ یعنی "خیال تو کر کہ تو خود اپنے حق میں مصیبت کا کنواں کھود رہا ہے" مگر قافیہ اس کی اجازت نہیں دیتا۔

مر ضعیفاں را تو بے خصمے مداں ۔۔۔ از نبی اِذْ جَآءَ نَصْرُ اللہ بخواں

لغات خصم دشمن۔ مگر یہاں کسی کی حمایت کے لئے جھگڑنے والا یا وکیل یا مالک مراد ہے۔ نبی بضم نون و کسرباء و یائے مجہول مراد قرآن مجید۔ بعض کے نزدیک نبی بفتح نون و بائے فارسی لغت فارس میں قرآن مجید کا نام ہے۔ لیکن پہلا تلفظ زیادہ مشہور ہے۔ بعض نے اس کو نبا بمعنی خبر کا امالہ سمجھا ہے۔ مگر یہ احتمال قاعدہ صرفیہ کی رو سے درست نہیں۔ کیونکہ نبا بروزن فَعَلٌ مہموز اللام ہے۔ جس کا امالہ نہیں ہو سکتا (کذا فی شرح بحر العلوم)

ترجمہ یہ نہ سمجھ کہ کمزور لوگوں کا کوئی حمایتی نہیں۔ قرآن مجید سے سورہ اذا جاء نصر اللہ پڑھ (کر دیکھ)

مطلب یہ کلمات سورہ نصر کی اس پہلی آیت سے اقتباس ہیں۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب اللہ کی مدد اور فتح آئی۔ اور تم لوگوں کو دیکھتے ہو۔ وہ فوجیں باندھ باندھ کر اللہ کے دین میں شامل ہو رہے ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب وہ مٹھی بھر مسلمان جو ادھر مشرکین مکہ کی تباہ کن سازشوں اور ادھر یہود مدینہ کی معاندانہ ریشہ دوانیوں

سے تنگ آرہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ایک ایسی غیور وبہادر اور عالی ہمت جماعت بن گئے۔ کہ جس نے مدینے کے مفسد یہودیوں کو ناک چنے چبوا دیئے۔ اور چند معرکوں میں مکہ کے مغرور و سرکش سرداروں کی عزت و مکنت کا تختہ الٹ دیا۔ اور آخر مکہ کو فتح کرنے کے لئے یہ جماعت دس ہزار بہادروں کی فوجی ترتیب کے ساتھ روانہ ہوئی۔ اور راستے میں ابو سفیان جس نے اسلام کو تباہ کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ یہ عالم دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا۔ تو فتح مکہ کے بعد اطراف عرب سے جماعتوں پر جماعتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہونے لگیں یہ سورت انہیں واقعات کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ حافظ رح

کاروانے کہ بود بدرقہ اش لطفِ خدا　　بتجمل بنشیند بجلالت برود

مولانا فرماتے ہیں کہ ظالم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح نصرت الٰہی نے ابو جہل اور امیہ ابن خلف جیسے ظالموں کا نام نشاں مٹا کر غریب مسلمانوں کا بول بالا کر دیا۔ اسی طرح ایک دن مظلوم کا ظالم سے زبردست بنچانا بعید نہیں۔ سعدیؒ

لبِ خشک مظلوم را گو مخند　　کہ دندانِ ظالم بخواہند کند

گر تو پیلی خصم تو از تو رمید　　نک جزا طیراً ابابیلت رسید

لغات - پیلی میں یائے خطاب رابط جملہ ہے۔ رمید بھاگ گیا رمیدن سے نک مخفف اینک کا۔ دیکھ۔

ترجمہ اگر تو ہاتھی ہے (اور بالفرض تیری ہیبت سے) تیرا دشمن تیرے مقابلے سے بھاگ نکلا تو دیکھ تو سہی طیراً ابابیل جزائے (اعمال بنکر) تیرے سر پر پہنچتا ہے۔

مطلب - یہ اصحابِ فیل کے قصے کی طرف اشارہ ہے۔ جنہوں نے بیت اللہ شریف کو مسمار کرنے کا قصد کیا تھا۔ اور اس غرض سے ایک قوی الجثہ اور عظیم القامت ہاتھی کو ساتھ لائے تھے۔ اور یہی ان کی وجہ تسمیہ تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے چھوٹے چھوٹے پرندوں کا ایک جھلڑ بھیجا۔ جنہوں نے غنیم پر کنکریوں کی ایسی بارش کی۔ کہ وہ لوگ برباد و تباہ ہوگئے۔ سورۃ الفیل میں یہ قصہ مذکور ہے۔ نظامی رح

چو در لشکرِ دشمن آری رحیل　　بمرغاں کشی فیل واصحابِ فیل

گر ضعیفے در زمیں خواہد اماں　　غُلغُل اُفتد در سپاہِ آسماں

لغات غلغل غین کے ضمہ سے شور وغوغا۔ جوش وخروش صنائع زمین وآسمان مناسبا ہیں۔

ترجمہ اگر کوئی کمزور زمین میں امان چاہتا ہے۔ تو (اس کی حمایت میں) جنودِ آسمان (ملاءِ اعلیٰ) میں ایک غلغلہ برپا ہو جاتا ہے۔

مطلب حجۃ اللہ البالغہ میں ایک حدیث کے یہ کلمات درج ہیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر ناراض ہوتا ہے۔ تو جبرئیل کو بلا کر کہتا ہے۔ میں فلاں بندے پر ناراض ہوں۔ تم بھی اس پر ناراض ہو جاؤ۔ تو جبرئیل بھی ناراض ہو جاتے ہیں۔ پھر آسمانوں میں منادی کی جاتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے پر ناراض ہے۔ تم بھی ناراض ہو جاؤ۔ فرشتے ہیں کہ باقی اہلِ سماء بھی ناراض ہو جاتے ہیں۔ پھر زمین میں بھی اس کے خلاف ناراضگی ڈالی جاتی ہے۔ غرض بند کے ظلم اور بدی سے عالم ملکوت میں ہلچل پڑ جاتی ہے۔ قال بعضہم

تیر سس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن　　اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

گر بدندانش گزی پُرخوں کُنی — دردِ دنداں گیردت چوں کُنی

لغات گزی صیغہ مضارع واحد مخاطب گزیدن کاٹنا سے بگیرد عارض گردد
ترجمہ اگر تو (یہ گمان رکھتا ہے کہ) اس (عاجز) کو دانتوں سے کاٹ کر لہولہان کر دیگا۔ (تو اس کے شیبی حامی کے حکم سے) تجھے درد دنداں عارض ہو جائیگا (تو پھر) کیا کریگا؟
مطلب عاجز کو اپنے ظلم سے مبتلائے درد کرنا خود اپنے لئے درد کا سامان کرنا ہے۔ کما قیل ؎

با مردم فتادہ مکن دشمنی کہ برتی — بر خرمنے نتافت کہ خود ہم فنا نشد

شیر خود را دید در چہ وز غلو — خویش را نشناخت آندم از عدو

لغات غلو زیادتی۔ حد سے تجاوز کرنا از وز غلو میں از سببیہ ہے اور از عدو میں انتزاعیہ۔
ترجمہ شیر نے اپنے (عکس) کو کوئیں میں دیکھا۔ اور اس وقت دراز دستی (کے نشے) سے اپنے آپ میں اور دشمن میں تمیز نہ کی۔
مطلب شیر کو غصے کی حالت میں حق و باطل کی تمیز نہ رہی۔ حتیٰ کہ اس نے خود اپنے عکس کو اپنا دشمن سمجھ لیا ؎

بوقت غصہ کیجئے سوچ کر بات — کہ اب جلدی میں پیش آئینگے خطرات
غضب میں قلب ہوتا ہے دھواں دھار — اندھیرے میں نہ ہونا گرم رفتار

عکس خود را او عدوے خویش دید — لاجرم بر خویش شمشیرے کشید

ترجمہ اس نے اپنے عکس کو اپنا دشمن سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود اپنے آپ پر ہی وار کر بیٹھا۔
مطلب قاعدہ ہے۔ کہ اپنے عکس یا محض عکس پر حملہ آور ہونا خود اپنے آپ پر حملہ ہے۔ صائب رہ ؎

با صاف دل مجادلہ با خویش دشمنی ست — ہر کس کشد بر آئینہ خنجر بخود کشید

اے بسا ظلمے کہ بینی در کساں — خوے تو باشد در ایشاں اے فلاں

ترجمہ اے (ظالم) اکثر ظلم جو تو لوگوں میں دیکھتا ہے۔ وہ تیری ہی صفت ہے۔ جو ان میں (سرایت کئے ہوئے) ہوتی ہے۔
مطلب مولانا اس خونخوار و جفاکار شیر کے اعمال اور انجام سے یہ ایک عام عبرت بخش نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ بعض اوقات ایک آدمی کسی پر ظلم کی تہمت لگاتا ہے۔ حالانکہ وہ عیب یا اس عیب بینی کا منشا خود اس کی اپنی ذات کے اندر موجود ہوتا ہے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے۔ کہ ایک شخص ظالم و جفاکار ہے۔ دوسرا منصف و عادل اگر وہ منصف کبھی بتقاضائے انصاف کسی پر کوئی جائز سختی عمل میں لاتا ہے۔ تو ظالم خود اپنے وصف ظلم کو تو دیکھتا نہیں الٹا اس پر ظلم کا الزام لگاتا ہے۔ چنانچہ شیر کے اندر خود ظلم و ستم کی خصلت موجود تھی۔ مگر اس نے کنوئیں کے موہوم شیر کو ظالم و ستمگر سمجھ کر اس پر دھاوا بول دیا۔ سعدی علیہ الرحمۃ ؎

کرا زشت خوے بود در سرشت ۔ نہ بیند ز طاؤس جز پائے زشت

دوسری صورت کی مثال یہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسیکو اس کے عیب پر تنبیہ کرے۔ تو وہ ناصح کو عیب گیر و بدگو سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ اس کی تنبیہ محض نصیحت و موعظت تھی۔ اور اگر غور کرتا۔ تو اس کو معلوم ہو سکتا تھا کہ ناصح میں عیب گیری و بدگوئی کا عیب نہیں۔ بلکہ مجھ میں تکبر و بزرگ باشی کا عیب ہے جس کی وجہ سے ناصح مجھ کو ان عیوب سے ملوث نظر آتا ہے۔ ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیب است ۔ گل ست سعدی و در چشم دشمناں خار است

اندر ایشاں تافتہ ہستی تو ۔ از نفاق و ظلم و بدمستی تو

لغات ہستی وجود۔ یہاں خصلت مراد ہے۔ از بیانیہ۔

ترجمہ ان لوگوں میں خود تیری خصلت نفاق ظلم و بدمستی وغیرہ نمایاں ہو رہی ہے۔

مطلب تم جو لوگوں کو منافق وظالم اور بدمست سمجھتے ہو۔ دراصل تم کو خود اپنا نفاق وظلم اور اپنی بدمستی ان میں نظر آتی ہے۔ پس عیب خود تم میں ہے۔ نہ کہ اُن میں جس طرح ایک زنگی نے آئینہ پڑا پایا تھا۔ اٹھا کر دیکھا تو اس میں بھیانک شکل نظر آئی۔ بولا یہ کیسی بدصورت چیز ہے۔ اور آئینہ کو پھینک کر چلدیا۔ مشہور فلسفی شاعر عمر خیام غفراللہ ذنوبہ کیا خوب کہتا ہے ؎

مارا چہ ازاں کہ ناکسے بد گوید ۔ زاں عیب کہ در ماست یکے صد گوید
ما آئینہ ایم و ہر کہ در ما نگرد ۔ ہر نیک و بدے کہ گوید از خود گوید

آں توئی واں زخم بر خود میزنی ۔ بر خود آں دم تار لعنت مے تنی

ترجمہ وہ (ظالم) خود تو ہی ہے اور وہ حملہ خود اپنے آپ پر کر رہا ہے۔ (اور) اس وقت خود اپنے آپ پر لعنت کا تار تن رہا ہے۔

در خود ایں بد را نمے بینی عیاں ۔ ورنہ دشمن بودۂ خود را بجاں

ترجمہ اس بدی کو تو اپنے آپ میں ظاہر نہیں پاتا۔ ورنہ (درحقیقت) تو خود اپنے آپ کا جانی دشمن ہے۔

مطلب لوگوں کے جو معائب و رذائل دیکھکر تم ان سے نفرت کرنے لگتے ہو۔ وہ خود تمہارے اپنے معائب ہیں۔ اور اُن سے نفرت کرنا درحقیقت خود اپنے آپ سے نفرت کرنا ہے۔ مگر یہ بات تم خود محسوس نہیں کرتے کہ وہ معائب تمہارے ہیں۔ کما قیل ؎

غنی رح ؎ ۔ رخ یک اصلیم عیب ما و عیب ہمہ ۔ از چہ ہمچوں موج دائم درپئے یکدیگریم
ز چشم عیب بیں عیبے نمایاں ترنمے باشد ۔ بپوشاں چشم خود از عیب خود را عیب پوشی کن

حملہ بر خود میکنی اے سادہ مرد ۔ ہمچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد

ترجمہ اے احمق تو خود اپنے آپ پر حملہ کر رہا ہے۔ جیسے کہ اس شیر نے اپنے آپ پر حملہ کیا۔

چوں بقعرِ خوے خود اندر رسی — پس بدانی کز تو بود آں ناکسی

لغات قعر دریا کی گہرائی مراد اصلیت۔ حقیقت۔ ناکسی نالائقی۔ تقصیر۔ گناہ۔

ترجمہ جب تو اپنی بری خصلت کی اصلیت کو سمجھے گا۔ تو جان لیگا۔ وہ گناہ خود تیرے اندر تھا۔

شیر را در قعر پیدا شد کہ بود — نقش او آں کش دگر کس مینمود

لغات قعر یہاں اس کے لغوی معنی یعنی کوئیں کی گہرائی مراد ہیں۔ پیدا ظاہر ترکیب بود فعل ناقص آں اس کا اسم نقش او مرکب اضافی مبین کاف بیانیہ شین بمعنی اور متعلق نمود کے۔ یہ جملہ بنکر بیان ہوا مبین و بیان ملکر خبر ہوئی۔ باقی ترکیب ظاہر ہے۔

ترجمہ (چنانچہ) شیر کو (کوئیں کی) گہرائی میں (جاکر) معلوم ہوا کہ دوسرا (شیر) جو اُسے نظر آرہا تھا۔ وہ خود اسی کا عکس تھا۔

ہر کہ دندانِ ضعیفے میکند — کارِ آں شیرِ غلط بیں میکند

لغات دنداں کندن دانت اکھیڑنا۔ کنایہ ہے دکھ دینے اور ایذا پہچانے سے۔

ترجمہ جو شخص کسی کمزور و ضعیف کو ایذا دیتا ہے۔ وہ اس شیر غلط بیں کا (سا) کام کرتا ہے۔

مطلب۔ شیر نے غریب و کمزور نخچیروں کو ہدفِ تعدی بنایا۔ پھر ایک موہوم شیر پر باوجودیکہ اس سے کوئی واقعی پیشقدمی اور تعدی سرزد ہوتی نہیں دیکھی تھی حملہ آور ہوا۔ نتیجہ یہ کہ اپنی اس خیرہ سری و چیرہ دستی کے ہاتھوں خود تباہ ہوگیا۔ سعدی رح سے

مپندار و دلہا بداغ تو ریش — کہ روزِ ببیں آیدت خیر پیش

اے بدیدہ خالِ بد بر روے عم — عکسِ خالِ تست آں از عم مرم

لغات عم چچا مرم فعل نہی رمیدن بھاگنا سے صنائع خال کے معنی ماموں کے بھی ہیں۔ اس لئے خال و عم میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

ترجمہ اے کسی (مومن) چچا کے منہ پر بدنما تل دیکھنے والے یہ تیرے ہی تل کا عکس ہے اپنے چچا سے (خواہ مخواہ) نفرت نہ کر۔ سعدی رح سے

ہمہ حمالِ عیب خویشتنید — طعنہ بر عیب دیگراں مزنید

مومناں آئینۂ یکدیگر اند — ایں خبر را از پیمبر آورند

ترجمہ مومن (لوگ) ایک دوسرے کے آئینہ ہیں۔ اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

مطلب یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف المؤمن مرآۃ المؤمن یعنی ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ جس طرح آئینے میں پوری شکل و صورت نظر آتی ہے۔ اسی طرح مومن آدمی کو اپنے دوسرے مومن بھائی کے ذریعہ سے اپنے تمام عیوب و نقائص معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور وہ اس وسیلے سے آسانی اپنے اخلاق کی اصلاح کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ بتانے والا نیک نیتی اور حسن ادا سے کام لے۔ اور سننے والے میں انصاف اور حسن قبول ہو۔ امام غزالی رح لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عمر رضہ اپنی اعلیٰ شان و منزلت کے باوجود فرمایا کرتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر مہربانی فرمائے۔ جو مجھ کو میرے عیب بتا دیا کرے۔ آپ اکثر صحابہ سے اپنے عیب دریافت کیا کرتے تھے۔ اور خوشی خوشی ان کی اصلاح کی کوشش کرتے۔ ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضہ سے پوچھا فرمائیے میری کون سی بات ایسی آپ نے سنی جو آپ کو ناپسند ہو۔ انہوں نے جواب دینے سے عذر کیا۔ مگر آپنے سخت اصرار کیا۔ تو سلمان رضہ نے کہا میں نے سنا ہے آپ نے دسترخوان پر دو سالن جمع کئے۔ پھر پوچھا کچھ اور؟ کہا میں نے سنا ہے آپنے دو پوشاکیں بنا رکھی ہیں۔ ایک دن کی پوشاک۔ دوسری رات کی۔ پھر پوچھا کچھ اور کہا اور کوئی بات نہیں۔ فرمایا بیشک آپ کا کہنا درست ہے۔ مگر میں نے ان دونوں نقصوں کو پہلے ہی رفع کر دیا ہے۔ سعدی رح ؎

پسند آمد از عیب جوئے خودم کہ معلوم من کرد خوے بدم

اوپر کے اشعار میں یہ ذکر تھا۔ کہ جو کوئی کسی کا عیب پکڑتا ہے۔ وہ عیب خود اس میں موجود ہوتا ہے۔ اس سے یہ شبہ عارض ہو سکتا ہے۔ کہ بزرگانِ دین اہل ارادت اور طالبانِ ہدایت کو ان کے عیوب ظاہری و باطنی سے آگاہ کیا کرتے ہیں۔ ان پر بھی تو یہ الزام عائد ہو سکتا ہے۔ کہ وہ عیوب خود ان میں موجود ہیں۔ مولانا اس شعر سے اس شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہاں تو عیب جو اور نکتہ چین لوگوں کا ذکر تھا۔ جن کے کلام کا منشا بغض و عناد اور شر و فساد ہوتا ہے۔ کہ ان کی نظر نفسانی ہوتی ہے۔ مگر کاملین کا مقصود محض وعظ و تذکیر اور اصلاح و تہذیب ہوتی ہے۔ اور ان کی نظر ایمانی ہوتی ہے۔ جس کا مشروط با ایمان ہونا۔ مومنان کے کلمہ سے ظاہر ہے یعنی ان کی نظر میں کوئی ذاتی غرض یا تعصب یا جہل یا غیظ و غضب نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ محض شفقت کے تقاضے سے دوسروں کے عیوب انپر ظاہر کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لیں۔ انہی اصحاب کو ایک دوسرے کا آئینہ فرمایا ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

مثنا گویاں واقف از نقصانِ خویشم کردہ اند ہمچوں عینک ساخت چشم دیگراں بینا مرا

شکوہ ؎ جز آنکس ندانم نکو گوے من کہ روشن کند بر من آہوئے من

؎ ناصح مشفق کہے جو تلخ بات اس کو پی جاؤ کہ ہے آبِ حیات

تلخ باتیں دینگی پھر آخر مزا تلخ دارو کا نتیجہ ہے شفا

پیش چشمت داشتی شیشہ کبود زاں سبب عالم کبودت می نمود

ترجمہ تو نے اپنی آنکھوں پر تاریک شیشے کی عینک لگا رکھی ہے۔ اس لئے تجھ کو تمام عالم (عیوب کی) تاریکی سے ملوث نظر آتا ہے۔

مطلب جب دیکھنے والے کی آنکھوں پر عناد و تعصب کی تاریک عینک لگی ہو۔ تو وہ مرآۃ المومن کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ یعنی ایمانی نظر سے دوسرے کے حالات نہیں دیکھ سکتا۔ بلکہ وہ اس کو غیر اصلی معائب سے

منصف دیکھے گا۔ پس بزرگانِ دین کے اظہارِ عیوب میں اور تمہارے اظہارِ عیوب میں یہی فرق ہے سعدی رحمہ ؎
نور گیتی فروز چشمۂ ہور — زشت باشد بچشمِ موشک کور

گر نہ کوری ایں کبودی دان زخویش — خویش را بد گو مگو کس را تو بیش

ترجمہ۔ اگر تو کورِ باطن نہیں ہے۔ تو اس تاریکی کو اپنے ہی طرف سے سمجھ۔ اپنے آپ کو برا کہہ آیندہ کسی اور کو برا مت کہہ +

مطلب یعنی خود تمہاری صفات ذمیمہ دوسروں کو عیب دار دکھاتی ہیں۔

مومن ار یَنظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہ نبود — عیب مومن را برہنہ چوں نمود

ترجمہ اگر مومن (حدیث) ینظر بنور اللہ (کا مصداق) نہیں۔ تو اس نے مومن کے عیب کو صاف صاف کیونکر بیان کر دیا۔

مطلب۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ۔ یعنی مومن کی فراست سے ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ تم سیاہ عینک میں سے دنیا کو تاریک دیکھتے ہو۔ بخلاف کامل الایمان مومن کے۔ جو اللہ کے نور یعنی نظر ایمانی سے دیکھتا ہے۔ اور اس کا دیکھنا صحیح اور قابل اعتماد بھی ہے۔ اگر اس کی نظر ایمانی نہ ہوتی۔ تو مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کے مطابق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ان کے نقائص من وعن بیان کر دینے کی جرأت کیونکر کر سکتے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے نقائص سننے گوارا کیے کرتے۔ مگر انہوں نے جو کہا وہ مخلصانہ خالی از غرض کہا۔ اور انہوں نے جو کچھ سنا اس کو اپنے امراض نفسانیہ کا علاج سمجھ کر سنا۔ سعدی رحمہ ؎

نصیحت کہ خالی بود از غرض — چو داروے تلخ ست دفع مرض

چونکہ تو یَنظُرُ بِنَارِ اللّٰہ بُدی — نیکوی را وا ندیدی از بدی

لغات۔ ینظر بنار اللہ اللہ کی آگ سے دیکھتا ہے۔ بُدی مخفف بُودی کا از انتزاعیہ۔

ترجمہ چونکہ تو ینظر بنار اللہ کا مصداق تھا۔ اس لئے نیکی بدی میں فرق نہ کر سکا۔

مطلب۔ نار اللہ یعنی اللہ کی آگ سے مراد صفات نفسانیہ ہیں۔ مجازاً ان کو نار کہدیا جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ جو لوگ ناحق یتیموں کا مال خورد برد کرتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹ میں بس انگارے بھرتے ہیں۔ (نساء ۲۴)

فرماتے ہیں کہ تم اپنی صفات نفسانیہ کی نظر سے لوگوں کو سراپا عیب دیکھتے ہو۔ اس لئے ان کی نیکیوں سے بالکل غافل اور خالی الذہن رہتے ہو۔ غرض یہ فرق ہے۔ نور اللہ سے دیکھنے والے اور نار اللہ سے دیکھنے والے میں۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ؎

دو کس بر حدیثے گمارند گوش — ازیں تا بداں زاہرمن تا سروش
یکے پند گیرد دگر ناپسند — نپرداز د از حرفگیری بہ پند

زو ماندہ در کنج تاریکا جاے — چہ دریابد از جام گیتی نماے

خلاصہ: کمال صدق و محبت بہیں نہ جرم و گناہ — کہ ہر کہ بے ہنر افتد نظر بعیب کند

اندک اندک آب بر آتش بزن — تا شود نارِ تو نور اے بوالحزن

لغات بوالحزن غم کا باپ مراد غمگین محاورہ عرب میں کسی کی نسبت کسی خاص صفت کے ساتھ کنیت سے ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے بوالہوس۔ بوالفضول۔ ابوجہل۔

ترجمہ اے غمناک آدمی (کسی بزرگ کے فیضانِ صحبت کا) تھوڑا تھوڑا پانی (اس) آگ پر چھڑک تاکہ تیری آتش (صفات ذمیمہ) نور بن جائے۔

مطلب ایمانی نظر پیدا کرنے کے لئے صفات ذمیمہ کی آگ کو بجھانا ضروری ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ کسی کامل کا فیض حاصل کیا جائے۔ حافظ رح ؎

بیا کہ چارۂ ذوقِ حضور و نظم امور — بفیض بخشی اہلِ نظر توانی کرد

تو بزن یا ربنا آبِ طہور — تا شود ایں نارِ عالم جملہ نور

لغات۔ آب زدن پانی چھڑکنا طہور پاک کردینے والا۔

ترجمہ اے ہمارے پروردگار تو (فیض رحمت کا) پاک و صاف کردینے والا پانی (ہم پر) چھڑک دے تاکہ یہ (صفات ذمیمہ کی) دنیوی آگ سر بسر (صفاتِ حمیدہ کا) نور بنجائے۔

مطلب اوپر نار کو نور سے مبدل کرنے کی ترغیب دی تھی۔ اور یہ کام بظاہر دشوار تھا۔ اس لئے جناب باری میں اس مہم کی سہولت کے لئے التجا کرتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ اشارہ بھی مقصود ہے۔ کہ سالک کو اپنے علم و مجاہدہ پر نازاں نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ ہمیشہ درگاہِ الٰہی کی طرف التجا کرتے رہنا لازم ہے۔ صائب رح ؎

یا رب از عرفاں مرا پیمانہ سرشار دہ — چشم بینا جان آگاہ و دلِ بیدار دہ

ہر سرِ موے حواس من براہے میرود — ایں پریشاں سیر را در بزم وحدت بار دہ

کوہ و دریا جملہ در فرمانِ تست — آب و آتش اے خداوند آنِ تست

ترجمہ (تیری قدرت اس قدر وسیع ہے کہ) پہاڑ اور دریا سب تیرے حکم میں ہیں۔ اے خداوندا! پانی اور آگ تیری مملوک ہیں۔ حافظ رح ؎

سیر سپہر و دور قمر را چہ اختیار — در گردش اند بر حسب اختیار دوست

گر تو خواہی آتش آبِ خوش شود — ور نخواہی آب ہم آتش شود

ترجمہ اگر تو چاہے تو آگ خوشگوار پانی بنجائے۔ اگر نہ چاہے۔ تو پانی بھی آگ ہو جائے۔

مطلب۔ جب تیری عنایت ہوتی ہے تو اسباب زحمت بھی سامانِ رحمت بن جاتے ہیں۔ لیکن اگر تیری عنایت نہ ہو۔ تو سامانِ راحت بھی باعث عذاب ہوتے ہیں۔ سعدی رح ؎

گلستاں کند آتشے بر خلیل   گروہے بر آتش برد زآب نیل

بیطلب تو ایں طلب ماں دادۂ   بیشمار و عد عطا بنہادہ

لغات طلب درخواست۔ مطلوب۔ ماں مارا عد شمار۔
ترجمہ تونے بے مانگے یہ مطلوب و مرادات (یعنی سامان رحمت) ہم کو دئے ہیں۔ بیشمار اور ان گنت انعامات بخشے ہیں۔ حافظ رحمہ

در حوصلہ ذرہ ز نور شید چہ گنجد   در جنب عطائے تو چہ باشد طلب ما

با طلب چون ندہی اے حیّ ودود   کز تو آمد جملگی جود و وجود

لغات حیّ زندہ ودود نیک بندوں کو دوست رکھنے والا۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ ندہی کے کلمے سے شعر میں سکتہ ہے
ترجمہ پھر اے حیّ ودود تو طلب کرنے پر تو کیوں نہ دیگا۔ جب تمام بخشش اور ہستی تیری ہی طرف سے ہے۔ نظامی رحمہ

تو گفتی ہر آنکس کہ در یخ وتاب   دعائے کند من کنم مستجاب

نوٹ اوپر جو کہا تھا۔ کہ تو بلا طلب ہم کو عطیات بخشتا ہے۔ اب اس کے چند نظائر بیان فرماتے ہیں۔

در عدم کے بود مارا خود طلب   بے سبب کردی عطاہا عجب

ترجمہ (چنانچہ جب ہم) عدم میں رہتے تو تونے ہم کو نعمت وجود سے ممتاز کرنا چاہا۔ بھلا اسوقت حصول وجود کے لئے) ہمارا مطالبہ کہاں تھا؟ (غرض) تونے بلا سبب عجیب نعمتیں بخشی ہیں۔

جان و ناں دادی و عمر جاوداں   سائر نعمت کہ ناید در بیاں

لغات جاوداں ہمیشہ جس کی ماضی اور مستقبل میں انتہا نہ ہو۔ مگر عمر کی اضافت سے اس کے معنی ابدی ہونگے۔ کیونکہ روح انسانی ابدی ہے۔ ازلی نہیں۔ سائر باقی تمام ناید نیاید
ترجمہ تونے (ہم کو بلا طلب) جان دی۔ رزق مقدر کیا۔ ابدی زندگی عطا فرمائی۔ اور باقی تمام نعمتیں (دیں)، جو (حیطہ) بیان میں نہیں آسکتیں۔ سعدی رحمہ

نگنجد کرمہائے حق در قیاس   چہ منت گزارد زبان سپاس

بیشمار و حد عطاہا دادۂ   باب رحمت بر ہمہ بکشادۂ

ترجمہ تونے (نہ صرف ہمکو بلکہ سب کو) بیشمار و (بے) حد عطیات (بلا طلب) بخشے ہیں۔ (اور) سب پر رحمت کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ سعدی رحمہ

چناں پہن خوان کرم گسترد   کہ سیمرغ در قاف قسمت خورد

نوٹ آگے اس مضمون میں کہ خدا کیطرف سے ہمیشہ بلا طلب بخشش ہوتی ہے۔ اور بھی ترقی کر کے فرماتے ہیں یعنی طلب و باہم الخ

اختلاف اوپر کا شعر بعض خاص نسخوں سے نقل کیا گیا ہے۔ ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔

ایں طلب در ما ہم از ایجادِ تُست — رستن از بیداد یارب دادِ تُست

لغات ایجاد وجود میں لانا۔ داد انصاف۔ عطا و بخشش شعر میں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔
ترجمہ یہ (لیسر و غنا کی) طلب (و التجا) بھی تو نے ہی ہمارے اندر پیدا کی ہے۔ (تاکہ ہم احتیاج و تنگ حالی کے ظلم سے محفوظ رہیں اور اس) ظلم سے (ہمارا) نجات پانا اے پروردگار تیرا انصاف (یا تیری بخشش) ہے۔
مطلب خداوند تعالیٰ کی طرف سے بلا طلب عطیات ملنے کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اب فرماتے ہیں۔ کہ جو مرادات و مقاصد طلب و تمنا سے ملتے ہیں۔ وہ بھی ایک طرح سے بلا طلب ہی ملے ہیں۔ کیونکہ یہ طلب بھی تو آخر خداوند تعالیٰ ہی کی طرف سے دل میں القا ہوتی ہے۔

بے طلب ہم میدہی گنجِ نہاں — رایگاں بخشیدۂ جانِ جہاں

لغات رایگاں مفت بلا عوض۔
ترجمہ (تو وہ کریم ہے کہ) بے مانگے مخفی خزانہ بھی بخش دیتا ہے۔ چنانچہ جہان بھر (کی مخلوقات) کو مفت جان بخشدی ہے۔
مطلب بعض لوگوں کو دیوار کے لئے نیو کھودتے وقت یا کسی اور غرض سے زمین میں گڑھا کھودتے وقت خزانے ملے ہیں۔ حالانکہ وہ اس کی "تلاش میں زمین کو نہیں کھودتے تھے۔ یہ بھی بلا طلب خدا کی بخشش کی ایک مثال ہے۔

هٰكَذَا اُنْحُرْ اِلٰى دَارِ السَّلَامِ — بِالنَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى خَيْرِ الْاَنَامِ

لغات ۔ دار السلام ایک بہشت کا نام ہے انام مخلوق۔ کائنات۔
ترجمہ (الٰہی) اسی طرح (ہمارے) بہشت (میں داخل ہونے) تک بطفیل سرور کائنات نبی مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو نعمتیں عطا فرماتے جا۔ قال بعضہم ؎

لطفِ خاص و کرمِ عام توام در کار ست — کار من خواہ درست آید و خواہ غلط

مژدہ بُردنِ خرگوش سُوئے نخچیراں کہ شیر در چاہ افتاد

خرگوش کا نخچیروں کے پاس بشارت لے جانا کہ شیر کوئیں میں گر گیا۔

چونکہ خرگوش از رہائی شاد گشت — سُوئے نخچیراں رواں شد تا بدشت

ترجمہ جب خرگوش رہائی پاکر خوش ہوگیا۔ تو نخچیروں کی طرف جنگل کو روانہ ہوا۔

شیر را چوں دید محوِ ظلم خویش سوئے قوم خود دویداو پیش پیش

ترجمہ جب اس نے شیر کو اپنے ظلم کے ہاتھوں تباہ ہوتا دیکھ لیا۔ تو وہ اپنی قوم کی طرف نہایت تیز دوڑنے لگا۔

شیر را چوں دید کشتہ ظلم خود میدوید او شادمان و یار شد

لغات رُشد را کے ضمہ سے اور را و شین کے فتحہ سے دونوں طرح درست ہے۔ راستی۔

ترجمہ جب اس نے شیر کو اپنے ظلم سے ہلاک ہوتا دیکھ لیا۔ تو خوشی کے ساتھ سیدھے راستے سے دوڑتا جاتا تھا۔

شیر را چوں دید در چہ کشتہ زار چرخ میزد شادماں تا مرغزار

لغات زار خراب یہ حال ہے شیر سے۔ چرخ زدن قلابازیاں کھانا۔ مرغزار چراگاہ مرغ میم کے فتح سے گھاس زار یعنی جگہ

ترجمہ جب اس نے دیکھا۔ کہ شیر کوئیں میں بحال زار ہلاک ہوگیا۔ تو چراگاہ تک خوشی سے قلابازیاں کھاتا (جاتا) تھا۔

دست میزد چوں رہید از دست مرگ سبز و رقصاں در ہوا چوں شاخ و برگ

ترکیب در ہوا کا تعلق شاخ و برگ رقصاں سے ہے۔ نہ کہ خرگوش رقصاں سے کما یتبادر صنعت لف و نشر مرتب بشرطیکہ سبز کا تعلق شاخ سے اور رقصاں کا برگ سے ہو۔ اگر برگ کے ساتھ دست میزد متعلق ہو تو لف نشر غیر مرتب ہے۔

ترجمہ (۱) جب وہ موت کے پنجے سے نکل گیا۔ تو (فرط مسرت سے) تالیاں بجانے لگا۔ (اور) ٹہنی اور پتوں کی طرح (جو) ہوا میں سرسبز ہو کر رقص کرتے ہوں خوشحالی کے ساتھ اچھلتا کودتا جاتا تھا۔

(۲) جب وہ موت کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ تو (فرط مسرت سے) پتوں کی طرح تالیاں بجاتا تھا اور شاخ سبز کی طرح رقص کرتا تھا

شاخ و برگ از حبس خاک آزاد شد سر بر آورد و حریف باد شد

لغات حبس قید۔ حریف مقابل رفیق۔ سر برآوردن ظاہر ہونا۔ چھوٹ نکلنا۔

ترجمہ شاخ اور پتے (بھی اسی طرح) مٹی کی قید سے آزاد ہوتے ہی اُٹھے اور ہوا کے رفیق ہوگئے (یعنی لہلہانے لگے)

مطلب اوپر خرگوش کے رقص مسرت کو شاخ کے لہلہانے سے تشبیہ دی تھی۔ اب مشبہ بہ یعنی خود شاخ کا حال بیان فرمانے لگے۔

برگہا چوں شاخ را بشگافتند	تا ببالائے درخت اشتافتند
با زبانِ شطأہٗ شکرِ خدا	مے سراید ہر بر و برگے جدا

لغات اشتافتند میں الف زائد ہے۔ شطأ شاخ سبز جو پہلی مرتبہ زمین سے نکلتی ہے۔ بر پھل۔

ترجمہ پتوں نے جب شاخ کو چیرا یہاں تک کہ درخت کے اوپر تک چڑھنے لگے۔ تو ہر برگ و بار شطأہٗ کی زبان سے شکرِ خدا (کے گیت) جدا جدا گانے لگا۔ فیضی رح ؎

ہر گیاہے کہ از زمیں روید | وحدہٗ لا شریک لہ گوید

مطلب اس شعر میں شطارہ کے کلمہ سے اور نیچے کے شعر کے اقتباسات سے اس آیت کریمہ کی طرف تلمیح ہے۔ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ الخ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اسکو قوی کیا چنانچہ وہ موٹی ہوئی۔ آخرکار اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ اور کسانوں کو خوش کرنے لگی۔ (فتح ۶ ع ۴)

بے زباں ہر بار و برگ و شاخہا | مے سراید شکر و تسبیحِ خدا

ترجمہ تمام پھل اور پتے اور شاخیں زبان کے بغیر خدا کے ذکر اور تسبیح (کی راگنیاں) گاتے ہیں۔ حافظ رح

ہر گل نو ز گلرخے یاد ہمے کند و لے
گوشِ سخن شنو کجا دیدۂ اعتبار کو

کہ بپرورد اصلِ ما را ذوالعطا | تا درختِ استغلظ آمد فاستوی

ترجمہ کہ اس بخشش والے (خداوند تعالیٰ) نے ہماری جڑ کو غذا پہنچائی۔ یہاں تک کہ درخت موٹا اور پھر سیدھا ہوگیا۔

مطلب اس شعر میں نباتات کے شکر و تسبیح کا مضمون بتایا ہے۔ اور بے زبان کی شرط سے تسبیح حقیقی کی نفی مقصود نہیں۔ بلکہ انسانی زبان اور بشری طریق ادا کی نفی مراد ہے۔ یعنی نباتات اپنی مخصوص زبان اور طرز ادا سے حقیقی تسبیح بجا لاتے ہیں۔ جس کا بزبان شطاءہ میں بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔ صائب رح ؎

ہر غنچہ را ز حمدِ تو جزوے ست در بغل | ہر خار مے کند بزبانے ثنائے تو

جانہائے بستہ اندر آب و گل	چوں رہند از آب و گلہا شاد دل
در ہوائے عشقِ حق رقصاں شوند	ہمچو قرص بدر بے نقصاں شوند

لغات بستہ مقید آب و گل جسم عنصری مراد ہے۔ شاد دل حال ہے رہند کی ضمیر سے۔ قرص ٹکیا۔

ترجمہ (نیک لوگوں کی) ارواح جو اجسام عنصری میں مقید ہیں۔ جب اس قیدِ عناصر سے

خوشی خوشی نجات پاتی ہیں۔ تو خدا کے عشق کی ہوا میں رقص کرتی ہیں (اور) پورے چاند کی ٹکیا کی طرح بے نقصان ہوجاتی ہیں۔

مطلب اوپر قیدِ خاک سے نباتات کی رہائی کا ذکر تھا۔ اب بطور انتقال قید عناصر سے ارواح کی نجات کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور یہ ارواح کا آب و گل سے نجات پانا یا تو اضطراری موت کے معنی میں ہے۔ جس سے مطلقاً جسم سے بے تعلقی ہوجاتی ہے۔ اس صورت میں اہل اللہ و عارفین کی ارواح کے لئے محبت الٰہی سے رقص و اہتزاز ظاہر ہے۔ چنانچہ مولانا رحمۃ مثنوی میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎

روح سلطانی ز زندانی بجست — جامہ چہ دریم چہ خائیم دست
رفت آں طاؤس عرشی سوئے عرش — چوں رسید از ما لفانش سوئے عرش

یا ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ سے شہوات نفس کو قطع کرنا مراد ہے۔ جس کو موت اختیاری بھی کہہ دیتے ہیں۔ اور اس میں روح کو جسم کے حالات ذمیمہ سے بے تعلقی ہوجاتی ہے۔ یہ بے تعلقی بھی روحانی عروج کیلئے لازم ہے۔

نظامی رحمۃ ؎ دام درپا و کوہ بر گردن — با فلک رقص چوں تواں کردن
عراقی رحمۃ ؎ دشمنے کت زدوست وا دارد — زودت از وے فرار باید کرد
غنی رحمۃ ؎ دل منور کے شود در ظلمت آبادِ بدن — شمع را روشن نمے سازند تا در قالب ست

جسم شاں در رقص و جانہا خود مپرس — وانکہ گرد د جاں از انہا خود مپرس

ترجمہ - اُن کے جسم رقص کرتے ہیں اور روحوں کی تو کچھ نہ پوچھ۔ اور جو (سراپا) جان بنجاتے ہیں۔ ان کی نسبت تو کیا ہی کہنا۔

مطلب - اہل اللہ کی ارواح جب آب و گل کی قید سے نجات پاجاتی ہیں۔ تو ان کے جسم بھی آثار محبت کے مظہر ہوجاتے ہیں۔ اور یہ بات مذکورہ بالا دونوں احتمالوں یعنی موت اضطراری اور موت اختیاری کی صورتوں میں صادق آتی ہے۔ چنانچہ موت اضطراری کی حالت میں یا تو جسم مثالی مراد ہے۔ جس کی حرکت و سیر احادیث میں مصرح ہے۔ چنانچہ شہدا کی نسبت آیا ہے۔ کہ وہ سبز پرندوں کے قالب میں جنت میں جہاں چاہتے ہیں۔ کھاتے پھرتے ہیں یا اسی جسم عنصری پر بعض آثار روحانیہ کا ظاہر ہونا مراد ہے۔ چنانچہ اولیاء اللہ کی حکایات میں ان کے اجسام کا مدتوں تک اصلی حالت پر رہنا بکثرت منقول ہے۔ اور موت اختیاری کی حالت میں لذت شہود اور ذوق عرفان کی بشاشت مراد ہے۔ جو ان کے چہروں پر نمایاں ہوتی ہے اور اسی کو کنایۃً رقص کہہ دیا۔ یا حقیقی رقص مراد ہے۔ جو وجد اور حال میں جسم سے ظہور پاتا ہے۔ اور رُوح کی اعلیٰ کیفیات پر دلالت کرتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ ؎

نہ بینی شتر بر حُدائے عرب — کہ چونش برقص اندر آرد طرب
شتر را چو شور طرب در سرست — اگر آدمی را نباشد خرست
صائب ؎ بے آفتاب ذرہ نہ خیزد ز جائے خویش — از خود نہ جسم خاکی ما رقص میکند

یہ حال ان سالکوں کا ہے۔ جو ابھی مقام طلب میں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ در ہوائے عشق حق رقصاں شدند سے ظاہر ہے۔ لیکن جو اہل اللہ سراپا روح بنجاتے ہیں۔ وہ واصل بحق ہوجاتے ہیں اور ان کا اضطراب عشق

سکون وصل سے بدل جاتا ہے۔ ان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ امیر خسرو رح ؎

یار چوں باماست بہر دیدنش تعجیل چیست — یوسف اندر مصر دل، در دیدہ رود نیل چیست

سالک واصل کا درجہ سالک طالب سے افضل ہے۔ موخر الذکر کا منتہائے کمال تو یہ تھا کہ روح کے بعض آثار جسم پر ظاہر ہو جاتے تھے۔ کما ذکرناہ آنفا۔ اور یہاں بعض ایسے افعال جسم سے صادر ہونے لگتے ہیں۔ جو روح سے صادر ہوا کرتے ہیں۔ ان افعال میں بعض خوارق عادات داخل ہیں۔ مثلاً رویت بلا توسط چشم۔ اور سماعت بلا وسیلہ گوش۔ اور حیات مدید بلا اکل و شرب وغیرہ اور بعض عادات کی قبیل سے بھی داخل ہیں۔ مثلاً اپنی محبت کی تاثیر سے تصفیہ قلوب اور تجلیہ بواطن کرنا۔ اور یہ امور ایسے ہیں کہ اقتران جسم ان کو عمل میں لانے سے مانع ہوتا ہے۔ مگر کاملین کا جسم مانع نہیں ہوتا۔ اور یہ دلیل ہے اس کی کہ جسم میں روح کی صفت آگئی۔ ایسی حالت کو کسی بزرگ نے اَرْوَاحُنَا اَشْبَاحُنَا اَشْبَاحُنَا اَرْوَاحُنَا سے تعبیر کیا ہے یعنی ہماری جان جسم ہے۔ اور ہمارا جسم جان ہے۔ (کذا فی کلید مثنوی ملخصاً) صائب رح ؎

چوں شبنم پاکیزہ گہر جسم گدازاں — در دامن گلزار بخورشید سوارند

شیر را خرگوش در زنداں نشاند — ننگ شیرے کو ز خرگوشے بماند

لغات شیرے میں یائے موصولہ ہے اور خرگوشے میں یائے وحدت۔ بماند عاجز آگیا۔

ترجمہ شیر کو خرگوش نے (تباہی کے) قید خانے میں پہنچا دیا۔ اس شیر کو شرم (سے ڈوب مرنا چاہیئے) جو ایک خرگوش سے عاجز ہو جائے۔

مطلب۔ یہاں سے دوسرا انتقال گرفتار قید جہل و ضلال کے ذکر کی طرف ہے۔ شیر سے رُوح مراد ہے۔ اور خرگوش سے نفس اور زندان سے مراد احوال ذمیمہ ہیں۔ جن میں نفس رُوح کو مبتلا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ اگر روح پاک نفس پلید کے فریب میں آکر اپنے آپ کو مبتلائے ضلالت کرلے تو اس پر افسوس ہے۔ صائب رح ؎

بدست نفس مدہ اختیار دل زنہار — کہ زنگی آئینہ خویش تار میخواہد

در چنیں ننگی و آنگہ اے عجب — فخر دیں خواہی کہ گویندت لقب

لغات ننگی میں یائے خطاب رابط جملہ ہے۔ فخر دیں وہ شخص جس پر اہل دین کو فخر ہو۔ مراد مطلق معظم و محترم بزرگ۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ اس سے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ پر تعریض ہے جو مولانا کے والد حضرت بہاؤ الدین رح کے ہمعصر تھے۔ حضرت ممدوح تو اقلیم تصوف کے تاجدار اور خواص و عوام کے دلوں پر حکمران تھے۔ اور امام موصوف ملک علم و قلم و فلسفہ کے واحد فرمانروا اور دربار شاہی کے ایک موثر رکن تھے۔ لہذا بُعد مشرب اور تضاد موقف دونوں میں رقابت کا باعث تھا۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ مولانا کے والد کی وطن مالوف سے ہجرت محض امام ممدوح کی خفیہ ساز باز پر مبنی تھی۔ بہر حال بعض حقیقت شناس صاحب یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ یہاں اور دیگر ایسے مقامات میں فخر الدین سے مطلقاً ایک مقتدائے عوام آدمی مراد ہے۔ امام ممدوح پر تعریض ہرگز نہیں۔ تعریض و کنایت سے کسی کی عیب گیری کرنا عوام کے لئے بھی بدترین رذائل اخلاق سے ہے چہ جائیکہ مولانا رح کی ذات ستودہ صفات سے ایسی لغزش کا ظہور ہو۔ آپ جیسے پاک سیرت اور طاہر النفس انسان کے حق میں ایسا احتمال بھی سوء ادب ہے۔

ترجمہ تو (خرگوش نفس سے عاجز ہو کر) ایسی عار میں (مبتلا) ہے اور پھر تعجب ہے۔ کہ فخر الدین کہلانا

چاہتا ہے ۔ مولانا اسمٰعیل رح ؎

دوزخ سے نفرت اور یہ افعال زشت بھی   کوتنگ تو ایسے اور امید بہشت بھی

اے تو شیری در تگِ ایں چاہ فرد   نفس چوں خرگوش خونت ریخت و خورد

لغات تگ کوئیں کی تہ ۔ فرد تنہا ۔ ترکیب چاہ فرد میں اضافت نہیں ۔ بلکہ فرد خبر ہے ضمیر تو کی ۔

ترجمہ اے (غافل) تو اس (تعلقات دنیویہ کے) کوئیں کی گہرائی میں شیر (کی طرح) تنہا (مقید) ہے نفس نے جو خرگوش (مذکور) کی طرح (مکار) ہے ۔ تجھے ہلاک کر کے کھا لیا ۔ صائب رح ؎

تابع بزبونی مشو از نفس کہ اینجا   گردن کسے افراشت کہ از خصم سر آورد

اختلاف بعض نسخوں میں یہ شعر یوں ہے ؎ اے تو شیری در تگِ ایں چاہِ دہر ۔ نفس چوں خرگوش خونت ریخت بقہر ۔

ترجمہ اے (غافل) جو اس (تعلقات) دنیا کے کوئیں میں شیر کی طرح قید ہے ۔ نفس نے جو خرگوش کی طرح (حقیر و ناچیز ہے) تجھ کو مغلوب کر کے کیونکر مار ڈالا ؟

نفسِ خرگوشت بصحرا در چرا   تو بقعرِ ایں چہ چون و چرا

لغات ۔ چرا چرنا چگنا ۔ چون و چرا ۔ سوال و جواب ۔ بحث مباحثہ ۔ تذبذب ۔ شک و شبہ ۔

ترجمہ تیرا نفس خرگوش (کی طرح ۔ لذات دنیا کے) جنگل میں چرچگ رہا ہے ۔ تو اس چون و چرا کے کوئیں کی گہرائی میں (مقید پڑا) ہے ۔

مطلب ان دونوں شعروں میں پیرانِ ریاکار سے خطاب ہے ۔ یا طالبانِ دنیا سے یا فلاسفہ سے اور چون و چرا ان پیروں کی پر تزویر گفتگو ۔ یا اہل دنیا کی قیل و قال دنیویہ یا فلاسفہ کے مباحث فلسفیہ مراد ہیں ۔ اور مقصود یہ ہے کہ روح کو نفسِ امارہ کے پنجے سے نجات دلانے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ صائب رح ؎

نفس را غوطہ در رنگِ قناعت مے دہد   چوں گدائے کز طمع فرزند خود را کور کرد

سوئے نخچیراں دوید آں شیر گیر   کابشروا یا قوم اذ جاء البشیر ؎

ترکیب مصرعہ اولیٰ کے بعد وایں گفت مقدر ہے ۔ دوسرا مصرعہ ایں کا بیان ہے ۔ یا قوم کے بعد یائے متکلم مضاف الیہ محذوف ہے ۔

ترجمہ (الغرض) وہ شیر کو پکڑنے والا (خرگوش) نخچیروں کی طرف دوڑا اور (بولا) کہ اے میری قوم خوش ہو جاؤ کہ خوشخبری دینے والا آ گیا ہے ۔

مژدہ مژدہ اے گروہِ عیش ساز   کاں سگِ دوزخ بدوزخ رفت باز

ترجمہ مبارک ہو مبارک اے عیش منانے والے لوگو ۔ کہ دوزخی کتا پھر دوزخ میں چلا گیا ۔

مطلب یعنی وہ شیر جو اپنے غضب و قہر کے لحاظ سے گویا ایک دوزخی درندہ تھا ۔ جو جماعت وحوش پر مسلط ہو گیا تھا ۔ وہ پھر واصل جہنم ہو گیا ۔ ہم کو تباہ کرنے آیا تھا ۔ خود تباہ ہو گیا ۔ ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ

مژدہ مژدہ کاں عدوے جانہا | کند قہرِ خالقش دندانہا

ترجمہ مبارک ہو مبارک! کہ خالق تعالیٰ کے قہر نے اس دشمنِ جانوراں کے دانت توڑ ڈالے

مژدہ مژدہ کز قضا ظالم بچاہ | اوفتاد از عدل و لطفِ پادشاہ

ترجمہ مبارک ہو مبارک! کہ بادشاہ (حقیقی) کے انصاف اور مہربانی کے طفیل ظالم تقدیر سے کنوئیں میں گر پڑا۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ سہ

مبر گفتمت پائے مردم ز جائے | کہ عاجز شوی گر در آئی ز پائے

آنکہ از پنجہ بسے سرہا بکوفت | ہمچو خس جاروبِ مرگش ہم بروفت

ترجمہ جس نے (اپنے) پنجے سے بہت سے سر توڑ ڈالے تھے۔ موت کی جھاڑو نے اس کی بھی تنکے کی طرح صفائی کر دی (خس کم جہاں پاک)

آنکہ جز ظلمش دگر کارے نبود | آہِ مظلومش گرفت و کوفت زود

ترجمہ جس کا ظلم کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ مظلوم کی آہ نے اس کو پکڑ لیا۔ اور فوراً تباہ کر دیا صائب سہ

بلبے ریزد از ہم تار و پودِ ہستی ظالم | نسیمے میزند بر یکدگر زلف پریشاں را

گردنش بشکست و مغزش بردرید | جانِ ما از قیدِ محنت وارہید

ترجمہ (آہِ مظلوم نے) اس کی گردن توڑ ڈالی۔ اور اس کا مغز پھاڑ ڈالا۔ ہماری جان محنت کی قید سے نجات پا گئی۔ سعدی رہ سہ

آتش سوزاں نکند با سپند | آنچہ کند دودِ دلِ مستمند

گم شد و نابود شد از فضلِ حق | بر مہم دشمن شما را شد سبق

ترکیب گم شد کا مبتدا ضمیر محذوف ہے جو اشعار سابقہ میں آنکہ اسم موصول کی طرف پھرتی ہے۔ مہم "دشمن" شما تین اسم ہیں۔ ان میں سے یا تو مہم دشمن مرکب اضافی ہے۔ یا دشمن شما۔ مگر فکِ اضافت دونوں صورتوں میں ہے۔ اور دونوں تقدیروں پر ترجمہ دو طرح ہو سکتا ہے۔ کما سیاتی:۔

ترجمہ وہ (ظالم شیر) خداوند تعالیٰ کے فضل سے برباد و نابود ہو گیا (اور) دشمن کی مہم کا تم کو بھی تجربہ ہو گیا (کہ اس کو کس طرح زیر کرنا چاہیئے)

دوسرے مصرعہ کا یہ ترجمہ مہم دشمن کو مرکب اضافی قرار دینے کی صورت میں تھا۔ اور دشمنِ شما میں ترکیب اضافی ماننے کی حالت میں یوں کہینگے۔ اس واقعہ سے تمہارے (ہر) دشمن کو عبرت ہو جائیگی (کہ نخچیروں کو ستانے کا انجام کس قدر بُرا ہو سکتا ہے) نظامی رہ سہ راکن ستم را بیکبارگی | کہ کم عمری آرد ستمگارگی

اختلاف یہ شعر بعض نسخوں میں نہیں ہے۔

جمع شدن نخچیراں نزدِ خرگوش ثنا و مدح گفتن اُورا

نخچیروں کا خرگوش کے پاس جمع ہونا اور اس کی مدح و ثنا کرنا

جمع گشتند آں زماں حیلہ وحوش — شاد و خنداں از طرب در ذوق و جوش

ترجمہ اس وقت تمام جنگلی جانور، ذوق و شوق میں خوشی سے ہنستے کھیلتے جمع ہوئے۔

حلقہ کردند او چو شمعے درمیاں — سجدہ کردندش ہمہ صحرائیاں

ترجمہ سب نے حلقہ کر لیا۔ وہ (خرگوش) شمع کی طرح (ان کے) درمیان (تھا) سب جنگلی جانور اس کی تعظیم بجا لاتے تھے۔

تو فرشتہ آسمانی یا پری — یا تو عزرائیلِ شیرانِ نری

ترکیب آسمانی اور نری میں یائے خطاب رابط جملہ ہے۔ فرشتہ آسمان میں ترک اضافت ہے۔

ترجمہ (اور کہتے تھے) تو کوئی آسمان کا فرشتہ ہے یا پری ہے یا نر شیروں کے لئے ملک الموت ہے۔

ہر چہ ہستی جانِ ما قربانِ تست — دستبردِ دست و بازویت درست

لغات دستبرد غلبہ۔

ترجمہ تو جو کچھ بھی ہے ہماری جان تجھ پر قربان ہے کہ (ہم کو اس ظالم شیر سے نجات دلائی) تیرے دست و بازو کا غلبہ خوب رہا۔

راند حق ایں آب را در جوئے تو — آفریں بر دست و بر بازوئے تو

لغات - آب در جو کنایہ ہے دولت۔ حکومت اور کامیابی سے۔

ترجمہ - یہ کامیابی خدا نے تجھی کو بخشی ہے۔ تیرے دست و بازو پر آفرین ہے۔

باز گو تا قصّہ درماں شود — باز گو تا مرہم جانہا شود

ترجمہ (سارا حال) سنا تاکہ (اصل) واقعہ سنکر ہمارے مجروح دلوں کو تسکین ہو جائے سنا تاکہ دلوں (کے زخموں) کا مرہم ہو جائے۔

باز گو تا چوں سگالیدی بمکر — آں عواں را چوں بمالیدی بمکر

لغات - سگالیدن۔ سوچنا۔ مکر حیلہ۔ تدبیر۔ عواں ظالم۔ مالیدن پامال کرنا۔ ملیامیٹ کرنا

ترجمہ بیان کر کہ تو نے کس طرح حیلہ سوچا تھا؟ اس زبردست ظالم کو دھوکے کے ساتھ کیونکر پامال کیا؟

باز گو کز ظلم آں استم نما صد ہزاراں زخم دارد جانِ ما

ترجمہ (سارا حال) سنا کیونکہ اس ظالم کے ظلم سے ہماری جان پر لاکھوں زخم ہیں۔

باز گو آں قصہ کاں شادی فزاست قُوتِ روح مارا و دل را جانفزاست

لغات قُوت بواو معروف غذا جان بمعنی طاقت و تازگی۔ اس شعر میں قافیہ کا نقص ہے۔

ترجمہ وہ قصہ (مفصل) سنا کیونکہ وہ لطف انگیز ہے۔ وہ ہماری روح کی غذا ہے۔ اور دل کو طاقت بخشنے والا ہے۔

گفت تائیدِ خدا بود اے مہاں ورنہ خرگوشے چہ باشد در جہاں

لغات تائید مدد۔ مہاں - جمع مہ۔ بکسر میم۔ سردار۔ خرگوشے میں یائے تحقیر ہے۔

ترجمہ (خرگوش) بولا۔ حضرات! سب کچھ خدا کی مدد سے ہوا۔ ورنہ دنیا میں ایک خرگوش کی (کیا وقعت) ہے۔ جامی رحہ

نظامی

لطف عمیم دوست مرا خاص خویش خواند ورنہ چہ حد مرا کہ زنم لاف اختصاص

مالکِ عافیت نہ بلشکر گرفتہ ایم ما تختِ سلطنت نہ بیازو نہادہ ایم

قوتم بخشید و دل را نور داد نورِ دل مردست و پارا زور داد

ترجمہ جس نے مجھے ہمت بخشی اور دل کو (عقل کا) نور دیا۔ دل کے نور نے ہاتھ پاؤں کو طاقت دی۔

پند دادن خرگوش نخچیراں را کہ از مُردنِ خصم شاد مشوید

خرگوش کا نخچیروں کو نصیحت کرنا کہ دشمن کی موت پر خوش نہ ہونا چاہیئے

از بِرِ حق میرسد تفضیلہا باز ہم از حق رسد تبدیلہا

ترجمہ خدا کے حضور سے (لوگوں کو ایک دوسرے پر) فضیلتیں ملتی ہیں۔ پھر خدا ہی کے حکم سے ان میں تغیرات آجاتے ہیں۔

مطلب۔ خرگوش کی کامیابی پر دوسرے وحوش اس کو مبارک دیتے اور خوشی کے شادیانے بجاتے ہیں۔ مگر وہ بجائے اس کے کہ اپنی اس تحسین و توصیف پر مغرور ہو۔ اس فتح کو منجانب اللہ سمجھتا ہے۔ اور ان کو سکون وطمانیت کی تلقین کرتا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے۔ کہ اس قسم کے فتوحات اور غلبے اپنے زور بازو سے حاصل

نہیں کئے جاتے۔ بلکہ خدا کی طرف سے میسر ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ چاہتا ہے۔ تو کبھی اسکے خلاف بجائے غلبہ کے شکست و مغلوبیت کا منہ بھی دیکھنا پڑجاتا ہے۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آل عمران ع ۳) تم دعا مانگو کہ اے خدا ملک کے مالک۔ تو جس کو چاہے۔ سلطنت دے اور تو جس سے چاہے۔ سلطنت چھین لے۔ اور تو جسکو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران ع ۱۴) یہ اتفاقات وقت ہیں۔ جو ہمارے حکم سے نوبت بنوبت لوگوں کو پیش آتے ہیں + نظامی رح ؎

چو یابی توانائی اندر سرشت ... مزن خندہ کاینجا بود خندہ زشت

جملہ فضلِ اوست دا تیدِ انچنیں ... سجدہ اش از جان و دل آرید ہیں

ترجمہ (یہ) سب اسی کا فضل ہے بس یہی بات (صحیح) سمجھو ہاں ہاں! جان و دل سے اس کا سجدہ (شکر) بجالاؤ الخلاف۔ یہ شعر ہمارے نسخے میں نہیں تھا۔

حق بدور و نوبہ ایں تائید را ... مینماید اہلِ ظن و دید را

لغات دور چکر باری۔ جیسے دور ساغر جبکہ حلقۂ محفل میں ساغر چکر لگاتا ہے۔ اور وہ حلقہ نشیں لوگوں کو باری باری پلایا جاتا ہے۔ نوبہ نوبت بحالت وقف باری اہلِ ظن ناقص لوگ اہلِ دید کاملین جن کو مشاہدہ کا درجہ حاصل ہے

ترجمہ اللہ تعالیٰ یہ تائید ناقص اور کامل لوگوں کو باری باری دکھا دیتا ہے۔

مطلب۔ ہر قسم کے لوگوں کو تائید الٰہی کا حصہ بقدرِ استحقاق ملتا رہتا ہے۔ چنانچہ کبھی شیر کا دور آجاتا ہے اور کبھی خرگوش کا۔ ایک تخت کبھی یا ہر ہمایوں کے پاؤں چومتا ہے۔ اور کبھی نظام سقا اس پر متمکن ہوجاتا ہے کما قیل ؎

مغرور مشو بجاہ چوں بیخبراں ... زیراکہ بود جاہ چو ابر گزراں

ابر گزراں اگرچہ گوہر بارد ... خاطر ننہد مردِ خردمند براں

ہاں بملکِ نوبتی شادی مکن ... اے تو بستہ نوبت آزادی مکن

لغات ہیں بکسرہا کلمہ تنبیہ۔ بستہ پابند۔ مقید یہاں تک اضافت ہے۔

ترجمہ خبردار باری باری ہاتھ آنے والی سلطنت پر خوش نہ ہونا۔ ارے! تم تو باری کے پابند ہو۔ آزادی (کی امید) نہ کرو۔

مطلب تخت و تاج پر قابض ہوکر یہ توقع نہ رکھو۔ کہ تم اس کو ہمیشہ اپنے قبضے میں رکھنے کے لئے آزاد ہو نہیں نہیں۔ بلکہ تم سلسلہ نوبت کے ماتحت مجبور ہو کہ جب خاص وقت آئے۔ تو تخت کسی اور کے حوالے کرکے خود تخت سے تختے پر جا لیٹو صائب رح ؎

ایں دولتے کہ دل بدوامش نہادۂ ... چوں سایہ در رکابِ ہما سیر میکند

ان اشعار میں یہ اشارہ بھی ہے۔ کہ کاملین کو اپنے کمالات پر مغرور و مسرور نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ لازم ہے۔ کہ خلافِ تم

کی صفت قہاری سے ڈرتے رہیں۔ اور اپنے کمالات ظاہری و باطنی کے مسلوب و زائل ہو جانے سے خائف رہیں۔ مولانا رح فرماتے ہیں ؎

علتے بدتر ز پندارِ کمال — نیست اندر جانت اے مغرور ضال
از دل و از دیدہ ات بس خوں رود — تا ز تو ایں معجبی بیروں رود

آنکہ ملکش برتر از نوبت تنند — برتر از ہفت انجمش نوبت زنند

لغات نوبت باری۔ ایوانِ شاہی پر خاص خاص اوقات پر نقارہ بجانا۔ انجم ستارے نجم کی جمع
ترجمہ جس شخص کی سلطنت نوبت (اور باری) سے بالا یا لا قائم کی جاتی ہے۔ اس (کی شان و شوکت) کا نقارہ سات ستاروں سے اونچا بجایا جاتا ہے۔

مطلب۔ ہفت اختر کنایہ ہے ہفت فلک سے۔ کیونکہ اہل ہیئت نے ان ستاروں کا سات آسمانوں پر ہونا ثابت کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ جو اہل اللہ دنیا کے ملک فانی کو چھوڑ کر ملک باقی اختیار کرتے ہیں۔ ان کا درجہ آسمانوں سے اوپر عالم ملکوت میں ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ حجۃ اللہ البالغۃ میں ملاء اعلیٰ کے ذکر میں فرماتے ہیں۔ وان لارواح افاضل الادمیین دخولا فیھم و لحوقا بھم کما قال اللہ تعالیٰ یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت جعفر ابن ابی طالب ملکا یطیر فی الجنۃ مع الملائکۃ بجناحین یعنی بنی آدم میں سے جو افضل لوگ ہیں وہ ملائکہ میں داخل و لاحق ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اے نفس مطمئنہ اپنے پروردگار کی طرف جا تو اللہ سے راضی اللہ تجھ سے راضی ہو۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو۔ اور بہشت میں جا داخل ہو۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے کہ میں نے جعفر ابن ابی طالب کو فرشتے کی صورت میں دیکھا۔ کہ فرشتوں کے ہمراہ جنت میں دو پروں کے ساتھ اڑتے تھے۔

برتر از نوبت ملوکِ باقیند — دورِ دائم روحہا را ساقیند

ترجمہ نوبت (اور باری) سے برتر وہ سدا رہنے والی بادشاہی کے مالک ہیں۔ جو ہمیشہ (اپنی) روح کو (محبت الٰہی کی شراب) پلاتے رہتے ہیں۔ حافظ رح ؎

مے خور کہ عمر سرمد گر در جہاں تواں یافت — جز بادہ بہشتی ہیچش سبب نباشد

چوں بنوبت مید ہند ایں دولتت — از چہ شد بر باد آخر سبلتت؟

لغات سَبَلت مونچھ عربی لفظ ہے۔ اور پہلے تینوں حرفوں پر فتحہ ہے۔ مگر فارسی والے با پر سکون پڑھتے ہیں۔ سین کا ضمہ جو مشہور ہے غلط ہے۔ سبلت بر باد شدن۔ مونچھوں میں ہوا بھرنا کنایہ ہے کبر و غرور سے۔
ترجمہ جب یہ دولت (مستقل و پایدار نہیں۔ بلکہ) تجھے نوبت کے ساتھ ملتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ تیری مونچھیں (تکبر سے) پھول گئیں۔

مطلب جب باقی و لازوال دولت حاصل کرنیوالے یعنی اہل اللہ اپنے مراتب عالیہ پر فخر و مباہات نہیں کرتے۔ حالانکہ انکے مدارج اس پایہ کے ہیں۔ کہ ان پر فخر کرنا وجہ وجیہ رکھتا ہے۔ تو تم ایک فانی و زوال پذیر دولت پر کیوں مغرور ہو۔ صائب رح ؎

اے گل شوخ کہ مغرور بہاراں شدہ — خبرت نیست کہ در پے چہ خزانے داری

ترکِ ایں شُرب ار بگوئی یکدو روز — ترکُنی اندر شرابِ خُلد پُوز

لغات۔ شُرب پینا۔ مے نوشی۔ بگوئی بمعنی کنی خلد بہشت پوز۔ منہ دہن۔
ترجمہ اگر اس شراب (لذاتِ مذمومہ) کو ایک دو روز چھوڑ دو تو شرابِ خلد میں منہ تر کرلو۔
مطلب لذات و شہوات نفسانیہ جن کو اختیار کرنا شرعاً مذموم و حرام ہے اور نہ مہلت ملتے وہ مایۂ غرور بن رہی ہیں اگر تم اس چند روزہ زندگی میں ان سے کنارہ کش رہو۔ تو قرب الٰہی کی لذت سے بہرہ ور ہو جاؤ۔ نظامیؒ ؎

سرز ہوا تافتن از سروری ست — ترکِ ہوا قوتِ پیغمبری ست

یکدو روزے چہ کہ دُنیا ساعتے ست — ہر کہ ترکش کرد اندر راحتے ست

لغات ساعتے میں یائے وحدت ہے۔ راحتے میں یائے تفخیم ہے بعض نسخوں میں ساعت و راحت درج ہے۔
ترجمہ ایک دو روز بھی کہاں؟ دنیا تو ایک ساعت ہے جسنے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ بڑے آرام میں ہے امیر خسروؒ ؎

خوش آنکساں کہ گذشتند پاک چوں خورشید — کہ سایہ نیز بسوئے جہاں نیفگندند

معنیِ اَلتَّرکُ رَاحَۃٌ گوش کُن — بعد ازاں جامِ بقا را نوش کُن

ترجمہ پہلے الترک راحۃ کے معنی سن لو۔ پھر بقا کا پیالہ نوش کرو۔
مطلب یہ اس مشہور قول کی طرف اشارہ ہے۔ الدنیا ساعۃ وترکھا راحۃ فاجعلھا طاعۃ بعض لوگ اس کو حدیث نبوی کہتے ہیں۔ مگر محققین کے نزدیک اس کا حدیث ہونا ثابت نہیں جس کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے۔ فرماتے ہیں۔ اس قول کے مطابق دنیائے فانی کو چھوڑ کر عالمِ باقی کو اختیار کرو ؎

حافظا ترکِ جہاں گفتن طریقِ خوشدلی ست — تا نہ پنداری کہ احوالِ جہانداری خوش ست

جامیؒ ؎ در بحرِ کبریائے تو آنکس کہ شد فنا — چوں خضر۔ دو راہ بسر چشمۂ حیات

باسگاں بگذار ایں مُردار را — خُرد بشکن شیشۂ پندار را

لغات با بمعنی طرف و جانب۔ خُرد۔ ریزہ ریزہ۔ پندار۔ غرور۔ گھمنڈ۔
ترجمہ اس مردار (دنیا) کو (دنیا کے) کتوں پر چھوڑ دو۔ غرور کے شیشے کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالو۔
مطلب اس میں اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَطَالِبُھَا کِلَابٌ۔ یعنی دنیا مردار ہے۔ اور اس کے طالب کتے ہیں۔ دنیا کے معنی لغت میں پاس کی چیز کے ہیں۔ عرف میں وہ عالم جو موت سے پہلے ہے۔ شرع میں خاص وہ حالت جو فکر عقبیٰ اور تہیہ آخرت سے مانع ہو۔ مجازاً وہ مال و متاع جو اس مانعیت کے اسباب بنجائیں (کذا فی کلید مثنوی) قرآن مجید اور حدیث شریف میں جو جا بجا دنیا کی مذمت اور اس سے بچنے کی تاکید وارد ہے۔ اس سے وہی دنیا مراد ہے۔ جو معنی شرعی آخرت کے اہتمام سے مانع ہے۔ یا وہ اموال و امتعہ جن پر اس وجہ سے معنی مجازی دنیا کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ کہ وہ آدمی کو آخرت سے غافل و بے فکر بنا دیتے ہیں۔ کما قیل ؎

بود زر موجبِ تصدیع جویانِ الٰہی را — ز جمعِ فلس دائم سینہ پر داغ است ماہی را

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّۃُ الْکَافِرِ یعنی دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کا باغ ہے۔ (مشکوٰۃ)

عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَ رُزِقَ کَفَافًا وَّ قَنَّعَہُ اللّٰہُ بِمَا اٰتَاہُ (یعنی فلاح پائی اس شخص نے جو مسلمان ہوا۔ اور بقدر ضرورت اس کو روزی دی گئی۔ اور اللہ نے اس کو جو دیا اس پر قانع بنایا (مشکوٰۃ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لُعِنَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ لُعِنَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ۔ یعنی لعنت ہے دینار کے غلام پر اور لعنت ہے درم کے غلام پر (مشکوٰۃ)

لیکن جو سیم وزر اور مال ومتاع وجوہِ حلال سے حاصل کیا گیا ہو۔ اور اس کی حب اس قدر دل پر طاری نہ ہو۔ کہ آدمی فکر عاقبت سے غافل ہو جائے۔ ایسا مال ومتاع نہ شرعًا مکروہ و مذموم ہے اور نہ اس کا نام دنیا ہے۔ جس کی تصریح خود مولانا نے فرما دی ہے۔ کہ ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُدن ۔۔۔ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن ۔۔۔ دیکھو اس شرح کا صفحہ

ایسے مال کو شرع کی زبان میں خیر (یعنی بھلائی) اور فضل (یعنی خدا کی مہربانی) سے موسوم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ (سورۂ جمعہ رکوع ۲) پھر اپنی راہ لو۔ اور طلب معاش میں لگ جاؤ۔ اور فرمایا۔ وَ اٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ۔ سورہ مزمل رکوع ۲ اور بعض خدا کے فضل یعنی معاش کی تلاش میں ملک میں سفر کر رہے ہونگے اور فرمایا۔ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ (سورہ بقرہ رکوع ۲۵) اگر تم اپنے پروردگار کا فضل (یعنی تجارت وغیرہ کا منافع) چاہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْغَنِیَّ الْخَفِیَّ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دوست رکھتا ہے۔ جو پرہیزگار ہو۔ غنی ہو۔ مہربان ہو۔ (مشکوٰۃ) وَ عَنْ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ قَالَ کَانَ الْمَالُ فِیْمَا مَضٰی یُکْرَہُ فَاَمَّا الْیَوْمَ فَھُوَ تُرْسُ الْمُؤْمِنِ وَقَالَ لَوْلَا ھٰذِہِ الدَّنَانِیْرُ لَتَمَنْدَلَ بِنَا ھٰؤُلَآءِ الْمُلُوْکُ وَقَالَ مَنْ کَانَ فِیْ یَدِہٖ مِنْ ھٰذِہٖ شَیْءٌ فَلْیُصْلِحْہُ فَاِنَّہٗ زَمَانٌ اِنِ احْتَاجَ کَانَ اَوَّلُ مَنْ یَّبْذُلُ دِیْنَہٗ وَقَالَ الْحَلَالُ لَا یَحْتَمِلُ السَّرَفَ یعنی حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور اور جلیل القدر مجتہد ومحدث تابعی ہیں) فرماتے ہیں کہ مال پہلے زمانے میں مکروہ سمجھا جاتا تھا لیکن آجکل وہ مسلمان کے لئے بمنزلہ ڈھال کے ہے۔ اور فرمایا اگر یہ دینار نہ ہوتے۔ تو شاہانِ وقت ہمکو اپنے لئے (ہاتھ منہ پونچھنے کا) رومال بنا لیتے۔ اور فرمایا جس کے ہاتھ میں یہ (مال) ہو اُسے اسکو اچھی طرح رکھنا (اور ترقی دینا) چاہیئے۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے کہ اگر وہ محتاج ہو گیا۔ تو سب سے پہلے وہی اپنے دین کو کھو بیٹھے گا۔ اور فرمایا حلال مال اسراف کو برداشت نہیں کرتا۔ (مشکوٰۃ) حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کا زمانہ تو پھر مسلمانوں کی دنیوی خوشحالی اور دینی استقامت کا زمانہ تھا۔ آج کل جبکہ مسلمانوں کا افلاس انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ اور بُعد عہد کی وجہ سے لوگوں میں استقامت دینی کم ہو گئی ہے۔ آپ کی یہ پیشگوئی مسلمانانِ عالم کے حق میں عمومًا اور مسلمانانِ ہند پر خصوصًا حرفًا بحرف پوری اتر رہی ہے چنانچہ ان دو تین سالوں کے اندر ہزارہا مسلمان مشرکان ہنود کی ترغیب پر محض اپنی مفلسی کی وجہ سے مرتد ہو چکے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ ان حالات میں اور ان واقعات کی موجودگی میں ہمارے واعظوں اور صوفیوں کا مسلمانوں کو ترک مال کی تعلیم دینا خودکشی پر آمادہ کرنا ہے۔ سعدی رحمہ اللہ ؎

یا گرسنگی قوّتِ پرہیز نماند ۔۔۔ افلاس عناں از کفِ تقویٰ بستاند

حافظؒ ؎ زر زرت کنند زیور بزرت کشند دربر من بینوائے مضطر چکنم کہ زر ندارم

غرض ہمارے علماء واعظین اور صوفیہ ومشائخ کا فرض ہے۔ کہ وہ اہلِ ملت کو اپنے زور بیان اور قوت تصرف سے پکے دیندار، متقی، خدا ترس، عبادت گذار۔ اور امور دین میں غیر متمدد بنانے کی پوری کوشش فرمائیں۔ اور ساتھ ہی یسر و غنا کے حصول کی بھی ان کو ترغیب دیں۔ تاکہ افلاس و احتیاج کی وجہ سے ان کا سر دشمنانِ دین کے آگے جھکنے نہ پائے۔ اور وہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام میدانوں میں کفار کی ہر مزاحمت کا دفاع کرسکیں۔ اَللّٰھُمَّ اَیِّدِ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاخْذُلِ الْکَفَرَۃَ وَالْمُشْرِکِیْنَ۔ اٰمِیْنَ ○

تفسیر رَجَعْنَا مِنْ جِھَادِ الْاَصْغَرِ اِلٰی جِھَادِ الْاَکْبَرِ

اس قول کی تفسیر کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف رجوع کرتے ہیں

مطلب اس قصے میں ایک دشمن ظاہری کے ساتھ مقابلہ کرنے کا ذکر تھا۔ اب اس سے دشمن باطنی یعنی نفس کے ساتھ نبرد آزمائی کرنے کی طرف انتقال کرتے ہیں۔ ظاہری دشمن کے ساتھ جنگ کرنا جہاد اصغر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس باطنی دشمن سے لڑنے کو جہاد اکبر کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ظاہری دشمن تو کھلے میدان میں برسرِ پیکار ہوتا ہے اس لئے اس کو زیر کرنا سہل ہے۔ بخلاف باطنی دشمن کے کہ وہ خود انسان کے مکامن وجود میں حتیٰ کہ رگ رگ کی کمینگاہ میں مخفی ہے۔ جس کا تعاقب کرنا اور اس کو گرفت میں لانا دشوار ہے۔ دوسرے انسان کے جس قدر قوائے و حواس دشمن ظاہری کو شکست دینے میں مدد دیتے ہیں۔ وہ سب اس دشمن باطنی کا حکم ملنتے ہیں۔ اس لئے نفس کا مقابلہ نہایت مشکل اور خطرناک ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس اللہ سرہٗ کے فتاویٰ میں لکھا ہے۔ کہ یہ کلام (رجعنا من الجھاد الاصغر الخ) صوفیہ کی کتابوں میں بہت مستعمل ہے۔ اور انکے نزدیک حدیث نبوی ہے۔ بلکہ بعض علماء محدثین کے کلام میں بھی یہ عبارت جہاد نفس کی فضیلت کے استشہاد میں دیکھی گئی ہے۔ لیکن مجھے یاد نہیں۔ کہ یہ حدیث کی کسی کتاب میں دیکھی ہو۔ بہر تقدیر جہاد اکبر سے مراد نفس و شیطان کا جہاد ہے نہ کہ مراجعت اور یہی تفسیر صوفیہ کے فہم کے مطابق ہے۔ اور اس کلام کی شاہد یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ المجاھد من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ چنانچہ ظاہر ہے۔ کہ ایسے مقامات میں مسند الیہ کو معرف باللام لانا حصر کمال کے لئے ہوتا ہے۔ کما فی نظائرہ مثل المسلم من سلم المسلمون من یدہ الخ والمھاجر من ھاجر ما نھی اللہ عنہ انتہیٰ۔ اس لحاظ سے اس حدیث کے معنی یوں ہونگے۔ کہ بڑا مجاہد وہ شخص ہے۔ جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ جب ایسا مجاہد بڑا ہے۔ تو ضرور اس کا جہاد بھی بڑا ہوگا۔ اور یہی مدلول ہے جہاد اکبر کا۔ حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حدیث رَجَعْنَا مِنْ جِھَادِ الْاَصْغَرِ الخ کے بارے میں عسقلانی نے تسدید القوس میں کہا ہے۔ کہ یہ قول عام زبانوں پر چڑھا ہوا ہے۔ اور وہ بقول نسائی ابراہیم بن عبلہ کا کلام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث احیاء العلوم میں مذکور ہے اور اس کو عراقی نے بروایت جابر بیہقی سے منسوب کیا ہے۔ ہاں اس کے اسناد میں ضعف تسلیم کیا ہے۔ حضرت سیوطی رحمہ کہتے ہیں۔ کہ خطیب نے اپنی تاریخ میں جابر رضہ سے روایت کیا ہے۔ کہ نبی علیہ السلام کسی غزوہ سے واپس آئے۔ تو فرمایا۔ قدمتم خیر مقدم وقدمتم من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر لوگوں نے سوال کیا۔ جہاد اکبر کیا ہے تو فرمایا۔ مُجَاھَدَۃُ الْعَبْدِ ھَوَاہُ یعنی بندے کا اپنے خواہشات سے جنگ کرنا۔ انتہیٰ۔

اے شہاں کُشتیم ما خصمِ بروں — ماند خصمے زاں بتر در اندروں

ترجمہ اے بزرگو! ہم نے ظاہری دشمن کو تو مار لیا (مگر) ایک اس سے بھی زیادہ بڑا دشمن باطن میں رہ گیا ہے۔ سعدیؒ ؎

سخن در صلاح ست و تدبیر و خوے — نہ در اسپ و میدان و چوگان و گوے
چو با دشمنِ نفس ہمخانۂ — چہ در بندِ پیکار بیگانۂ
عناں باز پیچانِ نفس از حرام — بمردی ز رستم گذشتند و سام

کُشتنِ ایں کارِ عقل و ہوش نیست — شیرِ باطن سُخرۂ خرگوش نیست

لغات سخرہ سین کے ضمہ سے بیگار ایں کا مشار الیہ یعنی دشمن محذوف ہے۔

ترجمہ اس (دشمن) کو ہلاک کرنا عقل و ہوش کا کام نہیں۔ باطن کا شیر خرگوش (عقل) کے بس کا نہیں۔
مطلب مذکورہ قصے میں خرگوش نے مکر و فریب سے شیر کو ہلاک کر دیا تھا۔ مگر نفس کا شیر باطن ایسا نہیں کہ خرگوش عقل کے آگے مغلوب ہو جائے۔ کیونکہ عقل استدلالی اوّل تو خود سہو و خطا سے مامون نہیں۔ دوسرے وہ ایک علمی طاقت ہے۔ نہ کہ عملی کہ نفس کو ضبط میں رکھ سکے۔ بلکہ وہ بیچاری خود نفس کے آگے مغلوب ہو جاتی ہے۔ صائبؒ ؎

چراغ عقل را خاموش سازد نفس طلانی — گدائے پیش بیں فرزند خود را کور مے سازد

دوزخ ست ایں نفس و دوزخ اژدہاست — کو بدریاہا نگردد کم و کاست

ترجمہ یہ نفس (مثل) دوزخ ہے اور دوزخ گویا اژدہا ہے۔ کہ (اس کی پیاس) دریاؤں (کے پی جانے) سے بھی کم نہ ہو۔ ؎

اژدہاے شود ایں نفس ز مہلت صائبؔ — رحم بر نفس نمودن ز مسلمانی نیست

ہفت دریا را در آشامد ہنوز — کم نہ گردد سوزشِ آں خلق سوز

لغات ہفت دریا سات سمندر مراد کل مخلوق بلحاظ کثرت سات سمندر رکھ دیا۔ آشامیدن پی جانا۔ خلق سوز مخلوق کو جلا دینے والا۔
ترجمہ (دوزخ) سات سمندروں کو چڑھا جائے۔ اور ابھی اس جہان سوز کی سوزش (اشتہا) کم نہ ہو
مطلب دوزخ جس کے ساتھ نفس کو تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ وہ بلائے عظیم ہے۔ کہ ساری مخلوق کو لقمہ بنا لینے پر بھی اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔

سنگہا و کافرانِ سنگدل — اندر آیند اندرو خوار و خجل

ترجمہ پتھر اور سنگدل کافر (سب کے سب) اس میں بری حالت اور خجالت کے ساتھ داخل ہوں گے۔

ہم نگرد د ساکن از چندیں غذا — تا ز حق آید مراو را ایں ندا

سیر گشتی سیر؟ گوید نے ہنوز — اینت آتش! اینت تابش! اینت سوز!

ترجمہ وہ اس قدر غذائے (کثیر) سے بھی تسکین نہ پائیگا۔ یہانتک کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوں خطاب ہوگا (کہ) کیا تیرا پیٹ بھر گیا۔ وہ کہے گا۔ ابھی نہیں بھرا۔ یہ دیکھ وہی آگ یہ دیکھ وہی تپش یہ دیکھ وہی جلن۔

عالمے را لقمہ کرد و درکشید — معدہ اش نعرہ زناں ھل من مزید

لغات عالمے میں یائے تفخیم ہے۔ درکشیدن پی جانا۔ چڑھا جانا۔

ترجمہ وہ جہان بھر کو لقمہ بنا کر نگل گیا۔ ابھی اس کا معدہ ہَل مِنْ مزید کی صدا لگا رہا ہے +

مطلب ان اشعار میں اس آیت قرآنیہ کے مضمون کی طرف تلمیح ہے۔ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ۔ یعنی جس روز ہم جہنم سے پوچھینگے۔ کہ کیا تو بھر گیا؟ تو وہ کہیگا۔ کیا کچھ اور بھی ہے؟

حق قدم بر وے نہد از لامکاں — آنگہ او ساکن شود از کن فکاں

لغات لامکان نقیض ہے مکان کی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک مکان و محل سے منزہ ہے۔ لہذا اس کے لئے کلمہ لامکان بولا جاتا ہے یعنی وہ مکانی نہیں لامکان کے لفظ میں اہل حق کے اس عقیدے کی طرف اشارہ ہے۔ کہ حق تعالیٰ نہ جسم ہے نہ جسمانی پس اسکے لئے قدم کے لفظ کا اطلاق جو ایک حدیث نبوی کی بنا پر ہے تاویل طلب ہے۔ وجہ اشارہ یہ کہ ذات حق لامکانی ہے جس کا جسم و جسمانیت سے منزہ ہونا لازم ہے کیونکہ جو چیز متمکن بمکان ہو۔ وہی جسم یا جسمانی ہوسکتی ہے اور قدم و دست و پا کا ثبوت اسی کیلئے متصور ہوسکتا ہے۔ کن فکان کن کے معنی ہو جا۔ فکان پس ہو جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کا نافذ ہونا اور اس کے مطابق کام ہو جانا۔ اور یہ کلمات اس آیت سے ماخوذ ہیں۔ اِنَّمَا اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ یعنی اسکی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اسکو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا۔ پس وہ ہو جاتی ہے (سورۂ یسین ع ۵)

ترجمہ (آخر) حق جل و علا لامکان سے اپنا قدم اس پر رکھدیگا۔ تب (حکم ہوگا) کُنْ (سَاکِنًا یعنی ساکن ہوجا) فَکَانَ (سَاکِنًا۔ پس وہ سکون پائیگا) کے مطابق وہ ساکن ہو جائیگا۔

مطلب صحیحین میں ایک حدیث حضرت ابوہریرۃ رضہ سے مروی ہے۔ جو مشکوۃ شریف میں درج ہے۔ اس میں یہ کلمات ہیں۔ اَمَّا النَّارُ فَلَا تَمْتَلِئُ حَتّٰى يَضَعَ اللّٰهُ رِجْلَهٗ تَقُوْلُ قَطْ قَطْ قَطْ فَهُنَالِكَ تَمْتَلِئُ یعنی دوزخ پُر نہ ہوگا یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم رکھدیگا کہے گا۔ کافی ہے کافی ہے۔ پھر وہ بھر جائیگا۔

واضح ہو کہ اس قسم کی احادیث جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق شکوک و شبہات ناشی ہوں۔ متشابہات کی قسم سے ہیں۔ ان میں تفتیش کرنا محل خطر ہے۔ کیونکہ یہ امر انسانی استطاعت سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق بحث و تفحص کی اجازت نہیں دیتے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔ واعلم ان من سیرۃ الانبیاء علیہم السلام ان لا یامروا با لتفکر فی ذات اللہ

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر بحث و تفحص کرنا محل خطر ہے۔

وصفا ته فان ذلك لا یستطیعه جمهور الناس وهو قوله صلی الله علیه وسلم تفکروا فی خلق الله ولا تتفکروا فی الله
یعنی واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں غور و فکر کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ کیونکہ جمہور کو اس کی قدرت نہیں۔ اور یہی مطلب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں غور و فکر کرو۔ اللہ کی ذات میں غور نہ کرو۔ سعدی رح ؎

جہاں متفق بر الہیتش — فرو ماندہ در کنہ ماہیتش
بشر ماوراے جلالش نیافت — بصر منتہاے جمالش نیافت
نہ بر اوج ذاتش پرد مرغ وہم — نہ در ذیل وصفش رسد دست فہم

چونکہ جزو دوزخ ست ایں نفس ما — طبع کل دارد ہمیشہ جزوہا

ترجمہ چونکہ ہمارا یہ نفس دوزخ کا ایک جز ہے (اور) اجزا ہمیشہ کل کی طبیعت رکھتے ہیں (لہذا اس کی پیاس بھی بمشکل بجھنے والی ہے)

مطلب اوپر نفس کو دوزخ سے تشبیہ دی تھی۔ اور مشبہ بہ یعنی دوزخ کا حال بیان کیا تھا۔ اب مشبہ یعنی نفس کا حال بیان کرتے ہیں کہ ہمارا نفس بھی دوزخ کا ایک جزو ہے۔ اور جز میں کل کے خواص ہوتے ہیں اور چونکہ دوزخ نفس ذمیمہ کا مرجع ہے اس لئے مرجع ہونے کے لحاظ سے دوزخ کو کل کہدیا۔ اور کل اپنے جز کا اور اصل اپنے فرع کا مرجع ہوتا ہے۔ ؎

ہر کجا فرع ست آرد رو باصل خود غنی — سر بپاے نخل آخر میگذارد برگ و بار

اسی مرجعیت کے لحاظ سے قرآن مجید میں دوزخ کو اُمّ فرمایا ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ، وَمَآ اَدْرٰكَ مَا هِیَهْ نَارٌ حَامِیَةٌ اور جس کے نیک اعمال تول میں کم ٹھہرینگے۔ تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔ اور تم کیا سمجھے کہ وہ کیا ہے۔ دھکتی ہوئی آگ ہے (سورۂ تکاثر)

ایں قدم حق را بود کو را کشد — غیر حق خود کہ کمان او کشد

لغات را علامت اضافت قائمقام کسرۂ اضافت کو را کہ او را کہ کدامیہ۔

ترجمہ (لہذا) یہ خداوند تعالیٰ ہی کا قدم ہو۔ تو اس (کی پیاس) کو بجھاے۔ خدا کے سوا اس (نفس) کی کمان کو کون کھینچے۔

مطلب نفس کو بھی دوزخ کی مناسبت سے کسی حد تک سیری حاصل نہیں ہوتی۔ اور جس طرح دوزخ کو قدم حق سے سکون حاصل ہوگا۔ اسی طرح نفس کو بھی جذبۂ عشق الہی سے تسکین اور قناعت میسر ہو سکتی ہے۔ وہ نفس سرکش جسکو اوپر خصم اندروں اور شیر کہا تھا۔ عشق کے ذریعہ سے زیر ہو سکتا ہے۔ حافظ رح ؎

عجائب رہ عشق اے رفیق بسیار است — زپیش آہوے ایں دشت شیر نر برمید

در کماں ننہند الا تیر راست — ایں کماں را باژگوں کژ تیرہاست

لغات راست سیدھا باژگوں یا واژگوں الٹا کژ ٹیڑھا۔ ان دونوں کلموں میں ترکیب عطفی ہے۔ بحذف عاطف

ترجمہ کمان میں سیدھا تیر ہی رکھا جاتا ہے۔ (مگر) اس کمان (نفس) میں جو خواہشات (کے تیر) ہیں الٹے ٹیڑھے ہیں۔

راست شو چوں تیر وارہ از کماں کز کماں ہر راست بجہد بیگماں

ترجمہ (اے طالب) تیر کی طرح سیدھا ہو جا اور کمان سے چھوٹ جا۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ کمان سے ہر سیدھا (تیر صاف) چھوٹتا ہے۔

مطلب کمان میں تین باتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو اس کی سختی جس کی وجہ سے اس کو کھینچنے کے لئے کافی طاقت ضروری ہے۔ دوسرے اس میں جو تیر رکھا جاتا ہے۔ اس کا سیدھا ہونا لازم ہے۔ تیسرے تیر کا کمان سے چھوٹنا اور نکلنا۔ ان تینوں باتوں کے لحاظ سے ان تین شعروں میں نفس کو کمان سے تشبیہ دی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ نفس کی کمان اس قدر کڑی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قابو میں آئے تو آئے۔ ورنہ یہ کسی کے بس کی نہیں۔ پھر فرمایا کمان میں سیدھا تیر رکھنے کا قاعدہ ہے۔ مگر یہاں کمان نفس کے تیر سب ٹیڑھے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ کہ تم خود راستی و استقامت اختیار کر لو۔ تو اس کمان سے چھوٹ جاؤ۔ صائب رہ ؎

سبک سیرے کہ چوں تیرش زبان و دل یکے باشد بہر جانب کہ رو آرد کشادش در قدم باشد

چونکہ وا گشتیم ز پیکار بروں روئے آوردم بہ پیکار دروں

ترجمہ چونکہ میں ظاہری جنگ سے فارغ ہو گیا ہوں۔ اب (نفس کے ساتھ) باطنی جنگ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

قَدْ رَجَعْنَا مِنْ جِہَادِ الْاَصْغَرِیْم بانبی اندر جہادِ اکبریم

لغات بانبی میں با توسل یا معیت کے لئے ہے۔ بعض نسخوں میں باستے ہے اس صورت میں با مقابلے کے لئے ہے۔
ترجمہ ہم اس حدیث کے مصداق ہیں کہ ہم جہاد اصغر سے فارغ ہوئے۔ اب (اتباع) رسول ؐ کی بدولت (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں) جہاد اکبر میں مصروف ہیں (یا ایک بت نفس کے ساتھ مصروف پیکار ہیں)
مطلب پہلے نسخے کی تقدیر میں اس خاص نکتے کا افادہ مقصود ہے۔ کہ تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے لئے طریقہ نبویہ کا اتباع ضروری ہے۔ ورنہ کفار و مشرکین میں سے جوگی اور سادھو لوگ بھی تصفیہ باطن کے مدعی ہیں۔ مگر وہ طریقہ موصل الی الحق نہیں ہو سکتا ؎

محال است سعدیؔ کہ راہ صفا توان رفت جز در پئے مصطفےٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

قوتے خواہم ز حق دریا شگاف تا بسوزن بر کنم ایں کوہ قاف

لغات شگافتن پھاڑنا۔ چیرنا۔ برکنم کندن کھودنا سے۔ ب زائد ہے۔ کوہ قاف فارسی ادبیات میں بلحاظ بلندی و عظمت کے یہ پہاڑ ضرب المثل ہے۔ کیونکہ قدیم اہل فارس کی نظروں میں یہی پہاڑ سب سے بڑا تھا۔

ترجمہ میں دریا کو چیر دینے والی طاقت خدا سے مانگتا ہوں۔ تاکہ اس کوہ قاف کو سوئی سے اکھیڑ ڈالوں
مطلب۔ اوپر ذکر تھا کہ شیر باطن یا خصم اندروں یعنی نفس کا مقابلہ نہایت جانبازانہ کام ہے۔ اس لئے اس مقابلے کے لئے اللہ تعالیٰ سے قوتِ غیبی چاہیئے۔ دریا شگاف کے لفظ سے حضرت موسیٰ ع کے قصے کی طرف تلمیح ہے۔ یعنی جس طرح غیبی تائید نے حضرت موسیٰ ع کو بے سروسامانی کے باوجود دریائے نیل کو چیر کر نکل جانے اور اپنی قوم کو ظالم فرعون کے پنجہ سے صاف بچالے جانے کی قدرت بخشی۔ اسی طرح میں بھی اپنے آپ کو نفس کے پنجے سے رستگاری دلاسکوں اور چونکہ میرا ضعف قوت کے باوجود نفس پر غالب آجانا عجائبات سے ہے۔ اس لئے وہ سوئی کے ساتھ پہاڑ کھود ڈالنے کا مصداق ہوگا ۔

ہر کہ صاحب نفس را در حلقۂ فرماں کشید — گردنِ شیر ژیاں را در سلاسل مے کشد

سہل شیرے داں کہ صفہا بشکند — شیر آنست آنکہ خود را بشکند

لغات شیرے میں یائے مجہول موصولہ ہے یا یائے معروف مصدری۔ دونوں طرح درست ہے۔
ترجمہ ایسے شیر کو سہل سمجھو (یا ایسا شیر بنجانا آسان ہے) جو صفوں کو درہم برہم کردے (بہادر) شیر وہ ہے۔ جو اپنی خودی کو مغلوب کرے۔
مطلب۔ یہ مضمون اس حدیث سے ماخوذ ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس الشدید بالصرعۃ انما الشدید الذی یملک نفسہ عند الغضب متفق علیہ۔ یعنی حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ طاقتور کشتی لڑنے سے نہیں۔ طاقتور تو وہ ہے جو غضب کے وقت اپنے آپ کو ضبط میں رکھے یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے (مشکوٰۃ) ونعم ماقیل ۔

کمالِ مردی و مردانگی ست خود شکنی — بہوس دست کسے را کہ ایں صنم شکند
امیر خسرو رحمہ — نیست آں مردانگی کار غزا کافر کشی — در صفِ عشاق خود را کش کہ ایں مردانگی ست

تا شود شیرِ خدا از عونِ او — وارہد از نفس و از فرعونِ او

لغات عون مدد۔ تا تعلیلیہ ترکیب یہ جملہ علت ہے اور شعر سابق میں خود را بشکند جملہ فعلیہ اس کا معلول
صنائع عون اور فرعون میں جناس ناقص اوپر کے ایک شعر میں دریا شگاف کے لفظ سے حضرت موسیٰ کے بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر دریائے نیل سے عبور کرنے کی طرف تلمیح تھی۔ اس شعر میں فرعون کا لفظ اس کے مناسبات سے ہے۔
ترجمہ تاکہ وہ خدا کی مدد سے اس کا شیر بنجائے۔ نفس اور اس کے فرعون (کی سرکشی) سے نجات پاجائے
امیر خسرو رحمہ — شیر شو و صید را در تہ چنگال کش — مرد شو و خصم را بر سر میدان طلب
اختلاف یہ شعر بعض نسخوں میں نہیں ہے۔

آمدن رسول قیصر روم نزد عمر رضی اللہ عنہ برسالت

قیصر روم کے سفیر کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سفارت لانا

دربیانِ ایں بشنو یک قصّہ تا بری از سِرِّ گفتم حصّہ

ترکیب ایں کا مشارٌ الیہ خود شکنی کا مضمون ہے۔ گفتم میں گفت حاصل مصدر ہے۔ اور میم ضمیر متکلم مضاف الیہ یعنی گفتارِ من۔

ترجمہ اس (مضمون خود شکنی) کے بیان میں ایک قصّہ سنو۔ تاکہ میرے کلام کے بھید سے تم کچھ حصہ حاصل کر سکو

بر عمرؓ آمد ز قیصر یک رسول در مدینہ از بیابانِ نغول

لغات قیصر شاہانِ روم کا لقب نغول عمیق دراز۔

ترجمہ حضرت عمرؓ کے پاس قیصر (روم) کی طرف سے مدینے میں ایک قاصد کالے کوسوں سے آیا۔

گفت کو قصرِ خلیفہ اے حشم تا من اسپ و رخت را آنجا کشم

لغات ۔ قصر محل۔ ایوان حشم نوکر چاکر مراد عوام ۔ رخت سامان و اسباب ۔ کشم ۔ برم

ترجمہ پوچھنے لگا لوگو! خلیفہ کا ایوان خاص کہاں ہے ؟ تاکہ میں (اپنا) گھوڑا اور اسباب وہاں لے جاؤں۔

قوم گفتندش کہ اُو را قصر نیست مر عمرؓ را قصرِ جانِ روشنے ست

ترکیب دوسرے مصرعہ میں قصرِ جان مرکب اضافی موصوف اور روشن صفت ملکر مبتدا ہوا اور ثابت خبر محذوف اگر قصر کو مبتدا اور جان روشن کو خبر قرار دیں۔ جیسے کہ بادی النظر میں متخیل ہوتا ہے۔ تو معنی درست نہیں نکلتے

ترجمہ لوگوں نے کہا ان کا (کوئی ظاہری) محل نہیں ہے حضرت عمرؓ کا قصر پرنور تو روحانی ہے۔

گرچہ از میری ورا آوازہ ایست ہمچو درویشاں مر او را کازہ ایست

لغات میری سرداری ورا او را کا مخفف ۔ آوازہ شہرت کازہ چھپر

ترجمہ اگرچہ امیری میں ان کی شہرت ہے (مگر رہنے کے لئے) ان کے پاس فقیروں کا سا چھپر ہے۔

اے برادر چوں بہ بینی قصرِ اُو چونکہ در چشمِ دلت رُستست مو

ترجمہ اے بھائی تو ان کا روحانی قصر کیونکر دیکھ سکے جبکہ تیری آنکھ میں (تعصب اور حقیقت ناشناسی کے) بال پیدا ہو رہے ہیں۔

مطلب آنکھ میں بال پیدا ہونے کا ایک مرض ہے جس کو عربی میں شعر زائد اور ہندی میں پربال کہتے ہیں۔ اس سے بصارت رفتہ رفتہ ضعیف ہو جاتی ہے۔ اور روز افزوں ضعیف بصر کے علاوہ جب تک تیسرے چوتھے روز ہمیشہ اس بال کو نکالا نہ جائے۔ آنکھ کے ڈھیلے پر اس کی ایسی کھٹک رہتی ہے کہ کسی چیز پر نظر جمنے نہیں دیتے اس لحاظ سے آگے فرماتے ہیں :-

چشمِ دل از مُوے علّت پاک دار　　وانگہاں دیدارِ قصرش چشم دار

لغات - علّت مرض - چشم داشتن - امید رکھنا چشمِ دل اور چشم دار میں مناسبت لفظی ہے۔
ترجمہ پہلے دل کی آنکھ کو (تعصب و ناحق شناسی کی) بیماری کے بال سے صاف کر پھر اس کے محل کے دیدار کی امید رکھ - غنی رح سه

چشم ہر کس کہ شد از سرمۂ عرفاں روشن　　آتش طور ز ہر سنگ تواند دیدن

ہر کرا ہست از ہوسہا جانِ پاک　　زود بیند حضرت و ایوانِ پاک

ترجمہ جس شخص کی جان (دنیوی) حرص و ہوا سے پاک ہے - وہ عنقریب (اس) کچہری اور ایوان کو دیکھے گا - سه

ذرہ را تا نبود ہمّت عالی حافظ　　طالب چشمۂ خورشید درخشاں نشود

چوں محمد پاک شد از نار و دُود　　ہر کجا رُو کرد وجہ اللہ بُود

ترجمہ جب سرور کائنات حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم آتش (ہوس) اور (اس کے دھوئیں (یعنی آثار ہوس) سے پاک ہوگئے - تو جدھر رخ فرماتے تھے - ذات خدا (کی دولتِ دیدار حاصل) تھی -
مطلب - یہاں سے انتقال ہے اس بیان کی طرف کہ پاک نظر لوگوں کو متعینات میں علی الاطلاق مشاہدہ حق ہوتا ہے - اور اس کی سب سے بڑی مثال حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے - جو اصل خلقت سے پاک و اطہر تھے - اس لئے جدھر توجہ فرماتے ذات حق کا مشاہدہ کرتے اور کوئی امر اس میں مانع نہ تھا -
جامی رح سه　　پاکی تو وز پردۂ عزت ترا نہ دید　　جز دیدہائے پاک خوشا دیدہائے پاک

چوں رفیقی وسوسہ بدخواہ را　　کے بہ بینی ثَمَّ وَجْهُ اللّٰہ را

ترجمہ جب تم اپنے دشمن وسوسہ کے رفیق بن رہے ہو - تو ثم وجہ اللہ کا دیدار کیونکر کر سکو؟
مطلب نفسانی وسوسے دولتِ شہود کے حاصل ہونے میں مانع ہوتے ہیں - حافظ رح سه

اگر از وسوسۂ نفس و ہوا دُور شوی　　بے شکے راہ بری در حرم دیدارش

وسوسے کی رفاقت جو مخلِ معرفت اور موجب گمراہی ہے - وہ اس صورت میں ہے کہ اس وسوسے کے قائل ہوں یا اس پر عامل ہوں - صرف اس کا دل میں ناشی ہونا مضر نہیں - حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورها ما لم تعمل بہ او تتکلم متفق علیہ (مشکوٰۃ) یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - اللہ تعالیٰ نے میری امت کیلئے وسوسہ معاف کر دیا - جو دل سے اُٹھے - جبتک اس پر عمل نہ کریں - یا اس کے قائل نہ ہوں اسکو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے - اس شعر میں اس آیت کا اقتباس ہے - وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ یعنی مشرق و مغرب اللہ کی ہے - پس تم جدھر رخ کرو - ادھر ہی اللہ کی ذات ہے - مگر یہاں اس کا ایراد محض لفظی مناسبت سے ہوا ہے - کیونکہ یہ آیت استقبال قبلہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے - یہی وجہ ہے - کہ

اس میں عامہ مومنین سے خطاب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قبلے کی سمت معلوم نہ ہونے کی صورت میں تحرّی کر کے نماز ادا کی جائے۔ اگر نماز سے فارغ ہو کر معلوم ہوا کہ رُخ قبلہ کی طرف نہیں تھا۔ بلکہ کسی دوسری سمت کو تھا۔ تو کوئی حرج نہیں۔ تمام سمتیں اللہ کی ہیں۔ جدھر رُخ ہو چکا۔ وہی قبلہ ہو گیا اور نماز درست ہو گئی۔ لیکن یہاں استقبال قبلہ کا ذکر نہیں۔ بلکہ مشاہدہ ذاتِ حق کا بیان ہے جس کا روئے سخن خاص اہل صلاحیت کی طرف ہے۔ نہ کہ عوام مومنین کی طرف۔ اور مطلب یہ ہے کہ مشاہدہ ذات کے لئے پہلے صفائی نظر پیدا کرو۔ حافظ رح ؎

چشمِ آلودہ نظر از رُخِ جاناں دور است — بر رُخِ او نظر از آینۂ پاک انداز

ہر کرا باشد ز سینہ فتح باب — اُو ز ہر ذرّہ ببیند آفتاب

لغات فتح کشایش۔ باب دروازہ

ترجمہ جس شخص کے سینے کا دروازہ کھل جائے (یعنی شرحِ صدر ہو جائے) وہ ہر ذرّہ میں آفتاب (حق) کا مشاہدہ کرتا ہے۔

مطلب جس شخص کے قلب میں صلاحیت و استعداد پیدا ہو جاتی ہے وہ ہر چیز سے ذوقاً و وجداناً اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ ؎

چو آفتاب بہر ذرّہ مینمائی رُخ — ولیک چشمِ عراقی نمیکند ادراک

صائب ؎ گرچہ حُسنِ اُو نگنجد در زمین و آسماں — دیدۂ ہر ذرّۂ آئینہ دارِ حُسنِ اوست

حق پدیدست از میانِ دیگراں — ہمچو ماہ اندر میانِ اختراں

ترجمہ اللہ تعالیٰ دوسری موجودات کے درمیان اس طرح عیاں ہے۔ جیسے ستاروں میں چاند۔

مطلب جس طرح ماہ کامل اپنی روشنی سے ستاروں کو ماند کر دیتا ہے۔ عارفوں کی نظر میں حق کا مشاہدہ جمال دوسری موجودات کو ہیچ بنا دیتا ہے۔ حافظ رح ؎

دست ماہ و مہر بربندد بحسن — ماہ یا مہرم چو بکشاید نقاب

دو سرِ انگشت بر دو چشم نہ — ہیچ بینی از جہاں اِنصاف دہ

ترجمہ دو انگلیوں کے سرے دونوں آنکھوں پر رکھو (اور) انصاف سے کہو کہ تمہیں جہاں سے کچھ نظر آتا ہے۔؟

مطلب خداوند تعالیٰ کی ذات کا جلوہ نامحجوب و غیر مستور ہے۔ لیکن جب اپنی چشمِ بصیرت خود بند کر رکھی ہو۔ تو کیا نظر آئے۔ صائب رح ؎

جمالِ شاہدِ مقصود را نقابے نیست — ہمیں تو سعی کن آئینہ را صفائے ساز

ور نہ بینی ایں جہاں معدوم نیست — عیب جز انگشتِ نفسِ شوم نیست

لغات معدوم ناپید۔ جس کا وجود نہ ہو۔ شوم منحوس۔

ترجمہ (اب) اگر تم کو کچھ نظر نہیں آتا۔ تو آخر جہاں تو معدوم نہیں ہو گیا۔ یہ (نابینائی کی) خرابی منحوس نفس کی انگلی کے سوا اور کچھ نہیں۔

مطلب۔ انگشت سے مراد مانع بصیرت ہے۔ اور انگشتِ نفس سے وہ حجابات قلب اور اغشیہ بصیرت مراد ہیں۔ جو شر و نفس سے پیدا ہوں۔ فرماتے ہیں۔ اگر آنکھیں بند ہونے کی صورت میں تم کو دنیا کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ تو وہ چیزیں معدوم تھوڑا ہی ہیں۔ قصور تمہاری آنکھ کا ہے۔ یا تمہاری آنکھ کو بند کرنیوالے کا نہ کہ موجودات کا۔ سعدیؒ ؎

گر نہ بیند بروز شپّرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

تو ز چشم انگشت را بر دار ہیں　　وانگہانی ہر چہ میخواہی ببیں

ترجمہ خبردار! تم (دل) کی آنکھ سے (غفلت کی) انگلی اٹھالو۔ پھر جو چاہو دیکھ لو۔ حافظؒ ؎

جمالِ یار ندارد نقاب و پردہ ولے　　غبارِ رہ بنشاں تا نظر توانی کرد

نوح را گفتند امت کو ثواب　　گفت او زاں سوے واستغشوا ثیاب

لغات نوح ایک پیغمبر کا نام ہے جو حضرت آدم عہ کی وفات سے ایک سو چھبیس سال بعد پیدا ہوئے۔ نوسو بچاس برس تک اپنی قوم کو ہدایت کی۔ مگر بہت کم لوگ ایمان لائے۔ آخر ناراض ہو کر خدا سے دعا کی۔ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَہَارًا ۙ فَلَمْ یَزِدْہُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَاِنِّیْ کُلَّمَا دَعَوْتُہُمْ لِتَغْفِرَ لَہُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَہُمْ فِیْۤ اٰذَانِہِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَہُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَکْبَرُوا اسْتِکْبَارًا ۝ اے میرے پروردگار جب میں نے اپنی قوم کو رات کے وقت بھی بلایا۔ دن کے وقت بھی بلایا۔ تو میرے بلانے کا ان پر یہ اثر ہوا۔ کہ وہ اور بھی زیادہ بھاگے۔ اور جب میں نے ان کو بلایا۔ کہ تو اُن کے گناہ معاف کرے تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیں۔ اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے۔ تاکہ میری صورت نہ دکھائی دے) اور ضد اور شیخی میں آکر اکڑ بیٹھے (سورۂ نوح ع۱) آخر خدا تعالیٰ کے حکم سے حضرت نوح کی قوم پر طوفان کا عذاب نازل ہوا۔ پہلے ایک تنور سے پانی فوارے کی طرح نکلنے لگا۔ پھر تمام چشموں اور جھیلوں سے بکثرت پانی نکلنا شروع ہوا۔ اوپر سے زور کی بارش ہونے لگی۔ حضرت نوح عہ اپنے رفقا سمیت ایک بہت بڑی کشتی میں سوار ہو گئے۔ جو خدا کے حکم اور حضرت جبرئیل کی رہنمائی سے پہلے تیار کر رکھی تھی۔ چالیس روز تک پانی کا زور رہا۔ جو پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی بلند تھا۔ تمام کافر ہلاک ہو گئے۔ بلکہ خود حضرت نوح عہ کا ایک بیٹا بھی جو آپ کا منکر تھا۔ غرق ہو گیا آخر پانی اترنے لگا اور کشتی کوہ جودی پر ٹھیری۔ اہلِ کشتی نے نیچے اتر کر ایک بستی آباد کی کچھ عرصہ حضرت نوح کے تمام ہمراہی جو چالیس نفر تھے۔ وبا سے وفات پا گئے۔ صرف آپ کی اولاد باقی رہی۔ جن سے انسانی نسل پھیلی اور دنیا کی تمام موجودہ آبادی انہی کی اولاد ہے۔ اسی لئے حضرت نوح کو آدم ثانی کہتے ہیں۔ آپ نے ایک ہزار چار سو ترسیٹھ سال عمر پائی۔ امت قوم۔ یہ کلمہ لفظاً واحد ہے۔ لیکن مجموعہ افراد ہونے کے لحاظ سے کبھی کبھی اس کے لئے فعل جمع لایا جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا امت گفتند۔ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَ آیت مندرجہ بالا سے اقتباس ہے جس کے معنی ہیں۔ انہوں نے کپڑے اوڑھ لئے۔ منہ ڈھانک لیا۔ روپوش ہو گئے۔

ترجمہ (حضرت) نوح عہ سے ان کی امت نے کہا (تمہارا موعودہ) ثواب کہاں ہے؟

حضرت نوح عہ

انہوں نے فرمایا (تمہارے) واستغشوا ثیاب (کے حجاب) سے اس طرف ہے۔
مطلب۔ حضرت نوح ؑ کے جواب کا مطلب یہ ہے۔ کہ تمہارا اپنے مونہہ پر کپڑا ڈال لینا تمہارے تنفر اور عدم قبول کی علامت ہے۔ ایسی حالت میں ثواب کہاں۔ اس اعراض و انکار کو چھوڑ دو۔ تو ثواب و اجر پا سکتے ہو۔ اگلے شعر سے حضرت نوح کے جواب کو اپنے مدعا پر چسپاں فرماتے ہیں:۔

رُو و سر در جامہا پیچیدہ اند　　لاجرم با دیدہ و نادیدہ اند

ترجمہ (غافل اور نفس پرست لوگوں نے) منہ اور سر کپڑوں میں چھپا رکھا ہے۔ اسی لئے آنکھوں والے ہو کر اندھے بن رہے ہیں۔
مطلب۔ جس طرح قوم نوح کے لوگوں نے اپنا مونہہ سر کپڑے میں چھپا کر اپنے آپ کو مشاہدہ ثواب سے محجوب کر لیا تھا۔ اسی طرح جو لوگ ہوائے نفسانی میں مبتلا ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں کی سلامتی کے باوجود مشاہدہ حق سے محروم ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا۔ انکی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھنے کا کام نہیں لیتے
نظامی ؎ روشن چشم پاک تواں دید چوں ہلال　　ہر دیدہ جائے جلوۂ آں ماہ پارہ نیست

آدمی دیدست باقی پوست است　　دید آنست آنکہ دید دوست است

ترجمہ آدمی (تو ادراک حقیقت کی) بینائی ہے۔ باقی (سب گوشت) پوست ہے (اور) بینائی (بھی) وہی (بینائی) ہے۔ جو دوست کو دیکھے۔
مطلب یہ بیان سابق کا ماحصل ہے یعنی اگر انسان میں ادراک حقیقت نہیں۔ تو وہ انسان کہلانے کا ہی مستحق نہیں۔ انسان کی تعریف ہے۔ حیوان ناطق گویا نطق یعنی ادراک کلیات و علم حقائق ہی نے اسکو حیوان کے درجے سے اٹھا کر انسانیت پر فائز کیا ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر نرا حیوان کا حیوان ہے۔ چونکہ وہ نطق و ادراک جو حقیقت انسانی کا جزو ہے عام تھا۔ اس لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کی تخصیص فرماتے ہیں کہ ادراکات میں سے وہی علم و ادراک ہمارے نزدیک معتبر ہے جس کا تعلق محبوب حقیقی کے ساتھ ہو۔ امیر خسرو رح ؎
یار مہمانِ تست اے دیدہ　　مرداں را بگو بروں باشند

چونکہ دید دوست نبود کور بہ　　دوست کو باقی نباشد دور بہ

ترجمہ جب دوست کا دیدار نہ ہو اس سے اندھا اچھا۔ جو دوست سدا سلامت نہ ہو۔ اس کو دور سے سلام اچھا۔ کما قیل ؎
کور باد آں چشم کو مشتاق دیدارے نشد　　قطع باد آں دست کو در گردن یارے نشد
غنی رح ؎ نیست حسن بے بقا شایستہ وابستگی　　با چراغ برق یک پروانہ ہمراہی نکرد

چوں رسول روم ایں الفاظ تر　　در سماع آورد شد مشتاق تر

لغات پہلا تر بمعنی پر مغز و تازہ اسم ہے۔ دوسرا تر علامت تفضیل حرف ہے۔ اس لئے قافیہ مکرر نہیں

ترجمہ جب روم کے سفیر نے یہ تر و تازہ الفاظ (جن میں حضرت عمر رضہ کے کمالات باطن کا ذکر تھا) سنے تو (آپ کی زیارت کا) اور بھی مشتاق ہو گیا۔

دیدہ را بر جُستنِ عُمّر گماشت　　رَخت را و اسپ را ضائع گذاشت

لغات عمر رضہ کا صحیح تلفظ عین کے ضمہ اور میم کے فتحہ سے ہے۔ مگر ضرورت شعری کے لئے میم کو مشدد کیا گیا ہے۔ ضائع گم مگر یہاں مجازاً ایسی چیز کے معنی میں ہے جس کی پروا اور حفاظت نہ کیجائے۔ بطور تسمیۃ السبب باسم المسبب۔

ترجمہ (اور) حضرت عمر رضہ کی تلاش پر آنکھیں لگا دیں (اپنے) اسباب اور گھوڑے کو بے پروائی سے (یونہی) چھوڑ دیا۔

ہر طرف اندر پئے آں مردِ کار　　می شدے پرساں او دیوانہ وار

ترجمہ اس کام کے آدمی (یعنی حضرت عمر رضہ) کی تلاش میں وہ باولوں کی طرح ہر طرف پوچھتا پھرتا تھا +

کاینچنیں مردے بود اندر جہاں　　وز جہاں مانندِ جاں باشد نہاں

ترجمہ کہ کہیں ایسا آدمی بھی دنیا میں (دیکھا گیا) ہے۔ جو جہان (میں رہ کر اس) سے جان کی طرح پوشیدہ ہو۔

مطلب یعنی اس کے فضائل جو سننے میں آئے ہیں۔ وہ رُوح کے فضائل کی طرح معنوی اور غیر مرئی اور عوام کی چشم ادراک سے بالا ہونگے۔ یہ ترجمہ اس لحاظ سے ہے کہ شعر سابق کے لفظ پرساں کے ساتھ اس شعر کا تعلق ہو۔ یعنی وہ سفیر ان کلمات کے ساتھ پوچھتا پھرتا تھا لیکن بتکلف یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اس شعر کو اس سفیر کے دل کا مکالمہ قرار دیا جائے۔ جس کو ماقبل سے ترکیبی تعلق نہ ہو۔ اور اس سے پہلے وبدل مے گفت مقدر ہو۔ پھر ترجمہ یوں ہوگا کہ (اور دل میں کہتا تھا) کہ (حیرت ہے) دنیا میں ایسا شخص موجود ہو۔ اور (پھر اس کا حال) مخلوق سے روح کیطرح مخفی ہو۔ سعدی رح ؎

بس در وقت شاں خلق کے رہ برند　　کہ چوں آبِ حیواں بظلمت درند

جُستے او را تاش چُوں بندہ بوُد　　لاجرم جویندہ یابندہ بود

لغات تاش تاکہ اور ا۔ تا تعلیلیہ اور شین ضمیر مفعول۔

ترجمہ (وہ سفیر برابر) ان کو تلاش کرتا تھا۔ تاکہ غلاموں کی طرح ان کی خدمت کرے۔ آخر تلاش کرنیوالا (مطلوب کو) پا ہی لیتا ہے۔

یافتن رسُولِ قیصرِ روم عمر رضہ را خفتہ در زیرِ نخلِ خرما بُن

قیصر روم کے وزیر کا حضرت عمر رضہ کو ایک درخت خرما کے نیچے سوتے پانا

دید اعرابی زنے اورا دخیل ‎ ‎ ‎ ‎ گفت عمرؓ نک بزیر آں نخیل

لغات - اعرابی الف کے فتحہ سے عرب کا بادیہ نشیں - بدوی - دخیل جو شخص کسی کی پناہ میں آئے - وہ دخیل کہلاتا ہے مراد نووارد و مسافر - مہمان - عمرّ بضرورت شعری میم کی تشدید روا رکھی گئی ہے - نخیل کھجور کا درخت - کھجوروں کا جھنڈ اسم جمع ہے - جس کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے - نک مخفف اینک -

ترجمہ (چنانچہ) ایک اعرابی عورت نے اس کو نووارد دیکھ کر بتایا کہ وہ دیکھ حضرت عمرؓ اس کھجور کے درخت کے نیچے (لیٹے پڑے) ہیں -

زیر خرمابن ز خلقاں او جدا ‎ ‎ ‎ ‎ زیر سایہ خفتہ بیں سایہ خدا

لغات خرمابن کھجور کا درخت - بن بمعنی درخت یا پیڑ جیسے ناربن سروبن خلقاں خلق کی جمع - سایہ خدا میں فک اضافت ہے - صنائع دوسرے مصرعہ کے لفظ سایہ میں صنعت مشاکلہ ہے -

ترجمہ وہ دیکھ (خلیفہ ظل اللہ لوگوں سے علیحدہ کھجور کے درخت کے سایے میں سو رہے ہیں -

آمد آنجا و از دور ایستاد ‎ ‎ ‎ ‎ مر عمرؓ را دید و در لرزہ فتاد

ترجمہ وہ (سفیر) وہاں آیا - اور آپ سے دور ہی کھڑا ہو گیا - حضرت عمرؓ کو دیکھتے ہی کانپنے لگا -

ہیبتے زاں خفتہ آمد بر رسول ‎ ‎ ‎ ‎ حالتے خوش کرد بر جانش نزول

ترجمہ قاصد پر اس سونے والے کی ہیبت (بھی) چھائی (اور) ایک (دل) خوش (کن) حالت (بھی) اس کے دل پر طاری ہوئی -

مہر و ہیبت ہست ضد یکدگر ‎ ‎ ‎ ‎ ایں دو ضد را دید جمع اندر جگر

ترجمہ (اگرچہ) محبت اور ہیبت ایک دوسرے کی ضد ہیں - (مگر) اس نے ان دونوں ضدوں کو (اپنے) باطن میں جمع پایا -

مطلب محبت قرب کی متقاضی ہے - اور ہیبت بُعد چاہتی ہے - اس اعتبار سے بظاہر محبت اور ہیبت ایک دوسری کے ضد ہیں - اور دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں - مگر چونکہ وہ ہیبت خوف ضرر کی وجہ سے نہ تھی - جس کا محبت کے ساتھ جمع ہونا مستبعد ہو - بلکہ عظمت اور علو شان کی ہیبت تھی - جو محبت کی ضد ہونے کی بجائے اور بھی مقتضی میلان ہوتی ہے - غرض اس کے یہ دونوں جذبات اگرچہ صورۃً متضاد تھے - مگر معنیً متوافق و متلازم ہونے کی وجہ سے جمع ہو گئے - جیسے کہ عاشق اپنے محبوب کے رعب حسن سے یہ دونوں کیفیات اپنے باطن میں محسوس کرتا ہے - کما قیل ؎

نمیدانم کہ دائیں نو بہار جلوہ مے آید ‎ ‎ ‎ ‎ کہ در پرواز آمد رنگ رو گلہائے بستاں را

امیر خسرو ؎ ‎ ‎ نظارۂ تو ہست کشندہ تر از فراق ‎ ‎ ‎ ‎ جانے کہ ماندہ بود ز ہجراں کنوں رود

گفت با خود من شہاں را دیدہ ام — پیشِ سلطاناں خوش و بگزیدہ ام

لغات با خود اپنے دل میں بگزیدہ برگزیدہ ۔ اسم مفعول ۔ پسندیدہ ۔ مقبول ۔
ترجمہ اپنے دل میں کہنے لگا ۔ میں نے بادشاہوں کو دیکھا ہے ۔ میں سلاطین کے حضور میں دلجمع اور برگزیدہ رہتا ہوں ۔
اختلاف بعض نسخوں میں پیشِ سلطاناں مہ درج ہے ۔ یعنی بڑے بڑے سلاطین کے آگے ۔ مگر مہ کی صفت کوئی معنی خاص کا افادہ نہیں کرتی ۔ بخلاف اس کے ہمارے نسخے کے لفظ خوش میں یہ نکتہ خاص مرکوز ہے ۔ کہ دیگر سلاطین کے آگے تو میں شاد و خرم اور دلجمع رہتا ہوں ۔ یہاں رعب سے دل سہما جاتا ہے ۔ جس کی توضیح اگلے شعر میں ہے ۔

از شہانم ہیبت و ترسے نبود — ہیبتِ ایں مرد ہوشم در ربود

ترجمہ مجھ پر (دیگر) بادشاہوں سے (کبھی) ہیبت اور خوف (طاری) نہیں ہوا ۔ (مگر) اس آدمی کی ہیبت نے میرے ہوش گم کر دئے ۔

رفتہ ام در بیشۂ شیر و پلنگ — روئے من زیشاں نگرد انید رنگ

ترجمہ میں (اکثر) شیر اور چیتے کے جنگل میں (بھی) گیا ہوں ۔ (اور) ان (کے خوف) سے میرے چہرے نے رنگ نہیں بدلا ۔

بس شدستم در مصاف و کارزار — ہمچو شیر آندم کہ باشد کارزار

لغات مصاف اسم ظرف جائے بستن صف ۔ میدانِ جنگ ۔ کارزار ۔ بلا کسرہ را بمعنی کثرت کار کی جگہ مراد میدان جنگ ۔ کیونکہ زار جگہ کے معنی میں ہے ۔ جیسے لالہ زار ۔ مرغزار ۔ وغیرہ دوسرے مصرعہ میں زار بمعنی خراب کار زار کار خراب حال تباہ
ترکیب ہمچو شیر متعلق ہے شدستم کے ۔ اور آندم الخ ظرف ہے شدستم کا ۔ بعض مترجموں نے آندم الخ کو شیر کی صفت قرار دیکر مصرعہ ثانیہ کو الگ جملہ بنایا ہے ۔ وہذا لیس بمرضی عندنا صنائع لفظ کار زار میں جناس
ترجمہ میں معرکہ اور لڑائی میں بہت مرتبہ شیر کی طرح (دلیر ہوکر) گیا ہوں جبکہ جان جوکھوں کا کام آپڑا ہو

بس کہ خوردم بس زدم زخمِ گراں — دل قوی تر بودہ ام از دیگراں

ترجمہ میں نے کثرت سے زخم کھائے بھی اور خطرناک زخم لگائے بھی (مگر) میں دوسروں کی بہ نسبت قوی دل رہا ہوں

بے سلاح ایں مرد خفتہ بر زمیں — من بہفت اندام لرزاں چیست ایں؟

لغات سلاح بکسر سین ہتھیار ۔ ہفت اندام سات اعضا ۔ اعضائے ظاہری میں سے اس سے سر، سینہ، پشت ۔ دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں مقصود ہیں ۔ اور اعضائے باطنی میں سے دماغ ، دل ، جگر ، تلی ، پھیپھڑا ، پتا معدہ ۔

مراد ہوتے ہیں۔ مگر یہاں بدن کا ہر جوڑ مراد ہے۔
ترجمہ یہ شخص تو ہتھیار کے بغیر زمین پر سو رہا ہے۔ (مگر) میرا جوڑ جوڑ (اس کے رعب سے) کانپ رہا ہے۔ یہ کیا (بات) ہے؟

ہیبتِ حق ست ایں از خلق نیست ہیبتِ ایں مردِ صاحب دلق نیست

لغات دلق گدڑی۔ صاحب دلق کملی والا۔ فقیر۔ مراد سادہ زندگی بسر کرنے والا۔
ترجمہ (ہاں یہ) خدا کی ہیبت ہے۔ مخلوق کی (ہیبت) نہیں ہے (یہ) اس (سونے والے) خرقہ پوش (آدمی) کی ہیبت نہیں ہے۔

ہر کہ ترسید از حق و تقوی گزید ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

ترجمہ جو شخص خدا سے ڈرا اور اس نے پرہیزگاری اختیار کی۔ تو اس سے جن اور انسان اور جو (اس کو) دیکھتا ہے۔ ڈرتا ہے۔ سعدی رحمہ تو ہم گردن از حکم داور مپیچ۔ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

اندریں فکرت بحرمت دست بست بعد یک ساعت عمر از جائے جست

ترجمہ اسی خیال میں وہ ادب سے ہاتھ باندھے (کھڑا) رہا۔ ایک گھنٹے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اپنی) جگہ سے اُٹھے۔

کرد خدمت مر عمر را و سلام گفت پیغمبر سلام آنگہ کلام

لغات۔ خدمت۔ ادب و تعظیم۔
ترجمہ وہ حضرت عمر رض کی تعظیم بجالایا۔ اور سلام کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ اول سلام اور پھر کلام۔
مطلب مصرعہ ثانیہ اس حدیث کا ترجمہ ہے۔ جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ترمذی شریف میں مروی ہے۔ قال رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْکَلَامِ یعنی سلام کلام سے پہلے مناسب ہے۔

پس علیکش گفت و او را پیش خواند ایمنش کرد و بنزدِ خود نشاند

لغات علیکش علیک سے وعلیکم السلام مراد ہے۔ ش ضمیر مفعول یعنی اورا ہے۔
ترجمہ پس (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے) اس کو (سلام کے جواب میں) وعلیک السلام کہا۔ اور اس کو پاس بلایا۔ اس کو مطمئن کیا۔ اور اپنے قریب بٹھایا۔

ہر کہ ترسد مر ورا ایمن کنند مر دل ترسندہ را ساکن کنند

ترجمہ جو شخص ڈرتا ہے۔ اسکو اطمینان دلاتے ہیں جس شخص کا دل خوف کھائے۔ اسکو تسکین دیتے ہیں۔

مطلب اس شعر میں اشارۃً اور مابعد کے شعر میں صراحتہً یہ بتایا گیا ہے۔ کہ خوف حق سے طمانیت و تسکین حاصل ہوتی ہے۔ پھر کسی چیز کا خوف و خطر نہیں رہتا۔ سعدی رح ؎

بترس از خدا و مترس از امیر ۔۔۔ نکو نام را کس نگیرد اسیر

لَا تَخَافُوْا ہست نُزلِ خائفاں ۔۔۔ ہست درخور از برائے خائف آں

لغات نزل نون کے ضمہ سے سامانِ ضیافت درخور لائق صنائع خائفاں اور خائف آں میں تجنیس مرکب۔

ترجمہ لَا تَخَافُوْا (کی تسلی بھری آیت) اہلِ خوف کے لئے سامانِ مہمانی ہے۔ (اور) وہ ڈرنے والوں ہی کے لائق ہے۔

مطلب ۔ یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہو۔ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ یعنی جن لوگوں نے کہا۔ کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ پھر انہوں نے اس پر استقامت اختیار کی ان پر فرشتے اتریں گے اور بشارت دیں گے۔ کہ خوف نہ کرو۔ اور نہ غمگین ہو۔ اور بشارت پاؤ اس جنت کے ساتھ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

آنکہ خوفش نیست چوں گوئی مترس؟ ۔۔۔ درس چہ دہی؟ نیست او محتاجِ درس

ترجمہ جس کو (پہلے ہی) ڈر نہیں اس کو یہ کیونکر کہہ سکتے ہو۔ کہ مت ڈر۔ اس کو درس (طمانینت) کیا دیتے ہو۔ وہ (اس) درس کا محتاج ہی نہیں ہ

مطلب ۔ سکون و طمانینت کا محتاج وہ ہے۔ جو خوفِ حق سے لرزہ براندام ہو۔ لیکن جو شخص پہلے دنیائے فانی کی دلچسپیوں میں شاد و خرم اور خدا سے غافل ہے۔ اس کو تسکین و تسلی کی کیا حاجت؟

خاطرِ ویرانش را آباد کرد ۔۔۔ آں دلِ از جا رفتہ را دلشاد کرد

لغات خاطرِ ویراں دل شکستہ دل از جا رفتہ گھبرایا ہوا۔

ترجمہ (غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے) اس (سفیر کے) شکستہ دل کی ہمت بندھائی۔ اور اس گھبرائے ہوئے کو خوش دل کر دیا

سخن گفتن عمرؓ با رسولِ قیصرِ روم و سوالِ رسولِ قیصرِ روم با عمرؓ

حضرت عمرؓ کی قیصر روم کے سفیر سے گفتگو اور سفیر کا آپ سے سوال کرنا

بعد ازاں گفتش سخنہائے دقیق ۔۔۔ در صفاتِ پاکِ حق نِعْمَ الرَّفِیق

لغات دقیق باریک۔ نعم الرفیق نون کے کسرہ اور میم کے فتح سے اچھا رفیق

ترجمہ اس کے بعد (حضرت عمر رضہ نے) خداوند نعم الرفیق کی صفات پاک کے متعلق اس (سفیر) سے باریک نکتے بیان کیے۔

وز نواز شہائے حق ابدال را تا بداند او مقام وحال را

لغات ابدال۔ اولیاء اللہ کی ایک خاص جماعت جن کا ذکر حصّہ اوّل میں گزر چکا ہے۔ مگر یہاں مطلق اولیاء مراد ہیں۔ مقام وہ صفت باطنی جو امور مرسومہ شرع کو بوجہ کمال عمل میں لانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے لئے قصد و کسب اور ریاضت شرط ہے۔ اس صفت کی مثال توکل۔ تواضع۔ صبر وغیرہ ہے۔ حال وہ وارد قلبی جو بلا اختیار پیدا ہو گیا ہو۔ اس کو کسب و عمل سے تعلق نہیں۔ جیسے شوق وجد استغراق وغیرہ۔ چنانچہ مشہور ہے۔ اَلْمَقَامَاتُ مَکَاسِبُ وَالْاَحْوَالُ مَوَاهِبُ۔ یعنی مقامات سعی واکتساب سے حاصل کئے جاتے ہیں اور احوال عطیات ہیں۔

ترجمہ اور ان عنایات کے متعلق (نکتے بیان کئے) جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولیاء اللہ پر ہوتی ہیں۔ تاکہ وہ مقام وحال (کے مراتب) کو سمجھ جائے۔

مطلب تعلیم سلوک کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو تقریر وبیان سے تعلیم دی جاتی ہے۔ یا افاضہ باطنی کے ذریعے جس میں زبان مصروف تکلم نہیں ہونے پاتی۔ بلکہ مرشد کے فیضان باطن ہی سے توسط صورت و لفظ کے بغیر ایک مخفی طریق سے اسرار و رموز مرید کے دل پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضہ نے جو سفیر مذکور کو یہ اسرار معرفت بتائے تو بقیاس غالب موخر الذکر طریقے سے بتائے ہونگے۔ کیونکہ اگر لفظی و قولی طریق سے بتائے ہوتے تو آپ کے اقوال والفاظ کتب احادیث و آثار میں ضرور منقول ہوتے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال و ارشادات شاذ و نادر ہی دائرہ روایت سے باہر رہے ہیں۔ اب مولانا حال اور مقام کا فرق اور اہل حال و اہل مقام کے مدارج میں امتیاز دکھاتے ہیں۔

حال چوں جلوہ ست زاں زیبا عروس ویں مقام آں خلوت آمد با عروس

لغات جلوہ نمائش حسن۔ اپنی چھب دکھانا۔ اپنا انداز خاص اور ناز و کرشمہ دکھانا۔ زیبا خوبصورت۔ عروس عین کے ضمہ سے دلہن۔ دلہا دونوں کے لئے صحیح ہے۔ مگر دلہن کے لئے کثیر الاستعمال ہے۔ عین کا فتحہ غلط مشہور ہے۔

ترجمہ حال گویا خوبصورت دلہن کا جلوہ ہے اور یہ دوسری صفت باطنی جس کا نام مقام ہے) وہ (خاص) خلوت ہے۔ (جو) عروس کے ساتھ (رکھا ہے)

مطلب چونکہ حال غیر مستمر اور زوال پذیر ہوتا ہے۔ اور مقام میں ثبات و استمرار ہوتا ہے۔ اس لئے مقدم الذکر کو جلوہ عروس سے اور موخر الذکر کو خلوت عروس سے تشبیہ دی ہے۔ حال کی کیفیت کا نقشہ حضرات صوفیہ شعراء یوں کھینچتے ہیں۔

سعدی رح ۔ دیدار مے نمائی و پرہیز مے کنی بازارِ خویش و آتش ما تیز میکنی

عراقی رح
روے بنودہ جمالت باز پنہاں کردہ رُخ
در دل بیچارگاں شور و فغاں انداختہ

مقام اور حال

تعلیم سلوک کے دو طریقے

مقام کا منظر حضرت حافظ رح یوں دکھاتے ہیں ؎

در بزم دل از روئے تو صد شمع برافروخت
ویں طرفہ کہ بر روے تو صد گونہ حجاب ست

جلوہ بیند شاہ و غیرِ شاہ نیز
وقتِ خلوت نیست جز شاہِ عزیز

ترجمہ جلوہ تو بادشاہ اور بادشاہ کے سوا باقی لوگ بھی دیکھتے ہیں (مگر) خلوت کے وقت صاحب عزت بادشاہ کے سوا اور کوئی نہیں۔

مطلب جلوہ یعنی حال جس طرح ایک مرتاض و مکتسب کو میسر ہوتا ہے۔ ایک غیر مرتاض کو بھی خوبی قسمت سے وہبی طور پر حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر خلوت یعنی مقام خاص اس شخص کا حصّہ ہے۔ جو برسوں ریاضتِ شاقہ اختیار کرنے اور شرائط اکتساب بجالانے کے بعد قلمروے سلوک کا تخت نشین بنا ہو۔ دوسرے طریق سے یوں مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اہلِ حال کے آثار ہر کس و ناکس پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ مگر صاحب مقام کے مراتب کی کیفیت عوام سے مخفی رہتی ہے۔ کیونکہ اس کا معاملہ محض اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ غنی رح ؎

از سلوک صاحب باطن کسے آگاہ نیست
میرود بر آب و نقش پاے او در راہ نیست

جلوہ کردہ عام و خاصاں را عروس
خلوت اندر شاہ باشد با عروس

ترجمہ عروس جلوہ تو عام و خاص سب کو دکھاتی ہے (مگر) خلوت میں عروس کے ساتھ صرف بادشاہ ہوتا ہے۔

ہست بسیار اہلِ حال از صوفیاں
نادر ست اہلِ مقام اندر میاں

ترجمہ (غرض) صوفیوں میں اہل حال تو بہت ہیں۔ (مگر) ان میں اہل مقام شاذ و نادر ہیں۔

مطلب اوپر اہل حال کے مقابلے میں اہل مقام کا علو شان اور قرب الی الحق اور ساتھ ہی ان کی قلت و کمیابی جو بیان ہوئی ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے۔ کہ طالب کو اہل مقام کے ساتھ توسل کرنا چاہئے۔ اہل حال کامل نہیں ہوتے۔ اس لئے ان کی پیروی اختیار کرنا مفید نہیں۔ مگر عوام کا یہ حال ہے۔ کہ وہ اہل حال کے دلاویز اقوال اور حیرت انگیز افعال سے متاثر ہو کر زیادہ تر انہی کے گرویدہ ہوتے ہیں۔ اہل مقام اول تو خود ہی کمیاب ہیں۔ اگر کہیں موجود ہیں تو وہ متادب با آداب اور ضابط جذبات ہونے کی وجہ سے ایسے احوال و افعال کے صدور سے مجتنب رہتے ہیں جن سے لوگوں میں ان کا چرچا پھیلے اس لئے لوگ ان کے کمال سے بیخبر اور ان کے فیض سے محروم رہتے ہیں۔ صائب ؎

بر زمین از سالکانِ گرم رو جستن نشاں
نقش پاے موج را در بحر پیدا کردن ست

تاہم طلب و تلاش شرط ہے۔ جوئندہ یابندہ۔ مولانا رح ؎

در طلب زن دائما تو ہر دو دست
کیں طلب در راہ نیکو رہبر ست

جامی رح ؎
بے طلب نتواں وصالت یافتن آرے کے رسد
دولت کعبہ بجز رنج بیاباں بردہ را

از منازلہائے جانش یاد داد — واز سفرہائے روانش یاد داد

ترجمہ اس کو رُوح کی منزلیں بتائیں اور اس کو روح کے سفروں سے مطلع کیا۔

مطلب روح کی منزلیں یہی ہیں کہ وہ پہلے مجرّد محض تھی۔ پھر عالمِ مثال سے متعلق ہوئی۔ پھر عالمِ خلق یعنی ناسوت میں آئی۔ اس کے بعد جسم سے جُدا ہو کر عالمِ برزخ میں جائے گی۔ اور پھر حشر میں دوبارہ اسی جسم سے متعلق ہوجائے گی۔ حافظ رح ؎

مرغِ دلم طائریست قدسی عرشِ آشیاں — از قفسِ تن ملول سیر شدہ از جہاں
از درِ این خاکداں چوں بپرد مرغِ ما — باز نشیمن کند بر سرِ آں آشیاں
چوں بپرد زیں جہاں سدرہ بود جائے او — تکیہ گہِ بازِ ما کنگرۂ عرش داں

وز زمانے کز زماں خالی بُدست — وز مقامِ قُدس کاجلالی شُدست

لغات مقامِ قدس عالمِ جبروت یعنی مرتبہ صفاتِ الٰہیہ۔ بُد مخفف ہے بود کا۔ کاجلالی کہ اجلالی۔ کاف بیانیہ ہے۔

ترجمہ اور اس عالم سے (مطلع کیا) جو زمانے سے خالی تھا۔ اور مقامِ قدس سے (باخبر کیا) جو پُر جلال ہے۔

مطلب۔ چونکہ زمانہ مخلوق اور حادث ہے۔ اس لئے اس سے پہلے ایک ایسی حالت تھی۔ جو زمانہ سے خالی تھی اس کو مجازاً زمانہ کہدیا۔ اوپر کے شعر میں اسرارِ روح بیان کرنے کا ذکر تھا۔ اس شعر میں یہ بتایا ہے۔ کہ حضرت عمر رض نے سفیر سے صفاتِ الٰہیہ بیان فرمائے۔

وز ہوائے کاندرو سیمرغِ رُوح — پیشتر ازیں دیدست پروازِ فُتُوح

لغات سیمرغِ روح میں اضافت تشبیہی ہے۔ فتوح فا کے ضمہ سے کشایشِ دل۔ امنگ۔ شوق۔ راحت و مسرت

ترجمہ اور اس ہوا سے (مطلع کیا) جس میں روح کے سیمرغ نے اس (ہستی) سے پہلے شوق و مسرت کی پرواز (کر) دیکھی تھی۔

مطلب اس سے مراد روح کا مرتبہ تجرّد ہے۔ جبکہ وہ کثافتِ جسم سے مجرد ہونے کے باعث عروج و ترقی کی حالت میں تھی۔

ہر یکے پروازش از آفاق بیش — واز امید و نُہمتِ مُشتاق بیش

لغات آفاق جمع افق کنارۂ آسمان مراد اطرافِ عالم۔ نُہمت نون کے ضمہ سے حرص۔ خواہش۔

ترجمہ اسکی پرواز عالم بھر سے زیادہ تھی۔ اور مشتاق کی امید اور قصد سے بڑھ کر تھی۔

چُوں عُمر اغیار رُو را یار یافت — جانِ اُو را طالبِ اسرار یافت

ترکیب۔ چوں عمر الخ شرط جس کی جزا تیسرے شعر کا دوسرا مصرعہ ہے۔ یعنی تخم پاک الخ اور درمیانی جملے جملات معترضہ یا معطوفات ہیں *

ترجمہ چونکہ حضرت عمرؓ نے (اس) بیگانہ صورت کو یار (ہمخیال) پایا۔ اور اس کی طبیعت کو اسرار کی شائق دیکھا۔

شیخ کامل بود و طالب مشتہی — مرد چابک بود و مرکب درگہی

لغات مشتہی شائق چابک باکے ضمہ سے چالاک درگہی حاضر درگاہ ۔ وہ اسپ خاصہ جو ہر وقت تیار رہے مراد مستعد۔ ترکیب ۔ شیخ کامل مبتدا و خبر ہیں۔ نہ کہ مرکب توصیفی کما یتبادر اسی طرح مرد چابک ۔

ترجمہ (ادھر) پیر (یعنی حضرت عمرؓ) کامل تھے (ادھر) مرید (یعنی سفیر) ہمہ تن شوق تھا مرد (شہسوار) چالاک تھا۔ اور سواری تیار۔

دید آں مرشد کہ او ارشاد داشت — تخم پاک اندر زمین پاک کاشت

لغات ۔ ارشاد رشد ۔ کامگاری ۔ صلاحیت ۔ استعداد ۔

ترجمہ (نیز) مرشد (یعنی حضرت عمرؓ) نے دیکھا کہ وہ استعداد رکھتا ہے (اس لئے اس کے) پاک دل کی) زمین میں (اسرار معرفت کا) پاک بیج بو دیا۔ قال بعضہم ؎

صحبت اندر جوہر قابل کند تاثیر و بس — ورنہ شاخ گل ز بوئے گل چرا محروم شد

حافظ ؎ گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض — ورنہ ہر سنگ و گلے لولو و مرجاں نشود

مرد گفتش کاے امیر المومنیں — جاں ز بالا چوں درآمد در زمیں

ترجمہ ۔ اس شخص نے آپ سے سوال کیا کہ اے امیر المومنین روح عالم بالا (یعنی عالم امر) سے زمین (یعنی عالم خلق) میں کیونکر آ گئی ؟ ۔

مطلب روح مجرد کو جسم مادی سے بلحاظ اصل کوئی نسبت نہیں ۔ پھر ان دونوں میں ارتباط کیونکر ہو گیا ۔ صائب رح ؎

میان نور و ظلمت التیامے نیست حیرانم — کہ چوں پیوست روح آسمانی با زمینیہا

مرغ بے اندازہ چوں شد در قفس ؟ — گفت حق بر جاں فسون خواند و قصص

لغات بے اندازہ ۔ بے مقدار ۔ چونکہ روح عالم امر سے ہے ۔ اور عالم امر مقدار و مادہ سے منزہ ہے ۔ اس لئے روح کو مرغ بے اندازہ کہا ہے ۔ قفس پنجرا ۔ افسوں و قصص افسون و افسانہ مراد امر کن ۔

ترجمہ (سفیر نے پوچھا یہ روح کا) طائر غیر مقداری (جسم کے) پنجرے میں (جو مادی و مقداری ہے) کیونکر داخل ہوا ۔ (حضرت عمرؓ نے) فرمایا ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے روح پر (کن کا) افسوں و افسانہ پڑھ دیا (اس لئے جسم میں داخل ہو گئی) ۔

مطلب ۔ حاصل جواب یہ ہے کہ جان کا تعلق ان دونوں کی باہمی مناسبت کی وجہ سے نہیں ۔ کہ قصدی و اختیاری ہو ۔ بلکہ تکوینی و اضطراری ہے ۔

سوال اوپر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسان کی پیدائش امرِ کن کے ماتحت ہے۔ مگر حضرت جابرؓ سے ایک حدیث روایت ہے۔ جو بیہقی رح نے شعب الایمان میں نقل کی ہے۔ اور مشکوٰۃ شریف میں درج ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا اَجْعَلُ مَنْ خَلَقْتُهٗ بِیَدِیْ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ كَمَنْ قُلْتُ لَهٗ كُنْ فَكَانَ ۔ یعنی انسان کو جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اور اپنی روح اس میں ڈالی۔ اس مخلوق (یعنی ملائکہ) کے برابر نہیں رکھ سکتا جو صرف امرِ کن کے ساتھ پیدا ہو گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ انسان کی آفرینش امرِ کن سے نہیں ہے۔

جواب اس حدیث سے انسان کے لئے امرِ کن کی نفی جو مفہوم ہوتی ہے۔ وہ اس لحاظ سے ہے۔ کہ وہ امرِ کن سے یکبارگی عدم سے وجود میں نہیں آیا۔ بلکہ اس کے لئے جمع تراب تخمیر طین اور تصویر مجسمہ تدریجاً ہوئی ہے۔ اور فرشتوں کی تخلیق تمام یکبارگی امرِ کن سے ہوئی ہے۔ اور یہ اس کے منافی نہیں۔ کہ انسان کے مجسمے میں نفخ روح امرِ کن سے ہو گیا ہو۔ اور شعر کا مقصود بھی یہی ہے کہ جسم عنصری کے ساتھ رُوح کا تعلق بحکم کن ہوا۔ اور آیہ اِنَّمَا اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ میں ہر شے کے لئے امرِ کن کی تعمیم اسکی مؤید ہے۔

بر عدمہا کاں ندارد چشم و گوش ۔۔۔ چُوں فسُوں خواند ہمے آید بجوش

لغات عدم بمعنی معدوم۔ جیسے قبول بمعنی مقبول از قبیل مصدر بمعنی اسم مفعول۔

ترجمہ جب وہ معدوم اشیا پر (کن کا) افسون پڑھتا ہے۔ جو آنکھ کان بھی نہیں رکھتیں (جنکو ہم آلات احساس سمجھتے ہیں تاہم) وہ (اس افسون کو محسوس کر لیتی ہیں اور) جوش میں آجاتی ہیں۔

از فسُونِ اُو عدمہا زود زود ۔۔۔ خوش معلق میزند سُوے وجود

لغات معلق زدن۔ قلابازی کھانا۔ اچھلنا کودنا۔

ترجمہ اس کے افسون سے معدوم اشیا جلدی جلدی وجود کی طرف عجیب قلابازیاں کھاتی جاتی ہیں۔

باز بر موجود افسُونے چُو خواند ۔۔۔ زود اُو را در عدم دو اسپہ راند

لغات دو اسپہ تیز رفتار۔ دو گھوڑوں پر نوبت بنوبت سوار ہو کر جانے والا جو یقیناً تیز جاتا ہے۔

ترجمہ پھر جب وہ (کسی) موجود پر افسون پڑھتا ہے۔ تو اس کو فوراً تیزی رفتار سے عدم کو روانہ کر دیتا ہے۔

گفت با جسم آیتے تا جاں شد اُو ۔۔۔ گفت با خورشید تا رخشاں شد اُو

ترجمہ (اسی طرح جب اس نے) جسم سے کوئی بات کہدی تو وہ جان بنگیا۔ آفتاب سے کہدی تو وہ چمکنے لگا۔

مطلب اوپر ان عام تصرفات کا ذکر تھا۔ جو حیات و ممات کی صورت میں سب کائنات پر عادی ہیں۔ اس شعر سے بعض خاص تصرفات کا ذکر فرماتے ہیں۔ جن کا ہر شے سے جداگانہ تعلق ہے۔

باز در گوشش دمد نکتہ مخوف   در رُخِ خورشید افتد صد کسوف

ترجمہ پھر اس کے (یعنی آفتاب کے) کان میں کوئی خوفناک نکتہ سنا دیتا ہے۔ تو سورج کے چہرے پر سینکڑوں گہن لگ جاتے ہیں۔

گفت در گوشِ گُل و خندانش کرد   گفت با لعل خوش و تابانش کرد

ترجمہ پھول کے کان میں کچھ کہا تو اس کو کھلا دیا۔ خوبصورت لعل کو کچھ کہا۔ تو اس کو چمکا دیا۔

تا بگوشِ خاک حق چہ خواندہ است؟   کو مُراقب گشت و خامُش ماندہ است

لغات مراقب مراقبہ کرنے والا۔ امیدوار۔ منتظر۔ گردن جھکانے والا۔ اصطلاح تصوف میں مراقبے کے معنی خداوند تعالیٰ کے ساتھ دل کی حضوری۔ اور ما سواے سے غیبت۔

ترجمہ (معلوم نہیں) کہ خداوند تعالیٰ نے زمین کے کان میں کیا کہہ دیا کہ وہ چپ چاپ اور منتظر ہو رہی ہے۔

تا بگوشِ ابر آں گویا چہ خواند؟   کو چو مشک از دیدۂ خود آب راند

لغات گویا اسم فاعل ہے گفتن سے الف علامت فاعلیت ہے متکلم۔ مشک چمڑے کا ظرف آب میم کے فتحہ سے فارسی کلمہ ہے۔

ترجمہ (معلوم نہیں) کہ اس متکلم (جل شانہٗ) نے ابر کے کان میں کیا کہہ دیا۔ کہ اس نے مشک کی طرح اپنی آنکھ سے پانی بہا دیا۔

در تردّد ہر کہ اُو آشفتہ است   حق بگوشِ اُو مُعمّا گفتہ است

لغات تردّد آمد و رفت کرنا مجازاً یعنی فکر و حیرانی آشفتہ پریشان۔ معمّا بضم میم اول و فتح عین و تشدید میم دوم مفتوح چھپایا ہوا۔ اندھا بنایا ہوا اصطلاحاً وہ کلام جو اشارۃً کسی نام پر دلالت کرے۔ یہاں ایسی بات مراد ہے۔ جو بادی النظر میں سمجھ میں آنیوالی نہ ہو۔

ترجمہ جو شخص کسی تردد میں پریشان ہو رہا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اس کے کان میں کوئی سمجھ میں نہ آنیوالی بات کہدی ہے۔

مطلب۔ جس طرح معما سننے والا پریشان ہوتا ہے۔ کہ شاید اس معمے کے یہ معنی ہونگے یا یہ ہونگے۔ اس طرح متردد آدمی کے دل میں قدرۃً کسی امر کے متعلق نفی و اثبات کے دونوں پہلو یکساں طور پر متصور ہو جاتے ہیں۔ وہ کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ نظامی رح ؎

دو رنگی در اندیشہ تاب آورد   سر چارہ گر زیر خواب آورد

تا کند مجبوسش اندر دو گماں   آں کنم کو گفت یا خود ضدِّ آں

ترکیب بعض شراح نے لکھا ہے۔ کہ اس شعر میں دلقاء معنا کی نکتہ بیان کی گئی ہے۔ گویا ان کے نزدیک یہ تا تعلیلیہ ہے۔ اور کند کا فاعل حق ہے۔ مگر ہمارے نزدیک صورت اولیٰ یہ ہے۔ کہ یہ تا بیانیہ ہو۔ سارا شعر بیان اور شعر سابق میں معنا اس کا بیین۔ کند کی ضمیر فاعلی راجع بہ معنا ہے۔

ترجمہ (اس کے دل میں ایسا معنا القا کر دیتا ہے) جو اس کو دو گمانوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (کہ) میں اس طرح کروں جو فلاں نے کیا ہے یا اس کے خلاف کروں) کما قیل ؎

شرکت زمرۂ میخوار کنم یا نکنم　　　نو بہار ست من ایں کار کنم یا نکنم

ہم ز حق ترجیح یابد یک طرف　　　زاں دو یک را برگزیند زاں کنف

لغات ترجیح۔ دو شقوں میں سے ایک کو مقدم رکھنا یا افضل قرار دینا۔ طرف۔ شق۔ فریق۔ جانب۔ کنف۔ کنارہ۔ جہت۔ طرف۔

ترجمہ (آخر) خداوند تعالیٰ ہی کی توفیق سے ایک شق ترجیح پاتی ہے۔ اور وہ اس جہت سے ان دونوں میں سے ایک کو اختیار کر لیتا ہے۔

گر نخواہی در تردد ہوش جاں　　　کم فشار ایں پنبہ اندر گوش جاں

لغات ہوش جاں۔ نور باطن۔ حیات روحانی۔ فشار۔ صیغہ امر ہے۔ فشاردن سے۔

ترجمہ اگر تم اپنی عقل کو تردد (کے حجاب) میں (ڈالنا) نہ چاہو۔ تو گوش جان میں یہ (التفات بما سوی اللہ) کی روئی نہ ٹھونسو۔

مطلب بیان تردد کی مناسبت سے مولانا اب اس مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ کہ اگر اپنے دل سے شکوک و شبہات کے حجاب اٹھانا چاہتے ہو تو مطلوب حقیقی کیطرف دل لگاؤ۔ اور باقی تمام مخلوق سے اپنی توجہ ہٹا لو۔ سعدی رح ؎　نشد گم کہ روے از خلائق بتافت　　　کہ گم کردۂ خویش را باز یافت

پنبۂ وسواس بیروں کن ز گوش　　　تا بگوشت آید از گردوں خروش

ترجمہ وسواس کی روئی (دل کے) کان سے نکال ڈالو۔ تاکہ آسمانوں کا شور تم کو سنائی دے۔

مطلب امور دنیا کے اس قدر انہماک کو جو مشاغل دین اور رجوع الی اللہ سے غافل کر دے۔ پنبہ وسواس سے تعبیر کیا ہے۔ جس شخص کے قلب سے اس قسم کے حجابات اٹھ جاتے ہیں۔ اس کو ملاء اعلیٰ سے ایک خاص مناسبت ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اس عالم کے متعلق ایسے امور احساس کرتا ہے۔ جو بشری عادت سے بالا ہوتے ہیں۔ خروش گردوں سے تسبیحات ملائکہ مراد ہیں۔ حجۃ اللہ البالغۃ میں یہ روایت منقول ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم فرماتا ہے۔ تو حملۃ العرش تسبیح پڑھتے ہیں۔ پھر ان کے متصل آسمان کے فرشتے تسبیح پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس آسمان زیریں کے فرشتوں تک تسبیح پہنچ جاتی ہے۔

اختلاف یہ شعر بھی بعض نسخوں میں درج نہیں ہے۔

تا کنی فہم آں معماہاش را　　　تا کنی ادراک رمزِ فاش را

ترجمہ تاکہ تم اس کے (یعنی حق تعالیٰ کے) اسرار کو سمجھنے لگو۔ تاکہ تم اس کے (سب) جلی (و خفی) رمز کو ادراک کر لو۔

پس محلِ وحی گردد گوشِ جاں　　　وحی چہ بود؟ گفتن از حسِ نہاں

ترجمہ روحانی کان نزول وحی کی جگہ بن جاتے ہیں۔ وحی کیا ہوتی ہے؟ باطنی حس سے بات کرنا

مطلب اوپر فرمایا تھا۔ کہ گوش روح سے پنبہ وسواس نکال ڈالو۔ تو غیبی معموں کو حل کرنے لگو۔ اب پنبۂ وسواس کے دور کرنے کا دوسرا فائدہ یہ بتاتے ہیں۔ کہ دل مہبط وحی ہو جاتا ہے۔ مگر اس سے یہ شبہ عارض ہوتا تھا کہ مہبط وحی ہونا تو شان نبوت ہے۔ یہ ہر شخص کے لئے کیونکر ممکن ہے۔ اگلے مصرعہ میں اس شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں کہ یہاں وحی سے مراد نبوت کی وحی نہیں۔ بلکہ حواس باطنی سے کلام کرنا اور سننا مراد ہے جسکو الہام بھی کہتے ہیں۔ اور یہ صرف انبیا سے مخصوص نہیں۔ بلکہ اولیاء و صلحا بھی اس سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

گوشِ جان و چشمِ جاں خزایں حس ست　　　گوشِ عقل و چشمِ ظن زاں مفلس ست

ترجمہ روح کے کان اور آنکھیں اس حس (ظاہری) سے بالا ہیں۔ عقل کے کان اور ظن کی آنکھ (بھی) اس (حس باطنی) سے بے بہرہ ہیں۔

مطلب گویا مطلق احساس و ادراک کے وسائل تین طرح کے ہیں۔ ایک تو حواس ظاہر یعنی باصرہ سامعہ شامہ وغیرہ دوسرے مشاعر باطن ذہن۔ ذکا۔ فہم۔ تعقل وغیرہ۔ تیسری وہ قوت مدرکہ جو خاص روحانی ہے۔ اور قوائے دماغیہ سے اس کو کوئی لگاؤ نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ کہ یہ آخری قوت احساس باقی تمام قوائے سے عالی رتبہ ہے۔

لفظِ جبرم عشق را بے صبر کرد　　　واں کہ عاشق نیست حبسِ جبر کرد

لغات حبس بمعنی محبوس۔ مقید از قبیل مصدر بمعنی اسم موصول ترکیب کرد کا فاعل دونوں جگہ لفظ جبر ہے۔ عشق مضاف میم متکلم مضاف الیہ جو جبر کے ساتھ متصل ہے اور بضرورت مقدم آیا ہے۔

ترجمہ جبر کے لفظ نے (یہ ثابت کر کے کہ خدا کے سوائے کوئی فاعل نہیں) میرے عشق کو اور بھی تیز کر دیا۔ اور (بخلاف اس کے) جو عاشق نہیں اس کو (اس لفظ نے بجائے لذت ایمانی کے جبر متعارف کے غلط مسئلہ) کا قیدی بنا دیا۔

مطلب اوپر یہ ذکر تھا۔ کہ اجسام ارض اور اجرام فلک کی تمام حرکات و افعال اسی ذات حق کے امر و الہام کے تابع ہیں۔ جس سے مخلوقات کا بے اختیار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی بے اختیاری کو یہاں لفظ جبر سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا کہ اس بے اختیاری کے مضمون نے جس سے مخلوق کا عجز اور خالق کا اختیار مطلق ثابت ہوتا ہے۔ میری کیفیت عشقیہ کو دو چند کر دیا۔ اور جو شخص صاحب عشق نہیں۔ وہ بجائے اس کے کہ حق تعالیٰ کے اختیار علی الاطلاق سے سبق ہدایت پا کر اور بھی آمادہ طاعت و عبادت ہو۔ وہ اپنے آپ کو جہلا کے خیال کے مطابق

مجبورِ محض قرار دیکر طاعت و بندگی سے گریز کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے مختارِ مطلق ہونے سے بندہ کے اختیار کی مطلقاً نفی لازم نہیں آتی۔ بلکہ اختیارِ تام اور قدرت مستقلہ کی نفی لازم آتی ہے۔ اور توجہ احکام کے لئے ادنیٰ سے ادنیٰ اختیار بھی کافی ہے۔

ایں معیت با حق ست و جبر نیست   ایں تجلّی مہ ست ایں ابر نیست

لغات معیت ہمراہ ہونا۔ مع اللہ ہونا۔ خدا کے ساتھ ہونا۔ تجلّی جلوہ دکھانا۔ اپنا نورِ جمال دکھانا۔
ترجمہ یہ (مذکورہ بے اختیاری) معیت بحق (کا اعتقاد) ہے۔ جبر (مذموم) نہیں (اور) یہ اعتقاد اپنی نورانیت میں گویا، چاند کی تجلّی ہے۔ یہ ابر (کی طرح تاریک و باطل) نہیں۔
مطلب اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ اور اختیار مستقل کا اعتقاد رکھنے والے کے دل میں اس کا عموم تعرف اس قدر مستحضر رہتا ہے۔ کہ وہ ذرّے ذرّے کی حرکت اور پتّے پتّے کے اہتزاز میں اسی کے دست قدرت کو فاعل دیکھتا ہے۔ اور یہی معیت بحق ہے ؎

چو آفتاب بہر ذرہ مے نمائی رُخ   ولیک چشم عراقی نمے کند ادراک

ظہوری ؎ کے عطر سائے محفل روحانیاں شدے   گل را اگر نہ بوے تو کردے رعایتے
جامی ؎ در باغ اگر نہ بوے تو یابم بہر گلے   آبے برآرم از دل و آتش زنم بباغ
صائب ؎ در دیدۂ روشن گہراں ہر ورقِ گل   از نورِ تجلّی ید بیضائے کلیم ست

ور بود ایں جبر جبرِ عامہ نیست   جبرِ آں امّارۂ خودکامہ نیست

لغات عامّہ عوام الناس امّارہ بار بار بری فرمایشات کرنے والا۔ نفس امّارہ تیسری قسم کے سب سے بُرے نفس کا نام ہے۔ خودکامہ خود غرض۔ خودکام فارسی لفظ ہے۔ امّارہ کی صفت واقع ہونے کے لحاظ سے اس کے آخر میں تانیث بقاعدۂ عربیت لگائی گئی۔ اور کبھی کبھی بعض ماہرانِ عربیت فارسی الفاظ میں عربی قواعد کے مطابق تصرفات کر لیتے ہیں۔ جیسے کہ رند کی جمع بقاعدۂ عربی رنود لکھ دیتے ہیں۔ مرغن۔ مچرب۔ اور ترش وغیرہ کلمات بھی اسی قسم کے ہیں۔
ترجمہ اور اگر (بالفرض) یہ جبر ہی ہے۔ تو بھی یہ عوام کا جبر نہیں (اور) اس (نفس) امّارہ خود غرض کا جبر نہیں۔
مطلب۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے کامل و مطلق اختیار کے آگے اپنے ناقص اختیار کو جبر کے لفظ سے تعبیر کیا جائے تو خیر کوئی مضایقہ نہیں۔ مگر یہ جبر محمود ہے۔ جو فی الواقع جبر نہیں۔ بلکہ مجازاً اس پر جبر کا اطلاق کیا جاتا ہے اور وہ جبر مذموم سے جداگانہ ہے۔ جس کو عوام جہلا نے ترکِ طاعت اور اختیارِ معصیت کے لئے ایک حیلہ بنا رکھا ہے۔ جبر محمود اور جبر مذموم کی تفصیل کے لئے دیکھو اس شرح کی جلد اول۔

جبر را ایشاں شناسند اے پسر   کہ خدا بکشاد شاں در دل بصر

ترجمہ بیٹا (اس) جبرِ محمود کو وہی لوگ پہچانتے ہیں۔ جن کے دل کی آنکھ خدا نے کھول دی ہے

غنی ؒ
چشم ہرکس کہ شد از سرمۂ عرفاں روشن
آتش طور ز ہر سنگ تواند دیدن

غیب و آیندہ بر ایشاں گشت فاش
ذکر ماضی پیش ایشاں گشت لاش

لغات آیندہ مستقبل فاش ظاہر لاش لاشے نابود یائے آخر محذوف ہے۔

ترجمہ (علم) غیب اور (واقعات) مستقبل تک ان پر ظاہر ہو گئے۔ ایام ماضی (کے حالات) کا یاد کرنا تو ان کے آگے کچھ بھی نہیں۔

مطلب۔ ان حضرات کا واقعات مستقبل سے آگاہ ہونا کئی وجوہ سے ہے۔ اور وہ سب وجوہ متعارف و معتبر ہیں۔ ایک تو ان لوگوں کو ذوق صحیح اور وجدان سلیم کا باطنی نور حاصل ہوتا ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ امر مطلوب کا حال جس کا ان پر ظاہر کرنا خدا کو منظور ہوتا ہے۔ معلوم کر لیتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ کے متعلق منقول ہے۔ کہ ایک شریف زادے نے ان سے تنگی روزگار کی شکایت کی تو آپ نے کچھ دیر تک سر جھکا کر فرمایا۔ تم جنوب کی طرف سفر کرو۔ مسلمانوں کا جو شہر آئیگا۔ وہاں داخل ہو جاؤ مسجد میں نماز پڑھو۔ جو شخص تم کو بلانے آئے۔ اس کے ساتھ جاؤ۔ اور تماشائے تقدیر دیکھو۔ وہ آپ کے فرمان کے مطابق روانہ ہوا۔ ٹونک کی اسلامی ریاست میں جا پہنچا۔ اور جس طرح آپ نے فرمایا تھا۔ اس پر عمل کیا۔ اور جو واقعات آپ نے ذکر فرمائے تھے۔ اسی طرح پیش آئے۔ آخر ریاست میں ایک بڑے عہدے پر سرفراز ہوا۔ اور حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے عرض کیا۔ آپ پر یہ حالات مستقبلہ کیونکر عیاں ہوئے۔ فرمایا قرآن شریف کے سیاق پر توجہ کرنے سے۔ دوسرے الہام اور رویا کے ذریعے سے بھی احوال مستقبلہ کے متعلق اشارات معلوم ہو جاتے ہیں۔ تیسرے بہت سے حوادث کلیہ جو قرب قیامت میں اور حشر و نشر کے وقت ظہور پذیر ہونگے ان کے حالات قرآن و حدیث سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ چوتھے کشف سے بھی بعض احوال معلوم ہو جاتے ہیں۔ باقی رمل و نجوم و جفر و کہانت وغیرہ کے ذریعہ سے احوال غیب کا تجسس کرنا غیر معتبر اور شرعاً شرک اور معصیت ہے۔
اس شعر کے مصرعۂ ثانیہ یعنی ذکر ماضی الخ میں ماضی کے معنی اگر گزر جانے والی چیز اور فانی کے لئے جائیں۔ تو شعر کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ احوال مستقبلہ ان پر منکشف ہو گئے۔ اور گذر جانیوالی یعنی فانی اشیاء کا ذکر ان کے نزدیک محض لاشے یعنی ناقابل التفات ہے۔ صائب ؒ

دنیا بنیاد شش بنظر از شکوہ دیں
سجّادہ سند ش بود و سبحہ دستیار

اختیار و جبر ایشاں دیگر ست
قطرہا اندر صدفہا گوہر ست

ترجمہ ان حضرات کا اختیار و جبر کچھ اور ہی ہے (ان کے اختیار و جبر کی پہلی مثال یہ ہے۔ کہ) سیپ کے اندر (پانی کے) قطرے موتی (کی صورت میں) ہیں۔

مطلب ان کا اختیار و جبر عوام کا سا نہیں ہے۔ کیونکہ عوام کا اختیار انکار تقدیر کا باعث ہو جاتا ہے۔ اور ان کا جبر تعطیل شرائع و ابطال تکالیف کا موجب بنجاتا ہے۔ پس ایسے جبر و اختیار کا مذموم و مستنکر ہونا ظاہر ہے۔ مگر اہل حق اور عارفین کا اعتقاد ان نقائص سے پاک ہے۔ چونکہ جبر و اختیار کے ایک ہی عقیدہ کا ان حضرات سے متعلق ہو کر مستحسن صورت اختیار کر لینا اور عوام سے متعلق ہو کر مذموم بن جانا قابل توجہ امر ہے۔ اس لئے اس امر کی تائید میں کہ ایک ہی شے ایک محل میں

ایک صفت پر اور دوسرے محل میں دوسری صفت پر ہو سکتی ہے۔ چند مثالیں بیان فرماتے ہیں۔ جن میں سے پہلی مثال قطرے کی ہے۔ کہ سیپ سے باہر تو وہ محض پانی کا قطرہ ہوتا ہے۔ پھر سیپ کے اندر جاکر وہی قطرہ موتی بنجاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ (دیکھو مفتاح العلوم جلد اول)

ہست بیروں قطرۂ خرد و بزرگ — در صدف آں دُرِّ خرد ست و سترگ

ترجمہ (سیپ سے) باہر تو چھوٹا یا بڑا قطرہ (محض پانی) ہوتا ہے سیپ میں (جاکر) وہ (قطرہ) چھوٹا یا بڑا موتی (بن جاتا) ہے

طبع نافِ آہو است آں قوم را — از بروں خوں و از دروں شاں مشکہا

ترجمہ (دوسری مثال یہ کہ) ان (عارف) لوگوں کی طبیعت آہوئے مشک کی ناف کی سی ہے۔ کہ (ناف سے) باہر (رگوں میں) تو خون ہوتا ہے اور ان کی (ناف کے) اندر (جاکر) مشک (ہوجاتا ہے)

تو مگو کیں نافہ بیروں خوں بود — چوں رود در ناف مشکے چوں شود؟

لغات بیروں بظاہر۔ چوں پہلے ظرفیت کے لئے دوسرا چوں استفہامیہ ہے۔

ترجمہ تم یہ نہ کہو۔ کہ یہ نافہ تو بظاہر خون ہوتا ہے۔ جب ناف کے اندر جاتا ہے۔ تو مشک کیونکر بنجاتا ہے۔

مطلب یعنی جس طرح نافہ کے متعلق تمہارا یہ اعتراض فضول ہے۔ کہ ایک خون کی ناپاک دکروہ چیز مشک کیونکر ہوسکتی ہے۔ اسیطرح تمہاری یہ حجت بھی لغو ہے۔ کہ جبر کا ضلالت آمیز عقیدہ اہل عرفان کے لئے مستحسن کیونکر ہوسکتا ہے گویا ادعائ عقیدۂ جبر کو عین مشک فرض کر لیا۔ کہ اس پر معترض ہونا عین مشک پر اعتراض کرنا ہے۔

تو مگو کایں مس بروں بد محتقر — در دلِ اکسیر چوں گشتست زر؟

ترجمہ (تیسری مثال یہ کہ تم یہ بھی) نہ کہنا کہ تانبا تو بظاہر بے قدر (چیز) تھا۔ پھر اکسیر کے اندر (جاکر) سونا کیونکر بن گیا؟

اختیار و جبر در تو بد خیال — چوں در ایشاں رفت شد نورِ جلال

ترجمہ اختیار و جبر تم میں (تو محض ایک) خیال تھا جب ان (عارفین) میں گیا۔ تو جلال کا نور بن گیا۔

مطلب۔ عوام کے نزدیک اختیار و جبر محض ایک خیال ہے۔ یا تو خیال باطل جو منجر بہ انکار تقدیر یا ابطال احکام ہوتا ہے اور وہ مبتدعین واہل ہوا کا عقیدہ ہے۔ یا خیال صحیح ہے۔ جو عوام خوش اعتقاد لوگوں کا مسلک ہے۔ اور وہ محض مرتبہ علم میں ہے۔ اس کے ساتھ حال و وجدان شامل نہیں۔ لیکن جب وہ عقیدہ حضرات عارفین کے دل میں سماتا ہے تو ان کے علم و اعتقاد کے ساتھ ذوق و وجدان کے مقرون ہونے سے اپنے عجز اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ان کے دل پر اس قدر استحضار رہتا ہے۔ کہ یہ عقیدہ ان کے لئے سراسر نور جلال بن جاتا ہے۔

صائبؔ — درتہ تودہ خاکستر ہستی چوں برق — گرم روشنگر آئینۂ جانان خود اند

نان چو در سفرہ ست او باشد جماد در تنِ مردم شود او رُوحِ شاد

لغات سُفرہ سین کے فتحہ و ضمہ سے خوان جماد ٹھوس چیز۔ بے جان چیز۔
ترجمہ (جو تھی نشان) روٹی جب دسترخوان میں ہوتی ہے۔ تو محض ایک ٹھوس چیز ہے۔ (کہ اس میں مادہ حیات نہیں ہوتا) اور آدمی کے بدن میں پہنچکر وہ ایک بشاش رُوح بنجاتی ہے۔

در دلِ سفرہ نگردد مُستحیل مُستحیلش جاں کند از سلسبیل

لغات مُستحیل۔ متغیر ہوجانیوالا۔ ایک شکل سے دوسری شکل اختیار کرنیوالا۔ سلسبیل بہشت کے ایک چشمے کا نام ہے۔
ترجمہ وہ (روٹی) خوان کے اندر اپنی حالت نہیں بدلتی۔ (بلکہ) روح (حیوانی) سلسبیل سے (یعنی اپنی قوت سے جو حیات بخشی میں چشمہ مذکورہ سے مماثل ہے) اس کی حالت بدل دیتی ہے۔
مطلب روح حیوانی مدبر بدن ہے۔ جس کی تدبیر و تصرف سے تمام اعضائے باطن کے افعال اضطراری وقوع پاتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ افعال بھی ہیں۔ کہ غذا معدے میں پہنچتی ہے۔ کیلوس و کیموس بن کر جگر میں جاتی ہے۔ وہاں سے خون بن کر دل میں پہنچتی ہے۔ پھر وہ خون دل سے پھیپھڑے کی طرف جاکر صاف ہوکر واپس دل میں آتا ہے اور اس سے بخار لطیف پیدا ہو کر شرائین میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہی بخار لطیف جسم کا مادہ ہے۔

قوتِ جانست ایں اے راستخواں! تاچہ باشد قوتِ آں جانِ جاں!

لغات جان رُوح حیوانی جانِ جاں روح انسانی۔ اس کو جانِجاں اس لحاظ سے کہا ہے۔ کہ وہ روح حیوانی سے متعلق ہوتی ہے۔ اور رُوح حیوانی جسم سے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے۔ یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (اے پیغمبر) لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہدو کہ رُوح میرے پروردگار کا امر ہے۔ اور تم کو تھوڑا علم دیا گیا ہے) یہ آیت اس امر کے لئے نص نہیں ہے۔ کہ امت مرحومہ میں کوئی بھی رُوح کی حقیقت نہیں جانتا۔ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ جس امر کے بیان سے شرع ساکت رہے۔ اس کا علم قطعاً ناممکن ہو۔ بعض اوقات ساکت رہنے کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے۔ کہ عوام امت اس کی تعلیم کے اہل نہیں ہوتے۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خواص میں بھی اس کے علم کی صلاحیت نہ ہو۔ آگے فرماتے ہیں :۔
واضح ہو۔ کہ بظاہر روح کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ہر جاندار کا مبدء حیات ہے۔ اور ہر جاندار نفخ روح کی بدولت ہی زندہ ہوتا ہے۔ اور اس کی مفارقت سے مرجاتا ہے۔ لیکن امعان تامل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بدن میں ایک لطیف بخار ہے۔ جو قلب کے اندر خلاصہ اخلاط سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ بخار لطیف ان قوتوں کا حامل ہے۔ جو مختلف احساسات اور تحریکات کا کام کرتی ہیں اور غذا کی تدبیر عمل میں لاتی ہیں۔ اس میں طب کا حکم جاری ہوتا ہے اور تجربہ شہادت دیتا ہے۔ کہ اس بخار کی رقت و غلظت اور صفا و کدورت کا ان قوی اور ان کے افعال پر خاص اثر پڑتا ہے اور اگر کسی عضو پر کوئی ایسی آفت آپڑے۔ جو اس کے مناسب بخار کی تولید میں حارج ہو تو وہ اس بخار

کو فاسد اور اس عضو کے افعال کو مشوش کر دیتی ہے۔ اس بخار لطیف کا پیدا ہونا زندگی کو اور اس کا تحلیل ہو جانا موت کو مستلزم ہے۔ بادی النظر میں یہی روح ہے۔ لیکن نظر غائر سے کام لینے والے کے نزدیک وہ روح کا طبقہ سفلے ہے۔ اس کی مثال بدن میں ایسی ہے۔ جیسے گل سرخ میں عرق گلاب۔ یا جیسے دہکتے ہوئے کوئلے میں آگ لیکن یہ روح روح حقیقی کے لئے ایک سواری اور اس کے تعلق کے لئے ایک مادہ ہے۔ اور یہ اس لئے کہ ایک بچے پر شباب، شیخوخت کے تغیرات آتے ہیں۔ اس کے اخلاط بدن متغیر ہوتے ہیں۔ اور جو روح ان اخلاط سے پیدا ہوتی ہے۔ اس میں ہزار سے بھی زیادہ تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ صغر، کبر، سواد و بیاض جہل و علم وغیرہ بے شمار انقلابات اس پر طاری ہوتے ہیں۔ لیکن وہ شخص وہی کا وہی ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ بدن اور اس کے قویٰ اور مذکورہ بخار لطیف جس کو روح حیوانی کہتے ہیں۔ وہ نہیں ہیں جو پہلے تھے۔ آخر وہ کیا چیز ہے۔ جس کے لحاظ سے وہ وہی شخص ہے۔ وہ روح حقیقی ہے۔ جس کا وجود ان تغیرات سے برتر ہے۔ اور وہ بچے کے بچپن سے لیکر بڑھاپے تک وہی ہے۔ اور اس کا تعلق روح ہوائی کے ساتھ خاص اور اولاً ہے۔ اور بدن کے ساتھ ثانیاً۔ اس لحاظ سے کہ بدن روح ہوائی کا حامل ہے۔ اور وجدان صحیح سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ موت نسمہ (روح ہوائی) کے بدن سے جدا ہونے کا نام ہے۔ کیونکہ اس وقت بدن میں اس روح کی تولید کی استعداد نہیں رہتی۔ نہ کہ روح قدس کا نسمہ سے جدا ہونا۔ انتہیٰ ملخصاً شعر مذکور کے کلمہ جانجان کی تشریح کے لئے یہ طول بیانی اختیار کرنی پڑی۔ نیز حقیقت روح کا ذکر لطف اور فائدے سے خالی نہیں۔

ترجمہ اسے سچ بات کہنے والے (غور کرو کہ) یہ (روٹی کا مستحیل کر دینا) روح حیوانی کی طاقت ہے۔ تو روح الروح (یعنی روح انسانی) کی قوت کیا کچھ نہ ہوگی۔

مطلب روح حیوانی کا کرشمہ تو معلوم ہو چکا۔ اس سے قیاس کر سکتے ہیں۔ کہ روح انسانی میں جو اس سے افضل وارفع ہے۔ کیا کچھ عجائبات مضمر نہ ہونگے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ هِيَ كُوَّةٌ مِنْ عَالَمِ الْقُدْسِ يَنْزِلُ مِنْهَا عَلَى النَّسَمَةِ كُلَّمَا اسْتَعَدَّتْ لَهُ۔ روح انسانی عالم قدس کی طرف سے ایک دریچہ ہے جس کے ذریعہ سے روح حیوانی پر وہ تمام امور نازل ہوتے ہیں۔ جن کی اس میں استعداد ہے۔ پس عوام کے علوم و اعمال جب عارفین میں چلتے ہیں۔ تو کیا تعجب ہے۔ کہ وہ کمال کا رنگ پیدا کر لیں۔

نان ست قوتِ تن ولیکن درنگر ۔۔۔ تا چہ قوتِ جانش باشد اے پسر

لغات قوت بواو معروف غذا، خوراک، روزی۔ تا بیا بیہ چہ حرف تعجب۔ یا حرف استفہام۔

ترجمہ بیٹا! روٹی بدن کی غذا ہے۔ (جس کا مایہ حیات روح حیوانی ہے) لیکن یہ دیکھو۔ کہ اس کی روح (یعنی روح انسان) کی غذا کیا ہوگی۔ (یا کیسی اعلیٰ ہوگی)

مطلب۔ اس شعر میں روح حیوانی اور روح انسانی کی قوت کے تفاوت کی ایک وجہ بیان فرمائی ہے۔ روح حیوانی کی غذا اناج اور روح انسانی کی غذا علوم و معارف ہیں۔ جب دونوں کی غذاؤں میں فرق ہے۔ اور غذا ہی سے قوت پیدا ہوتی ہے۔ تو دونوں کی قوتوں میں بھی تفاوت ہونا لازم ہے۔ چنانچہ روح حیوانی کا تصرف اپنی غذا میں ہوتا ہے۔ کہ جماد کو بخار لطیف میں مستحیل کر دیتی ہے۔ اور روح انسانی کا تصرف کمالات علمیہ وعملیہ میں ہوتا ہے۔ کہ ناقص کو کامل بنا دیتی ہے۔

گوشت پارہ آدمی از زورِ جاں مے شگافد کوہ را با بحر و کاں

ترجمہ آدمی جو گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ روح (حیوانی) کے زور سے پہاڑ کو دریا و کان سمیت چیر ڈالتا ہے۔

مطلب پہاڑوں کو توڑ پھوڑ کر راستے بنانا خطرناک دریاؤں سے موتی اور گہری کانوں سے جواہرات نکالنا انسانی ہمت کے کام ہیں۔ مگر یہ تمام مہمات روح حیوانی اور اس کی قوتوں کے مشاغل ہیں۔ روح انسانی کا منصب اس سے برتر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

زورِ جانِ کوہکن شقُّ الحجر زورِ جانِ جاں دَرِ انشقّ القمر

لغات کوہکن۔ پہاڑ کو کھودنے والا۔ فرہاد کا لقب ہے۔ جو خسرو پرویز شاہ ایران کی محبوبہ ملکہ شیریں پر عاشق تھا۔ اس کے عشق کا چرچا پھیلنے لگا۔ تو ملکہ کی بدنامی کے خیال سے اس کو ٹالنے کے لئے کہا گیا۔ کہ اگر تم فلاں پہاڑ کو کھود کر اس میں سے نہر نکال لاؤ۔ تو شیریں کا وصل حاصل کر سکتے ہو۔ چنانچہ اس نے اس ارشاد کی تعمیل کی پہاڑ کھود ڈالا۔ نہر بھی نکال لی۔ مگر آخر ناکام مرا۔ شق پھاڑ دینا۔ حجر پتھر۔ انشق القمر قرآن مجید کی ایک آیت کا اقتباس اور معجزہ شق القمر کی طرف اشارہ ہے۔ جس کا مفصل ذکر پیچھے گذر چکا۔

ترجمہ پہاڑ کو کھود ڈالنے والے کی روح (حیوانی) کا زور تو پتھر کو چیر ڈالتا ہے۔ اور روح انسانی کا زور اِنشقّ القمر (کی روایت) میں ہے۔

مطلب روح حیوانی کا تصرف صرف امور سفلی میں ہوتا ہے۔ اور روح انسانی عالم علوی پر بھی مؤثر ہو سکتی ہے جو روح حیوانی کی قدرت سے برتر ہے۔ اور اس سے روح انسانی کا زیادہ قوی ہونا ثابت ہے۔

گر کشاید دل سرِ انبانِ راز جاں بسوئے عرش سازد تُرکتاز

لغات انبان تھیلہ ترکتاز لوٹ مار۔ یہاں تگ و دَو مراد ہے۔

ترجمہ اگر (کسی کا) دل بھید کے تھیلے کا منہ کھول دے۔ تو جان عرش کی طرف دوڑ جائے۔

گر زبان گوید ز اسرارِ نہاں آتش افروزد بسوزد ایں جہاں

ترجمہ اگر زبان مخفی اسرار کو ظاہر کرنے لگے۔ تو (غلط فہمی کی) آگ بھڑک اُٹھے۔ اور اس جہان کو جلا ڈالے

مطلب کاملین کے تصرفات کا راز دل ہی دل سے سمجھنے کا ہے۔ زبان پر لانے کے قابل نہیں۔ جو شخص اپنے ذوق و کشف سے اس پر مطلع ہو جائے۔ اس کو معرفت و بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جو شخص اس کے ذکر و بیان سے زبان کو مصروف تکلم کرے۔ وہ شر و فتن کی آگ مشتعل کر دیتا ہے۔ جامی رحمہ

پیشِ اربابِ خرد شرح مکن مشکل عشق
نکتۂ خاص مگو محفلِ عام است اینجا
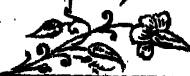
اضافت کردن آدم علیہ السلام زلّت خود را بخویش کہ ربّنا ظلمنا

حضرت آدم علیہ السلام کا اپنی لغزش کو یہ کہکر کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اپنے

و اضافت کردن ابلیس بحق تعالیٰ کہ ربّ بما اغویتنی

ساتھ منسوب کرنا اور ابلیس کا یہ کہکر کہ اے میرے پروردگار اس بات کے عوض کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے خداوند تعالیٰ سے منسوب کرنا

فعل حق و فعل ما ہر دو ببیں ۔۔۔ فعل ما را ہست داں پیداست ایں

لغات ہست موجود متحقق۔ ثابت۔ پیدا ظاہر۔ بدیہی۔

ترجمہ خداوند تعالیٰ کے فعل اور ہمارے فعل دونوں کو دیکھو۔ اور ہمارے فعل کو متحقق سمجھو (اور) یہ (بات صاف) ظاہر ہے۔

مطلب اس مضمون کا تعلق مسئلہ جبر و اختیار کی مذکورہ بحث سے ہے یعنی اگر بندہ خاص اپنے آپ کو خالق افعال سمجھے۔ تو اس سے فرقہ قدریہ کا اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اگر وقوع فعل محض خدا کی طرف سے سمجھے۔ تو یہ فرقہ جبریہ کا عقیدہ ہے۔ جیسے کہ ابلیس نے اپنے اغوا کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کی۔ اور آپ بری الذمہ بن گیا۔ وکلاہما باطلان۔ پس ان دونوں عقیدوں میں توسط کا درجہ حق مذہب ہے۔ یعنی تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور بندہ ان کے ارتکاب کا مختار ہے۔ مولانا اس قصّے کی تمہید میں اسی توسط کا ذکر فرماتے ہیں۔

گر نباشد فعل خلق اندر میاں ۔۔۔ پس مگو کس را چرا کردی چناں

ترجمہ اگر (وقوع افعال میں) مخلوق کے فعل کا کوئی دخل نہ ہو۔ تو تمہیں کسی (مرتکب گناہ) کو یہ کہنے کا حق نہیں۔ کہ تم نے ایسا (کام) کیوں کیا (کیونکہ تمہارے عقیدے کے موافق خود اس نے یہ کام نہیں کیا)

خلق حق افعال ما را موجد ست ۔۔۔ فعل ما آثار خلق ایزد ست

لغات خلق شعر بالا میں از قبیل مصدر بمعنی اسم مفعول تھا۔ یعنی مخلوق۔ یہاں بمعنی مصدری ہے۔ یعنی پیدایش آفرینش۔

ترجمہ (ہاں) خدا کی آفرینش ہمارے افعال کی موجد ہے (اور) ہمارے فعل خدا کی آفرینش کے نتائج ہیں۔

لیک ہست ایں فعل ما مختار ما ۔۔۔ زو جزا گہ مار ما گہ یار ما

لغات مختار اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں صیغے اسی وزن پر آتے ہیں۔ یعنی جس کو اختیار حاصل ہو۔ اور جسپر اختیار ہو۔ یہاں معنی ثانی مراد ہیں۔ مار سانپ۔ یہاں کنایہ ہے سامر مخالف سے۔

ترجمہ لیکن ہمارا فعل ہمارے اختیار میں ہے (اس لئے) کبھی اس کی (بُری) جزا ہمارے مخالف کبھی (نیک جزا) ہمارے موافق ہے۔

مطلب انسان کو اپنے فعل کا اختیار حاصل ہونا ایک دعوے ہے جس کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کی ہے۔ کہ اس کو کبھی تو اپنے اچھے بُرے کام کی جزا و سزا ملتی ہے۔

زانکہ ناطق حرف بیند یا غرض — کے شود یکدم محیط دو عرض؟

لغات ناطق بولنے والا غرض مطلب یعنی مفہوم یکدم ایک آن میں محیط حاوی۔ احاطہ کرنے والا۔ عرض حالت

ترجمہ کیونکہ بولنے والا یا تو حرف کو دیکھتا ہے۔ یا مطلب یعنی کو۔ ایک ہی آن میں دو حالتوں پر کیونکر حاوی ہو سکتا ہے؟

مطلب۔ یہاں سے یہ بیان شروع ہوتا ہے۔ کہ بندہ افعال کا خالق نہیں۔ اور یہ امر دو مقدموں پر مبنی ہے مقدمہ اولی یہ ہے۔ کہ بندہ اپنے افعال پر علماً محیط نہیں۔ اور مقدمہ ثانیہ یہ ہے۔ کہ خالق اپنے مخلوق پر علماً محیط ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ بندہ افعال کا خالق نہیں۔ یہ شعر اور پیچھے کے دو شعر پہلے مقدمے کے مضمون پر مشتمل ہیں۔

گر بمعنی رفت شد غافل ز حرف — پیش و پس یکدم نہ بیند ہیچ طرف

لغات بمعنی میں یا بمعنی جانب ہے۔ طرف آنکھ۔ چشم۔

ترجمہ (چنانچہ) اگر معنی پر متوجہ ہوگا۔ تو حرف سے غافل ہو جائیگا (اس کی بدیہی مثال یہ ہے کہ) کوئی آنکھ ایک ہی آن میں آگے اور پیچھے نہیں دیکھ سکتی۔

آں زماں کہ پیش بینی آں زماں — تو پس خود کے بہ بینی ایں بداں

ترجمہ اتنا تو خیال کرو۔ کہ جب تم آگے کی طرف دیکھو گے تو اسوقت پیچھے کی طرف کیونکر نظر کرو گے۔

چوں محیط حرف و معنی نیست جاں — چوں بود جاں خالق ایں ہر دواں

ترجمہ۔ جب (مخلوق کی) جان حرف اور معنی پر (ایک حالت میں) حاوی نہیں ہو سکتی۔ تو وہ ان دونوں کی خالق کیونکر ہو گی

مطلب۔ اس شعر میں دلیل مذکور کا نتیجہ ظاہر کیا ہے۔ اور مقدمہ اولیٰ کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔ توضیح اشارہ یہ کہ کسی فعل کو خلق کرنا اس امر پر موقوف ہے۔ کہ فاعل کو پہلے اس کی ماہیت اس کی غرض و غایت اس کے نفع و ضرر کے متعلق علم تام حاصل ہو۔ اور علم محیط سے یہی مراد ہے۔ اور ایسا علم بندے سے منتفی ہے۔ لامحالہ اس کا خالق افعال ہونا بھی منتفی ہوا۔

حق محیط جملہ آمد اے پسر — واندارد کارش از کار دگر

لغات جملہ سے جملہ عالم یا جملہ امور مراد ہے۔ مضاف الیہ مقدر ہے۔ واداشتن۔ روکنا۔ باز رکھنا

ترجمہ بیٹا! (البتہ) حق تعالیٰ تمام امور پر محیط ہے۔ اسکو کوئی کام دوسرے کام سے روک نہیں سکتا۔
مطلب - چونکہ اللہ تعالیٰ کو تمام اشیاء کا علم دفعۃً ہوتا ہے۔ ایک امر کیطرف التفات فرمانے سے دوسرے امر کی طرف سے اس کی بے توجہی لازم نہیں آتی۔ کما قیل لَا یَشْغَلُہٗ شَأْنٌ عَنْ شَأْنٍ - پس تمام امور کا خالق وہی ہے۔ نظامی رح ؎

ہمہ آفریدست بالا و پست　　　توئی آفرینندۂ ہرچہ ہست

گفت ایزد جانِ ما را مست کرد　　　چوں نداند آنکہ را خود ہست کرد

لغات گفت حاصل مصدر - قول - سخن -
ترجمہ اللہ تعالیٰ کے قول (کن) نے ہماری جان کو مست (یعنی مسخر قدرت) کر دیا۔ (یعنی کہ ہم بلا اختیار پیدا ہو گئے۔ پھر) بھلا جس چیز کو اس نے خود پیدا کیا ہو۔ اس کا علم اُسے کیوں نہ ہو۔
مطلب یہ شعر اس آیت کے مضمون پر مشتمل ہے۔ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (سورۂ ملک) بھلا جو پیدا کرے وہی ناواقف ہو حالانکہ وہ بڑا باریک بین اور صاحب خبر ہے۔ سعدی رح ؎

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست　　　کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکے ست

مولانا رح عقیدہ حق کی توضیح کے بعد جو جبر و قدر کے تفریطی و افراطی عقیدوں میں متوسط ہے۔ قصہ موعود شروع فرماتے ہیں۔

گفت شیطاں کہ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ　　　کرد فعل خود نہاں دیوِ دنی

لغات - دیو شیطان دنی بروزن فعیل کمینہ خسیس -
ترجمہ ابلیس نے بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ کہا۔ یہ کمینہ شیطان اپنے فعل (یعنے کسب غوایت) کو چھپا (کر اور اغوا کو خداوند تعالےٰ سے منسوب کرکے جبر کے عقیدۂ باطل کا اظہار کر گیا۔

گفت آدم کہ ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا　　　او ز فعل حق نبُد غافل چو ما

ترجمہ (مگر) حضرت آدم علیہ السلام نے کہا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (اور ظلم کو اپنے نفس سے منسوب کیا) وہ کوئی ہماری طرح حق تعالیٰ کے فعل سے (جو مرتبہ خلق میں ہے) غافل تھوڑا ہی تھے۔
مطلب حضرت آدم علیہ السلام نے جو اس دعا میں اکل شجرہ کی تقصیر کو اپنے نفس سے منسوب کیا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہو سکتا۔ کہ انہوں نے اپنے آپ کو اس تقصیر کا خالق قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ غفلت و ناواقفی تو ہمارا شیوہ ہے کہ عام طور پر ایسے کلمات کہہ بیٹھتے ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے۔ کہ گویا ہم بندوں کو خالق افعال مانتے ہیں۔ لیکن ایک پیغمبر کی شان اس سے ارفع ہے۔ پس انہوں نے مرتبہ کسب میں اس فعل کو اپنے نفس سے منسوب کیا ہے۔ اور اس کا خالق خداوند تعالیٰ کو مانا ہے۔

در گنہ او از ادب پنہانش کرد　　　زاں گنہ بر خود زدن او بر بخورد

لغات برخود زدن اپنے آپ پر لگا لینا - برخوردن پھل پانا نتیجہ حاصل کرنا۔

ترجمہ (مگر) انہوں نے گناہ (کے معاملے) میں بلحاظ ادب اس کو (یعنی خداوند تعالیٰ کے فعل کو) مخفی رکھا اور اس وجہ سے کہ گناہ کو اپنے نفس سے منسوب کر لیا۔ ان کو بہت ہی اچھا پھل ملا (کہ عفو تقصیر و رفع درجات سے مشرف اور خلافت الٰہی سے ممتاز ہوئے)۔

بعدِ توبہ گفتش اے آدم نہ من ٭ آفریدم در تو آں جرم و محن ؟

لغات آفریدن پیدا کرنا۔ محن میم کے کسرہ اور حاء کے فتحہ سے محنت کی جمع۔ شعر میں استفہام اقراری ہے۔
ترجمہ توبہ (قبول کرنے) کے بعد (خداوند تعالیٰ نے) اُن کو فرمایا اے آدم کیا وہ تقصیر (تناول گندم) اور (مختلف) تکالیف خود میں نے تم میں پیدا نہیں کی تھیں ؟ (پھر تم نے اس معاملے کو محض اپنے ساتھ منسوب کیوں کیا ؟)
مطلب - تکالیف سے حضرت آدم علیہ السلام کا بہشت سے نکلنا۔ زمین کی طرف اترنے پر مجبور ہونا۔ مدت مدید تک اپنے اہل سے مہجور رہنا۔ اور سالہا سال خشیت الٰہی سے گریہ وزاری کرنا مراد ہے۔

نے کہ تقدیر و قضائے من بُدآں ؛ چُوں بوقتِ عُذر کردی آں نہاں ؛

ترجمہ (اور) کیا وہ (واقعہ) میری ہی تقدیر و قضا نہیں تھا ؟ (پھر) توبہ کرتے وقت تم نے اُس کو مخفی کیوں رکھا ؟
مطلب - عقائد صحیحہ کی رُو سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت آدم ع کا تناول گندم کا فعل قضائے الٰہی سے مخلوق ہو چکا تھا۔ حضرت آدم نے صرف اس کو کسب کیا۔ گویا اس کا انتساب مطلقًا ان کی طرف نہ تھا۔ لیکن انہوں نے بتقاضائے ادب اپنے کلمات توبہ میں دو رعایتیں رکھیں۔ ایک تو اس فعل کو مطلقًا اپنے ساتھ منسوب کیا۔ جس کا ذکر اوپر کے شعر میں ہے۔ دوسرے اللہ کے ساتھ جو بلحاظ خلق اس کی نسبت تھی اس کو مخفی رکھا۔ اس کا ذکر اس شعر میں ہے۔ ان دونوں باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سوالیہ خطاب فرمایا ہے۔ مگر یہ ذکر - کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا۔ اور آدم ع نے یوں جواب دیا۔ کسی مشہور و متداول کتاب میں نہیں ملتا۔ شاید مولانا کی نظر سے کہیں گذرا ہو۔ یا بذریعہ کشف معلوم ہوا ہو۔

گفت ترسیدم اَدب نگذاشتم ٭ گُفت من ہم پاسِ آنت داشتم

ترکیب پاس آنت آں اسم اشارہ کا مشارٌ الیہ ادب ہے۔ اور حرف تا ء بمعنی برائے تو ہے۔
ترجمہ (حضرت آدم ع نے) عرض کیا۔ میں (سوء ادب سے) ڈر گیا (اور دامن) ادب چھوڑا۔ فرمایا (تو پھر) میں نے بھی تمہاری خاطر اس (ادب) کا لحاظ رکھا۔ ؎

گناہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظ ٭ تو در طریق ادب کوش گو گناہ من است

ہر کہ آرد حُرمت او حرمت برد ٭ ہر کہ آرد قند لوزینہ خورد

لغات حرمت - عزت - تعظیم - لوزینہ حلوائے بادام -
ترجمہ - جو کوئی کسی کی تعظیم کرتا ہے (اپنی بھی) تعظیم کراتا ہے - جو کوئی (کسی کے پاس) قند لاتا ہے

دہ (اس سے) حلوائے بادام کھاتا ہے۔ صائب رحمہ

با ادب باش دریں باغ کہ ہر کس اینجا
مے نہد بر سر ہم دست ثمر مے چیند

غنی رحمہ
سر پیش نگندان ز گنہ داد نجاتم
صد طاعت نا کردہ بیک سجدہ ادا شد

طیبات از بہر کہ للطیبین
یار را خوش کن مرنجاں و ببیں

لغات طیبات پاک عورتیں یا پاک چیزیں۔ طیبین پاک لوگ۔ **صنائع** قرآن مجید کی ایک آیت کی طرف تلمیح ہے

ترجمہ پاک حالتیں کن کے لئے ہیں؟ پاک لوگوں کے لئے۔ یار کو (ادب کے ساتھ) خوش رکھو (بے ادبی سے) اس کو رنجیدہ نہ کرو۔ اور (پھر لطف) دیکھو۔

مطلب اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔
گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہوتی ہیں۔ اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہوتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے۔ بہتان باندھنے والے جو بکتے پھرتے ہیں۔ یہ ان سے بالکل بری ہیں۔ ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی (نور ع۳) غرض وہی لوگ مرادات حقیقی سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ جو اپنے اندر ادب و اطاعت کی پاکیزہ کیفیات پیدا کر لیتے ہیں ۔"ببیں" کے کلمے میں یہ عجیب و غریب اشارہ ہے کہ مقام عشق میں ادب کے شرائط کما حقہا بجا لاؤ۔ پھر دیکھو۔ کہ کیا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اور کس طرح محب سے محبوب یا عاشق سے معشوق بن جاتے ہو۔ فیضی غفر لہ

جائیکہ ز عشق جز ادب نیست
معشوقی عاشقاں عجب نیست

تمثیل

یک مثال اے دل پئے فرقے بیار
تا بدانی جبر را از اختیار

ترجمہ اے دل ایک مثال فرق (ظاہر کرنے) کے لئے پیش کر۔ تاکہ جبر کو اختیار سے (الگ) شناخت کر سکے

دست کو لرزاں بود از ارتعاش
وانکہ دستے را تو لرزانی ز جاش

لغات ارتعاش لرزہ۔ رعشہ کا مرض۔ ز جاش از جائے او۔

ترجمہ (ایک تو ایسا) ہاتھ جو مرض رعشہ سے کانپ رہا ہے۔ اور ایک وہ ہاتھ جسے تم (خود) اس کی جگہ سے حرکت دیتے ہو۔

ہر دو جنبش آفریدہ حق شناس
لیک نتواں کرد ایں با آں قیاس

ترجمہ دونوں (ہاتھوں کی) حرکتوں کو خداوند تعالیٰ کی پیدا کردہ (ہونے میں مشترک) سمجھو۔ لیکن اس (حرکت) کو (جو تم از خود کر رہے ہو) اس (حرکت) پر (جو رعشہ سے ہے) قیاس نہیں کر سکتے۔

مطلب دونوں حرکتیں باوجودیکہ آفریدۂ حق تعالیٰ ہیں۔ من کل الوجوہ مساوی نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں یہ بیّن فرق ہے کہ حرکت ارادیہ اختیاری۔ اور حرکت ارتعاشیہ اضطراری ہے۔ جس کو جبر محض کہتے ہیں۔ اب اس فرق کے بیّن وبدیہی ہونے کی دلیل بیان فرماتے ہیں:-

زاں پشیمانی کہ لرزانیدیش　　چوں پشیماں نیست مردِ مرتعش

لغات پشیمانی میں یائے خطاب ہے۔ چوں ونتنبیہ ہے۔ بمعنی وقتیکہ مرتعش مریضِ رعشہ۔

ترجمہ اس سے تو (بصورت نقصان) تم پشیمان ہو۔ کہ (خود) تم نے اس کو لرزایا ہے۔ جبکہ رعشہ کا مریض (اپنے لرزے سے) پشیمان نہیں۔

مُرتعش راکے پشیماں دیدہ　　برچنیں جبرے چہ برچسپیدۂ

ترجمہ رعشے کے مریض کو تم نے کب پشیمان دیکھا ہے؟۔ (یہ تو البتہ جبر ہے) تو ایسے (حقیقی) جبر (کو اپنے فرضی و مزعوم جبر کی دلیل بنانے کے لئے اس) کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے (کیونکہ یہ قیاس مع الفارق کی قبیل سے ہے) **الخلاف** یہ دو شعر بعض نسخوں میں یوں درج ہیں۔ ؎ زاں پشیمانی کہ لرزانیدیش۔ مرتعش راکے پشیمان دیدیش زیں پشیمانی کہ دادی لرزہ اش۔ چوں پشیماں نیست مردِ مرتعش۔ جن کا مطلب وہی ہے۔ جو نسخہ ہذا کا ہے۔

بحث عقل ست ایں چہ عقل آں حیلہ گر　　تا ضعیفے رہ بُرد آنجا مگر

ترجمہ یہ (مذکورہ دلیل ایک) عقلی بحث ہے۔ (اور) عقل بچاری ہے کیا چیز؟ وہ صرف ایک حیلہ گر ہے۔ تاکہ شاید کوئی ضعیف (علوم وہبیہ کی طاقت سے بے بہرہ استدلال عقلی کے ذریعے سے) اس مقام (تحقیق) تک پہنچ جائے۔

مطلب۔ یہاں سے بمناسبت مقام دلائل عقلیہ کا علم وہبی کے مقابلہ میں کمزور ہونا بیان فرماتے ہیں پہلے یہ ذکر کیا ہے کہ بعض افعال عباد کا اختیار کے ماتحت سرزد ہونا جو اوپر ثابت کیا ہے۔ اس کا ثبوت عقلی دلیل پر مبنی تھا عقلی دلیل اس کو کہتے ہیں کہ معلومات سابقہ کو باہم اس طرح ترتیب دی جائے۔ کہ اس سے کوئی غیر معلوم بات معلوم ہو سکے چنانچہ اوپر افعال عباد کا باختیار وقوع پانا اس دلیل سے ثابت کیا ہے۔ کہ فعل اضطراری کو عدم ندامت لازم ہے۔ مگر بعض افعال ایسے بھی ہیں۔ جن کو عدم ندامت لازم نہیں۔ بلکہ ندامت لازم ہے۔ تو لازم کے انتفا سے ملزوم کا منتفی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یعنی وہ افعال اضطراری نہیں۔ بلکہ اختیاری ہیں۔ پس اختیار کا وجود ثابت ہو گیا وہو المطلوب۔

بحثِ عقلی گر دُر و مرجاں بُود　　آں دگر باشد کہ بحثِ جاں بُود

ترجمہ عقلی بحث اگرچہ (اپنی نفاست کے لحاظ سے) درو مرجان (کی مثل) ہو۔ (پھر بھی) جو کچھ روحانی بحث (یعنی علم وہبی ہے) وہ اور ہی (بات) ہے۔

مطلب۔ اگرچہ مباحث عقلیہ اپنے نفاست استدلال اور صفائی تقریر کے لحاظ سے دلنشیں ہوں۔ مگر ان سے عین الیقین اور حق الیقین کا استفادہ نہیں ہو سکتا۔ یہ حصہ علم وہبی کا ہی ہے۔ عراقی رح ؎

زعفران ۔ یونانی دغل مستاں کہ قلا یشد ندارد قلب شاں سکہ زدار الضرب ایمانی
صائب رحمۃ اللہ ؎ بکجا رسیدہ باشد تگ و پوئے عقل ناقص
چو بکنہ رائے کو رسے زعصا رسیدہ باشد

بحثِ جاں اندر مقامے دیگر ست بادۂ جاں را قوامے دیگر ست

ترجمہ روحانی (علوم کے) مباحث اور ہی مقام میں ہیں (جو وحی والہام کا مقام ہے) شراب روحانی (جس سے روح کو نشاط و فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اس) کا قوام اور ہی ہے۔

مطلب۔ روحانی علوم کا درجہ جن میں علم قرآن و حدیث اور الہامات اولیاء اللہ داخل ہیں۔ اس قدر بلند ہے۔ کہ عقلی علوم جن میں منطق اور فلسفہ و حکمت شامل ہیں۔ ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ان علوم میں کوئی نورانیت نہیں
جامی رح ؎ نورِ دل از سینہ سینا مجوے روشنی از چشم نہ بینا مجوے
جانبِ کفر ست اشاراتِ او باعثِ خوف ست بشاراتِ او
فکر شفا ئیش ہمہ بیماری ست میل نجاتش زگرفتاری ست

روحانی علوم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قطعی جس میں علوم منقولہ شرعیہ یعنی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور فقہ داخل ہیں۔ دوسری قسم ظنی جس سے اولیاء کاملین کے الہامات اور کشف مراد ہیں یعقلی علوم بشرطیکہ احقاق حق اور اثبات شرعیات کے لئے ہوں (کیونکہ جو فلسفہ و حکمت انکار حق کے لئے ہو۔ اس سے یہاں سروکار نہیں) اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک علوم قطعی۔ دوسرے علوم ظنی۔ پس علوم وہبیہ قطعیہ یعنی علوم منقولہ شرعیہ علم عقلی قطعی سے افضل ہیں۔ اور علم وہبی ظنی یعنی کشف والہام خود صاحب علم کے لئے اور اس کے متبعین کے لئے بھی عقلی ظنی سے افضل ہے۔ لیکن عقلی قطعی جو کسی اصول شرعی کے مخالف نہ ہو۔ وہبی ظنی پر ترجیح رکھتا ہے۔ کیونکہ عقل کی قطعی شہادت کو اثبات حق میں جو قوت حاصل ہے۔ وہ الہام و رویا کو حاصل نہیں۔ کیوں نہ ہو آخر عقل بھی ایک جوہر عالی اور جواد مطلق کا عطیہ گراں ہے۔ نظامی رح ؎
جاں چراغے ست وعقل روغنِ او عقل جانے ست دجانِ ماتنِ او
جان با عقل زندۂ ابدی ست عقل با جاں عطیہ احدی ست

(حاشیہ: تقسیم علوم وہبیہ و عقلیہ و تفاضل باہمی)

(حاشیہ: رویا و کشف و الہام پر عقل کو ترجیح ہے)

آں زماں کہ بحثِ عقلی ساز بود ایں عمر با بوالحکم ہمراز بود

لغات ساز بودن سامان ہونا ایں عمر میں اسم اشارہ قریب اس وجہ سے ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کا ذکر پہلے سے چلا آرہا ہے۔ اس لئے وہ ذہن میں اس وقت اقرب ہیں۔ ابوالحکم عمرو ابن ہشام یعنی ابوجہل کی پہلی کنیت ہے۔ جو مشرکین مکہ کا ایک با رسوخ سردار اور اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جانی دشمن تھا۔ اور کئی مرتبہ اسنے اسلام کو مٹانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعاذ باللہ بدھن) رسوا کرنے کی کوششیں کیں۔ دولت ایمانی سے محروم رہنے کے باعث اسکی کنیت بجائے ابوالحکم کے ابوجہل قرار پائی۔ غزوہ بدر میں قتل ہوا۔

(حاشیہ: ابوجہل کا ذکر)

ترجمہ جس زمانے میں (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اسلام کی روحانی تعلیم

نہیں پھیلی تھی۔ بلکہ صرف عقلی بحث کا سامان (اور صرف رائے اور تجربہ پر سب کا مدار) تھا۔ (اس وقت) یہی حضرت عمرؓ ابوالحکم کے ساتھ ہمخیال تھے۔

چوں عمر از عقل آمد سوئے جاں ‌ ‌ ‌ بوالحکم بوجہل شد در بحث آں

ترجمہ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ عقلیات سے (لوٹ کر) روحانی علوم کی طرف آ گئے (یعنی مشرف باسلام ہو کر علوم روحانیہ سے بہرہ اندوز ہو گئے) تو ابوالحکم اس (عقل) کی بحث میں (پڑا رہنے سے) ابوجہل بن گیا۔ (اور اپنے علوم عقلیہ سے حضرت عمرؓ کا مقابلہ نہ کر سکا)

سوئے عقل و سوئے حس او کامل ست ‌ ‌ ‌ گرچہ خود نسبت بجاں او جاہل ست

ترجمہ (بیشک) وہ (یعنی ابوجہل) علوم حسیہ اور علوم عقلیہ کے پہلو سے کامل ہے۔ اگرچہ علوم روحانیہ کے لحاظ سے جاہل (محض) ہے۔

بحث عقل و حس اثر داں یا سبب ‌ ‌ ‌ بحث جانی یا عجب یا بوالعجب

لغات اثر معلول سبب علت۔ جانی روحانی۔ بوالعجب عجیب کا باپ یعنی بہت ہی عجیب۔

ترجمہ عقل اور حس کی بحث معلول و علت (پر موقوف) سمجھو (جس کو دلیل لمی اور انی کہتے ہیں۔ اور) روحانی بحث یا عجیب ہے۔ یا عجیب سے بھی بڑھ کر ہے۔

مطلب بحث عقلی کی کئی صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے۔ کہ علت سے معلول پر استدلال ہو۔ جس کو اصطلاح منطق میں دلیل لمی کہتے ہیں۔ اور کبھی معلول سے علت پر استدلال ہوتا ہے۔ اس کو دلیل انی کہتے ہیں بحث روحانی عجیب سے مراد الہام ہے۔ اس کے عجیب ہونے کی وجہ یہ کہ اس کا حصول اسباب ظاہری کے توسط پر موقوف نہیں۔ اور زیادہ عجیب سے مراد وحی ہے۔ کہ اس میں وہ اسباب بھی نہیں جو الہام میں ہوتے ہیں۔

ضوء جاں آمد نماند اے مستضی ‌ ‌ ‌ لازم و ملزوم و نافی مقتضی

لغات۔ ضوء روشنی۔ مستضی روشنی کا طالب۔

ترجمہ۔ اے نور کے طالب! (جونہی) روحانی نور آیا۔ تو لازم و ملزوم اور منافی و مقتضی (وغیرہ اصطلاحات منطق و فلسفہ کی ضرورت) نہ رہی۔

مطلب مذکورہ اصطلاحات استدلال عقلی سے تعلق رکھتی ہیں۔ چنانچہ ملزوم کے وجود سے لازم کے وجود پر۔ لازم کے عدم سے ملزوم کے عدم پر۔ اسی طرح نافی کے وجود سے منفی کے عدم پر اور مقتضی کے وجود سے مقتضا کے وجود پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اب آگے نور روحانی کے سامنے ان سب عقلی وجوہ استدلال کے غیر ضروری بن جانے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

زانکہ بینا را کہ نورش بازغ ست ‌ ‌ ‌ از عصا و از عصا کش فارغ ست

لغات بازغ چمکنے والا عصا لاٹھی عصاکش نابینا کی لاٹھی پکڑ کر اس کو ساتھ لیجانیوالا۔ **ترکیب** تقریر کلام یوں ہے۔ بینا ئیکہ نور چشمش بازغ ست۔ پس حرف را را فادہ اضافت کرتا ہے بینا مضاف الیہ ہے۔ اور نور مضاف شین بھی اس اضافت کا مظہر ہے + **ترجمہ** کیونکہ جس آنکھ والے (کی بینائی) کا نور چمک رہا ہے۔ وہ لکڑی اور لکڑی پکڑ کرلے جانیوالے کا غیر محتاج ہے۔

مطلب۔ استدلال عقلی کی مثال ایک عصاکش کی سی ہے۔ جو نابینا کو ٹھیک راستے پر لے جاتا ہے۔ لیکن جس شخص کی آنکھیں روشن ہیں۔ اس کو عصاکش کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح جو شخص روحانی نور کی مدد سے مطلوب کو دیکھ سکتا ہے۔ اس کو مطلوب تک پہنچنے کے لئے استدلال عقلی کی کیا حاجت؟

تفسیر آیہ وَهُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ وبیان آں

آیت وہو معکم اینما کنتم کی تفسیر اور اس کا بیان

بار دیگر ما بقصہ آمدیم ۔۔۔ ما ازیں قصہ بروں خود کے شدیم

صنائع دوسرا مصرعہ صنعت رجوع پر مشتمل ہے۔

ترجمہ ہم پھر قصے کی طرف مائل ہوتے ہیں (مگر) ہم اس قصے سے نکلے ہی کب تھے؟ (جو کچھ جبر و اختیار کے متعلق بیان ہوا وہ بھی مضمون معیت کا حاشیہ تھا)

گر بجہل آییم آں زندان اوست ۔۔۔ ور بعلم آییم آں ایوان اوست

ترجمہ (لو اب سنو کہ) اگر ہم جہل میں مبتلا ہوں۔ تو وہ اسی (قادر مطلق) کا قیدخانہ ہے اور اگر علم سے بہرہ ور ہوں۔ تو یہ بھی اسی کا ایوان ہے۔

مطلب ہمارا مبتلائے جہل ہونا اسی کا تصرف ہے۔ يُضِلُّ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (گمراہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ جس کو چاہتا ہے) اور ہمارا رتبہ علم پر فائز ہونا اسی کے عطیات سے ہے يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (جس کو چاہتا ہے۔ ہدایت دیتا ہے) حافظ رحمہ

مکن دریں چمنم سرزنش بخودروئی ۔۔۔ چنانکہ پرورشم میدہند مے رویم

گر بخواب آییم مستان وییم ۔۔۔ ور بہ بیداری بدستان وییم

لغات دستان مخفف داستان۔ حکایت۔

ترجمہ اگر ہم سو جائیں۔ تو اسی کے مست ہیں۔ اور اگر جاگتے رہیں۔ تو اسی کی داستان (گوئی) میں (مصروف) ہیں۔ امیر خسرو رحمہ

دل من مست بود قصۂ دوست ۔۔۔ سخنے انجام وگہ آغازے گفت

مطلب پہلے مصرعہ میں اس آیت کی طرف تلمیح ہے۔ اللہ یتوفی الا نفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا (جس کی تفسیر بشرح دلبسط حصہ اول میں گزر چکی ہے)

دوسرے مصرعہ میں اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (سورۃ الرحمٰن)

ور بگرییم ابرِ پُر زرقِ وَیم　　ور بخندیم آں زماں برقِ وَیم

لغات۔ ابر۔ بادل۔ استعارہ یا تصریح ہے۔ زاری واشکباری کرنے والے کے لئے۔ زرق آب صافی۔

ترجمہ اگر ہم روئیں۔ تو اسی کے ابر (گریاں) ہیں۔ جو آب صافی سے پر ہو۔ اور اگر ہنسیں۔ تو اس وقت اسی کی برق (خنداں) ہیں۔

مطلب ہمارا رونا اور ہنسنا اس قادر مطلق کے تصرف سے ہے۔ کما قال تعٰ وَاِنَّهُ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى۔ اور بیشک وہی ہنساتا اور رولاتا ہے۔

ور بخشم و جنگ عکسِ قہرِ اوست　　ور بصُلح و عُذر عکسِ مہرِ اوست

ترجمہ اور اگر غضب اور جنگ میں (مصروف ہوں) تو یہ اسی کے قہر کا عکس ہے۔ اور اگر صلح اور عذر پر (آئیں) تو یہ اس کی محبت کا عکس ہے۔

مطلب رمز شناسانِ وحدت کے نزدیک یہ بات مسلّمہ ہے۔ کہ انسان کے تمام اخلاق حسنہ اسماء الٰہیہ کے مظاہر ہیں۔ اس لحاظ سے بندگانِ خدا کا قہر و انتقام اور رحمت و رافت بھی اللہ تعٰ کے اسماء قہار، منتقم، رحیم، رؤف کے عکس ہیں سعدی رحہ ؎

گر گزندت رسد زخلق مرنج　　کہ نہ راحت رسد زخلق نہ رنج

از خدا داں خلافِ دشمن و دوست　　کہ دلِ ہر دو در تصرفِ اوست

ابو ذر رضہ سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ یعنی اللہ کے نزدیک تمام اعمال سے پسندیدہ عمل یہ ہے۔ کہ لوگوں سے محبت ہو تو اللہ کے لئے ہو۔ اور بغض ہو تو اللہ کے لئے ہو (مشکوٰۃ)

روایت ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک کافر کے ساتھ مصروف پیکار تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے اس کو زمین پر گرا لیا۔ اور اس کی چھاتی پر چڑھ کر خنجر سے اس کا کام تمام کرنا چاہا۔ اس وقت اس کافر نے آپ پر تھوک دیا۔ تو آپ فوراً اس کو چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا۔ تو فرمایا میں نے محض اللہ کے دین کی حمایت اور اللہ کی رضامندی کے لئے اس کو مغلوب کیا تھا۔ لیکن جب اس نے مجھ پر تھوک دیا۔ تو غیرت نفس کے تقاضے سے مجھے غصہ آ گیا۔ اور اس وقت اس کو ہلاک کرنا گویا اپنے نفس کے لئے اس سے انتقام لینا تھا۔ اس لئے میں نے نفس کا اتباع پسند نہ کیا۔ اور اس کو چھوڑ دیا۔ اس قصے کو خود مولانا رحہ نہایت شرح و بسط کے ساتھ اس دفتر کے خاتمے پر بیان فرمائینگے۔

ما کہ ایم اندر جہانِ پیچ پیچ　　چوں الف او خود چہ دارد ہیچ ہیچ

لغات ما کہ ایم میں کاف استفہامیہ ہے۔ مصرعہ ثانیہ میں جواب استفہام ہے۔ یہ کاف موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر بہ تکلف۔

ترجمہ (۱) ہم اس پیچ در پیچ دنیا میں کیا ہیں؟ صرف الف کے مشابہ ہیں۔ اس کے پاس کیا ہے؟ کچھ

بھی نہیں (نہ سکون نہ تشدید نہ حرکت نہ نقطہ)

(۲) کاف موصولہ کی صورت میں ترجمہ یوں ہوگا :-

ہم جو اس ہیچ در ہیچ دنیا میں (پڑے) ہیں ۔ تو ہماری مثال (حرف) الف کی سی ہے ۔ اس کے پاس کیا ہے ؟ کچھ بھی نہیں الخ

مطلب اوپر فرمایا تھا کہ ہمارے تمام افعال و اعمال اور اوضاع و اطوار قدرت الہیہ کے زیر تصرف ہیں اور یہی مطلب ہے معیت حق کا ۔ یہ شعر اس مضمون کی تتمیم کرتا ہے ۔ یعنی ہماری مثال الف کی سی ہے ۔ جو دوسرے حرف کی معیت کے بغیر کسی مصرف کا نہیں تاہم وہ معدوم محض نہیں ۔ بلکہ ایک ہستی رکھتا ہے ۔ اگرچہ وہ ہستی استقلال سے معریٰ اور کمال سے خالی ہے ۔ اسی طرح ہم لوگ بھی ایک ضعیف ہستی رکھتے ہیں ۔ جو کسی صفت میں کامل اور مستقل نہیں نہ علم میں نہ قدرت میں ۔ بلکہ ہر امر میں تکوین الٰہی کی محتاج ہے ۔ حافظ رح ؎

من اگر خارم و گر گل چمن آرائے ہست ۔۔۔ کہ ازاں دست کہ مے پروردم مے رویم

چوں الف گر تو مجرد مے شوی ۔۔۔ اندریں رہ مرد مفرد مے شوی

لغات مجرد ۔ تنہا ۔ اکیلا ۔ تعلقات سے یکسو ۔ ساز و سامان سے خالی ۔ مفرد ۔ یکتا ۔ بے نظیر ۔ یگانہ ۔

ترجمہ اگر تم الف کی طرح مجرد ہو جاؤ ۔ تو اس راستے میں مرد یگانہ بن جاؤ ۔

مطلب جب الف نقاط و حرکات کے ساز و سامان سے دست بردار ہو گیا ۔ تو حروف میں سب سے مقدم درجہ پا گیا ۔ اور تمام حروف اسکی معیت کے مشتاق ہو گئے ۔ اسی طرح تم بھی شرائط تجرید بجا لاؤ ۔ تو اس راہ طریقت میں یکتا بن جاؤ ۔ اور معیت حق سے بہرہ ور ہو جاؤ ۔ جامی رح ؎

مستے زد ایں ترانہ یا واز چنگ و دف ۔۔۔ یا طالب الوصول تجرد لکے تصل

صائب ؎ مارا رسانید بے پروبالی بکوئے دوست ۔۔۔ پروانہ را بشمع اگر بال و پر رساند

جہد کن تا ترک غیر حق کنی ۔۔۔ دل ازیں دنیائے فانی برکنی

لغات ۔ جہد بفتح و بضم بمعنی طاقت و کوشش کنی پہلے مصرعہ میں کردن سے اور دوسرے مصرعہ میں کندن سے مشتق ہے

ترجمہ کوشش کرو کہ تم ماسوا اللہ کو ترک کردو (اور) اس دنیائے فانی سے دل اٹھا لو ۔

مطلب اوپر تجرد کی تلقین کی تھی ۔ اب ترک ماسوا اللہ اور ترک دنیا کی ترغیب دیتے ہیں ۔ اور ان تینوں کا مطلب تقریباً یکساں ہے ۔ حافظ رح ؎

یا تو پیوستم و از غیر تو دل ببریدم ۔۔۔ آشنائے تو ندارد سر بیگانہ و خویش

جامی ؎ از ہر چہ رسید پیش رو تافتہ ایم ۔۔۔ تا رہ بحریم وصل تو یافتہ ایم

سعدی ؎ نشانم کہ رو از خلائق بتافت ۔۔۔ کہ گم کردہ خویش را باز یافت

صائب ؎ وضوئے عشق ہیں دست شستن از دنیا ۔۔۔ ہمیشہ پاک بود ہر کہ ایں وضو دارد

ایں سخن را نیست پایاں اے پسر ۔۔۔ از رسول روم برگو وز عمر رض

ترجمہ اے بیٹا اس بات کا خاتمہ نہیں ہے۔ اب سفیر روم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ چھیڑ و۔

سوال کردن رسول روم از عمر رضی اللہ عنہ سبب ابتلاء ارواح باین آب و گل جسم

سفیر روم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جسمانی آب و گل میں ارواح کے مبتلا کئے جانے کا سبب پوچھنا

از عمرؓ چوں آں رسول ایں را شنید ۔ روشنے در دلش آمد پدید

ترجمہ اس سفیر نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ (معارف سے پُر مضمون) سُنا۔ تو اس کے دل میں ایک روشنی پیدا ہوگئی۔ نظامی رح ؎

پذیرا سخن بود شد جاے گیر ۔ سخن کز دل آید بود دلپذیر

شاعر ؎ سخن رنگ اثر از سینہ افگار میگیرد ۔ نسیم سادہ دل بوے گل از گلزار میگیرد

مطلب۔ شعر میں ایں را شنید سے اس بیان کی طرف اشارہ ہے۔ جو اوپر گذر چکا ہے کہ گفت حق بر جان فسوں خواند وقصص یعنی روح بدن کے ساتھ امر کن سے متعلق ہوئی ہے۔

محو شد پیشش سوال و ہم جواب ۔ گشت فارغ از خطا و از صواب

ترجمہ (جس کی وجہ سے) اس کو کسی سوال وجواب کی ضرورت نہ رہی۔ وہ (اس خیال کے) خطا وصواب (ہونے کی تحقیق) سے فارغ ہوگیا۔

مطلب۔ سفیر کو اپنے اس سوال کے متعلق کہ روح کا تعلق بدن کے ساتھ کیونکر ہوا۔ اس قدر اطمینان ہوگیا۔ کہ اب اس کو اس تعلق کے اسبابِ جزئیہ کے بارے میں جو خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ سب محو ہوگئے۔

اصل را دریافت بگذشت از فروع ۔ بہر حکمت کرد در پرسش شروع

ترجمہ (وہ اس خیال کے خطا وصواب ہونے کی تحقیق سے فارغ ہوگیا۔ کیونکہ) اُس نے اصل سبب (امر کن) کو دریافت کرلیا۔ اور فروعات (اسبابِ جزئیہ کے دریافت) سے دست بردار ہوگیا۔ اب وہ (اس تعلق کی) حکمت کے متعلق سوال کرنے لگا۔

مطلب پہلے یہ سوال کیا تھا۔ کہ بدن کے ساتھ روح کا تعلق کیونکر ہوا۔ اس کا جواب شافی پانے کے بعد اب پوچھتا ہے۔ کہ اس تعلق میں حکمت کیا ہے؟

با عمرؓ گفت او چہ حکمت بود و سِر ۔ حبسِ ایں صافی دریں خاکِ کدر

لغات حبس قید۔ صافی صاف و پاک کدر مکدر گدلا۔ میلا۔

ترجمہ اُسنے حضرت عمر رضؓ سے سوال کیا۔ کہ اس (روح) صاف کو (جسم کی) مکدر مٹی میں مقید کرنے میں کیا حکمت تھی

الخلاف ؛ شعر اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔

آبِ صافی در گلے پنہاں شدہ
جانِ صافی بستۂ ابداں شدہ

ترجمہ (کیا وجہ ہے کہ) یہ صاف پانی مٹی میں چھپ گیا (اور) نورانی جان جسموں میں مقید ہو گئی

فائدہ فرما کہ ایں حکمت چہ بود؟
مرغ را اندر قفس کردن چہ سود؟

ترجمہ (اس بات کا) افادہ فرمائیے۔ کہ یہ کیا حکمت تھی؟ طائر (روح کو جسم کے) پنجرے میں قید کرنے سے کیا فائدہ (مقصود) تھا؟ حافظ رح ؎

عیاں نشد کہ چرا آمدم کجا بودم
دریغ و درد کہ غافل ز کار خویشتنم

گفت تو بحثے شگرفے میکنی
معنئے را بند حرفے میکنی

لغات۔ شگرف شین کے کسرہ اور کاف فارسی کے فتحہ سے عجیب و غریب عظیم۔ بند۔ قید۔ پابند۔ شگرفے میں یائے تفخیم کے لئے ہے۔

ترجمہ (حضرت عمرؓ نے) فرمایا۔ تم ایک بہت بڑی بات کے متعلق بحث کرتے ہو۔ (اتنا تو سوچو کہ) تم (خود بھی تو) ایک معنیٰ کو حرف میں مقید کرتے ہو (یہی مثال روح اور جسم کی سمجھ لو۔

مطلب اللہ تعالیٰ نے جو جو اسرار اور مصالح اپنی مخلوق میں مرعی رکھے ہیں وہ انسان کی تحقیق و احصاء سے برتر ہیں۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (اے پیغمبر) کہدو کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لئے سمندر کا پانی سیاہی ہو۔ تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں۔ سمندر ختم ہو جائیگا اگرچہ ہم ویسا ہی (اور سمندر) مدد کے لئے لائیں۔ (کہف ۶ ع ۱۲) اس لئے ان اسرار و حکم کا بیان کرنا کوئی معمولی کام نہیں۔ نظامی رح ؎

زگویا و خاموش و ہشیار و مست
کسے را بر اسرار او نیست دست

مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حاصل جواب یہ ہے۔ کہ اس حکمت کی تعیین و تفصیل اسرار الٰہیہ سے ہے جس کا کشف اچھا نہیں۔ اور اس کو اجمالاً بیان کرنا ہی مستحسن ہے۔ چنانچہ اسیقدر سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ روح کے جسم میں مقید ہونے کا فائدہ ایسا ہی ہے۔ جیسے معنی کا الفاظ کے لباس میں مستور ہونا۔ اور وہ فائدہ یہ ہے کہ معانی مقصودہ مطلوبہ انداز کے ساتھ دائرہ بیان میں آسکیں۔ اسی طرح روح کے جسم میں مقید ہونے سے مقصود یہ ہے۔ کہ روح جسم کے لباس میں اپنا جلوہ دکھائے۔ اور خفا سے ظہور میں آجائے۔ اور اس پر ایسے فوائد کثیرہ متفرع ہیں جو حصر و احصا میں نہیں آسکتے انتہی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ اس سفیر کو صرف لفظ و معنی کی تمثیل کی طرف توجہ دلانے پر اکتفا کرتے ہیں +

حبس کردی معنئے آزاد را
بند حرفے کردۂ تو یاد را

ترجمہ تم نے بھی تو آزاد معنی کو (لفظ میں) قید کر دیا ہے۔ ساتھ ہی آواز کو (بھی) لفظ میں قید کر دیا ہے۔

(اسی طرح جسم میں روح کے مقید ہونے کا راز سمجھ لو)

از برائے فائدہ ایں کردۂ تو کہ خود از فائدہ در پردۂ

ترجمہ تم نے بھی تو کسی نہ کسی فائدے کے لئے ایسا کیا ہے (اگرچہ) اس فائدے کے مانند آنے یا نہ آنے پر ہے تم ابھی (لاعلمی کے حجاب میں ہو (اسی پر قیاس کر لو کہ جسم میں روح کے مقید ہونے میں بھی ضرور کوئی مصلحت ہوگی)

آنکہ از وے فائدہ زائیدہ شد چوں نہ بیند آنچہ ما را دیدہ شد

لغات زائیدہ جنا ہوا۔ مجازاً بمعنی مخلوق ترکیب آنکہ اسم موصول از وے الخ اپنے صلہ کے ساتھ ملکر بتدا ہوا۔ چوں نہ بیند الخ جملہ انشائیہ اس کی خبر جس میں آنچہ ما را مفعول بہ ہے۔

ترجمہ (معنی کو لفظ میں مقید کرنے کا) جو (فائدہ) ہم کو نظر آگیا ہے (وہی فائدہ جسم کے اندر جان کو مقید کرنے میں) اس (قادر مطلق) کو کیوں نہ سوجھے۔ جو فائدے کا خالق ہے۔

صد ہزاراں فائدہ ست و ہر یکے صد ہزاراں پیش آں یک اندکے

ترکیب۔ ہر یکے مبتدا۔ پھر صد ہزاراں مبتدا اندکے اس کی خبر۔ پیش آں یک مرکب اضافی ظرف متعلق خبر مبتدا و خبر ملکر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہوئی۔ پہلے مبتدا کی۔

ترجمہ (اس کے علم میں تو) لاکھوں فائدے ہیں۔ اور (ان میں سے) ہر ایک فائدہ (اس قدر عظیم الشان ہے کہ) لاکھوں فوائد بھی اس ایک فائدے کے آگے قلیل ہیں۔

آں دمِ نطقش کہ جانِ جانہاست چوں بود خالی ز معنی، گو راست!

ترجمہ اس کے نطق کا افسون (کلمہ کن) جو تمام جانوں کی جان ہے (یعنی جس کی بدولت ساری مخلوق نے زندگی پائی ہے) معنی سے کب خالی ہو سکتا ہے؟ سچ کہنا!

آں دمِ نطقت کہ جزوِ جزوہاست فائدہ شد کلِّ کل خالی چراست

ترجمہ وہ تمہارا بولا ہوا کلام جو جزوں کا جزو (یعنی بمقابلہ کلام قدیم کے ادنیٰ سے ادنیٰ) ہے۔ فائدہ (دینا) ہے۔ تو (وہ کلام جو) کل الکل (ہے) خالی (از فائدہ) کیوں ہو۔

تو کہ جزوی کارِ تو با فائدہ ست پس چرا در طعنِ کل آری تو دست

ترجمہ تو جو ایک جز (یعنی ناقص و حادث) ہے (جب) تیرا کام فائدے پر مشتمل ہے۔ تو کُل (یعنی حق تعالیٰ) کے کام پر (یہ اعتراض بصورت) طعن کرنے پر آمادہ کیوں ہوتا ہے کہ اس میں کیا فائدہ مرکوز ہے)
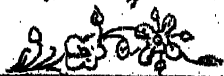
گفت را گر فائدہ نبود مگو ور بود ہل اعتراض و شکر جو

لغات - گفت قول - بات ہل صیغہ امر ہلیدن چھوڑنا ہے۔

ترجمہ (سوالیہ) بات میں اگر کچھ فائدہ نہ ہو تو نہ کہو - اگر فائدہ ہو تو رحم حم سوال کرو مگر اعتراض کا لہجہ چھوڑ دو - اور (جو جواب ملے اس کے لئے) شکریہ ادا کرو۔

مطلب فضول سوال خصوصاً اعتراض اور حجت بازی کے لہجہ میں سوال کرنے کی نہی فرمائی ہے - حیاۃ المسلمین میں لکھا ہے - کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فضول سوالات کو ناپسند فرماتے تھے - اور فرمایا کرتے - انما ھلک من قبلکم بکثرۃ سوالھم واختلافھم علی انبیائھم - یعنی تم سے پہلے لوگ اپنی کثرت سوال اور اپنے انبیا کے ساتھ اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں - اور فرمایا - ان اعظم المسلمین جرما من سأل شیئا فحرم لاجل مسئلتہ یعنی مسلمانوں میں سے بڑا مجرم وہ ہے - جو کسی بات کا سوال کرے پھر وہ چیز اس کے سوال کی وجہ سے حرام قرار پائے - اور حدیث شریف میں آیا ہے - کہ اگر بنی اسرائیل جس گائے کو چاہتے - ذبح کر لیتے - تو ان کے لئے کافی تھا - مگر انہوں نے سوال میں تکرار کیا - تو (اللہ تعالٰے نے بھی) ان پر (پابندی شرائط کی) سختی کی انتہا - جب غیر ضروری سوالات سید ھے سبھاؤ کرنا ستنکر ہے - تو اعتراض و حجت کے انداز سے بحث و تکرار کرنا کیوں نہ ممنوع ہوگا - صائب رحمہ ؎

گرچہ جاں بخش بود ہیچو مسیحا گفتن | چیش آں آینہ رخسار نباید دم زد

اختلاف - بعض نسخوں میں شکر جو کی جگہ شکر گو درج ہے - اگرچہ اس لفظ کی رو سے معنی میں کوئی تفاوت نہیں آتا - مگر قافیہ قابل اعتراض ہو جاتا ہے۔

شکرِ حق چوں طوقِ ہر گردن بود نے جدال و رو ترش کردن بود

ترجمہ اللہ تعالٰی کا شکر ہر گردن کا طوق ہونا چاہیئے - جھگڑنا اور چیں بجبیں ہونا - (شکر کے لئے شایاں) نہیں۔

مطلب - نبی کی ہدایات - مرشد کی تلقین اور استاد کی تعلیم سے شرائط ادب کے ساتھ مستفید ہونا - اور شکریہ بجالانا بھی ایک طرح اللہ تعالٰی کا شکر ہے - من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ اور شکر اس طرح ہونا چاہیئے - کہ حسن قبول کے ساتھ تواضع و انکسار کی گردن جھکی رہے - اگر کوئی شبہ ہو - تو اسکو ادب اور رعایت مراتب کے ساتھ ظاہر کرے - پھر بھی وہ شبہ حل نہ ہو - تو اپنا قصور فہم سمجھنا چاہیئے - حافظ رحمہ ؎

چو بشنوی سخن اہل حق مگو کہ خطاست | سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جاست

اس طرح کا استفادہ مفید و مثمر ہوتا ہے - بعض لوگ مرشد و استاد سے جو بات سنتے ہیں - اس پر اعتراض کرتے ہیں - جھگڑتے ہیں - بحث میں پڑتے ہیں - اس کا نتیجہ خیبت و خسران کے سوا کچھ نہیں - سعدی رحمہ ؎

چوں در آمد مہ از توے سخن | گرچہ بہ دانی اعتراض مکن

صائب ؎

برخاطرِ لطیف بزرگاں مشو غبار
لنگر دریں محیط بقدرِ حباب کن

فضول سوالات کی مذمت

گر ترش رو بودن آمد شکر و بس ... پس چو سرکہ شکر گوئے نیست کس

ترجمہ اگر صرف ترش رو ہونا ہی شکر ہے ۔ تو سرکے کا سا شکر گزار کوئی نہیں ۔

سرکہ را گر راہ باید در جگر ... گو بشو سرکنگبیں او از شکر

ترجمہ (پس اگر) سرکے کو (ہر دلعزیز بننے کے لئے لوگوں کے) جگر میں پہنچنا مطلوب ہے ۔ تو (اُسے) کہدو کہ وہ شکر میں ملکر سکنجبین بن جائے ۔

مطلب ۔ سرکہ اور شکر یا شہد مل کر سکنجبین بنتی ہے ۔ سرکہ نہایت ترش و ناگوار ہوتا ہے اور سکنجبین خوشگوار اور مفرح طبع ہوتی ہے ۔ فرماتے ہیں ۔ کہ استاد یا مرشد کے ساتھ آزادی سے شبہات بیان کرنا اور جھگڑنا اور ادب و تعظیم کی رعایت نہ رکھنا مناسب نہیں ۔ اس سے اس بزرگ کے دل میں طالب کی طرف سے نفرت پیدا ہونے کا احتمال ہے ۔ جو طالب کے لئے حرمان کی موجب ہے ۔ اگر اس بزرگ کے دل میں گھر کرنے اور اس سے فیض حاصل کرنے کی خواہش ہے ۔ تو اپنے اظہار شبہات اور استفسارات کے ترش سرکے میں ادب و انکسار کی حلاوت بقدر مناسب ملادو ؎

خسروا گر انگبیں میخواہی از شکر لباں ... اول اندر کام شیریں کن زبان خویش را

وقال بعضہم ؎ روشن گہراں را بنود جز سخن مہر ... از خطّ شعاعی ست زبان در دہن صبح

معنی اندر شعر جز با خبط نیست ... چوں فلاسنگ ست آں را ضبط نیست

لغات خبط عقل و جنون کی آمیزش ۔ گڈ مڈ ہونا ۔ فلا جنگل ۔ صحرا ۔ فلاسنگ اضافت مقلوب ہے ۔

ترجمہ یہ مضمون (بڑا وسیع ہے جس کو) شعر (کے تنگ دائرہ) میں توڑ مروڑ کر لانے کے سوا چارہ نہیں چونکہ (معانی اپنی کثرت کے لحاظ سے گویا) جنگل کے پتھر ہیں (اس لئے) ان کا ضبط (ممکن) نہیں

صائب ؎ حباب از عہدۂ تسخیر دریا برنمے آید ... مسخر چوں کند الفاظ اسرارِ معانی را

دربیانِ حدیث مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّجْلِسَ مَعَ اللّٰہِ فَلْیَجْلِسْ مَعَ اَھْلِ التَّصَوُّفِ

اس حدیث کے ذکر میں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہمنشینی چاہے ۔ اس کو اہل تصوّف کے پاس بیٹھنا چاہیے ۔

رفع اشتباہ حدیث کے کلمہ سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ کلام حدیث نبوی ہے ۔ بلکہ یہاں حدیث سے معنی لغوی قول مراد ہے ۔ اور یہ قول صوفیہ کا ہے ۔

آں رسول اینجا رسید و شاہ شد ... والہ اندر قدرت اللہ شد

ترجمہ وہ سفیر یہاں تک پہنچکر (بجائے شاہی سفیر کے) شاہ (یعنی عارف باللہ اور دنیا سے مستغنی) بنگیا

(اور) قدرت خداوندی (کے مشاہدے) میں دیوانہ ہو گیا۔ حافظ رح ؎

ازاں زماں کہ بریں آستاں نہادم روے ۔۔۔ فراز مسند خورشید تکیہ گاہ من ست

آں رسول از خود بشد زیں یک دو جام ۔۔۔ نے رسالت یاد ماندش نے پیام

ترجمہ وہ سفیر (حضرت عمر رضہ کے) ان ایک دو (نقرہ دوں کے) جام سے از خود رفتہ ہو گیا۔ نہ اس کو سفارت یاد رہی نہ پیغام۔ حافظ رح ؎

صوفی سرخوش ازیں دست کہ کج کرد کلاہ ۔۔۔ بدو جام دگر آشفتہ شود دستارش

سیل چوں آمد بدریا بحر گشت ۔۔۔ دانہ چوں آمد بمزرع کشت گشت

ترجمہ سیلاب جب دریا میں شامل ہوا تو سمندر بن گیا (یہ فیض صحبت کی ایک مثال ہے۔ دوسری مثال یہ کہ) دانہ جب کھیت میں پڑا۔ تو کھیتی بن گیا۔

سیل چوں آمد بدریا محو گشت ۔۔۔ میغ پیش تیغ شمسی ضحو گشت

لغات میغ۔ ابر شمسی سورج کا۔ یاے نسبت ہے۔ ضحو۔ چاشتگاہ۔ مجازاً دھوپ۔

ترجمہ سیلاب جب دریا میں آیا۔ تو (اس میں) گھل مل گیا۔ ابر سورج کی تلوار کے آگے (تحلیل ہوکر) دھوپ بن گیا۔ (یہ تیسری مثال ہے)

الخلاف۔ یہ شعر بعض نسخوں میں ہے ہمارے نسخے میں نہیں مگر قابل وثوق بھی نہیں ہے کیونکہ مصرعہ اولی کا مضمون مکرر ہے

چوں تعلق یافت ناں با بو البشر ۔۔۔ ناں مردہ زندہ گشت و باخبر

ترجمہ (چوتھی مثال) جب روٹی نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تعلق پایا۔ تو بے جان روٹی (جزو بدن بنکر) زندہ اور باخبر ہو گئی۔

مطلب۔ جزو انسان بھی انسان ہی ہوتا ہے۔ اور جب انسان زندہ اور باخبر ہے۔ تو اس کا جزو بھی زندہ اور باخبر ہوگا۔ نتیجہ یہ کہ روٹی جو انسان کے بدن کی جزو بن چکی ہے۔ وہ زندہ اور باخبر ہے (کذا فی المکاشفات)

موم و ہیزم چوں فدائے نار شد ۔۔۔ ذات ظلمانی او انوار شد

ترجمہ موم اور جلانے کی لکڑی جب آگ پر فدا ہو گئی۔ تو اس کی تاریک ذات (سراپا) انوار بن گئی۔

سنگ سرمہ چونکہ شد در دیدگاں ۔۔۔ سنگ بینائی شد اینجا دیدہ باں

ترجمہ سرمہ کا پتھر جب (پیس کر) آنکھوں میں پڑا۔ تو یہاں (آکر) پتھر بینائی بن گیا (اور) آنکھوں کا محافظ۔ **مطلب** کامل کی صحبت سے ناقص بھی کامل بن جاتا ہے۔ حافظ رح ؎

کیمیائیست عجب بندگی پیر مغاں ۔۔۔ خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند

اے خنک آں مرد کز خود رستہ شد — در وجودِ زندہ پیوستہ شد

لغات خنک اچھا۔ خوشحال۔ خوش نصیب از خود رستن اپنے آپ سے آزاد ہو جانا۔ قید خودی سے چھوٹ جانا زندہ زندہ دل۔ مرشد کامل۔ در وجود کسے پیوستن کسی کے ساتھ گھل مل جانا۔ اس کی صحبت میں رہنا۔

ترجمہ اے (مخاطب) مزے میں ہے وہ آدمی جو اپنے آپ سے رستگار ہو گیا (اور) کسی زندہ (دل یعنی مرشد کامل) کا شریک صحبت ہو گیا۔

مطلب طالب وصل اپنی ہستی سے ہاتھ دھو کر ہی دولت وصل حاصل کر سکتا ہے ؎

خیز ولا وصل جو ترک عراقی بگو — دوست مدارش کہ او دشمن پنہانی است

وائے آں زندہ کہ با مردہ نشست — مردہ گشت و زندگی از وے بجست

لغات وائے کلمہ افسوس۔ زندہ سے مراد وہ شخص جس میں قبول فیض کی صلاحیت و استعداد ہو۔ مردہ مردہ دل مراد پیر ناقص۔ جستن۔ دور شد۔ فرار کرد۔

ترجمہ۔ افسوس ہے اس صلاحیت والے شخص پر جو کسی پیر ناقص کا ہم نشیں ہو گیا۔ وہ بھی مردہ بن گیا۔ اور اس کی صلاحیت اس سے جاتی رہی۔

مطلب۔ بُرے شخص کی صحبت میں اچھا آدمی بھی برا بن جاتا ہے۔ سعدی رہ ؎

گر نشیند فرشتۂ با دیو — وحشت آموز و خیانت و ریو

کما قیل ؎ اہل را صحبت نا اہل زیانہا دارد — آب در کوزہ ناپختہ گل آلودہ شود

وقال بعضہم ؎ مے فزاید ظلمت دل صحبت افسردگاں — چوں زمستاں بیشتر گردد شود شبہا دراز

سوال اوپر ارشاد تھا کہ کسی زندہ دل کامل کی صحبت میں رہنا اختیار کرو۔ اور ظاہر ہے۔ کہ کسی کامل کی صحبت کا محتاج وہی ہے۔ جو خود کامل نہ ہو۔ بلکہ ناقص یا مردہ دل ہو۔ مگر یہاں فرمایا ہے۔ کہ مردہ دل کی صحبت سے بچو۔ گویا وہاں مردہ دل کو حکم ہے کہ کسی زندہ دل کے پاس بیٹھے۔ اور یہاں زندہ دل کو حکم ہے کہ کسی مردہ دل کو اپنے پاس بیٹھنے نہ دے۔ و بینہما منافاۃ۔

جواب۔ یہاں یہ ہدایت کی ہے۔ کہ کسی ناقص کے معتقد و مرید نہ بنو۔ چونکہ اعتقاد و ارادت جالب اثر ہے۔ اس لئے اندیشہ ہے۔ کہ پیر کی ظلمت نفس مرید پر اثر کر جائے۔ اور اوپر یہ ارشاد تھا۔ کہ پیر کامل کے پاس جاؤ۔ چونکہ جلب اثر مرید کرتا ہے۔ نہ کہ پیر۔ اس لئے مرید پر ہی پیر کا نیک اثر پڑے گا۔ پیر پر مرید کا برا اثر نہیں پڑتا۔ اسلئے کہ پیر میں مرید کے لئے نہ طلب و قصد ہے نہ ارادت و اعتقاد۔ فلا منافاۃ صائب رہ ؎

زا میزش کجاں نشود طبع راست کج
از اتصال حرف الف کج نمے شود

چوں تو در قرآنِ حق بگریختی — با روانِ انبیا آمیختی

لغات قرآن حق۔ مرکب توصیفی ہے۔ یعنی قرآن برحق۔ یا مرکب اضافی ہے۔ یعنی قرآن خدا۔ گریختن بھاگنا۔ در کسے گریختن کسی کی پناہ میں جانا۔ آمیختن مل جانا صحبت اختیار کرنا۔

ترجمہ اگر تم سچے قرآن (یا کتاب اللہ) کی طرف رجوع کرو۔ تو انبیاء علیہم السلام کی ارواح پاک سے مل جاؤ۔
مطلب اوپر اہلِ کمال کی صحبت اختیار کرنے کا ارشاد تھا۔ اس پر یہ عذر پیش ہو سکتا ہے۔ کہ آجکل اہلِ کمال نایاب ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ کہ ایسی صورت میں قرآن مجید ہی کافی ہادی و رہنما ہے۔ اقبال سلمہ ؎

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمت او لایزال ست و قدیم
نسخہ اسرارِ تکوینِ حیات — بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

قرآن مجید کا ہادی و پیش رو ہونا اس حدیث سے ثابت ہے۔ عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رض قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یُؤْتٰی یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِالْقُرْاٰنِ وَاَھْلِہِ الَّذِیْنَ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ بِہٖ فِی الدُّنْیَا تَقْدُمُہٗ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ وَاٰلُ عِمْرَانَ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِہِمَا رواہ مسلم یعنی نواس بن سمعان کہتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ کہ قیامت کے روز قرآن اور قرآن والوں کو جو اس پر عمل کرتے تھے لایا جائیگا۔ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران آگے آگے ہونگی۔ اور اپنے عمل کرنے والوں کی طرف سے بحث کرینگی۔ (ریاض الصالحین)

مولانا فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والا انبیا میں جا ملتا ہے۔ یعنی اُن کے کمالات و فضائل میں سے کچھ نہ کچھ حصّہ اس کو مل جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ یعنی تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید کو پڑھے اور پڑھائے (بخاری) حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کے نزدیک تمام اذکار و اوراد سے قرآن مجید کی تلاوت زیادہ پسندیدہ ہے۔ کیونکہ ایک تو اس کی فضیلت سب سے زیادہ ہے۔ دوسرے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت حقیقیہ ہے۔ بلا واسطہ۔ گویا وہ معبود اور عبد کے مابین تعلق کی ایک رسی ہے۔ جس کا ایک سرا اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ دوسرا ہمارے پاس (تفسیر مظہری)

ہست قرآں حالہائے انبیا — ماہیانِ بحرِ پاکِ کبریا

ترجمہ قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کے احوال پر مشتمل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ دریائے (معرفت) کی مچھلیاں ہیں۔
مطلب قرآن مجید کو تدبر و استبصار کے ساتھ پڑھنا۔ انسان کو وہ روحانی فوائد بخشتا ہے۔ جو ایک مرشد کی صحبت سے متوقع ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں انبیا کے قصص درج ہیں۔ اور ایسے عالی منزلت اور ستودہ صفات ہستیوں کے حالات کا پڑھنے اور سننے والوں کے لئے مایہ عبرت اور گنجینۂ بصیرت ہونا ظاہر ہے۔ خصوصاً جبکہ ان کا بیان کرنیوالا خود خداوند جل و علا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِہِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ بیشک عقل والوں کے لئے ان کے قصوں میں عبرت ہے۔ یہ (قرآن) کوئی بنائی ہوئی بات تو ہے نہیں۔ بلکہ سابقہ کتابوں کی تصدیق اور ایمان والوں کے لئے ہر چیز کی تفصیل اور رحمت ہے (یوسف ع ۱۲) دیباچہ مثنوی میں مولانا نے اہلِ توحید کے تین گروہوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ہر کہ جز ماہی ز آبش سیر شد الخ یعنی ایک تو عاشق لوگ جو تجلی و شہود کی دولت سے بہرہ ور ہیں۔ ان کو بحرِ کبریا کی مچھلیاں قرار دیا ہے۔ کہ پانی میں رہنے کے باوجود اس سے سیر نہیں ہوتیں۔ یعنی وہ تقرب کے کسی درجے پر قانع نہیں۔ ہر دم ترقی

کے جویا ہیں۔ اس زمرے میں انبیا و اولیا داخل ہیں۔ مولانا نے ان کو کئی جگہ ماہیانِ دریا سے تشبیہ دی ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ ؎

ماہیان قعرِ دریائے جلال   بحرِ شاں آموختہ سحرِ حلال

دوسرے عامۂ مسلمین جو بلا مشاہدہ روحانیہ اور بلا استدلال عقل ایمان مجمل رکھتے ہیں۔ تیسرے عقلیات کے مقلد جو استدلال عقل سے ذات حق کو مانتے ہیں۔ اس شعر میں پہلے زمرے کا ذکر ہے۔ اور ان کو اس لحاظ سے ماہیانِ بحرِ کبریا کہا ہے۔ کہ وہ فضائل و کمالات کے کسی درجہ پر بس نہیں کرتے۔ غنی رح ؎

عاشق یقینًا سیر ز معشوق نہ گردد   ماہی طلب آب کند گرچہ غذا شد

ور بخوانی و نہ ٔ قرآں پذیر   انبیا و اولیا را دیدہ گیر

ترجمہ اور اگر تم پڑھتے ہو۔ اور قرآن پر عمل نہیں کرتے (تو بھی کم از کم اتنا فائدہ ضرور ہے۔ کہ) گویا انبیا علیہم السلام اور اولیاء قدس اسرارہم کی زیارت میسر ہو گئی۔

مطلب ۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ قرآن مجید کی محض قرأت بھی موجب اجر ہے۔ کیونکہ اس سے کم از کم انبیاء علیہم السلام اور دیگر خاصانِ حق کا نام زبان پر آتا ہے۔ تو گویا ایک طرح سے ان کی زیارت ہو جاتی ہے۔ اور خاصانِ خدا کی زیارت کی فضیلت عیاں ہے۔ کہ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ۔ ان کے دیدار سے خدا یاد آتا ہے۔ امیر خسرو رح ؎

کسے کہ دید ترا گرچہ دوزخی ست بجرم   بساطِ آتش سوزانش لالہ زار بود

ور پذیرائی چو برخوانی قصص   مرغ جانت تنگ آید در قفص

لغات پذیرائی میں الف فاعلیت کا اور یا خطاب کی ہے یعنی پذیرا ہستی۔ تم قبول کرنے والے ہو۔ ماننے والے ہو۔ عمل میں لاتے ہو۔ مرغ کا مشبہ جان مذکور ہے۔ اور قصص کا مشبہ علائق دنیویہ مقدر ہے۔ قفص پنجرا صاد اور سین دونوں سے درست ہے۔

ترجمہ اور اگر تم قصص (انبیاء) کو پڑھکر (ان پر) عمل کرو۔ تو تمہاری جان کا پرندہ (علائق ماسوی اللہ کے) پنجرے میں تنگ آ جائیگا (اور نکلنے کی خواہش کریگا)

مطلب انبیا علیہم السلام کے حالات سے عبرت و بصیرت حاصل کرنے والے کی نظر میں دنیا کا جاہ و مال ہیچ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کے دل سے دنیا کی محبت زائل ہو کر اللہ تعالیٰ کی محبت مستولی ہو جاتی ہے۔

حافظ رح ؎ جاں پرور ست قصۂ ارباب معرفت   رمزے برو بپرس و حدیثے بیا بگو

جامی رح ؎ ہجوم نفس و ہوا کز سپاہ شیطانند   چو زور بر دلِ مرد خدا پرست آرد
بجز جنودِ حکایات رہنمایاں را   چہ تاب آنکہ براں رہزناں شکست آرد

مرغ کو اندر قفس زندانی ست   مے نجوید رستن از نادانی ست

ترجمہ (اور) جو پرندہ پنجرے میں بند ہے۔ (اگر) اس سے نکلنے کی کوشش نہ کرے تو یہ (اس کی) نادانی ہے
مطلب قرآن مجید کی تلاوت میں سستی کرنا بڑی بد قسمتی ہے۔ کیونکہ اس کی بدولت دارین میں نجات حاصل ہو سکتی ہے

اور حصول نجات کی کوشش نہ کرنا جہالت و نادانی ہے۔ صائب رح ؎

ہر کہ چوں سرو دریں باغ نگردید آزاد | نفسے راست نکرد و دمِ آیے نکشید
جامی رح ؎ جمع خواہی دولت اسباب جہاں تفرقہ کن | تخم جمعیت دل تفرقہ اسباب ست

رُوحہائے کز قفسہا رستہ اند | انبیا و رہبرِ شایستہ اند

ترجمہ۔ جو روحیں (ان) پنجروں سے چھوٹ گئی ہیں۔ (وہ) انبیاء اور شایستہ مرشد ہیں۔

مطلب علائق ماسوی اللہ سے رستگاری پانے والوں۔ اور حبِّ دنیا کی قیود سے آزادی حاصل کرنے والوں کی اعلیٰ مثال انبیاء و اولیاء ہیں۔ صائب رح ؎

پائے رغبت نگذارند بدامانِ بہشت | ہمہ در سیرِ گلستانِ گریبانِ خود اند
جگر تشنہ بدریوزۂ کوثر نزنند | ایں سکندر منشاں چشمۂ حیوانِ خود اند

از بروں آوازِ شاں آید بریں | کہ رہِ رستن ترا اینست ایں

لغات بروں باہر۔ فوق الدنیا۔ بریں کا مشارٌ الیہ طریق مقدر ہے۔ ایں ثانی برائے تاکید۔

ترجمہ عالمِ بالا سے ان کی آواز اس طرح آ رہی ہے۔ کہ تیری نجات کا راستہ یہی ہے یہی۔

مطلب۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے اتباع میں اولیاء کرام قدس اسرارہم نہ صرف خود حبِّ دنیا اور علائق ماسوی اللہ کی قید سے نجات پا گئے۔ بلکہ ان کی زندگی کے حالات پیچھے آنیوالی نسلوں کے لئے بھی صحیفہ ہدایت ہیں جن سے دارین میں نجات و رستگاری حاصل کرنے کا سبق حاصل ہوتا ہے۔ یہ حالات زبانِ حال سے جو درس عبرت دے رہے ہیں۔ مولانا نے اس کو عالمِ بالا کی آواز سے تعبیر کیا ہے۔ اقبال سلمہ ؎

چیست تاریخ اے زخود بیگانۂ | داستانے؟ قِصّۂ؟ افسانۂ؟
ایں ترا از خویشتن آگہ کند | آشنائے کار و مردِ رہ کُند
رُوح را سرمایۂ تاب ست ایں | جسمِ ملت را چو اعصاب است ایں

"از بروں آواز" سے "فوق ذلک داعٍ یدعو" کی طرف تلمیح بھی ہو سکتی ہے۔ جو ایک حدیث کے کلمات ہیں۔ یہ حدیث ابھی آتی ہے۔

ما بدیں رستیم زیں تنگیں قفص | غیرِ ایں رہ نیست چارہ ایں قفص

ترجمہ (ان کی آواز آتی ہے کہ) ہم اس (راستے) سے (ہو کر جسم کے) اس تنگ پنجرے سے چھوٹ گئے اس راہ کے سوا اس پنجرے (سے نکلنے) کی اور کوئی تدبیر نہیں۔

مطلب "ایں راہ" سے ہر پیغمبر کی سنت مراد ہے۔ جس پر خود پیغمبر بھی چلتا ہے۔ اور امت کو بھی اس پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور دنیا کے تمام راستوں سے صرف وہی ایک راستہ ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے منزل نجات تک پہنچ سکتے ہیں۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا وَعَنْ جَنْبَتَیِ الصِّرَاطِ سُوْرَانِ فِیْہِمَا اَبْوَابٌ مُّفَتَّحَۃٌ وَعَلَی الْاَبْوَابِ سُتُوْرٌ

سنتِ پیغمبری نجات کا واحد راستہ ہے

مُرْخَاةٌ وَعِنْدَ رَأْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُوْلُ اسْتَقِيْمُوْا عَلَى الصِّرَاطِ وَلَا تَعْوَجُّوْا وَفَوْقَ ذٰلِكَ دَاعٍ يَدْعُوْا كُلَّمَا هَمَّ عَبْدٌ اَنْ يَّفْتَحَ شَيْئًا مِّنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ قَالَ وَيْحَكَ لَا تَفْتَحْهُ فَاِنَّكَ اِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ ثُمَّ فَسَّرَهٗ فَاَخْبَرَ اَنَّ الصِّرَاطَ هُوَ الْاِسْلَامُ وَاَنَّ الْاَبْوَابَ الْمُفَتَّحَةَ مَحَارِمُ اللّٰهِ وَاَنَّ السُّتُوْرَ الْمُرْخَاةَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَاَنَّ الدَّاعِيَ عَلٰى رَأْسِ الصِّرَاطِ هُوَ الْقُرْاٰنُ وَاَنَّ الدَّاعِيَ مِنْ فَوْقِهٖ هُوَ وَاعِظُ اللّٰهِ فِيْ قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ رواہ رزین واحمد والبیھقی حضرت ابن مسعود رضی سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے سیدھے راستے کا بطور مثال ذکر کیا ہے۔ اور اس راستے کے دونوں پہلوؤں میں دو دیواریں ہیں۔ جن میں کھلے دروازے ہیں۔ اور ان دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ اور راستے کے سرے پر ایک نقیب پکارتا ہے۔ کہ راستے پر سیدھے چلے جاؤ۔ اور ادھر ادھر نہ ہونا۔ اور اس کے علاوہ ایک نقیب ہے۔ کہ جب کوئی بندہ ان دروازوں میں سے کسی دروازے کو کھولنے کا قصد کرتا ہے۔ تو کہتا ہے بھلے مانس! اس کو مت کھول۔ کیونکہ اگر تو اس کو کھولے گا۔ تو اس میں جا گھسے گا۔ پھر اس کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا کہ راستہ تو اسلام ہے۔ اور کھلے دروازے اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ اور لٹکے ہوئے پردے اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں۔ اور راستے کے سرے پر نقیب قرآن مجید ہے۔ اور اس کے علاوہ نقیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ واعظ (ضمیر کی آواز) ہے۔ جو ہر مومن کے دل میں ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ) وَعَنْ مَالِكِ ابْنِ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ رواہ فی الموطا۔ یعنی امام مالک ابن انس رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک تم ان کو اپنا دستور العمل بنائے رکھو گے۔ تم گمراہ نہ ہو گے۔ یعنی قرآن مجید اور اس کے رسول کی سنت (مشکوٰۃ) نظامی رحمہ

اے خاک تو طوطیائے بینش | روشن بتو چشم آفرینش
شمعے کہ نہ از تو نور گیرد | از باد بروت خود بمیرد

خویش را رنجور سازو زار زار — تا ترا بیروں کنند از اشتہار

ترجمہ اپنے آپ کو (انکسار و تواضع سے) رنجور اور زار و نزار بنا لو۔ تاکہ تم کو (جاہ و مال کی) شہرت سے برطرف رکھیں۔

مطلب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی راہ نجات کے ارکان میں سے ایک بڑا رکن یہ ہے۔ کہ آدمی مال و جاہ کی شہرت سے مغرور نہ ہو۔ کیونکہ یہ غرور اس کو غفلت۔ غصب حقوق۔ ترک فرائض اور ظلم و جور وغیرہ معاصی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور اس سے بچنے کی بہترین تدبیر یہ ہے۔ کہ وہ اپنے علو منصب کے باوجود منکسر مزاج اور متواضع رہے۔ چنانچہ خود سرور کونین محبوب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اپنے اس اعلیٰ پایہ کے کہ جس سے اوپر برتری کا کوئی درجہ انسان کے لیے ممکن نہیں۔ نہایت متواضع رہتے تھے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ وَکَانَ یخصف النعل ویرقع الثوب وکان یصنع فی بیتہ مع اھلہ فی حاجتھم وکان اصحابہ

حضرت علامہ محمد ... (margin, illegible)

لا یقوموں لہ لما یرفوا من کراھتہ لذلك وكان یمر علی الصبیان فیسلم علیہم ۔ اور آپ جوتا گانٹھ لیتے کپڑے کو پیوند لگا لیتے ۔ اپنے گھر والوں کے ساتھ مل کر گھر کا کام کاج کر لیتے ۔ اور آپ کے اصحاب جو آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے ۔ تو ان کو معلوم تھا کہ آپ اس کو پسند نہیں کرتے ۔ اور آپ لڑکوں کے پاس سے گذرتے تو ان کو سلام کرتے ۔ ایک مرتبہ کوئی اجنبی آدمی حضور میں آیا ۔ اور آپ کے رعب منزلت سے کانپنے لگا ۔ تو فرمایا ۔ ھون علیك فلست بملك انما انا ابن امرأة من قریش كانت تأكل القدید کچھ پروا نہ کرو ۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں ۔ میں تو قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں ۔ جو موٹا جھوٹا گوشت کھا لیتی تھی ۔ (احیاء العلوم) صائب رحمہ ۔

قطرۂ آبے کہ دارد در نظر گوہر شدن ۔۔۔ از کنار ابر تا دریا تنزل بایدش

ولہ ۔ تا نیفتادم ندیدم کعبۂ مقصود را ۔۔۔ در میانِ ما ہمیں استادگی دیوار بود

کاشتہار خلق بند محکم ست ۔۔۔ در رہ ایں از بند آہن کے کم ست

لغات کاشتہار میں کاف تعلیلہ ہے ۔ اور یہ شعر علت ہے ۔ گذشتہ شعر کی ۔ رَہ طریقہ سلوک یا سنت مذہبی ۔ یا روش زندگی ۔

ترجمہ کیونکہ (مال و جاہ کی) شہرت (کا غرور) ایک مضبوط قید ہے ۔ راہ (سلوک) میں یہ (قید) آہنی بیڑی سے کیا کم ہے ۔

مطلب تعلیمات شرع میں طلب شہرت کی نہی بڑی سختی کے ساتھ آئی ہے ۔ کیونکہ وہ آدمی کے لئے حجاب غفلت بنجاتی ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ یعنی جو شخص دنیا میں شہرت کا لباس پہنے ۔ اللہ قیامت کے روز اس کو ذلت کا لباس پہنائیگا ۔ (مشکوٰۃ) غنی رحمہ ۔

گر کسے راہست پشمے در کلاہ معرفت ۔۔۔ جامۂ شہرت نسازد خرقۂ پشمینہ را

صائب رحمہ ۔ ہر کہ از روز سیاہ نامداران غافل است ۔۔۔ مے ربایدچوں عقیق از سادہ لوحی نام را

یک حکایت بشنو اے زیبا رفیق ۔۔۔ تا بدانی شرط ایں بحر عمیق

لغات ۔ زیبا خوبصورت ۔ قابل و لائق ۔ شرط شین کے ضمہ سے باد موافق ۔ جو جہاز کے سلامتی کے ساتھ رواں ہو اور سمندر میں تلاطم و طوفان کے نہ آنے کی علامت ہو ۔ بعض شارحین نے اس کلمہ کو بفتحہ شین لکھا ہے ۔ انہوں نے یہ خیال نہ فرمایا کہ اس شرط کو بحر سے کیا مناسبت ؟

ترجمہ اے لائق رفیق ایک کہانی سن لو تاکہ تم کو (دنیا کے) اس گہرے سمندر کی باد موافق کا پتہ لگ جائے (جو جہاز زندگی کے سلامت گزر جانے کی علامت ہے)

مطلب ذیل میں طوطے کی ایک حکایت درج ہے جس نے اپنے آپ کو مردہ ظاہر کر کے پنجرے سے نجات پائی تھی ۔ فرماتے ہیں کہ اس حکایت سے تم کو معلوم ہو جائیگا ۔ کہ اپنے آپ کو نیست و نابود کر کے موتوا قبل ان تموتوا کا مصداق بن جانا قلزم علائق سے نجات پانے کی علامت ہے ۔ صائب رحمہ ۔

درچنیں بحرے کہ موجِ اوست تیغِ آبدار — خویش را فانی ندانستن فنائے دیگرست
داناؔ — تو سعی کن کہ دریں بحر ناپدید شوی — وگرنہ ہر خس و خارے شناوری داند

بشنو اکنوں داستانے در مثال — تا شوی واقف بر اسرارِ مقال

ترجمہ اب بطور مثال ایک قصہ سنو۔ تاکہ (ہماری) بات کے اسرار پر واقف ہو جاؤ۔

الحلاقت یہ شعر ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔

قصہ بازرگاں کہ بہندوستاں بتجارت میرفت و پیغام دادن

ایک سوداگر کا قصہ جو ہندوستان کو بغرض تجارت جا رہا تھا اور ایک

طوطی محبوس بطوطیان ہندوستان

پنجرے کے طوطے کا ہندوستان کے طوطوں کو پیغام دینا

بود بازرگانے او را طوطیے — در قفس محبوس زیبا طوطیے

ترجمہ کسی سوداگر کے پاس ایک طوطا تھا۔ (یہ) خوبصورت طوطا پنجرے میں بند تھا

چونکہ بازرگاں سفر را ساز کرد — سوئے ہندوستاں شدن آغاز کرد

ترجمہ جب سوداگر نے (تجارت کیلئے) سفر کا سامان کیا۔ (اور) ہندوستان جانے کی تیاری کی

ہر غلام و ہر کنیزک را ز جود — گفت بہرِ تو چہ آرم؟ گوئے زود

ترجمہ تو ہر غلام اور کنیزک کو از راہ کرم کہنے لگا۔ جلدی بتا تیرے لئے کیا (تحفہ) لاؤں۔

ہر یکے از وے مرادے خواست کرد — جملہ را وعدہ بداد آں نیک مرد

ترجمہ ہر ایک نے اس سے اپنی اپنی مراد کی درخواست کی۔ (اور) سب کے ساتھ اس نیک مرد نے وعدہ کیا

گفت طوطی را چہ خواہی ارمغاں؟ — کارمت از خطۂ ہندوستاں

لغات ارمغاں بفتحہ الف تحفہ کارمت میں کاف بیانیہ جس کا مبین ارمغان ہے یا تعلیلیہ جس کا معلول بگو محذوف ہے۔ اور تا بمعنے برائے تو خطّہ ملک۔ علاقہ۔

ترجمہ پھر طوطے سے پوچھا۔ تجھے کیا سوغات چاہیئے۔ جو تیرے لئے ہندوستان سے لیتا آؤں۔

گفتش آں طوطی کہ آنجا طوطیاں چوں بہ بینی کن ز حالِ من بیاں

ترجمہ طوطے نے کہا جب تم وہاں طوطوں (کے جھنڈ) کو دیکھو۔ تو (ان کو) میرا حال سنا دو۔

کہ فلاں طوطی کہ مشتاقِ شماست از قضائے آسماں در حبسِ ماست

ترجمہ کہ فلاں طوطا جو تمہارا مشتاق ہے (اور) قضائے آسمانی سے ہماری قید میں ہے۔

رفعِ اشتباہ۔ قضائے آسماں میں قضا کی اضافت بطور اضافہ الشئے الی فاعلہٖ نہیں ہے۔ جیسے کہ تبادر ہوتا ہے۔ بلکہ یہ اضافت ظرفی ہے۔ قضا کے معنی ہیں حکم الٰہی۔ حجۃ اللہ البالغہ میں ایک روایت درج ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم دیتا ہے۔ تو عرش کے اٹھانے والے فرشتے تسبیح پڑھتے ہیں۔ پھر ان کے متصل آسمان کے فرشتے تسبیح پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ تسبیح اس نیچے کے آسمان والوں تک پہنچ جاتی ہے۔ الخ اسی کتاب میں ایک اور جگہ بھی لکھا ہے۔ یخلق اللہ تعالیٰ البلاء خلقا ما فینزل له علی المبتلی ویصعد الدعاء فیردہٗ۔ یعنی اللہ تعالیٰ بلا کو کسی طرح کی پیدائش کے ساتھ پیدا کر کے مبتلا پر نازل کرتا ہے اور دعا اوپر صعود کرتی ہے۔ تو اس کو لوٹا دیتی ہے۔ چونکہ اہل ارض کے محاورے میں نزول و صعود کا اطلاق آسمان کے ساتھ مختص ہے۔ اس لئے قضا کو آسمان کے ساتھ مضاف کیا جاتا ہے۔

بر شما کرد او سلام و داد خواست وز شما چارہ رہ و ارشاد خواست

ترجمہ اس نے تم کو سلام کہا ہے۔ اور انصاف کی درخواست کی ہے۔ اور تم سے طریق (نجات) کی تدبیر اور ہدایت کی خواہش کی ہے۔ حافظ رہ ؎

اے نسیم سحری بندگی ما برساں کہ فراموش مکن وقت دعائے سحرم

مطلب۔ ناظرین دوسرے مصرعہ کو خوب ذہن نشین رکھیں جس میں وہ طوطا اپنے بنی نوع سے التجا کرتا ہے۔ کہ مجھے قیدِ قفس سے نجات پانے کی کوئی تدبیر بتائیں۔ کیونکہ آگے چل کر اس کا ایک پُر لطف نتیجہ نکلے گا۔ مگر تاجر نے طوطے کی اس بات پر جو دوسرے مصرعہ میں ہے چنداں توجہ نہیں کی اسلئے وہ اس کے نتیجے سے بیخبر رہا۔ اور اس نے دھوکا کھایا۔

گفت مے شاید کہ من در اشتیاق جاں دہم اینجا بمیرم در فراق

ترجمہ (انصاف کی درخواست یہ کہ) وہ کہتا ہے۔ کیا یہ مناسب ہے۔ کہ میں اشتیاق کا مارا یہاں جان دیدوں اور فراق میں گھل گھل کر مر جاؤں۔ کما قیل ؎

فراقِ دوستاں دیدن نشانے باشد از دوزخ معاذ اللہ غلط کردم کہ دوزخ زاں نشاں باشد

ایں روا باشد کہ من در بندِ سخت گہ شما بر سبزہ گاہے بر درخت

ترجمہ کیا یہ جائز ہے؟ کہ میں تو سخت قید میں (رہوں) اور تم کبھی سبزے پر کبھی درخت پر خوشیاں مناتے پھرو۔ اندریں ؎

غم و دردِ غریبی از کسے پرس کہ او از خانمانے دور ماندست

قضائے آسمانی کی تشریح

اینچنیں باشد وفائے دوستاں من دریں حبس و شما در بوستاں

ترجمہ کیا دوستوں کی وفا اسی قسم کی ہوتی ہے۔ کہ میں اس پنجرے میں (رہوں) اور تم باغ میں۔

یاد آرید اے مہاں زیں مرغ زار یک صبوحے درمیانِ مرغزار

لغات مہاں جمع مہ سردار معزز۔ صبوح صبح کی شراب۔ یہاں پرندوں کا صبح کے وقت خوشیاں منانا اور چہکنا مراد ہے۔ ایک شارح نے صبوح کا ترجمہ صبح کیا ہے۔ وہذا غلط۔ مَرغ میم کے فتح سے ایک قسم کی گھاس کا نام ہے۔ زار کلمہ ظرفیت مرغزار بمعنی چراگاہ۔ مُرغ زار اور مرغزار میں صنعت تجنیس ہے۔

ترجمہ اے معزز دوستو! سبزہ زار میں کسی صبح کی شرابنوشی کے وقت اس تباہ حال پرندے کو بھی یاد کر لیا کرو۔

حافظؒ ؎ مگرش صحبتِ دیرینِ من از یاد برفت اے نسیم سحری یاد دہش عہد قدیم

یاد آرید از محبتہائے ما حقِ مجلسہا و صحبتہائے ما

ترجمہ ہماری محبتوں کو یاد کرو۔ (ہماری) ہم نشینی کے حقوق کو اور ہماری صحبتوں کو یاد کرو۔

نظامیؒ ؎ زواپس ماندگاں یادے کن آخر چہ رانی تند یارا محملِ خویش

اختلاف یہ شعر بعض نسخوں میں آگے دس ابیات کے بعد درج ہے جہاں یہ طوطی کا مقولہ نہیں رہتا۔ بلکہ بطور انتقال مولانا رومؒ کا مقولہ بنجاتا ہے اسلئے ان نسخوں میں یاد آرید کی بجائے یاد آور کا لفظ ہے۔

یادِ یاراں یار را میموں بود خاصہ کاں لیلیٰ و ایں مجنوں بود

ترجمہ یاروں کا یار کو یاد کرنا مبارک ہوتا ہے خصوصاً جبکہ (آپس میں اس قدر محبت ہو کہ گویا) وہ لیلیٰ ہو اور یہ مجنوں۔

صائبؒ ؎ یمن کفرست در شرعِ محبت تہمتِ نسیاں کہ ذکرِ خیر احباب است اوراد یکہ من دارم

اے حریفاں بابتِ موزونِ خود من قدحہا میخورم از خونِ خود

ترجمہ اے یارو جو اپنے خوش لقا محبوب کے ساتھ (جام شراب نوش کر رہے ہو) میں تو اپنے خونِ (جگر) کے پیالے (بھر بھر کر) پیتا ہوں۔

مطلب بلاے عیش میں محو ہونیوالا گرفتاران بلا کی مصیبت کو کیا جانے۔ کما قیل ؎

تو اے کبوتر بام حرم چہ میدانی طپیدن دلِ مرغانِ رشتہ برپارا

سعدیؒ ؎ مرغانِ قفس را الَمے باشد و شوقے کاں مرغ نداند کہ گرفتار نباشد

حافظؒ ؎ خفتہ بر سنجابِ شاہی نازنینے راچہ غم گر زخار و خارہ سازد بستر و بالین غریب

جامیؒ ؎ ما بیابانِ بار اندوہ و تو با آسودگاں کوہکن در کوہ و شیریں گشتِ ہامون میرود

یک قدح مینوش کن بر یادِ من گر ہمے خواہی کہ بدہی دادِ من

لغات قدح مے جام شراب۔ اگر قدح مے کو مرکب اضافی قرار دیا جائے کما یتبادر۔ تو فک اضافت لازم آتا ہے وَنَحْوُ مُسْتَنْکَرٌ فِی نَحْوِ الشِّعْرِ۔ لہذا بہتر یہ ہے۔ کہ اس کو ممیز و تمییز مان لیا جائے۔

ترجمہ میری یاد پر بھی ایک پیالہ بھر شراب نوش کرو۔ اگر تم میرے حق میں انصاف کرنا چاہتے ہو۔

مطلب اپنی عیش و عشرت میں کبھی مجھ دور افتادہ و غریب الوطن کو بھی یاد کر لیا کرو۔ غنی رح ؎

گر شوی واصل بمنزل مگسل از پس ماندگاں — در طریق ہمرہی پہلو نشین جادہ باش

حافظ رح ؎ چو با حریف نشینی و بادہ پیمائی — بیاد آر حریفان بادہ پیمارا

یا بیاد این فتادہ خاک بیز — چونکہ خوردی جرعہ بر خاک ریز

ترجمہ یا (اور نہیں تو) جب تم (شراب) نوش کرو۔ تو اس عاجز کی یاد پر جو کہ (مصیبت میں) خاک چھان رہا ہے۔ ایک گھونٹ زمین پر گرا دو۔

مطلب یہ بھی یاد احباب کی ایک رسم ہے۔ کہ جب دور شراب چل رہا ہو۔ اور کوئی خاص پیارا دوست پاس نہ ہو جو شریک بزم ہو کر جام نوش کرتا تو اس کی یاد میں چند جرعہ شراب زمین پر گرا دیتے ہیں۔ گویا اس کا حق تلف نہیں کرتے۔ بلکہ زمین کو پلا دیتے ہیں۔ کما قیل ع وَلِلْاَرْضِ مِنْ کَاْسِ الْکِرَامِ نَصِیْبٌ۔

اے عجب آں عہد و آں سوگند کو؟ — وعدہ ہائے آں لب چوں قند کو؟

ترجمہ تعجب ہے (تمہارے) وہ عہد اور وہ سوگندیں کہاں گئیں؟ (اور) اس قند کے سے شیریں لبوں کے وعدے کیا ہوئے؟ و نعم ما قیل ؎

چہ اعتماد کند کس بوعدہ ات اے گل — کہ ہیچو غنچہ زباں در تہ زباں داری

گر فراق بندہ از بد بندگی ست — چوں تو با بد بد کنی پس فرق چیست؟

ترجمہ اگر بندے کا فراق اس کی بندگی کے قصور کا نتیجہ ہے۔ تو جب تو بد کے ساتھ برا سلوک کرے تو (اس میں اور تجھ میں) فرق کیا ہے؟

مطلب۔ یہاں سے بطور انتقال محبوب حقیقی کی طرف خطاب ہے۔ جس میں پہلے تو فراق کی شکایت کرتے ہیں پھر رضا و تسلیم کا اظہار کرینگے۔ مگر غلبۂ حال کی وجہ سے خطاب کا لہجہ کسی قدر ترک ادب کا انداز رکھتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر میں برا اور برائی کا مرتکب ہوں۔ تو تیری شان اس سے ارفع ہے۔ کہ برائی کا بدلہ برائی سے دے۔ یہ بات محض غلبۂ حال میں مولانا کے منہ سے نکل گئی۔ ورنہ گنہگار اور گناہ کی سزا دینے والا۔ یا مجرم اور عادل یا محکوم اور حاکم کب برابر ہو سکتے ہیں جس طرح مولانا نے یہ بحث غلبۂ حال میں پیش کی ہے۔ اسی طرح عمر خیام غفر اللہ لہ اپنی مشہور بیباکی کے لہجہ میں کہتا ہے۔ ؎

ناکردہ گناہ در جہاں کیست؟ بگو — آنکس کہ گنہ نکرد چوں زیست؟ بگو
من بد کنم و تو بد مکافات دہی — پس فرق میان ما و تو چیست؟ بگو

اے بدی کہ تو کنی در خشم و جنگ — با طرب تر از سماع و بانگ چنگ

ترجمہ اے (محبوب حقیقی) خفگی اور لڑائی میں تو مجھ پر جو سختی کرتا ہے۔ وہ سارنگی کی (سریلی) آواز کے سننے سے بھی زیادہ خوشگوار ہے۔

مطلب او پر عرض حجت میں جو سوء ادب واقع ہوگیا تھا۔ اب اس سے متنبہ ہوکر فرماتے ہیں۔ کہ میں نے غلطی کی کہ نزول مصائب کا شکوہ کرنے لگا۔ تیری نازل کی ہوئی تکالیف اور مصیبتیں تو عین رحمت ہیں۔

حافظ رہ ؎ من نہ آنم کہ بجور از تو بنالم حاشا　　　چاکر و معتقد و بندہ دولت خواہم

جامی رہ ؎ نیاید از تو ستم ور ستم کنی بمثل　　　ز رحمت دگراں خوشتر آیدم ستمت

احادیث سے ثابت ہے کہ نزول مصائب میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی حکمت اور بندے کے لئے بہتری ہوتی ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّصِبْ مِنْہُ یعنی اللہ تعالیٰ جسکے حق میں بھلائی چاہتا ہے اسکو اللہ کی طرف سے مصیبت پہنچائی جاتی ہے۔ نیز فرمایا مَا یُصِیْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَّلَا ھَمٍّ وَّلَا حَزَنٍ وَّلَا اَذًی وَّلَا غَمٍّ حَتّٰی الشَّوْکَۃَ یُشَاکُھَا اِلَّا کَفَّرَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ خَطَایَاہُ یعنی مسلمان کو جو کوئی مرض اور درماندگی اور فکر اور اندوہ اور ایذا اور غم پیش آتا ہے۔ حتی کہ جو کانٹا بھی چبھتا ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ اور فرمایا۔ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَہٗ کُلَّہٗ لَہٗ خَیْرٌ وَلَیْسَ ذٰلِکَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْہُ سَرَّاءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ وَاِنْ اَصَابَتْہُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ۔ یعنی مسلمان کا معاملہ عجیب ہے۔ اس کا معاملہ اس کے لئے سب کا سب اچھا ہے۔ اور یہ بات مومن کے سوا اور کسی کے لئے نہیں۔ اگر وہ خوشی کے حاصل ہونے پر شکر کرتا ہے۔ تو اس کے حق میں بہتر ہے اور اگر وہ مصیبت کے پیش آنے پر صبر کرتا ہے۔ تو (یہ بھی) اس کے حق میں بہتر ہے۔ یہ تینوں حدیثیں ریاض الصالحین میں صحیحین سے منقول ہیں۔

اے جفائے تو ز دولت خوبتر　　　وانتقامِ تو ز جاں محبوب تر

ترجمہ اے (محبوب حقیقی) تیری نازل کردہ مصائب کو اگر فرضاً ظلم ہی کہا جائے تو) تیرا یہ ظلم (دنیوی) دولت سے زیادہ اچھا ہے۔ اور تیرا انتقام جان سے زیادہ پیارا ہے۔ حافظ رہ ؎

وگر تو زخم دہی بہ کہ دیگرے مرہم　　　دگر تو زہر دہی بہ کہ دیگرے تریاک

نارِ تو ایں ست نورت چوں بود　　　ماتم ایں تا خود کہ سورت چوں بود

لغات نار آگ۔ چوں استفہام تعظیم کے لئے۔ سور محفل مسرت۔ جشن عروسی۔

ترجمہ جب تیری (جدائی و فراق کی) آگ ایسی (لطف انگیز) ہے۔ تو تیرا نور (وصال) کیا (ہی عالم افروز) ہوگا جب (ناکامی کا) ماتم اسقدر (پرمزہ) ہے تو (کامرانی کا) جشن شادی کس قدر (بہجت خیز) ہوگا (رومی در مثنوی قال)

؎ وَکَمْ مِنْ بِعَادٍ کَانَ قُرْبًا حَقِیْقَۃً　　　وَکَمْ مِنْ فِرَاقٍ کَانَ لِلْوَصْلِ جَالِبًا

یعنی بسا اوقات، دوری فی الحقیقت قرب ہوتی ہے۔ اور فراق وصل کا باعث بن جاتا ہے۔

از حلاوتہا کہ دارد جورِ تو　　　وز لطافت کس نیابد غورِ تو

لغات۔ لطافت۔ باریکی۔ نزاکت۔ غور۔ گہرائی۔ قعر۔

ترجمہ ۔ تیرے فراق کے جور میں جو مٹھاس اور لطافت ہے۔ کوئی شخص (اس میں) تیری (حکمت کی) گہرائی کو نہیں پا سکتا۔

مطلب ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تکلیف و زحمت نازل ہو۔ اس میں کوئی نہ کوئی بندے کے لئے بہتری مضمر ہوتی ہے۔ گو ماتقاضا اگر بندہ اپنی کوتاہی نظر سے اس کو ناگوار سمجھنے لگتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَعَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور عجیب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور عجیب نہیں۔ کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ اور اللہ زیادہ جانتا ہے تم نہیں جانتے (بقرہ ع ۲۶) یہی حال محبوب حقیقی کے فراق کا ہے جس سے واردات کا انقطاع اور حالات کا انقباض مراد ہے۔ اور اس کو قبض بھی کہتے ہیں۔ اس میں بھی اس کی بہت سی حکمتیں مضمر ہوتی ہیں۔ عاشق صادق کو اس پر راضی رہنا چاہیئے۔ جامی رح ؎

خوش آں عاشق کہ بر فرمان معشوق ۔ بود خوش بر دلش ہجران معشوق
چو خواہد خاطر معشوق دوری ۔ کند بر محنت ہجراں صبوری
چو نبود وصل دلبر رائے دلبر ۔ بود صد بار ہجر از وصل خوشتر

فی المثل جورت اگر عریاں شود ۔ عالم از گریاں بود خنداں شود

لغات فی المثل مثلاً۔ بالفرض۔ عریاں برہنہ۔ ظاہر۔ منکشف۔ عالم سے اہل عالم مراد ہیں۔

ترجمہ بالفرض اگر تیرا (یہی) جور منکشف ہو جائے۔ تو عالم اگر (جور کی ظاہری اذیت سے) رو رہا تھا (اس کی حقیقی راحت سے) ہنسنے لگے۔

مطلب لوگ تیرے جور کی صرف ظاہری حیثیت کو محسوس کرتے ہیں۔ اور اس کی باطنی کیفیت کو ادراک نہیں کرتے۔ اس لئے روتے رہتے ہیں۔ لیکن اگر اس کی باطنی کیفیت ان پر منکشف ہو جائے۔ تو ان کی گریہ وزاری خندۂ مسرت سے بدل جائے۔ ویشبہ بہ ماقیل ؎

ستم ظاہر او لطف نہانی دارد ۔ صید راے کشند آں شوخ کہ لاغر نشود

اختلاف یہ شعر اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔

نالم و ترسم کہ او باور کند ۔ وز ترحم جور را کمتر کند

ترجمہ میں (جور کی ظاہری اذیت سے) روتا بھی ہوں (اور) ڈرتا (بھی) ہوں۔ کہ (مبادا) وہ (میرے متاذی ہونے کا) یقین کر بیٹھے۔ اور از راہ ترحم جور کو کم کر دے۔ اور (میں اس کے باطنی لطف سے محروم ہو جاؤں)

مطلب ۔ یہ بات غلبہ حال میں کہی گئی ہے۔ ورنہ محبوب حقیقی دلوں کی باتوں کو بخوبی جانتا ہے۔ محال ہے کہ وہ کسی کی باطنی مسرت کو نہ جانے۔ اور اس کی ظاہری "تاذی" کو باور کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے جور کی لذت مجھے اس قدر مرغوب ہے۔ کہ میں اس کا زوال نہیں چاہتا۔ صائب رح ؎

میکند با من عداوت در لباس دوستی ۔ بر سر رحم آورد ہر کس کہ محبوب مرا

عاشقم بر قہر و بر لطفش بجد ... اے عجب من عاشق ایں ہر دو ضد

لغات جِدّ جیم کے کسرہ سے کسی کام کی درستی اور کوشش۔ ضد مخالف۔ متباین۔ متغائر۔

ترجمہ میں اس کے قہر اور لطف (دونوں) کا پورا عاشق ہوں۔ اے (مخاطب) تعجب ہے کہ میں ان دو متباین صفتوں کا عاشق ہوں۔

مطلب قہر و لطف اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ جن کے لحاظ سے قہار اور لطیف اس کے اسما ہیں۔ ان کو مجازاً ایک دوسرے کی ضد کہدیا ہے۔ ورنہ منطقی ضد دوسری ضد کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ ان المضدین لا یجتمعان۔ اور متباین و متغائر چیزیں جمع ہوسکتی ہیں۔ مگر دو نقیضین مثلاً انسان اور لا انسان نہ جمع ہوسکتی ہیں۔ نہ دونوں مرتفع ہوسکتی ہے۔ جیسے ہر چیز یا تو انسان ہوگی۔ اگر انسان نہیں۔ تو لا انسان ضرور ہوگی۔ تیسری صورت ممکن نہیں۔ غرض مولانا کہتے ہیں۔ میں اس کے لطف و قہر دونوں کا دلدادہ ہوں۔ صائب رہ ؎

لطف و قہر تو بچشم من غمناک یکے ست ... نظر رحمت و حلقۂ فتراک یکے است

عشق من بر مصدر ایں ہر دو شد ... چوں نباشد عشق کز وے نیست بد

ترجمہ میرا عشق اس ذات پاک کے ساتھ ہے جن سے ان دونوں (صفتوں یعنی قہر و مہر) کا صدور ہوتا ہے۔ (اور اس کا عشق) کیوں نہ ہو جبکہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ الخلاف یہ شعر ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔

واللہ ازیں خار در بستاں شوم ... ہمچو بلبل زیں سبب نالاں شوم

ترجمہ واللہ اگر مجھے (محبوب کے قہر کا) یہ کانٹا چھوڑ کر باغ میں جانا پڑے۔ تو اس سبب سے میں بلبل کی طرح آہ و فغاں کروں۔ حافظ رہ ؎

لذت داغ غمت بر دل ما باد حرام ... اگر از جور غم عشق تو دادے طلبیم

ایں عجب بلبل کہ بکشاید دہاں ... تا خورد او خار را با گلستاں

ترجمہ یہ بلبل (یعنی محبوب حقیقی کا عاشق بھی) عجیب ہے کہ (جب) منہ کھولتا ہے۔ تو کانٹے کو گلستاں سمیت نگل جاتا ہے (یعنی قہر و مہر سب گوارا کر لیتا ہے) سعدی رہ ؎

حکایت از لب شیریں دہان سیم اندام ... تفاوتے نہ کند گر دعاست یا دشنام

ایں نہ بلبل ایں نہنگ آتش ست ... جملہ ناخوش ہا ز عشق او را خوش ست

ترجمہ یہ بلبل نہیں (بلکہ) یہ تو آگ کا مگرمچھ ہے (کہ) سب ناگوار چیزیں عشق کے سبب سے اس کو گوارا ہیں۔ صائب رہ ؎

نیست دلگیری ز کوہ بے ستوں فرہاد را ... عشق چوں مشاطہ گردد سنگ خارا ہم خوش ست

عاشق کل ست و خود کل ست او ... عاشق خویش ست و عشق خویش جو

ترجمہ (یہ بلبل بانگ آتش) ذات جامع الصفات کا عاشق ہے۔ اور خود ہی (ایک اعتبار سے) حقیقت جامعہ ہے (اس لحاظ سے گویا وہ خود) اپنے آپ کا عاشق ہے۔ اور اپنے ہی عاشق کا طالب
بذا ما قال بحر العلوم و ہو اوضح مما قال غیرہٗ۔

مطلب۔ جب عشق الٰہی کے غلبے سے عاشق کی ہستی اور اسکی صفات مضمحل ہو جاتی ہیں۔ اور صفات الٰہیہ کا مشاہدہ اور غلبہ کا استحضار رہنے لگتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی صفات کو کمالات الٰہیہ کے مطالعہ کا آئینہ دیکھتا ہے۔ اور چونکہ مطلوب بالذات کمالات الٰہیہ کا مطالعہ ہے۔ اور اپنی ذات و صفات کو وہ اس مطالعہ و مشاہدہ کا آلہ دیکھتا ہے۔ اس حیثیت سے خود اپنی ذات وصفات بھی اس کے مطلوب بالعرض ہو جاتے ہیں۔ پس عشق سے اضمحلال و فنا ہوا۔ اور اس سے صفات الٰہیہ کے مشاہدہ کا غلبہ ہوا۔ پھر عاشق اپنے آپ کو آئینہ مشاہدہ دیکھ کر اپنے آپ کا طالب و جویاں ہوا (کذا فی کلید مثنوی)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب المقصد الاسنٰی فی شرح اسماء الحسنٰی میں لکھتے ہیں فرض کرو ایک شخص دنیا میں صرف سورج کو اور اسکے نور کو جو دنیا بھر میں پھیل رہا ہے۔ دیکھتا ہے۔ تو اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا۔ کہ میں سورج کے سوا اور کسی چیز کو نہیں دیکھتا۔ کیونکہ نور جو اس سے پھیلتا ہے وہ بھی اس میں سے ہے۔ اس سے خارج نہیں۔ پس تمام موجودات قدرت ازلی کے انوار میں سے ایک نور ہیں۔ جس طرح سورج تمام عالم میں پھیلنے والے نور کا سرچشمہ ہے۔ انتہٰی۔

اس تقریر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اپنے وجود کو دیکھنا ایک اعتبار سے مبدء وجود کا مشاہدہ ہے
عراقی رحمہ ۔۔۔ ظاہر و باطن توئی و طالب و مطلوب تو واں دگر نامے ست اندر ہر زباں انداختہ

صفت اولی اجنحہ طیور عقول الٰہی

عقول الٰہی کے پردار پرندوں کا ذکر

لغات اجنحہ جناح کی جمع۔ انسان اور پرندوں کے بازو طیور طائر کی جمع پرندے۔ عقول سے یہاں مراد ارواح مجردہ ہیں۔ حکما عقول کو ایسی ہستیوں کی صورت میں تسلیم کرتے ہیں۔ جن کو شریعت اسلام کی زبان میں ملائکہ اور ہنود کی اصطلاح میں دیوتا کہا جاتا ہے۔ مگر حکماء کی عقول ان کے اختیار فعل اور استقلال قدرت کے عقیدہ فاسدہ کے اعتبار سے ہندوؤں کے دیوتاؤں سے زیادہ ملتی جلتی ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ کہ خداوند تعالیٰ ایک عقل کو پیدا کر کے (نعوذ باللہ) معطل و فارغ ہو گیا۔ پھر پہلی عقل نے دوسری عقل اور پہلا آسمان بنایا۔ دوسری عقل نے تیسری عقل اور دوسرا آسمان۔ تیسری نے چوتھی عقل اور تیسرا آسمان علی ہذا۔ نویں عقل نے دسویں عقل اور نواں آسمان پیدا کیا۔ پھر دسویں عقل نے کل عالم پیدا کیا۔ اس عقل کو عقل کل یا عقل فعّال کہتے ہیں وھذا ظنٌ فاسد وزعمٌ کاسد فارسی زبان کے مسلمان شعراء نے جہاں کہیں حکماء کی اصطلاح قدیم کے رواج پر عقل کل کا لفظ استعمال کیا ہے۔ وہاں اُن کے مذہبی عقیدہ کے اعتبار پر اس سے جبرئیل علیہ السلام مراد لیا جاتا ہے۔ اسی طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے قدیمی انداز کلام پر ارواح مجردہ کو عقول سے تعبیر کیا ہے۔

عقول عشرہ کا قول باطل

قصۂ طوطیِ جان زینسان بود کو کسے کو محرم مرغان بود

لغات کو بمعنی کجا - نایابی کے اظہار کے لئے - محرم واقف - با خبر - رازدار - ہمراز -
ترجمہ جان کے طوطے (یعنی روح) کا حال اسی قسم کا ہے - (کہ وہ عشق الٰہی میں محو ہے) کہاں ہے وہ جو (ان روحانی) پرندوں کا رازدار ہو -
مطلب بستانِ محبت کے طیور کا ہمراز وہی شخص ہو سکتا ہے - جو خود اہل محبت میں سے ہو - اور محبت کی قدر و قیمت کو جانتا ہو - حافظ رحمہ ؎

ہشیار از اں نیم کہ مے نیست ما   مے ہست و لے حریف مے نایاب ست

کو یکے مُرغے ضعیفے بے گناہ   واندرُون اُو سلیماں با سپاہ

لغات کو کہ او کا مخفف - سلیمانؑ ایک پیغمبر کا نام جو جن و انس کے پادشاہ اور روئے زمین کے حکمران تھے - یہاں یہ لفظ استعارہ ہے - روح سے - اور سپاہ استعارہ ہے قوائے روحانیہ سے -
ترکیب - کو میں کاف بیانیہ ہے او مبتدا یکے مرغے ضعیفے بیگناہ خبر - حرف ربط محذوف - یہ جملہ بیان کر رہا ہوا طوطی جان کا جو شعر سابق میں مبین ہے -
ترجمہ جو ایک پرندہ ہے - (جس کا جسم عنصری) کمزور (مگر اصل فطرت پاک اور) بیگناہ (ہے) - اور اس کے اندر (روح کا شاہ) سلیمان ہے (جو بہت سی طاقتوں کی) سپاہ رکھتا ہے -
مطلب اس ترجمے کا منشا یہ ہے - کہ مرغے ضعیفے سے انسان کامل (بمعیت جسم و روح) مراد ہو ایک اور طرح بھی مطلب ہو سکتا ہے - کہ مرغے سے صرف طائر روح مراد ہو - اور اس کو ضعیف باعتبار تعلق جسد عنصری کے کہا ہو - سلیمان مجازاً پادشاہ حقیقی کو کہا ہو - اور سپاہ سے اس کی صفات حقیقی مراد ہوں - اب یہ مطلب ہو گا - کہ وہ طائر روح باوجود ناچیز ہونے کے ذات و صفات حق کا مظہر ہے -

چُوں بنالد زار بے شکر و گلہ   افتد اندر ہفت گردُوں غلغلہ

لغات زار بمعنی بکثرت - غلغلہ فارسی کلمہ ہے - ہر دو غین کے ضمہ سے یعنی شور و غوغا -
ترجمہ جب وہ بغیر کسی شکر و شکایت کے (خالص درد سے) خوب روتا ہے - تو ساتوں آسمانوں میں ایک شور برپا ہو جاتا ہے - کما قیل ؎

آں نبی چو دست تضلّم بر آورند   ارکان عرش را بتزلزل در آورند

مطلب خاصانِ حق کے جذبات سے ملائکہ متاثر ہو جاتے ہیں - مختلف احادیث سے ثابت ہے - کہ بندوں کے اعمال و افعال کا ملائکہ پر اثر ہوتا ہے - حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں فرماتے ہیں - تکلما فعل فرد من افراد الانسان فعلا منجیا خرجت من تلک الملئکۃ اشعۃ بہجۃ و سرور و کلما فعل فعلا مہلکا خرجت منہا اشعۃ نفرۃ و بغض الخ یعنی جب ایک آدمی کوئی نیک کام کرتا ہے - تو ان فرشتوں سے خوشی اور مسرت کی شعاعیں نکلتی ہیں - اور جب کوئی برا کام کرتا ہے - تو ان سے نفرت اور بغض کی شعاعیں نکلتی ہیں -

ہر دمش صد نامہ صد پیک از خدا — یاربے زو شصت لبیک از خدا

لغات - ہر دمش میں ہر دم ظرف ہے۔ پیش معنی اور پیک قاصد۔ یاربے میں یارب معنی اللّٰھم مراد نعرہ دعا اور یا وحدت کے لئے۔ شصت ساٹھ لبیک کے معنی میں حاضر ہوں - جب یہ کلمہ خدا سے منسوب ہو۔ تو اس کے معنی توجہ اور اجابت دعا کے ہونگے۔

ترجمہ اس کو ہر لحظہ سینکڑوں نامہ و پیام خدا کی طرف سے (پہنچتے) ہیں - اس کا ایک (نعرہ) یا رب (اور) خدا کی طرف سے ساٹھ مرتبہ قبولیت (ہوتی) ہے۔

مطلب عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا وَ اَزِیْدُ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَجَزَاءُ سَیِّئَۃٍ مِّثْلُھَا اَوْ اَغْفِرُ وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْہُ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْہُ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً وَّمَنْ لَقِیَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطِیْئَۃً لَا یُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا لَقِیْتُہٗ بِمِثْلِھَا مَغْفِرَۃً رَوَاہُ مُسْلِم - یعنی ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں - کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے - جو شخص ایک نیکی کرے - اس کے لئے دس گنا ثواب ہے - اور زیادہ بھی + اور جو شخص ایک بدی کرے - تو بدی کا بدلہ اس کے برابر ہے یا میں بخش دیتا ہوں - اور جو شخص مجھ سے ایک بالشت بھر تقرب چاہتا ہے - میں اس سے ایک گز نزدیک ہو جاتا ہوں - اور جس نے میری طرف ایک گز بھر نزدیکی چاہی - میں اس سے دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ برابر قریب ہو جاتا ہوں - اور جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے - میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں - اور جو شخص میرے پاس دنیا بھر کے برابر گناہ لے کر آئے بشرطیکہ کسی چیز کو میرا شریک نہ بناتا ہو - میں اس کے برابر مغفرت کے ساتھ اس سے پیش آتا ہوں - اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے - (مشکوٰۃ)

زلّت او بہ ز طاعت پیش حق — نزد کفرش جملہ ایمانہا خَلَق

لغات زلّت زائے معجمہ کے کسرہ اور لام کی تشدید سے لغزش کتب لغت میں بفتح زا بھی لکھا ہے - خَلَق خاء اور لام کے فتحہ سے بوسیدہ کہنہ۔

ترجمہ اس کی لغزش خدا کے نزدیک (دوسرے لوگوں کی) طاعت سے بڑھکر ہے - اس کے کفر کے مقابلے میں تمام (لوگوں کے) ایمان بوسیدہ ہیں۔

خاصانِ حق کی خطا عوام کی طاعت سے افضل ہے

مطلب چونکہ خاصانِ حق سے معصیت ظہور نہیں پا سکتی - اس لئے ان سے جو لغزش بھی سرزد ہوتی ہے - وہ خلوص و نیک نیتی پر مبنی ہوتی ہے جس کو خطائے اجتہادی کہنا چاہیئے - اور چونکہ اللہ تعالیٰ نیتوں کو دیکھتا ہے - اس لئے یہ لغزش بھی اس کے نزدیک ان غیر مخلص لوگوں کے اعمال حسنہ سے بہتر ہے - جو عبادت برسبیل عادت بجالاتے ہیں - مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ انسان کامل کی لغزش کے عوام کی طاعت سے بہتر ہونے کی ایک اور توجیہ فرماتے ہیں - یعنی وہ استغفار پر متوجہ ہو کر ایسے مرتبہ عظمٰے پر فائز ہو جاتا ہے - جو عوام کو طاعات و عبادات کے ذریعہ سے بھی میسّر نہیں ہو سکتا - اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام

کا نزول اکل حنطہ کے بعد سزا کی جہت سے نہ تھا۔ بلکہ انعام کی قبیل سے تھا۔ پھر فرمایا کہ اہل اللہ کو جب کسی لغزش کی وجہ سے انحطاط پیش آتا ہے۔ تو اس سے انکو وہ خاکساری اور حیا اور کسر نفسی عارض ہو جاتی ہے۔ جو ان کو اس درجے سے بلند کر دیتی ہے۔ جو لغزش سے پہلے حاصل تھا۔ اس لئے یہ انحطاط ان کے لئے عین معراج ہوتا ہے۔ دوسرے مصرعہ کی تشریح یوں فرماتے ہیں۔ کہ انسان کامل کا کفر عامۃ الناس کے کفر ایمان سے اس لئے بہتر ہے۔ کہ اس کا کفر مثلاً یہ ہے۔ کہ وہ فنا کے وقت ربوبیت کا دعوے کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ اور یہ قول اگرچہ قضائے قاضی میں کفر ہے۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ عین ایمان بلکہ عامۃ الناس کے ایمان سے بہتر ہے۔ جو محض تقلید پر مبنی ہے۔ حافظ رح ؎

ترسم آں قوم کہ بر دُرد کشاں میخندند ۔۔۔ بر سر کار خرابات کنند ایماں را

ہر دمے اُو را یکے معراجِ خاص ۔۔۔ بر سرِ تاجش نہد حق تاجِ خاص

ترجمہ اس کو ہر لحظہ ایک خاص معراج (یعنے ترقی مراتب حاصل ہوتی رہتی) ہے۔ اس کے (منفیی) تاج پر خداوند (انعام و اعزاز کا) خاص تاج رکھ دیتا ہے۔

مطلب معراج سے مراد مرتبہ قرب ہے۔ چونکہ مراتب قرب کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے خاصان خدا کو یہ ترقی لحظہ بلحظہ علی الدوام ہوتی ہے۔ اور اس کا حصول اولیا و انبیا سب کے لئے عام ہے۔ تاج خاص سے مراد خلافت الٰہی کا اعزاز ہے۔

صورتش بر خاک و جاں در لامکاں ۔۔۔ لامکانے فوق وہم سالکاں

لغات صورت ظاہری وجود۔ جسم۔ کالبد عنصری۔ لامکان اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ یعنی وہ کسی مکان میں متمکن نہیں ہے۔ فوق بالاتر۔ اعلیٰ۔ سالکان سے یہاں علمائے رسوم مراد ہیں۔

ترجمہ اس کا ظاہری وجود زمین پر ہے اور روح لامکان میں ہے۔ وہ لامکان جو سالکوں کے وہم سے بھی برتر ہے۔

مطلب شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے۔ التمکن عبارۃ عن نفوذ بُعد فی بُعد آخر متوھم او متحقق یسمّی نہ المکان یعنی کسی چیز کے مکان میں متمکن ہونے سے مراد یہ ہے۔ کہ ایک ممتد شے ایک اور وہمی یا حقیقی امتداد کے اندر سمائی ہو۔ اور اس امتداد کو مکان کہتے ہیں "۔ یہ تمکن یا مکانی ہونا اجسام سے خاص ہے۔ ارواح چونکہ جواہر مجردہ سے ہیں۔ اس لئے وہ متمکن نہیں ہیں یعنی لامکان ہیں۔ اس پر یہ سوال پیش ہو سکتا ہے۔ کہ اس معنی میں تو ہر ایک روح لامکان ہے۔ خاصانِ خدا کی ارواح کی کیا خصوصیت ہے۔ دوسرا مصرعہ اور نیچے کے اشعار اس سوال کے جواب پر مشتمل ہیں۔ یعنی علمائے رسوم کے نزدیک جو لامکان۔ ہے عالم مجردات مراد ہے۔ مذکورہ لامکان اس سے اعلےٰ و ارفع ہے۔ اور چونکہ وہ ذاتِ حق کی ایک صفت ہے۔ اور اس کی صفات قدیم ہیں۔ اور قدیم کی کنہ کوئی دریافت نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ لامکان علمائے رسوم کے وہم و فکر سے ملیند ہے۔ اور اس کو عالم امکان اور مکانیات یعنی عالم اجسام کے ساتھ اور علمائے مذکورین کے مزعومہ لامکان یعنی عالم مجردات کے ساتھ یکساں معیت ہے۔ چونکہ انسان کامل کو حق تعالیٰ سے قرب حاصل ہے۔ لہٰذا اس کی صفت

لامکانیت سے وہ بھی تعلق رکھتا ہے۔

لامکانے نے کہ در وہم آیدت   ہر دمے در وے خیالے زایدت

ترجمہ وہ ایسا لامکان نہیں کہ تیرے وہم میں آسکے۔ اور اس کے متعلق تیرے دل میں دمبدم ایک خیال پیدا ہو۔

بل مکان و لامکاں در حکم او   ہمچو در حکم بہشتی چار جو

لغات چار جو بہشت کی چار نہریں پانی۔ دودھ۔ شراب اور شہد کی۔

ترجمہ بلکہ مکان اور لامکان اس کے حکم میں ہیں جسطرح اہل جنت کے حکم میں چار نہریں ہونگی۔

مطلب وہ اعلیٰ لامکان جو حق تعالے کی صفت ہے۔ اور اسی لئے قدامت کے ساتھ متصف ہے۔ عالم مادیات اور عالم مجردات دونوں پر حاوی ہے۔ کما مر آنفا۔ لہذا اس لامکان سے تعلق رکھنے والا بھی جو خلیفۃ اللہ ہے۔ صرف علمائے رسوم کے مزعومہ لامکان ممکن ہی سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ مکان و لامکان سب پر حکمران ہے۔ اور اس کا فیض کل عالم کو پہنچتا ہے۔ صائب رحمہ

میرسد فیض سبک روحاں باطراف جہاں   مے شود آفاق روشن صبح چوں خنداں شود

شرح ایں کوتہ کن و رخ زیں بتاب   دم مزن وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

ترجمہ اس (بیان) کی تفصیل کو یہیں رہنے دو۔ اور اس ذکر کو چھوڑو۔ خاموش ہو رہو۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

باز میگردیم ازیں اے دوستاں   سوئے مرغ و تاجر ہندوستاں

ترجمہ اے دوستو ہم اس (بحث) سے پرندے اور تاجر ہندوستان (کے قصے) کیطرف لوٹتے ہیں۔

دیدنِ خواجہ در دشت طوطیاں را و پیغام رسانیدن

سوداگر کا جنگل میں طوطیوں کو دیکھنا اور پیغام پہچانا۔

مرد بازرگاں پذیرفت ایں پیام   کو رساند سوئے جنس از وے سلام

ترجمہ سوداگر نے اس پیغام کا ذمہ اٹھا لیا۔ کہ (اس کے) ہمجنسوں کو اس کا سلام و پیام پہنچا دے گا۔

چونکہ تا اقصائے ہندوستاں رسید   در بیاباں طوطئے چندے بدید

ترجمہ جب ہندوستان کی حدود میں پہنچا۔ تو جنگل میں کچھ طوطے دیکھے۔

مرکب استانید و پس آواز داد   آں سلام و آں امانت باز داد

ترجمہ سواری ٹھہرائی۔ اور پھر آواز دی (اور) وہ سلام و پیغام پہنچا دیا۔

طوطیے از طوطیاں لرزید و پس   اوفتاد و مُرد و بگسستش نفس

ترجمہ (بس) ان طوطوں میں سے ایک طوطا کانپنے لگا۔ اور اُس کے بعد گر پڑا۔ اور (گرتے ہی) فوراً اس کا دم ٹوٹ گیا۔

شد پشیماں خواجہ از گفتِ خبر   گُفت رفتم در ہلاکِ جانور

ترجمہ شریف آدمی اُس خبر کے بیان کرنے سے پشیماں ہوا۔ (اور) کہنے لگا۔ میں (ایک) جاندار کے مار ڈالنے کا مرتکب ہوا۔

ایں مگر خویش ست با آں طوطیک   ایں مگر دو جسم بود و رُوح یک

ترجمہ شاید یہ (طوطا) اس غریب طوطے کا عزیز ہے۔ شاید یہ (طوطا اس طوطے کے ساتھ) بمنزلہ دو قالب و یکجان تھا۔

ایں چرا کردم چرا دادم پیام   سوختم بیچارہ را زیں گفتِ خام

ترجمہ (افسوس) میں نے کیوں ایسا کام کیا۔ کیوں پیغام دیا۔ اس فضول یا بے جا (ناحق) بیچارے (طوطے) کو (سوزِ غم میں) جلا دیا۔

ایں زباں چوں سنگ و فم آہن وش ست   آنچہ بجہد از زباں چوں آتش ست

لغات سنگ پتھر۔ یہاں چقماق مراد ہے جس کو لوہے پر مارنے سے آگ نکلتی ہے۔ فم منہ۔ دہاں۔

ترجمہ یہ زبان گویا (چقماق کا) پتھر ہے۔ اور منہ لوہے کی مثل ہے۔ زبان سے جو (کلمہ) نکلتا ہے۔ وہ گویا (اس چقماق کی) آگ ہے۔

مطلب اوپر ایک پیام خاص کی مضرت کا ذکر تھا۔ اب بمناسبت مقام آفات لسان کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ انسان کی زبان میں آگ لگا دینے کی خاصیت ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے۔ کہ کسی صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ؐ آپ کے خیال مبارک میں کونسی چیز میرے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ تو آپ ؐ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا۔ یہ۔ احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اعلم ان خطر اللسان عظیم و لا نجاۃ من خطرہ الا بالصمت فلذلک مدح الشرع الصمت یعنی واضح ہو۔ کہ زبان کا خطرہ بڑا ہے اور اس کے خطرے سے صرف خاموشی کی بدولت محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اسی لئے شرع نے خاموشی کی تعریف کی ہے۔ کما قیل ؎

بہ بند لب کہ زبانِ تو خصمِ جانِ تو ہست
بر نگِ پستہ شکستِ تو از زبانِ تو ہست

آفاتِ زبان

سنگ و آہن را مزن برہم گزاف   گہ ز روئے نقل و گہ از روئے لاف

لغات گزاف کاف فارسی کے کسرہ سے بیہودہ اور لغویات لاف۔ بکواس۔ شیخی کی فضول باتیں۔

ترجمہ (اس) چقماق اور لوہے کو بیفائدہ ایک دوسرے پر نہ مارو۔ کبھی نقل کے طور پر اور کبھی شیخی سے

مطلب ضرورت اور فائدہ دیکھو۔ تو زبان کو حرکت میں لاؤ۔ ورنہ خاموش رہو۔ نظامی رح ؎

ہنگامِ خود گفت باید سخن   گہے وقت بر نادرد نار بن
خروسے کہ بے گہ نوا بر کشید   سرش را بگہ باز باید برید
سرے زباں کو بخوں تر بود   بہ است از زبانے کہ بے سر بود
زباں را نگہدار در کام خویش   نفس بر مزن جز بہنگامِ خویش

ز آنکہ تاریکی ست ہر سو پنبہ زار   درمیانِ پنبہ چوں باشد شرار

ترجمہ کیونکہ (ایک تو) تاریکی چھا رہی ہے (جس سے قابل و ناقابل طبائع کی شناخت مشکل ہے۔ دوسرے) ہر طرف روئی پھیلی پڑی ہے۔ (یعنی فی الفور سلگ اٹھنے والا سامان جمع ہے) پس روئی میں چنگاری (آگ لگائے بغیر) کیونکر رہ سکتی ہے۔

مطلب ۔ایسی بات منہ سے نکالنی نہیں چاہیئے جس سے فتنہ و فساد پھیلنے کا اندیشہ ہو۔ کیا معلوم سننے والا کس طبیعت کا آدمی ہے۔ اور کس رنگ میں آگے نقل کرے۔ حتیٰ کہ بات کا بتنگڑ بن جائے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے۔ کہ اسرار توحید عوام کے سامنے بیان کرنے میں کمال احتیاط لازم ہے۔ ورنہ دین میں فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ جامی رح ؎

پیش اربابِ خرد شرح مکن مشکلِ عشق   نکتۂ خاص مگو محفلِ عام ست اینجا
نظامی ؎ گفت آں یار کزو گشت سرِ دار بلند   جرمش آں بود کہ اسرار ہویدا میکرد

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند   وز سخنہا عالمے را سوختند

ترجمہ ظالم ہیں وہ (ظاہر پرست و حقیقت ناشناس) لوگ جنہوں نے (اپنی) آنکھوں پر پٹی باندھ کر (توحید کی باریک) باتوں سے ایک جہان میں (فتنے کی) آگ لگا دی۔

مطلب اس سے وہ مدعیان فقر مراد ہیں۔ جو آداب شرع سے عاری اور مصالح دین سے نابلد ہیں۔ طریقت کے سربستہ اسرار کو جن کا تعلق صرف ذوق و وجدان کے ساتھ ہے۔ ایسے الفاظ میں بیان کرنے کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جو عقائد شرعیہ کے خلاف ہیں۔ اور وہ اس طرز عمل سے اسلام میں فتنہ و فساد اور اسلامی جماعتوں میں نزاع و عناد پیدا کر دیتے ہیں۔ حافظ رح ؎

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گلریز ست   ببانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز ست
در آستین مرقع پیالہ پنہاں کن   کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریز است
سعدی رح ؎ ایں مدعیاں در طلبش بیخبر انند   کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

اس سے وہ عالم لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو علمی اسرار کے بیان کرنے میں سامعین کی صلاحیت اور مقدار فہم کا لحاظ نہیں رکھتے جس سے ان لوگوں کو طرح طرح کے شکوک و شبہات اور غلطیاں پیدا ہو کر الٹا نقصان پہنچتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ واضع العلم عند غیر اهله کمقلد الخنازیر الجوهر و اللؤلؤ والذهب یعنی نااہل لوگوں کو علم کی دولت دینے والا ایسا ہے۔ جیسے خنزیروں کے گلے میں جواہر اور موتی اور سونے کے ہار ڈالنے والا (مشکوۃ) اور جو اہلِ علم اس طرح علم کے ساتھ بد سلوکی روا رکھے اس کے ظالم ہونے میں کیا شک ہے۔ نیز احادیث سے ثابت ہے۔ کہ علماء خداوند تعالیٰ کے رازدار ہیں۔ یعنی علوم الہیہ کے ناگفتنی اسرار کو محفوظ رکھنا ان کا فرض ہے۔ پس جو عالم مصلحت شناسی کی آنکھ بند کر کے اسرار الہیہ کو بے محل افشا کرتا پھرے۔ جس سے مصالح دین کو ضرر پہنچتا ہو۔ اس کا ظالم ہونا بھی عیاں ہے۔ کما قیل ؎

اسرارِ خدا برون میفگن کہ زغیب یک نقطہ اگر برون فتد عیب بود

عالمے را یک سخن ویراں کند روبہانِ مردہ را شیراں کند

ترجمہ ایک بات (ایسی ہوتی ہے۔ کہ) دنیا بھر کو (گمراہی سے) ویران کر دیتی ہے۔ (اور) لومڑیوں (کے سے فرومایہ لوگوں) کو جو مردہ (وار چپ چاپ پڑے) ہوں۔ (دین پر معترض ہونے کے لئے) شیر بنا دیتی ہے۔

مطلب زیاد ابن حدیر کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ نے مجھ سے پوچھا۔ هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ الْاِسْلَامَ کیا تم جانتے ہو کہ اسلام کی عمارت کو کونسی چیز گراتی ہے۔ میں نے عرض کیا معلوم نہیں۔ تو فرمایا۔ يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْاَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ۔ گراتی ہے اس کو عالم کی لغزش اور منافق کا کتاب اللہ کے ساتھ بحث کرنا اور گمراہ سرداروں کا حکم چلانا (مشکوۃ)

جانہا در اصل خود عیسیٰ دم اند یکزماں زخم اند و دیگر مرہم اند

لغات۔ اصل فطرت۔ آفرینش۔ عیسیٰ دم مرکب غیر امتزاجی۔ یعنی وہ شخص جس کا دم اپنے اثر کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دم کا سا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دم میں یہ تاثیر تھی۔ کہ جس مریض پر پھونک مارتے۔ وہ فوراً تندرست ہو جاتا۔ دیکھو اس شرح کا حصہ اول

ترجمہ روحیں اپنی اصل (فطرت) میں حضرت عیسیٰ کا سا دم رکھتی ہیں۔ ایک وقت میں (بعض لوگوں کے لئے مہلک) زخم (بنجاتی) ہیں اور دوسرے وقت (بعض اور لوگوں کے زخم کے لئے) مرہم (ثابت ہوتی) ہیں۔

مطلب۔ اوپر جو بیان کیا تھا کہ بعض باتوں کا اظہار باعث ضرر ہوتا ہے۔ اس کی تائید میں فرماتے ہیں۔ کہ اس بات سے تعجب نہ کرنا چاہئیے۔ کیونکہ ایک پاک و کامل روح کا خاصہ ہے۔ کہ اس کی باتیں اہل صلاحیت کو فائدہ بخشیں۔ اور فاسد الاستعداد لوگوں کو ضرر پہنچائیں۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دم کا خاصہ ہے۔ کہ وہ مومنین اور اہل ارادت کے لئے شفائے امراض تھا۔ اور قرب قیامت میں جب

وہ دجال کا مقابلہ کرینگے۔ تو ان کا سانس کافروں کے لئے پیامِ موت ثابت ہوگا۔ احادیث میں مروی ہے۔ کہ فلایحل لکافر یجد من ریح نفسہ الا مات ونفسہ ینتہی حیث ینتہی طرفہ۔ یعنی کسی کافر کے لئے ممکن نہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی بو پائے۔ مگر وہ مرجائیگا۔ اور ان کا سانس جہانتک ان کی نگاہ کام کرے گی۔ پہنچیگا۔ (مشکوٰۃ)

گر حجاب از جانہا برخاستے گفت ہر جانے مسیح آساستے

لغات حجاب۔ پردہ۔ کثافت جسمانی مراد ہے۔ گفت حاصل مصدر بمعنی گفتار آسا بمعنی مثل ستے بمعنی ست حرف ربط۔

ترجمہ۔ اگر رُوح سے کثافت جسمانی کا حجاب اُٹھ جاتا۔ تو ہر روح کی بات (اپنے اثر کی رو سے) مسیح (کے سانس) کی سی ہوتی۔

مطلب بے شک ہر روح اپنے اصل فطرت میں دم عیسےٰ کی طرح مردوں کے لئے موجب حیات۔ اور زندوں کے لئے پیامِ اجل ہے۔ مگر چونکہ تعلقات جسمانیہ سے عالم ارواح پر شہوت وغضب اور جہل وغیرہ صفات ذمیمہ کا حجاب پڑگیا ہے۔ اس لئے وہ اپنی فطرت اصلیہ پر نہیں رہیں۔ اگر یہ حجاب دُور ہو جائے۔ تو ہر شخص کے کلام سے دم عیسوی کی سی تاثیر ظاہر ہوسکتی ہے۔ صائب رہ ؎

با حجاب تن خاکی نتواں واصل شد — کوزۂ خود شکن لب بلب جو بگذار

ولہ ؎ حال جانِ پاک را در قید تن داند کہ چیست — ہر کہ ماہِ مصر را در چاہِ زنداں دیدہ است

گر سخن خواہی کہ گوئی چوں شکر صبر کن ایں حرص و ایں حلوا مخور

ترجمہ اگر تم چاہو۔ کہ شکر کی سی (شیریں ومفید) باتیں کرنے لگو۔ تو اس (کثرت طعام اور فضول کلام کی) حرص سے صبر کرو۔ اور یہ حلوے مت کھاؤ۔

مطلب۔ چونکہ لذائذ جسمانیہ روح کے لئے حجاب بن جاتی ہیں۔ اس لئے اس حجاب کے اٹھانے کی یہ تدبیر بتاتے ہیں۔ کہ لذائذ جسمانیہ کم کردو۔ تھوڑا کھاؤ۔ تھوڑا بولو۔ سعدی رح ؎

ترا تا دہن باشد از حرص باز — نیاید بگوشِ دل از غیب راز

حقیقت سرائے ست آراستہ — ہوا و ہوس گرد بر خاستہ

نہ بینی کہ جائیکہ برخاست گرد — نہ بیند نظر ورچہ بیناست مرد

عمر خیام غفر اللہ لہٗ ؎

درکامِ تو گر زمانہ لوزینہ نہد — زنہار فرو مبر کہ زہر آلود ست

احادیث سے ثابت ہے کہ کثرت طعام اور فضول کلام سے روح محجوب ہوتی ہے۔ اور دل پر قساوت چھا جاتی ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل ملکوت السماء من ملا بطنہ۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اپنا پیٹ بھر لے۔ وہ اسلئے روحانی مراتب حاصل نہیں کرسکتا (احیاء العلوم) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ فان کثرۃ

الکلام بغیر ذکر اللہ قسوۃ القلب یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ نہ بولو۔ کیونکہ اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ بولنا دل کی سختی (کا باعث) ہے (ریاض الصالحین)

؎ عمر خود کوتاہ کرد و نامۂ خود را سیاہ — ہر کہ صائب چوں قلم سر در سر گفتار کرد

وقیل ؎ ہرزہ گویاں بر سر خود صد بلا مے آورند — خندۂ کبک این دلیل راہ شاہین میشود

صبر باشد مشتہائے زیرکاں — ہست حلوا آرزوئے کودکاں

لغات۔ صبر صاد کے فتحہ سے بمعنی ضبط نفس و کسر خواہش اور کسرہ سے بمعنی ایلوا۔ جو ایک مشہور تلخ دوا ہے۔ اور بہت سے امراض میں مفید ہے۔ مشتہی مرغوب۔ مطلوب جس کو جی چاہے۔ اشتہا کا اسم مفعول ہے۔

ترجمہ صبر (یا تلخ دوا بغرض شفا) دانا لوگوں کو مرغوب ہے اور حلوا بچوں کو بھاتا ہے۔

مطلب۔ لذائذ نفسانیہ کی خواہش کرنا نفس پرستوں کا شیوہ ہے۔ صائب رح ؎

طفل را از میوۂ نارس نمے باشد شکیب — ہست دائم کام خلق از آرزوے خام تلخ

ہر کہ صبر آورد گردوں بر رود — ہر کہ حلوی خورد واپس تر شود

ترجمہ جو شخص صبر بجا لاتا ہے (وہ علو مراتب سے) سر بفلک ہو جاتا ہے۔ جو شخص (نفسانی لذتوں کا) حلوے کھاتا ہے۔ وہ تنزل کر جاتا ہے۔

مطلب نفس پرست اور شکم پرور روحانی ترقی نہیں کر سکتا۔ جیسے کہ اوپر احیاء العلوم سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔ کہ لا یدخل ملکوت السماء من ملأ بطنہ۔ لیکن جو مرد مجاہدات و ریاضات اختیار کرتا ہے وہ ترقی کرتا کرتا فرشتوں میں جا ملتا ہے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ملائکہ کے ذکر میں لکھتے ہیں۔ وَاِنَّ لِاَرْوَاحِ اَفَاضِلِ الْاٰدَمِیِّیْنَ دُخُوْلًا فِیْھِمْ وَلُحُوْقًا بِھِمْ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یٰۤاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ یعنی عالی رتبہ انسان فرشتوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں جا ملتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ اے نفس مطمئنہ اپنے پروردگار کی طرف جا۔ بحالیکہ تو خوشنود ہو۔ اور تجھ کو اس سے خوشنودی ہو۔ اور میرے بندوں میں اور میرے بہشت میں داخل ہو (حجۃ اللہ البالغہ)

صائب ؎ چوں شبنم پاکیزہ گہر جسم گداز اند — در دامن گلزار بخورشید سوارند

تفسیر قول شیخ فرید الدین عطار قدس سرہٗ

تو صاحب نفسی اے غافل میان خاک خوں میخور کہ — صاحبدل اگر زہرے خورد آں انگبیں باشد

ترجمہ شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ کے اس قول کی تفسیر کہ اے غافل تو صاحب دل ہے

(بلا تامل) مٹی میں خون پی جا۔ کیونکہ صاحبدل اگر زہر بھی کھائے۔ تو وہ شہد بنجاتا ہے۔
مطلب اوپر مبتدی و ناقص کو دو باتوں کی ہدایت کی تھی۔ ایک تو یہ کہ افشائے راز نہ کرے۔ دوسرے لذات سے پرہیز رکھے۔ اس میں احتمال تھا کہ اگر یہ لوگ کسی کامل کو اظہار راز اور حصول لذات کرتے دیکھیں گے۔ تو معترض ہونگے۔ کہ اگر یہ کام ناجائز ہیں۔ تو یہ بزرگ اس سے پرہیز کیوں نہیں کرتے۔ اور اگر جائز ہیں تو ہم کو اس سے کیوں منع کیا گیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ کہ یہ کام ناقص کے لئے مضر ہیں۔ کامل کو مضر نہیں لہذا ان کے لئے یہ کام جائز ہیں۔ اور دوسرے لوگوں کے لئے ناجائز۔ کہ **یجوز لھم مالا یجوز لغیرھم** مسلمہ اصول ہے۔ جامی رح ؎

مکن خراجمت اہل دل کہ محفوظ است ۔۔۔ ز سنگ بے خرداں شیشہ خانہ افلاک

ولہٗ زد طعنہ شیخ شہر بر اسرار اہل دل ۔۔۔ المرءُ لا یزال عدوًا لما جھل

صاحبِ دل را ندارد آں زیاں ۔۔۔ گر خورد او زہر قاتل را عیاں

لغات آں اسم اشارہ کا مشارٌ الیہ زہر مقدر ہے یا یہ اسم اشارہ بطور ضمیر استعمال کیا گیا ہے۔ اس صورت میں یہاں اضمار قبل الذکر ہے۔ عیاں ظاہرًا۔ برملا۔ صاف طور سے۔

ترجمہ صاحبدل اگر صاف طور پر زہر قاتل بھی پی جائے۔ تو اُسے وُہ کچھ ضرر نہیں کرتا۔

زانکہ صحت یافت و ز پرہیز رست ۔۔۔ طالبِ مسکیں میانِ تپ درست

لغات در حرف ظرفیت دوسرے مصرعہ میں زائد ہے۔ **ترکیب** یافت کی ضمیر فاعلی مستتر صاحبدل کی طرف راجع ہے۔

ترجمہ کیونکہ وہ (کامل تو) صحتیاب ہو چکا۔ اور پرہیز سے چھوٹ گیا (اسکو پرہیز کی ضرورت نہیں) مبتدی بچارہ (ابھی غلبہ جسمانیت کے) بخار میں مبتلا ہے (وہ پرہیز کیوں نہ کرے)

رفع اشتباہ بعض ملحد و بے دین فقرا اس قسم کے اشعار کو سنداً پیش کر کے اپنے لئے ترک فرائض اور ارتکاب حرام کے جواز کا دعوای کیا کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہم۔ سو واضح ہو کہ یہاں بیان اسرار اور حصول لذات سے امور مباح مراد ہیں۔ جن سے پرہیز کرنا داخل ادب اور شان طریقت ہے۔ خصوصًا طالب مبتدی کے لئے شرط طلب و ارادت ہے۔ ورنہ محرمات و منہیات سے پرہیز کرنا۔ اور فرائض دین کا بجالانا تو کامل و غیر کامل سب کے لئے فرض عین ہے۔ جو شخص محرمات شرعیہ سے پرہیز نہ کرے اور ان کو جائز کہے۔ اور فرائض کو غیر ضروری سمجھے۔ وہ کافر و زندیق اور دشمن دین ہے۔ چہ جائیکہ پیر کامل اور صاحبدل ہو اگرچہ اس سے خوارق عادات کا ظہور ہو۔ یہ شیطانی عجائبات اس کے کمال روحانیت کی سند نہیں ہو سکتے۔ حتی کہ اگر کوئی مدعی اظہار کمال کے لئے ہواؤں میں پرواز کرنے لگے۔ مگر وہ احکام شرع پر عمل نہ کرتا ہو۔ تو اس کا بھی اتباع نہ کرنا چاہیئے۔ **کما قیل** ؎

محو فریب کرامات زیں تہی مغزاں ۔۔۔ کہ گر بر آب رود از ہواست ہچوں حباب

غنیؔ ؎ خرق عادت کے بکار آید دل افسردہ را ۔۔۔ گر رود بر آب نتواں معتقد شد مردہ را

کسی کامل کا ارتکاب حرام اور ترک فرائض جائز نہیں ہے۔

تحقیق اہم - ہر مسلمان کو لازم ہے کہ کامل و ناقص کے امتیاز کے لئے اتباعِ شریعت کا معیار سامنے رکھے - جو شخص متبع شرع ہے - وہی ولی اہل اللہ ہو سکتا ہے - اور جس کے اعمال و اقوال خلاف شرع ہیں - وہ مقبول خدا اور ولی ہرگز نہیں ہو سکتا - نہ اسکے خوارق عادت کو کرامت کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں بعض اوقات عوام کی عقل پر عجیب پردہ پڑ جاتا ہے - ہر چند کہ وہ دنیوی معاملات میں بڑے چالاک و ہوشیار اور تمدنی و معاشرتی مہمات میں نہایت زیرک و بیدار مغز کہلاتے ہیں - مگر ایک گندہ حال و گبر صورت اور بیدین فقیر ایک آدھ حیرت انگیز بات کہہ کر یا کوئی عجیب کرتب دکھا کر ان کو فریفتہ کر لیتا ہے - خیر ان ٹھگوں مکاروں کا تو ذکر ہی کیا ہے - ہم نے بعض ایسے عجیب الحال فقیروں کو بھی دیکھا ہے - جن پر مکر و فریب اور کید و تشبیہ کا شبہ نہیں ہو سکتا - حاضرین کو غیب کی باتیں بتانا - مرادمندوں کو اُن کی کامیابی یا ناکامیابی کی خبر دینا ان کا مشغلہ ہے - قمار باز اپنی چالیں پوچھنے آتے ہیں - تو کامیاب جاتے ہیں - سٹے والے اپنی مطلب کی بات دریافت کرتے ہیں - تو اُن کی مشکل بھی حل ہو جاتی ہے - فاسق و بدکار اپنی ہوس پرستی کی آرزو لے کر آتے ہیں - تو وہ بھی خالی نہیں جاتے - بے غسل و بے طہارت اور گندہ و غلیظ رہنا داخل عادت ہے - پھر تماشا یہ کہ عوام کا رجوع عام ہے - امرا و رؤسا اگر دست بستہ سامنے کھڑے ہوتے ہیں - جن میں بعض لوگ مسلمان دیندار پابند صوم و صلوٰۃ حاجی و حافظ بھی ہوتے ہیں - جامی رح سے

قفاں ز ابلہی ایں خراں بے دُم و گوش　　کہ حیلہ شیخ تراش آمدند و پیر فروش
شوند ہر دو سہ روزے مرید ناداں　　تہی ز دین و خرد خالی از بصیرت و ہوش
نہ بر بروں وے از لمعۂ ہدایت نور　　نہ در دروں وے از شعلۂ محبت جوش

ناظرین کتاب معاف فرمائیں - کہ بات طول پکڑتی جاتی ہے - جو شرح مثنوی کے سلسلے سے غیر متعلق ہے - مگر میں اس وبائے عام اور مرض متعدی کے متعلق کچھ قطعی باتیں لکھنی چاہتا ہوں - جن کا بتانا میرے لئے اور اُن پر غور کرنا ناظرین کے لئے فرض ہے - **واضح ہو** - کہ جو شخص متبع شریعت اور پابند احکام طہارت و ادائے فرائض نہیں اس کے حیرت انگیز اقوال و اعمال کرامت نہیں ہو سکتے - ایسے شخص کا معتقد ہونا پرلے درجے کی حماقت و جہالت ہے - مجالس الابرار میں لکھا ہے - الکرامۃ الحقیقیۃ التی تظھر من اولیاء اللہ تعالیٰ اذ غایۃ الکرامۃ حصول الاستقامۃ والوصول الی کمالھا واللہ تعالیٰ لم یعط العبد من الکرامۃ مثل ان یعینہ علی ما یحب ویرضاہ من التقوی والاستقامۃ اما الکرامۃ بمعنی ظھور امر خارق فلا عبرۃ بہ عند المحققین من اولیاء اللہ تعالیٰ لظھورہ من الکفرۃ المرتاضین وغیرھم من اھل الریاضۃ مع فساد العمل والاعتقاد وسبب ذلک علی ما ذکرہ بعض المحققین انہ تعالیٰ قد وضع اسبابا وانا ط بھا مسبباتھا واجری عادتہ ان لا یتخلف مسبب عن سببہ کالاحتراق عند النار ومن جملۃ ذلک الریاضۃ فانہ تعالیٰ جعلھا سببا لتصفیۃ القلوب واناطھا بھا بحیث یوصل بھا الی الکشف ونحوہ من الخوارق ولا یدل ذلک علی رضا ئہ تعالیٰ - یعنی سچی کرامت وہ ہے - جو اولیاء اللہ سے ظاہر ہوتی ہے - کیونکہ کرامت کی غایت استقامت اور اس کے کمال کا حصول ہے - اور اللہ تعالیٰ کی اس کرامت کے برابر جو وہ اپنے بندے کو بخشتا ہے - کوئی کرامت نہیں - کہ اس کو اپنی محبت اور رضا کی باتوں یعنی تقوی اور استقامت کی توفیق دے - لیکن کرامت بمعنی خارق عادت - سو محقق اولیاء اللہ

ایک ناپاک وغیر طاہر اور بے دین سے بھی خرق عادت کا ظہور ہوسکتا ہے۔

کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں ۔ کیونکہ اس کا ظہور ریاضت کرنے والے کافر سا دھوؤں ۔ سے بھی ممکن ہے باوجودیکہ ان کا اعتقاد اور عمل خراب ہوتا ہے ۔ اور اس کا سبب جو بعض نکتہ شناس حضرت نے بیان کیا ہے یہ ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بعض اسباب پیدا کئے ہیں ۔ اور ان کے ساتھ ان کے مسببات کو متعلق کیا ہے اور اپنی یہ سنت جاری فرمائی ہے ۔ کہ کوئی مسبب اپنے سبب سے متخلف نہ ہو ۔ جیسے جلانا آگ کے ساتھ لازم ہے ۔ اور ریاضت اسی قبیل سے ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تصفیہ قلب کا سبب بنایا ہے ۔ اور اس کو اس سے اس طرح متعلق کیا ہے ۔ کہ اس سے کشف وغیرہ خوارق تک رسائی ہوسکتی ہے ۔ مگر یہ کشف وغیرہ کے حصول سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ریاضت اللہ تعالیٰ کی رضا کی موجب بھی ہے " جو لوگ ایسے ملحد و گمراہ لوگوں کو ولی سمجھ لیتے ہیں ۔ ان کے بارے میں یہ لکھا ہے ۔ کل من خالف شیئا مما جاء به الرسول مقتدا فی ذلک لمن یظن انه ولی وان الولی لا یخالف فی شئ مما یصدر عنه من الاقوال والاحوال فهو ضال وعمدة هؤلاء فی ذلک انهم یرون قد یقع من شخص مکاشفة فی بعض الحالات او شئ من الخوارق العادات مثل ان یطیر فی الهواء او یمشی علی الماء ویخبرهم بحال غائبهم اوبما سرق لهم او غیر ذلک ویستدلون بهذه الامور علی ولایته ولا یجوزون مخالفته مع ان تلک الامور وامثالها قد توجد فی شخص لا یطهر الطهارة الشرعیة ولا ینظف النظافة الدینیة وقد روی انه علیه السلام قال ان الله نظیف یحب النظافة وفی حدیث اخر انه علیه السلام قال ان الله طیب لا یقبل الا طیبا وذلک الشخص لا یغتسل ولا یتوضأ ولا یصلی الصلوة المکتوبة بل یکون ملابسا للنجاسات ومعاشرا للکلاب ویاوی المزابل والمواضع النجسة التی یحبها الجن والشیاطین فکیف یکون ولیا ۔ یعنی جو شخص کسی ایسے شخص کی پیروی میں جس کی ولایت کا وہ معتقد ہو ۔ اور سمجھتا ہو ۔ کہ ولی کے کسی قول و فعل کی مخالفت نہ کرنی چاہیئے ۔ شرع پیغمبری کے ذرا خلاف چلے وہ گمراہ ہے ۔ اور اس بارے میں ان لوگوں کا اعتماد اس بات پر ہوتا ہے ۔ کہ وہ کسی شخص سے بعض حالات میں مکاشفے یا اور کسی خارق عادت مثلاً ہواؤں میں اڑنے یا پانی پر چلنے ۔ یا کسی غائب کی خبر دینے یا چرائے ہوئے مال کا پتہ بتانے کا وقوع دیکھ لیتے ہیں ۔ اور ان باتوں کو اس کی ولایت کی دلیل قرار دیتے ہیں ۔ اور اس کی مخالفت جائز نہیں سمجھتے ۔ باوجودیکہ اس قسم کی باتیں ایسے شخص سے بھی ظہور پذیر ہو جاتی ہیں ۔ جو شرعی طہارت اور دینی صفائی کا پابند نہیں ۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے اور پاکیزگی کو دوست رکھتا ہے ۔ ایک اور حدیث میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ کہ اللہ تو پاک ہے ۔ اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے ۔ اور وہ شخص (نام نہاد ولی) نہ غسل کرتا ہے نہ وضو کرتا ہے ۔ نہ فرض نمازیں پڑھتا ہے ۔ بلکہ نجاستوں میں لت پت اور کتوں سے ملا جلا رہتا ہے ۔ اور کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہوں اور نجس مکانوں میں ٹھکانا بناتا ہے ۔ جن کو جنات و شیاطین پسند کرتے ہیں ۔ بھلا وہ کیونکر ولی ہوسکتا ہے ۔

اسی کتاب میں لکھا ہے ۔ قال ابو یزید البسطامی رضی الله عنه لو ان رجلا مشی علی الماء او یتربع فی الهواء فلا تغتروا به حتی تنظروا کیف تجدونه فی الامر والنهی ومراعات الشریعة وقیل له فلان یمر فی لیلة الی مکة فقال الشیطان یمر فی لحظة من المشرق الی المغرب وهو فی لعنة الله تعالیٰ ۔ یعنی حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ۔ اگر کوئی شخص پانی کی سطح پر چلنے لگے ۔ یا ہوا میں چار زانو ہو کر

ہوکر بیٹھ جائے۔ تو اس کے قریب ہیں نہ آؤ۔ حتیٰ کہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ تم اس کو احکام اور ممنوعات اور رعایت شرعی میں کیسا پاتے ہو۔ اور ان سے عرض کیا گیا۔ کہ فلاں شخص ایک رات کے اندر کے ہیں چلا جاتا ہے۔ تو فرمایا۔ شیطان ایک لمحہ میں مشرق سے مغرب میں چلا جاتا ہے۔ حالانکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ ؎

عجب ہیں سادہ طبیعت عوام کا لانعام — کہ ٹوٹ پڑتے ہیں جب سبز باغ دیکھتے ہیں
ہو آفتاب حقیقت نگاہ سے اوجھل — جونہی وہ مکر کا روشن چراغ دیکھتے ہیں
ہزار حیف سمجھ بوجھ یہ ہے ان کے جو — ہما سمجھتے ہیں جب پر زاغ دیکھتے ہیں
طریق زیست میں جن کی خرد نہیں رہبر — وہ دل پہ سوز ندامت کا داغ دیکھتے ہیں

گفت پیغمبر کہ اے طالب جری — ہاں مکن با ہیچ مطلوبے مری

لغات جری مہ بروزن فعیل ہمزہ آخر محذوف ہے۔ صاحب جرأت۔ دلیر گستاخ۔ مرے بیاے مجہول بروزن دلے۔ برابری۔ مقابلہ۔ بحث۔ و تکرار۔ ضرورت وزن کے لئے جری کو بھی بیائے مجہول پڑھنا چاہیئے۔

ترجمہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے گستاخ مرید خبردار! کسی مرشد کی برابری نہ کرنا۔

مطلب کوئی خاص حدیث ان کلمات پر مشتمل نظر سے نہیں گذری۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال طیبہ اور افعال مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے۔ کہ پیغمبر کی ذات دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتی ہے۔ طاعات و عبادات کی بجا آوری اور اشیاء مباح کے اخذ و ترک میں کوئی شخص ان کی ریس اور برابری نہیں کر سکتا۔ غالباً اسی سے یہ مضمون مستنبط کرکے "گفت پیغمبر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی شخص نے عرض کیا کَیْفَ تَصُوْمُ یعنی آپ کس طرح روزے رکھتے ہیں۔ گویا وہ آپ کے روزے کی کیفیت اور ترتیب معلوم کرکے اس کی تقلید کرنی چاہتا تھا۔ تو اس سوال سے آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا کیونکہ اس کو یہ پوچھنا مناسب تھا۔ کہ میں کس طرح روزے رکھوں یا کتنے رکھوں۔ تاکہ اس کے حسب حال جواب دیا جاتا۔ پیغمبر کے ذاتی فعل کے متعلق سوال کرنا ایک تو سوء ادب تھا۔ دوسرے غیر ضروری بھی تھا۔ کیونکہ آپ کے اعمال و افعال ایسے مخصوص مصالح پر مشتمل ہو سکتے ہیں۔ جو کسی دوسرے کے لئے لازم اور مناسب نہیں (مشکوۃ مع حاشیہ) ایک مرتبہ آپ نے مسلسل نفلی روزے رکھنے سے منع فرمایا۔ کسی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ تو رکھتے ہیں۔ تو فرمایا۔ وَاَیُّکُمْ مِثْلِیْ اور تم میں سے کون میرے برابر ہو سکتا ہے۔ (مشکوۃ)۔ حافظ رح ؎

گفتن بر خورشید کہ من چشمۂ نورم — دانند بزرگاں کہ سزاوار سہا نیست

گفت احمد گر نمے خواہی زلل — ہیں مکن با ہیچ مطلوبے جدل

لغات زلل لغزش جدل جھگڑا۔ لڑائی۔ بحث و تکرار۔

ترجمہ حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اگر تم لغزش میں مبتلا ہونا نہیں چاہتے۔ تو کسی مطلوب و مرشد کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہ کرو۔ جامی رح ؎

خار ستیز در قدم اہل دل مریز — بر طالبان وصل رہ جستجو مبند

اختلاف یہ شعر بعض نسخوں میں نہیں ہے۔

در تو نمرودی ست آتش در مرو   رفت خواہی اول ابراہیم شو

لغات نمرود ایک سرکش و مغرور کافر بادشاہ کا نام ہے جس کے زمانے میں بُت پرستی عام تھی ۔ وہ خود بھی خدائی کا مدعی تھا ۔ اور اہل دربار سے اپنے آپ کو سجدہ کراتا تھا ۔ حضرت ابراہیم اس کے زمانے میں مبعوث ہوئے ۔ نمرود آپ کی توحید اور ترک شرک کی تعلیم سے سخت برہم ہوا ۔ ان کو دربار میں بلایا ۔ جب وہ تشریف لائے ۔ تو نمرود نے پوچھا تم نے مجھ کو سجدہ کیوں نہیں کیا ۔ فرمایا میں خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا ۔ پھر چند باتیں اور ہوئیں ۔ جن میں حضرت ابراہیم ع کی حسن تقریر اور زور استدلال نے نمرود کو لاجواب کر دیا ۔ یہ دیکھ کر بہت سے لوگ ایمان لے آئے ۔ علاوہ اس کے حضرت ابراہیم ع ایک مرتبہ موقع پا کر شہر کے بتخانہ میں گئے ۔ اور سب بُت توڑ ڈالے ۔ ان تمام باتوں سے نمرود نے غضبناک ہو کر حضرت ابراہیم کو نذر زندان کر دیا ۔ اور ان پیغمبر حق پر سخت ظلم کرنا شروع کیا ۔ پھر ان کو آگ میں ڈلوا دیا ۔ مگر خدا کی قدرت سے وہ آگ گلزار ہو گئی ۔ اور فرشتوں نے حضرت ابراہیم کا بازو پکڑ کر نہایت آرام سے ان کو گلزار آتش نما کے اندر بٹھا دیا ۔

ترجمہ تم میں (ابھی) نمرودی اوصاف (موجود) ہیں (اس لئے) آگ میں نہ جاؤ (اگر) جانا ہی چاہو ۔ تو پہلے ابراہیم بن جاؤ ۔ امیر خسرو رح ؎

گام زدہ بر سر پر کے سپرواں رفتگہ   دیدہ قدم ساختہ بر سر پیکاں نرفت

مطلب نمرودیت سے صفات نفسانیہ ۔ آتش سے لذات اور ابراہیم سے صاحب قلب سلیم مراد ہے ۔ مطلب یہ ہوا کہ تم پر صفات نفسانیہ غالب ہیں ۔ لہٰذا حصول لذات سے نقصان اٹھاؤ گے ۔ اگر حصول لذات کا قصد ہی ہے ۔ تو پہلے قلب سلیم پیدا کرو ۔

چون نۂ سبّاح نے دریائیے   در میفگن خویش از خود رائیے

لغات سبّاح تیراک یہاں وہ کامل مراد ہے جس کے کمالات کسبی ہوں ۔ دریائی دریا کا رہنے والا ۔ جیسے مچھلی ۔ یہاں وہ کامل مراد ہے جس کے کمالات وہبی ہوں ۔ خویش کے بعد را علامت مفعولیت مقدر ہے

ترجمہ جب تو نہ تیراک ہے ۔ نہ دریائی ہے ۔ تو اپنے آپ کو خود رائی سے (دریا میں) نہ ڈال (ورنہ ہلاک ہو جائیگا) غنی رح ؎

بہ زدی از بلا پہلو اگر آسودگی خواہی   کہ در سیلاب کشتی ایمن و پل در خطر باشد

او ز قعر بحر گوہر آورد   از زیانہا سود بر سر آورد

ترجمہ وہ (تیراک یعنی کامل) تو دریا کی گہرائی سے (فوائد کے) موتی نکالتا ہے (اور) نقصانوں سے فائدہ اٹھاتا ہے ۔ (بھلا تم کیا کر سکو گے)

مطلب ۔ جو امور عوام کے لئے ظاہرا باعث ضرر نظر آتے ہیں ۔ کامل کو ان سے ضرر نہیں ہوتا ۔ بلکہ کچھ نہ کچھ فائدہ ہوتا ہے ۔ مثلاً مباحات کے ساتھ متلذذ ہونے سے اس کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ اپنے ضعف و عجز کا اظہار کرے یا نعمائے آخرت کا مشاہدہ کرے ۔ وغیرہ

حضرت ابراہیم اور نمرود کا حال

کاملے گر خاک گیرد زر شود ناقص ار زر برد خاکستر شود

ترجمہ ایک (مرد) کامل اگر مٹی ہاتھ میں لے لے تو وہ سونا بن جائے۔ (برخلاف اس کے) اگر ایک ناقص آدمی سونا لے لے۔ تو وہ بھی راکھ ہو جائے۔

مطلب - کامل اگر کوئی ایسا کام کرے جو بظاہر کردہ ہو۔ تو وہ اس کے لئے مستحسن بلکہ دوسروں کے لئے بھی ایک اچھی نظیر بن جاتا ہے۔ جیسے کتب احادیث میں مروی ہے۔ کہ حضرت عمار بن یاسر کو جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں کفار نے پکڑ کر کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے وہ کلمہ کہہ دیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واقعہ عرض کیا۔ تو آپ نے پوچھا۔ اے عمار اس وقت تمہارے دل کی کیفیت کیا تھی۔ انہوں نے عرض کیا۔ میں نے اپنے دل کو ایمان پر مطمئن پایا۔ تو ارشاد فرمایا اِنْ عَادُوْا فَعُدْ یعنی اگر کفار لوگ پھر کبھی کلمہ کفر کہنے پر مجبور کریں۔ تو اسی طرح دل کو مطمئن رکھ کر ظاہرا زبان سے کلمہ کفر کہہ سکتے ہیں۔ غرض عمار کا ایک ایسا فعل جو بظاہر عیب معلوم ہوتا ہے۔ ایک قانون شرعی بن گیا۔ اور بحالت اکراہ کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہو گئی۔ (کذا فی بحر العلوم) سعدی رحمہ

گر تو وہ عیبہا بدیں شد درست	ہر عیب کہ سلطاں بہ پسندد ہنر است

دست ناقص دست شیطان است و دیو زانکہ اندر دام تلبیس است و ریو

لغات دیو شیطان۔ جن تلبیس دھوکا دینا۔ دغا دینا۔ ریو مکر و فریب۔

ترجمہ ناقص (آدمی) کا ہاتھ شیطان اور جن کا ہاتھ ہے کیونکہ وہ (خود) دھوکے اور مکر کے جال میں گرفتار ہے۔

مطلب - جو ناقص و نااہل شیطان کا تبع ہے۔ اس کا اتباع کرنا شیطان ہی کا اتباع ہے۔ پس کسی کا اس کی متابعت سے ہدایت پانا محال ہے۔ کما قیل ؎

جاہل برد زمرشد بے معرفت چہ فیض	کرے کجا عصا کش کورے دگر شود

سعدی ؎

روے اگر چند پر چہرہ و زیبا باشد	نتواں دید درآئینہ کہ نورانی نیست

چوں قبول حق بود آں مرد راست دست او در کارہا دست خداست

لغات قبول یعنی مقبول۔ راست مستقیم۔ راستباز۔

ترجمہ چونکہ وہ راستباز آدمی خدا کا مقبول ہوتا ہے۔ اس لئے سب کاموں میں اس کا ہاتھ گویا خداوند تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

مطلب - وہ مقبول خدا خلیفۃ اللہ ہے اس سے بیعت کرنا خدا سے بیعت کرنا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ ۚ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (فتح ع ۱) اے پیغمبر جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ وہ خدا ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ جو کوئی (عہد بیعت کو) توڑے گا۔

تو توڑنے کا وبال اس کی جان پر پڑے گا۔ اور جو اس کو پورا کریگا۔ جس کا خدا سے عہد کیا ہے۔ تو عنقریب خدا اس کو بڑا اجر دیگا۔

جہل آید پیشِ او دانش شود　　جہل شد علمیکہ در ناقص رود

ترجمہ اس کے آگے تو جہل بھی آتے ہی عقل بن جاتا ہے (بخلاف اس کے) ناقص میں جو علم داخل ہوتا ہے۔ وہ جہل بن جاتا ہے

مطلب۔ کامل آدمی جب ایسے مسائل کو قول و عمل میں لاتا ہے۔ جو کم فہم لوگوں کی نظر میں جہل یعنی خلاف شرع معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے مسئلہ وحدت الوجود۔ تو اس کا پیرایۂ قول اور طریق عمل ایسا محتاط اور مؤدب ہوگا۔ کہ کسی قاعدہ شریعت کی خلاف ورزی لازم نہ آئیگی بلکہ اس سے معرفت اور قوت ایمان کی تکمیل ہوگی۔ بخلاف اس کے ناقص آدمی شرع کے صاف و نمایاں مسائل میں بھی اپنی کج فہمی سے گمراہی اختیار کرتا ہے۔ اور آخر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ جیساکہ نصوص میں مبتدعین اور اہل اہوا فاسد تاویلیں کرتے ہیں۔ اور مثلاً لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جو کلمۂ توحید اور اصل ایمان و وسیلۂ نجات ہے۔ جب منافقین کی زبان پر چڑھتا ہے۔ تو اُن کو دوزخ کے درک اسفل کے مستوجب بنا دیتا ہے۔ (کلید مثنوی)

ہرچہ گیرد علّتی علّت شود　　کفر گیرد کاملے ملّت شود

لغات علّتی مریض۔ یہاں مریض ضلالت مراد ہے۔ علّت مرض گمراہی مراد ہے۔ ملّت شریعت دین۔ اس قوم یا جماعت کو بھی ملّت کہتے ہیں۔ جو ایک شریعت کی تابع ہو۔ پس قوم اور ملت میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

ترجمہ بد اعتقاد آدمی جس (بات) کو لیتا ہے۔ وہ بھی بُری بن جاتی ہے۔ بخلاف اس کے کامل آدمی اگر ایسا کام اختیار کرتا ہے۔ جو (بظاہر کفر (نظر آتا) ہو۔ تو وہ (عین) دین بن جاتا ہے

اے مرے کردہ پیادہ با سوار　　سر نخواہی بُرد اکنوں پائے دار

لغات پیادہ مراد ناقص و مقلد۔ سوار مراد کامل و محقق۔ سر بردن سلامت رہنا۔ پاداشتن ثابت قدم رہنا

ترجمہ اے پیادہ (مقلد) تو جو سوار (محقق) کا مقابلہ کر رہا ہے۔ اب تو اپنا سر سلامت نہ لے جائیگا۔ ذرا سنبھل۔

مطلب۔ کاملین کے ساتھ مقابلہ و معارضہ خیبت و خسران کا موجب ہے۔ جس کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب آیندہ کے لئے فیوض سے محروم رہتا ہے۔ اور حاصل شدہ فیوض مسلوب ہوجاتے ہیں۔ اور انتہا یہ کہ ایمان کے سلب ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ نعوذ باللہ منہ جامی رح ؎

ہر کہ بینی کہ پس از پرورش فقر او را　　در صف زندہ دلاں نام بارشاد رود

پائے دعوی بسپر او بر اے خواجہ مباد　　کہ ازیں بے ادبی دین تو برباد رود

تعظیم کردن ساحران موسیٰ را کہ اول تو عصا بیندا ز

جادوگروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلحاظ ادب یہ کہنا کہ پہلے آپ عصا ڈالئے

ساحراں در عہد فرعون لعین ‌ ‌ ‌ چوں مرے کردند با موسیٰ بکین

لیک موسیٰ را مقدم داشتند ‌ ‌ ‌ ساحراں او را مکرم داشتند

لغات فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال دیکھو شرح کے پہلے حصے میں۔ چوں پہلے شعر میں اگرچہ کے معنی میں ہے۔ ساحران جادوگر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اژدہائے عصا اور ید بیضا سے فرعون کے دربار کو حیران و ششدر کر دیا۔ تو ان لوگوں نے کہا۔ یہ تو جادوگر ہے۔ اس کے مقابلے کے لیے جادوگروں کو بلانا چاہیئے اطراف مصر سے بڑے بڑے ساحر جمع کئے گئے۔ سر دربار حضرت موسیٰ کے ساتھ ان کا مقابلہ قرار پایا۔ یہ لوگ بہت سے رسے رسیاں لیکر آئے جن کو بزور سحر سانپ بنانا مقصود تھا تاکہ اُن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اژدہائے عصا کا مقابلہ کریں۔ ساحروں نے حضرت موسیٰ ع سے کہا پہلے آپ اپنا عصا ڈال کر اژدہا بنائیں۔ انہوں نے کہا نہیں تم پہلے اپنا کرتب دکھاؤ۔

ترجمہ فرعون لعین کے زمانے میں جادوگروں نے کینہ وری سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ تو کیا مگر انہوں نے (مقابلے کے وقت) حضرت موسیٰ کو مقدم رکھا (اور وہ) جادوگر (ہو کر بھی) ان کے ساتھ تعظیم سے پیش آئے (جیسی کی ان سے توقع نہ ہو سکتی تھی)

زانکہ گفتندش کہ فرماں آنِ تست ‌ ‌ ‌ گر تو میخواہی عصا بفگن نخست

لغات زانکہ بمعنی چنانچہ بمعنی علت بھی درست ہو سکتا ہے۔ آن حق۔ ملکیت۔

ترجمہ۔ چنانچہ وہ اُن سے کہنے لگے۔ کہ آپ حکم کے مالک ہیں۔ اگر منظور ہو۔ تو پہلے آپ ہی عصا ڈال لیجئے۔

گفت نے اول شما اے ساحراں ‌ ‌ ‌ افگنید آں مکرہا را درمیاں

ترجمہ (حضرت موسیٰ نے) کہا نہیں نہیں جادوگرو پہلے تم ہی وہ (اپنے) شعبدے دکھاؤ۔

ایں قدر تعظیم دیں شاں را خرید ‌ ‌ ‌ وز مرے آں دست و پاہاشاں برید

ترجمہ دین کی اتنی ہی تعظیم نے ان کو اپنا بنا لیا۔ اور (اس) مقابلے (کی شامت) سے (جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا) ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے۔

مطلب قرآن مجید میں مذکور ہے۔ کہ جب ساحر حضرت موسیٰ ع کے مقابلے سے عاجز آکر اُن کی حقانیت کے

معترف ہوگئے۔ تو فرعون نے ان کو دھمکایا کہ خبردار اگر تم نے موسیٰ دین اختیار کر لیا۔ تو میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا۔ غرض یہ ہے کہ اہل اللہ کی تعظیم موجب برکت اور ان کے ساتھ مقابلہ کرنا باعث حرمان ہے۔ قال البعضہم

بر بلنداں سخن بیہودہ خود ست — تف بروئے فلک بروئے خود ست

ساحراں چوں قدر او بشناختند — دست و پا در جرم آں در باختند

ترجمہ ساحروں نے جب اُن کی قدر معلوم کی۔ تو (اپنے) اس جرم (مقابلہ) میں بخوشی، ہاتھ پاؤں کا کٹوانا منظور کر لیا۔

مطلب۔ ساحروں کے تعظیم بجا لانے کی ایک اور برکت بیان فرماتے ہیں۔ کہ مومن ہونے کے سبب ان پر حضرت موسیٰؑ کی قدر و منزلت منکشف ہوگئی۔ تو ان کی قوت ایمانی متقاضی ہوئی۔ کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنے کا جو جرم ہم سے سرزد ہوگیا۔ اس کی پاداش میں ہاتھ پاؤں ضرور کٹ جانے چاہئیں۔ اور اس مصیبت سے بچنے کا نام نہیں لیا۔ ورنہ اگر چاہتے۔ تو کسی حیلے سے بچ سکتے تھے۔ حافظ رحمۃ

ما در درون سینہ ہوائے نہفتہ ایم — بر باد اگر رود سر ما زاں ہوا رود

بعض نسخوں میں بشناختند صیغہ مثبت کی بجائے نشناختند صیغہ منفی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا۔ کہ ساحروں نے جو حضرت موسیٰ کی قدر نہ پہچانی اور مقابلے پر آمادہ ہوگئے۔ اس جرم میں ہاتھ پاؤں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

لقمہ و نکتہ ست کامل را حلال — تو نہ کامل مخور مے باش لال

ترجمہ (طعام لذیذ کا) لقمہ (گو بظاہر غذائے نفس ہو) اور (تصوف کا) نکتہ (اگرچہ اس کا بیان بظاہر خلاف شرع ہو) کامل کے لئے (دونوں) حلال ہیں۔ تم کامل نہیں ہو۔ (اس لئے اس لقمے کو) مت کھاؤ۔ (اور نہ وہ نکتہ منہ سے نکالو بلکہ گونگے بن کر رہو۔

مطلب ان اشعار میں عود ہے مضمون سابق "صاحب دل را ندارد آں زیاں" کی طرف یعنی بعض امور اہل کمال کے لئے غیر مضر ہیں۔ اور غیر کامل کے لئے مضر کما قیل ؎

زندہ دلاں مردہ تناں را بقاست — مردہ دلاں زندہ تناں را خطاست

تو چو گوشی او زباں نے جنس تو — گوشہا را حق بفرمود انصتوا

ترجمہ تم گویا کان ہو (اور) وہ بمنزلہ زبان کے ہے (اس لئے) وہ تمہارا ہم جنس نہیں (کہ تم اپنے آپ کو اس پر قیاس کرنے لگو اور) کانوں کو حق تعالیٰ کا حکم ہے۔ کہ خاموش ہو (کر سنو)

مطلب۔ مرشد کامل کا کام ہے بولنا اور [illegible] اور طالب کا فرض ہے۔ چپ چاپ ہوکر توجہ سے سننا حق بفرمود سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ یعنی اور جب قرآن مجید پڑھا جائے۔ تو اس کو سنو۔ اور خاموش رہو۔ تاکہ تم مستحق رحمت بن جاؤ۔ صائب رحمۃ ؎

شنیدن پردہ پوشش و حرف گفتن پردہ در باشد — ازاں عاقل بہ از گفتار سے دارد شنیدن ہا

کودکِ اوّل چوں بزاید شیر نوش — مدّتے خامش بود او جملہ گوش

ترکیب کودک موصوف شیر نوش اس کی صفت۔ اور یہ صفت اتفاقی ہے۔ کسی معنی زائد کا افادہ نہیں کرتی ہر کودک نوزائیدہ کا شیر نوش ہونا لازم ہے۔ اوّل ظرف ہے خامش بودکی نہ کہ بزاید کی۔

ترجمہ شیرخوار بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔ تو پہلے پہلے مدت تک خاموش ہمہ تن گوش بنا رہتا ہے۔

مطلب - بتدی کو خود بیان اسرار کی جرأت نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ پہلے کسی سے مستفید ہوتے رہنا لازم ہے۔ پھر جب حصول کمال کے بعد اس میں بیانِ اسرار کی اہلیت پیدا ہو جائے۔ تو اس کو بولنے کا حق ہے۔ اس کی مثال اس نوزائیدہ بچے کی سی ہے۔ جو پہلے مدت تک خاموش رہ کر بولی سنتا ہے۔ جب سیکھ جاتا ہے۔ تو پھر بولتا ہے اگر وہ پہلے نہ سنتے یعنی اس کے کان کام نہ کریں۔ تو مدت العمر گونگا رہتا ہے۔

مدّتے مے بایدش لب دوختن — از سخن گویاں سخن آموختن

ترجمہ اس کو مدت تک لب بند رکھنے چاہئیں (اور) بولنے والوں سے بولی سیکھنی (چاہیئے)

تا نیاموزد نگوید صد یکے — ور بگوید حشو گوید بیشکے

ترجمہ جب تک وہ (بولی) سیکھ نہ لے سو میں سے ایک بات بھی نہیں کر سکتا۔ اگر بولتا بھی ہے۔ تو بے شک اناپ شناپ بولتا ہے۔

ور نباشد گوش تی تی مے کند — خویشتن را گنگ گیتی مے کند

لغات تی تی - اسم صوت۔ گونگے کی آواز۔ گیتی زمانہ۔ یہاں مدت العمر مراد ہے۔

ترجمہ اگر اس (وغیرہ کی بولی سننے کے لئے) کان (یعنی سننے کی طاقت) نہ ہو۔ تو وہ غائیں بائیں کرتا رہتا ہے۔ اور اپنے آپ کو عمر بھر کے لئے گونگا بنا لیتا ہے۔

کرّ اصلی کش نبود آغاز گوش — لال باشد کے کند در نطق جوش

ترجمہ پیدائشی بہرا جس کو شروع ہی سے سننے کی طاقت نہ ہو۔ وہ گونگا ہے۔ وہ بھلا بولنے کی کیا ہمت کریگا۔

زانکہ اوّل سمع باید نطق را — سوئے منطق از رہِ سمع اندر آ

لغات سمع شنوائی۔ نطق گویائی۔ منطق بولی۔

ترجمہ کیونکہ بولنے کی طاقت کیلئے پہلے سننے کی طاقت ضروری ہے شنوائی کی راہ سے گویائی میں داخل ہو۔

اُدْخُلُوا الْاَبْیَاتَ مِنْ اَبْوَابِھَا — وَاطْلُبُوا الْاَرْزَاقَ مِنْ اَسْبَابِھَا

ترجمہ گھروں میں (جاؤ۔ تو) اُن کے دروازوں سے داخل ہو۔ اور رزق کو اس کے اسباب سے تلاش کرو۔
مطلب۔ اگر کمال مطلوب ہے۔ تو اس کا صحیح راستہ اطاعت مرشد اور حسن استماع ہے۔ لہٰذا اس مقصد کی طرف اسی راستے سے آنا چاہیئے۔ پہلا مصرعہ قرآن مجید کی اس آیت سے مقتبس ہے۔ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا اور دوسرا مصرعہ اس آیت کے مفہوم پر مشتمل ہے۔ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ۔ وہی خدا جس نے زمین کو تمہارے لئے نرم و ہموار کردیا ہے۔ تو اس کے اطراف و جوانب میں چلو پھرو۔ اور خدا کی دی ہوئی روزی کھاؤ۔ (سورہ ملک ع۲)

نطق کاں موقوفِ راہِ سمع نیست　　جز کہ نطقِ خالقِ بے طمع نیست

ترجمہ وہ تکلم جو سماعت کے طریق پر موقوف نہیں۔ وہ خالق بے نیاز کے تکلم کے سوا اور کوئی نہیں
مطلب۔ اوپر یہ اصول بیان ہوا ہے کہ ہر تکلم سماعت پر موقوف ہے۔ اب اس اصول کی تعمیم و کلیت میں سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو مستثنیٰ کرتے ہیں۔ اور اس استثنا سے مذکورہ اصول کی شدت ضرورت کا اظہار مقصود ہے۔ یعنی کوئی شخص ہرگز کلام کرنے کا مستحق نہیں تاوقتیکہ فرض سماعت ادا نہ کرے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا کلام اس شرط سے مستثنیٰ ہے۔ اور اس کی وجہ خود بیان فرماتے ہیں۔ کہ وہ حرص و احتیاج سے پاک ہے۔ اور تکلم کا موقوف سماعت ہونا مستلزم احتیاج ہے۔ وھو متکلم بکلام ھو صفۃ ازلیۃ لیس من جنس الحروف والاصوات وھو صفۃ منافیۃ للسکوت والآفۃ (عقائد نسفی) یعنی باری تعالیٰ کلام کرتا ہے اس کا کلام صفت ازلی ہے۔ جو حروف و آواز کی جنس سے نہیں اور وہ صفت (ایسی) سکوت کے منافی ہے۔ (جو گونگے پن یا استماع کلام غیر کو لازم ہے) اور کسی آفت کو بھی منافی ہے۔ (جو مانع تکلم ہو)

مُبدِع ست و تابعِ استاد نہ　　مُسندِ جملہ ورا اسناد نہ

لغات مبدع موجد۔ تابع پیروی کرنے والا۔ مقلد۔ مسند پناہ اور جس پر سہارا ہو۔ اسناد سہارا
ترجمہ وہ خود ایجاد کرنیوالا ہے (کسی) استاد کا تابع نہیں۔ سب کو اس پر بھروسہ ہے اس کو کسی کا سہارا (مطلوب) نہیں۔

باقیاں ہم در حرف ہم در مقال　　تابعِ استاد و محتاجِ مثال

لغات حرف بکسر حا و فتح را جمع حرفہ۔ صنعت۔ پیشہ۔ مقال گفتگو۔ بولی۔ زبان۔
ترجمہ باقی تمام (موجودات) اعمال اور اقوال میں استاد کے تابع اور نمونے کے محتاج ہیں (کہ اس کو سُن کر یا دیکھ کر کام کریں یا بات کہیں)۔

زیں سخن گر نیستی بیگانۂ　　دلق و اشکے گیر در ویرانۂ

ترجمہ اگر تم اس معنی سے ناآشنا نہیں ہو۔ (کہ ہر مقصد اپنے طریقے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور حصول

کمال کا طریقہ ریاضت ہے، تو خرقۂ فقر اور اشکباری اختیار کرو (اور کسی جنگل میں جا رہو) عراقی رحمہ

خیز بد عاشقاں نفسے شور و شر کنیم ‌‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ وز ہائے و ہو جہاں ہمہ زیر و زبر کنیم

زانکہ آدم زاں عتاب از اشک رست ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ اشک تر باشد دم توبہ پرست

لغات دم حیلہ و افسوں اور سخن و کلام۔ شعر میں دونوں معنی چسپاں ہو سکتے ہیں۔

ترجمہ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے (بھی) اس عتاب الٰہی سے (جو شجرہ ممنوعہ کے کھانے پر ہوا تھا) اشکباری کی بدولت نجات پائی تھی۔ ڈبڈباتے آنسو تو تائب کا حیلۂ (انجات) ہیں (یا بمعنی دیگر تائب کی بات چیت ہیں) قال الصائب بالمعنی الاول ؎

میتوانی دوزخ خود را بہشتے ساختن ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ کوثر نقدے ز چشم اشکبارت دادہ اند

والامیر خسرو بالمعنی الثانی ؎

قصۂ من مگر کنوں آب دو چشم گویدت ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ زانکہ بہ بست حیرتت خفتہ گفت وگوے را

بہر گریہ آدم آمد بر زمین ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ تا بود گریاں و نالاں و حزیں

صنائع آدم اور آمد میں تجنیس قلب اور دوسرے مصرعہ میں صنعت جمع ہے۔

ترجمہ حضرت آدم علیہ السلام زاری کے لئے زمین پر آئے۔ تاکہ (یہاں آکر) روئیں چلائیں اور غمناک سورت بنائیں۔

مطلب احادیث میں گریہ وزاری کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو دو قطرے بڑے محبوب ہیں۔ قطرۃ دموع من خشیۃ اللہ وقطرۃ دم تھراق فی سبیل اللہ یعنی ایک تو آنسوؤں کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے ہو۔ دوسرا خون کا قطرہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں گرایا جائے۔ (ریاض الصالحین)

آدم از فردوس و از بالاے ہفت ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ پاے ماچاں از براے عذر رفت

لغات ہفت اسم عدد کا معدود آسمان مقدر ہے۔ پاے ماچاں درویشوں کی ایک رسم ہے۔ جس کے ساتھ کسی سے تحقیر و تذلیل کے ساتھ توبہ کرانا مقصود ہوتا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے۔ کہ جب کسی سے کوئی نازیبا حرکت ہو جاتی ہے۔ تو اس کو کچھ دیر تک جوتیوں کی جگہ ایک پاؤں کے بل کھڑا کر دیتے ہیں۔ اس طرح کہ وہ اپنا کان بھی پکڑے رہے۔ حضرت آدم کے نزول علی الارض کو اس سے تشبیہ دی ہے۔

ترجمہ حضرت آدم علیہ السلام فردوس (بریں) اور ساتوں (آسمانوں) سے (اتر کر) عذر (و توبہ) کے لئے نزول کر کے زمین پر چلے (آئے)

مطلب دنیا چونکہ دار المحن ہے۔ اس لئے اس کو پاے ماچاں سے تشبیہ دی ہے۔ مگر یہ خیال رہے۔ کہ حضرت آدم کے نزول علی الارض سے ان کا تنزل مراتب لازم نہیں آتا۔ بلکہ یہ اُن کے لئے موجب ترقی مدارج تھا۔ جیسے کہ ہم اوپر چوبیسویں شعر ے زلت او بہ ز طاعت ہیش حق الخ کی شرح میں بیان کر چکے ہیں۔ فتدبر۔

گر ز پشتِ آدمی و ز صُلبِ اُو — در طلب مے باش ہم در ثُلبِ اُو

لغات آدمی میں یا خطاب کے لئے ہے بمعنی آدم ہستی صلب پشت ثلب ثا کے ضمہ سے گروہ۔
ترجمہ اگر تم (حضرت آدمؑ) کی اولاد اور ان کی نسل سے ہو۔ تو (اسی طریق کو) طلب کرتے رہو۔ اور انہی کے گروہ میں (شامل) رہو۔

ز آتشِ دل و آبِ دیدہ نقل ساز — بوستاں از ابر و خورشید ست تاز

لغات نقل وہ تھوڑی سی نمکین و ترش خوراک جو شراب پی کر کھاتے ہیں بعض کہتے ہیں نو کا ضمہ غلط ہے صحیح فتح کے ساتھ ہے تاز مخفف تازہ
ترجمہ دل کی آگ اور آنکھوں کے پانی سے نقل تیار کرو (چنانچہ) یہ باغ بھی بادل (کے پانی) اور سورج کی گرمی سے تازہ ہے۔

از دلِ پُر خون و آہِ آتشین و اشکِ گرم — آنچہ می باید مرا صاحب لبساماں دادہ اند
ولہ — خاک در چشمش اگر نعمتِ الواں خواہد — ہر کرا لختِ دلے بر سرِ مژگاں باشد

تو چہ دانی ذوقِ آبِ اے شیشہ دل — زانکہ ہمچوں خر شدی تو پایہ گل

ترجمہ اے نازک دل تم (ریاضت گریہ کے) اشک کا لطف کیا جانو۔ کیونکہ تم (راحت دنیا کے) دلدل میں گدھے کی طرح دھنس رہے ہو۔ صائبؒ

کسے کہ تخمِ محبت بدل نکشتہ چہ داند — کہ آبِ دیدۂ گریاں ما چہ فائدہ دارد

اختلاف ہمارے نسخے میں یہ شعر نہیں ہے۔

تو چہ دانی ذوقِ آبِ دیدگاں — عاشقِ نانی تو چوں نادیدگاں

ترجمہ بھلا تم آنکھوں کے پانی کا لطف کیا جانو۔ تم تو بھوکوں کی طرح روٹی کے دلدادہ ہو۔ صائبؒ

کسے ست صاحبِ خرمن دریں تماشاگاہ — کہ غیر اشک و گردانہ نے کارد

گر تو ایں انباں ز ناں خالی کنی — پُر ز گوہرہائے اجلالی کنی

لغات - انباں تھیلہ۔ مراد پیٹ۔ گوہرہائے اجلالی انوار معرفت۔
ترجمہ اگر تم یہ (پیٹ کا) تھیلا روٹی سے خالی رکھو۔ تو انوارِ معرفت کے موتیوں سے مالا مال کر لو۔

سعدیؒ — اندروں از طعام خالی دار — تا در و نورِ معرفت بینی
تہی از حکمتی بعلت آں — کہ پُری از طعام تا بینی

طفلِ جاں از شیرِ شیطاں باز کن — بعد از آنش با ملک انباز کن

ترجمہ (اپنے) طفلِ روح کو شیطان کے دودھ سے باز رکھو۔ اس کے بعد اس کو فرشتوں کا ہم جلیس بنا لو
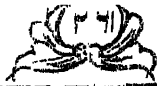
مطلب حرص لذائذ شیر شیطان ہے۔ یعنی لذات وشہوات کے خیالات شیطان کی تحریک سے دل میں آتے ہیں ان خیالات کو دور کردو۔ تو فرشتوں کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلشَّیْطٰنِ لَمَّۃً بِابْنِ اٰدَمَ وَلِلْمَلَکِ لَمَّۃً فَاَمَّا لَمَّۃُ الشَّیْطٰنِ فَاِیْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَکْذِیْبٌ بِالْحَقِّ وَاَمَّا لَمَّۃُ الْمَلَکِ فَاِیْعَادٌ بِالْخَیْرِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْحَقِّ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِکَ فَلْیَعْلَمْ اَنَّہٗ مِنَ اللّٰہِ فَلْیَحْمَدِ اللّٰہَ وَمَنْ وَجَدَ الْاُخْرٰی فَلْیَتَعَوَّذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ثُمَّ قَرَأَ اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ رواہ الترمذی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر فرزند آدم پر ایک تصرف شیطان کا اور ایک تصرف فرشتے کا ہے۔ شیطان کا تصرف بری بات کا وعدہ دینا اور حق کی تکذیب ہے اور فرشتے کا تصرف نیکی کا وعدہ دینا اور حق کی تصدیق ہے۔ پس جو شخص یہ تصرف محسوس کرے۔ تو سمجھے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہی پھر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور جو شخص دوسرا تصرف محسوس کرے وہ شیطان سے خدا کی پناہ مانگے یعنی آعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کہ شیطان تم کو محتاجی کا وعدہ دیتا ہے۔ اور برائی پر مامور کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ) سعدی رحمہ

پئے نیک مرداں بباید شتافت — کہ ہر کہ ایں سعادت طلب کرد یافت

ولیکن تو دنبال دیو خسی — ندانم کہ در صالحاں چوں رسی

تا تو تاریک و ملول و تیرۂ — داں کہ با دیوِ لعیں ہمشیرۂ

لغات ہمشیرہ۔ ہم شیر۔ دودھ بھائی۔ آخر کی ہا زائد ہے۔ جیسے ہمخوابہ میں۔

ترجمہ جب تک تم تاریک (خاطر) اور (عبادت سے) دل برداشتہ اور سیاہ (باطن) رہو گے تو سمجھ لو شیطان کے دودھ بھائی ہو۔

مطلب تکثیر مباحات اور شوق لذائذ نے تمہارے دل کو تاریک و بے نور بنا رکھا ہے۔ اور یہ حالت شیطان کے تصرف کے لئے اسباب مستعدہ سے ہے ایسی حالت میں اپنے آپ کو شیطان کا بھائی سمجھو۔ صائب رحمہ

دراز دستی شیطاں ز دل سیاہی ہست — چراغ دزد لشب خواب پاسباں باشد

چونکہ اس شخص کا ہمشیر شیطان ہونا باعتبار اس کے اسراف و تبذیر کے ہے۔ جو وہ حصول لذائذ میں کرتا ہے۔ اس لئے یہ شعر قرآن مجید کی اس آیت کا ہم معنی ہے۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۔ یعنی مسرف لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اس شعر کا مطلب ایک اور طرح بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی اوپر کہا تھا کہ شیطانی خیالات ترک کر دو۔ تو فرشتوں میں شامل ہو سکتے ہو۔ اب اس ترقی وعروج کی حالت کو پہچاننے کا ایک معیار بتلاتے ہیں کہ جب تمہارے دل پر ایک طرح کی تاریکی وانقباض مسلط ہو تو سمجھو کہ شیطان کے ساتھ نسبت قائم ہے۔ اسی لئے انوار غیب کا پرتو اس پر نہیں پڑتا۔ عراقی رحمہ

منم گر آئنہ تو چراغے نتابد — درو رُخ تو ہمانا کہ نیست آئینہ پاک

لقمہ کاں نور افزود و کمال — آں بود آوردہ از کسب حلال

ترجمہ جس لقمے نے (دل میں) نور اور کمال کو ترقی دی ہے وہ کسب حلال سے پیدا کیا ہوا (لقمہ ہوتا) ہے

مطلب ۔ اب تک تکثیر مباحات سے منع فرمایا تھا۔ اب لقمۂ حرام سے بچنے کی تاکید فرماتے ہیں ۔ کیونکہ جب مباحات کا استعمال بعض صورتوں میں شیطانی تصرفات کے تحت میں آسکتا ہے ۔ تو لقمہ حرام تو بطریق اولیٰ آئیگا ۔ حدیث شریف میں آیا ہے ۔ طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ یعنی حلال روزی کی تلاش دیگر فریضوں کے بعد فرض ہے ۔ (مشکوٰۃ) صائب رح ؎

لقمہ ہائے پاک دنداں راکند انجم فروغ ۔۔۔ مے شود از دانۂ خورشید زریں آسیا

روغنے کاید چراغِ ما کُشد ۔۔۔ آب خوانش چوں چراغے را کُشد

ترجمہ جو تیل آتے ہی ہمارا دیا گل کردے چونکہ وہ دیے کو گل کرتا ہے ۔ اس لئے اس کو پانی کہو ۔

مطلب حرام لقمہ انوار قلب پر یہی اثر رکھتا ہے ۔ جو چراغ کے لئے پانی ۔ پس جو روزی موت قلب کا باعث ہو ۔ وہ روزی نہیں زہر ہے ۔ عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنۃ لحم نبت من السحت وکل لحم نبت من السحت کانت النار اولی بہ (رواہ احمد وغیرہ) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ وہ جسم بہشت میں داخل نہیں ہوسکتا جس نے حرام غذا سے نشو و نما پائی ہو اور جس جسم نے حرام غذا سے نشو و نما پائی ہو ۔ اس کے لئے دوزخ بہتر ہے ۔ (مشکوٰۃ)

عِلم و حکمت زاید از لقمۂ حلال ۔۔۔ عشق و رِقّت زاید از لقمۂ حلال

ترجمہ علم و حکمت حلال لقمے سے پیدا ہوتے ہیں ۔ عشق اور رقت حلال لقمے سے پیدا ہوتے ہیں ۔

صائب رح ؎

شد مخزنِ گوہر صدف از پاک دہانی
یک چند دریں بحر تو ہم پاک دہاں باش

چوں ز لقمہ تو حسد بینی و دام ۔۔۔ جہل و غفلت زاید آنرا داں حرام

لغات دام سے مجازاً مکر و دغا مراد ہے ۔

ترجمہ جس لقمے سے تم حسد و فریب جہل اور غفلت پیدا ہوتی دیکھو ۔ تو اس کو حرام سمجھو ۔

مطلب حرام لقمہ کھانا انسان کو دیگر معاصی پر آمادہ کرتا ہے ۔ سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ۔ من اکل الحرام عصت جوارحہ شاء ام ابی علم او لم یعلم ومن کانت طعمتہ حلالا اطاعت جوارحہ ووفقت للخیرات ۔ جو شخص حرام کھاتا ہو ۔ اس کے اعضا آمادہ عصیاں ہو جاتے ہیں خواہ وہ خود چاہے یا نہ چاہے ۔ خواہ اس کو معلوم ہو یا نہ ہو ۔ اور جس شخص کی غذا حلال ہے ۔ اس کے اعضا اطاعت کرتے ہیں ۔ اور ان کو نیکی کی توفیق دی جاتی ہے ۔ (احیاء العلوم)

ہیچ گندم کاری و جو بر دہد؟ ۔۔۔ دیدۂ اسپے کہ کرّہ خر دہد؟

لغات کاری صیغہ واحد حاضر مضارع از کاشتن بونا ۔ بر پھل کرّہ کاف کے ضمہ سے گھوڑے یا گدھے کا بچہ ۔

ترجمہ کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ تم گیہوں بوؤ اور جو پیدا ہوں ۔ بھلا تم نے کبھی ایسی گھوڑی دیکھی جو

گدھے کا بچہ دے۔

مطلب حلال یا حرام جیسا کھاؤ گے۔ ویسا ہی اثر پاؤ گے۔ پاک وطیب خوراک کا ثمرہ اچھا ملیگا۔ اور حرام و ناپاک غذا کا نتیجہ خراب، نہ عبادت کام آئے نہ دعا قبول ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ مَنِ اشْتَرٰی ثَوْبًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيْهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ تَعَالٰی لَهٗ صَلٰوةً مَادَامَ عَلَيْهِ یعنی جو شخص ایک کپڑا دس درہم کو خریدے اور اس میں ایک درہم حرام (شامل) ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نماز قبول نہیں کریگا۔ جب تک وہ اس کپڑے کو پہنے ہوگا (مشکوٰۃ) صحیح مسلم شریف کی روایت ہے۔ کہ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَآءِ يَارَبِّ يَارَبِّ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَ غُذِيَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا۔ کہ ایک آدمی لمبا سفر کرتا ہے پراگندہ مو اور غبار آلودہ ہے۔ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے۔ اے میرے پروردگار۔ اے میرے پروردگار حالانکہ اس کا کھانا حرام پینا حرام پوشاک حرام ہے۔ اور حرام مال سے پرورش پائی ہے۔ تو اس کی دعا کہاں قبول ہو۔ (مشکوٰۃ)

لقمہ تخم ست و برش اندیشہا　　لقمہ بحر و گوہرش اندیشہا

ترجمہ کھانے کا لقمہ تخم ہے۔ اور اس کا پھل خیالات ہیں۔ لقمہ دریا ہے۔ اور اس کے موتی خیالات ہیں (جیسا لقمہ ویسے خیالات)

زاید از لقمہ حلال اندر دہاں　　میلِ خدمت عزمِ رفتن آں جہاں

ترجمہ (اس) حلال لقمے سے (جو) منہ میں (پڑے) شوقِ عبادت اور سفر آخرت کا قصد پیدا ہوتا ہے

زاید از لقمہ حلال اے مہ حضور　　در دلِ پاک تو و در دیدہ نور

لغات مہ سردار۔ بڑا آدمی حضور توجہ تام۔ دل کا حاضر ہونا۔ محویت۔

ترجمہ حضرت! حلال لقمے سے تمہارے پاک دل میں حضوری اور تمہاری (باطنی) آنکھوں میں نور پیدا ہوتا ہے۔

مطلب۔ حلال روزی کے کھانے سے قوائے مدرکہ باطنی میں ادراک صحیح اور نورِ معرفت پیدا ہوتا ہے۔ روی ان بعض السائحین دفع طعاما الی بعض الابدال فلم یأکل فسأله عن ذلك فقال نحن لا ناکل الا حلالا فلذالك تستقیم قلوبنا ویدوم حالنا ونکاشف بالملکوت ونشاهد الآخرة ولو اکلنا ما تاکلون ثلاثا ایام لما رجعنا الی شئ من علم الیقین ولذهب الخوف والمشاهدة من قلوبنا روایت ہے۔ کہ کسی سیاح نے ایک ابدال کے آگے کچھ کھانا پیش کیا۔ تو اس کے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس کا سبب پوچھا۔ تو کہا ہم لوگ صرف حلال کھاتے ہیں۔ اسی لئے ہمارے دل مستقیم رہتے ہیں۔ اور ہماری حالت میں دوام رہتا ہے۔ اور ہم کو عالمِ بالا کا کشف اور آخرت کا مشاہدہ میسر ہوتا ہے۔ اور اگر ہم وہی طعام جو تم کھاتے ہو۔ تین دن تک کھاتے رہیں۔ تو ہم کو علمِ یقین کی کسی بات تک رسائی نہ ہو۔ اور ہمارے دل سے خوف اور مشاہدہ زائل ہو جائے (احیاء العلوم)

وَیُقَالُ مَنْ اَکَلَ الشُّبْهَۃَ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا اَظْلَمَ قَلْبُهٗ وَهُوَ تَاوِیْلُ قَوْلِهٖ تَعَالٰی کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ اور کہا گیا ہے کہ جو شخص چالیس روز تک مشتبہ چیز کھاتا رہے۔ اس کا دل تاریک ہو جاتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول پاک کلا بل الخ کی تاویل ہے۔ یعنی ہرگز نہیں۔ بلکہ اُن کی کمائی نے ان کے دلوں کو میلا کر دیا ہے۔ (ایضاً)

این سخن پایاں ندارد اے کیا — بحثِ بازرگان و طوطی کن بیا

لغات ۔ کیا بزرگ ۔ بپا پاؤں پر کھڑا ہونیوالا ۔ قائم ۔ تازہ ۔

ترجمہ صاحب! اس بات کی تو کوئی انتہا نہیں (لائیے پھر) سوداگر اور طوطے کی بحث کو تازہ کیجئے ۔

باز گفتن بازرگان با طوطی آنچه در هندوستان دیده بود

سوداگر کا طوطے کے سامنے سب حال جو ہندوستان میں دیکھا تھا ۔ بیان کر دینا

کرد بازرگان تجارت را تمام — باز آمد سوئے منزل شادکام

ترجمہ سوداگر تجارت کا کام ختم کر کے خوش خوش اپنے گھر کو واپس آیا ۔

ہر غلامے را بیاورد ارمغاں — ہر کنیزک را ببخشید او نشاں

ترجمہ ہر غلام کے لئے سوغات لایا ہر کنیزک کو (کوئی نہ کوئی) نشانی عطا کی

گفت طوطی ارمغانِ بندہ کو — آنچہ دیدی آنچہ گفتی باز گو

ترجمہ طوطے نے بھی پوچھا بندے کا تحفہ کہاں ہے (لائیے) جو کچھ آپ نے کہا سنا ہو ۔ سب سنایئے

گفت نے من خود پشیمانم ازاں — دستِ خود خایاں و انگشتاں گزاں

کہ چرا پیغام خامے از گزاف — بُردم از بیدانشی و از نشاف

لغات خایاں چباتا ہوا ۔ گزاں کاٹتا ہوا دونوں اسم حالیہ ہیں ۔ خائیدن اور گزیدن سے ۔ نشاف بیعقلی ۔ غلطی ۔

ترجمہ (سوداگر) بولا (میں سنانا) نہیں (چاہتا) میں خود اس بات سے پشیماں ہوں ۔ ہاتھ کو کاٹتا اور انگلیاں چبا رہا ہوں ۔ کہ میں کیوں بے عقلی اور حماقت سے ایسا لغو پیغام جو بیہودہ باتوں کی قسم سے تھا ۔ لے گیا ۔

گفت اے خواجہ پشیمانی ز چیست چیست ایں کیں خشم و غم را مقتضی ست

لغات ۔ کیں کہ ایں مقتضی باعث ۔ موجب ۔
ترجمہ (طوطا) بولا اے آقا کس بات کی پشیمانی ہے ۔ یہ کونسی بات ہے ۔ جو غصے اور غم کی مقتضی ہے ۔

گفت گفتم آں شکایتہائے تو با گروہِ طوطیاں ہمتائے تو

لغات ہمتا ۔ برابر ۔ مثل ۔ مانند ۔ ہم جنس ۔
ترجمہ (سوداگر نے) بتایا کہ میں نے تیرے ہم قوم طوطوں کے ایک گروہ کو وہ تیری شکائتیں سنائیں

آں یکے طوطی ز دردت بوئے برد زہرہ اش بدرید و لرزید و بمرد

لغات بوئے بردن معلوم کرنا ۔ محسوس کرنا ۔ پتہ لگانا ۔ زہرہ زار کے فتحہ سے پتہ مراد جگر ۔
ترجمہ ان میں سے ایک طوطے نے تیرا درد محسوس کیا ۔ (جس سے) اس کا کلیجہ پھٹ گیا ۔ اور وہ تھرتھرا کر مر گیا ۔

من پشیماں گشتم ایں گفتن چہ بود لیک چوں گفتم پشیمانی چہ سود؟

ترجمہ میں پچھتایا کہ (میں) کیا بک گیا ہوں ۔ مگر جب کہہ چکا تو پچھتانے سے کیا فائدہ ؟

نکتۂ کاں جست ناگہ از زباں ہمچو تیرے داں کہ جست آں از کماں

ترجمہ جو بات اچانک زبان سے نکل جائے ۔ اس کو تیر کی مانند سمجھو ۔ جو کمان سے چھوٹ نکلے ۔ صائبؒ
؎ تا نسازی راست در دل حرف را بر لب میار تیر تا بیروں نرفت ست از کماں غافل مباش

وانگرد از رہ آں تیر اے پسر بند باید کرد سیلے را ز سر

ترجمہ بیٹا وہ تیر اپنی راہ سے پھر واپس نہیں آتا ۔ (پس) سیلاب کو شروع ہی سے بند کرنا چاہیئے ۔
سعدیؒ ؎ خامشی بہ کہ ضمیرِ دلِ خویش باکسے گفتن و گفتن کہ مگوے
اے سلیم آب ز سرِ چشمہ بہ بند کہ چو پر شد نتواں بستن جوے

چوں گذشت از سر جہانے را گرفت گر جہاں ویراں کند نبود شگفت

ترجمہ (ورنہ) جب (سیلاب) سر سے گزر گیا ۔ تو جہان کو لے ڈالے گا (پھر) اگر جہان کو ویران کر دے کوئی تعجب کی بات نہیں ۔

فعل را در غیب اثرہا زادنی ست واں موالیدش بحکم خلق نیست

لغات زادنی ہیں یا لیاقت کی ہے۔ یعنی لائق زادن موالید جمع مولود۔ نتائج۔
ترجمہ اقوال کے نتائج کی طرح) ہر فعل کے آثار (ونتائج) ابھی غیب سے پیدا ہونے والے ہیں۔ اور اس کے وہ پیدا شدہ (آثار خدا کے حکم سے ہیں) مخلوق کے حکم سے نہیں۔
مطلب - آثار ونتائج کا پیدا ہونا کوئی کلام سے ہی مخصوص نہیں۔ بلکہ دیگر افعال کا بھی یہی حال ہے۔ کہ ان سے خاص خاص نتائج ظہور پاتے ہیں۔ اور گو ان افعال کا صادر کرنا بندے کے اختیار میں ہے۔ مگر ان پر آثار ونتائج کا مترتب ہونا خاص خدا کے قبضہ قدرت میں ہے۔ حافظ رح ؎

مالکِ عافیت نہ بلشکر گرفتہ ایم　　　ماتختِ سلطنت نہ بہ بازو نہادہ ایم

یہاں سے مسئلہ جبر و اختیار کی تحقیق شروع فرماتے ہیں۔

بے شریکے جملہ مخلوقِ خداست　　　آں مُوالید ار چہ نسبت شاں بماست

ترکیب جملہ آں موالید مبتدا مخلوق خدا خبر بے شریکے خدا کی صفت مقدر کے متعلق ہے۔
ترجمہ وہ (آثار ونتائج) سب کے سب بلا شرکت غیرے خاص خداوند تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ (مجازاً) اُن کی نسبت ہمارے ساتھ (کی جاتی) ہے۔ کما قال عمر خیام غفرلہ ؎

گر کارِ تو نیک ست بہ تدبیرِ تو نیست　　　در نیز بدست ہم بتقصیرِ تو نیست

زَید پرّانید تیرے سُوئے عَمْرو　　　عَمْرو را بگرفت تیرش ہمچو نَمِر

لغات عَمرو بفتح عین نام ہے۔ اس کے آخر میں واو زائد غیر ملفوظ اس غرض سے لکھی جاتی ہے۔ کہ نام عمر بضم عین وفتح میم کے نام سے ملتبس نہ ہو۔ نَمِر پلنگ۔ تیندوا۔ اس کو چیتا کہنا غلطی ہے۔ چیتے کے لئے عربی لفظ فہد اور فارسی یوز ہے۔ ہمچو نمر میں نمر کو تیر کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ کہ اس کے تیر کی گرفت نمر کی سی تھی۔ جس میں وجہ شبہ گرفت ہے۔ اور عمرو کے ساتھ تشبیہ نہیں ہے۔ کہ کہا جائے عمرو کو یوں تیر لگا جس طرح نمر کے لگتا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی معقول ومتعارف وجہ شبہ نہیں ہے۔
ترجمہ (مثلاً) زید نے عمرو کی طرف تیر چلایا (اور) اس کے تیر نے تیندوے کی طرح اس کو آن لیا۔

مدّتِ سالے ہمے زائید دَرْد　　　دَرْدہا را آفریند حق نہ مرد

ترجمہ ایک سال بھر اسی طرح درد ہوتا رہا (اب) ان دردوں کو خداوند تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ نہ کہ بندہ۔
مطلب ان دو شعروں میں اللہ تعالیٰ کے افعال کو بندوں کے ساتھ مجازاً منسوب کئے جانے کی مثال بیان فرمائی ہے۔ کہ دیکھو کہا جاتا ہے۔ کہ زید نے عمرو کو درد میں مبتلا کر دیا۔ حالانکہ زید کا کام صرف تیر چلانا تھا۔ نہ کہ درد کو پیدا کرنا درد کو پیدا کرنا تو خاص اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ آگے اس دعویٰ کی دلیل پیش کرتے ہیں

زَید رامی آندم ار مُرد از وَجَل　　　دَرْدہا مے زاید آنجا تا اَجَل

لغات رامی تیر انداز وجل خوف خوفناک آفت۔ اجل موت۔

ترجمہ اگر تیرانداز زید (بالفرض) کسی خوفناک آفت سے مرجائے تو پھر بھی ادھر (عمرو کے) درد ہوتے رہینگے۔
مطلب اگر اس درد کا خالق و موجد زید ہوتا تو یہ بات لازمی تھی۔ کہ اس کے مرنے سے عمرو کا درد بھی موقوف ہوجاتا کیونکہ اس صورت میں اس کا فعل ایجاد اس درد کی علت تامہ ہوتا۔ پھر جب وہ مرگیا۔ تو اس کے تمام افعال و اوصاف بھی جو اسکے ساتھ قائم تھے۔ نابود ہوگئے۔ اور علت تامہ کے ارتفاع سے معلول کا ارتفاع واجب ہے۔ مگر جب زید کے مرنے سے عمرو کا درد موقوف نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ اس کا فاعل نہیں۔
اختلاف۔ بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ یوں ہے۔ عمرو دائم ماند در درد و وجل۔ مگر یہ الفاظ فضول و غیر مفید ہیں۔ اور کاتبوں کے تصرفات کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔

زاں مَوالیدِ وجع چُوں مُرد اُو — زید را زاوّل سبب قتّال گو

ترجمہ جب ان پیدا شدہ دردوں کی وجہ سے وہ (یعنی عمرو) مرگیا۔ تو زید کو (اس کے فعل تیراندازی کے لحاظ سے قتل عمرو کا) سبب اول (ہونے) کی وجہ سے قاتل کہو گے۔

آں وجعہا را بدو منسوب دار — گرچہ ہست آں جملہ صنع کردگار

ترجمہ ان سارے دردوں کو اس سے منسوب کروگے۔ اگرچہ وہ سب خداوند تعالیٰ کے پیدا کرنے کے ہیں۔

ہمچنیں کسب و دم و دام و جماع — آں مَوالیدست حق را مُستطاع

لغات دم مکر و حیلہ۔ مستطاع مقدور جس کی قدرت وطاقت ہو۔
ترجمہ اسی طرح کمانا، حیلہ و تدبیر کرنا۔ جال بچھانا اور جماع کرنا۔ یہ (سب کے سب کام) اللہ تعالےٰ کے مخلوق و مقدور ہیں۔
مطلب غرض تمام افعال عباد کے آثار اور نتائج کا پیدا کرنیوالا۔ اللہ تعالےٰ ہے۔ نہ کہ بندہ اس تقریر سے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ افعال عباد کے نتائج اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ باقی رہے خود افعال جو بندوں سے سرزد ہوتے ہیں۔ ان کا خالق بھی خدا ہے۔ یا انکو بندے پیدا کرتے ہیں۔ اس کا ذکر یہاں نہیں کیا۔ اگرچہ شرح کے پچھلے صفحات میں ایک دو جگہ ضمناً اس سوال کا جواب گذر چکا ہے۔ واضح ہو۔ کہ معتزلہ کے نزدیک افعال کا خالق خود بندہ ہے۔ مگر اہل حق کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ بندوں کے تمام نیک و بد افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ ہاں بندہ ان افعال کا کاسب ہے۔ جیسے کہ شرح عقائد نسفی میں ہے۔ واللہ تعالی خالق لافعال العباد من الکفر والایمان والطاعة والعصیان لا کما زعمت المعتزلة ان العبد خالق لافعاله۔ غرض افعال مرتبہ خلق میں اللہ تعالیٰ سے اور مرتبہ کسب میں بندے سے منسوب ہیں۔

بستہ درہاے موالید از سبب — چوں پشیماں شد ولی از دست رب

ترکیب چوں پشیماں شد شرط مؤخر۔ بستہ درہاے۔ موالید جزائے مقدم۔ از سبب متعلق موالید کے از دست رب متعلق بستہ کے۔

ترجمہ ہاں ولی جب (کسی سبب کے سرزد ہونے سے) پشیمان ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس سبب پر نتائج (و آثار) کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ (یعنی اس فعل پر اس کا اثر مترتب ہونے نہیں دیتا)۔

مطلب اوپر جو فرمایا تھا کہ افعال پر آثار کا مترتب ہونا بندے کے اختیار کی بات نہیں۔ اس سے یہ بھی لازم آیا کہ جب ایک فعل پر اس کا اثر و نتیجہ مترتب ہونے لگتا ہے۔ تو اس کو روکنا بھی بندے کے قبضۂ قدرت میں نہیں یعنی جب اس کے لئے ترتب آثار مقدور نہیں تو عدم ترتب بھی مقدور نہیں۔ بلکہ اوپر اس کی تصریح فرمائی ہے کہ ع وانہ گردد از رہ آں تیر اے پسر۔ اب فرماتے ہیں۔ کہ یہ حالت عوام کی ہے۔ جو خوارق عادت کے اہل نہیں ہیں۔ اہل اللہ جن کو خوارق عادت کا رتبہ حاصل ہے۔ اس سے مستثنٰے ہیں۔ وہ باذن الٰہی قادر ہیں۔ کہ اسباب پر آثار کو مترتب نہ ہونے دیں۔ آگے اس کی مزید تاکید فرماتے ہیں۔

اولیا را ہست قدرت از الٰہ — تیر جستہ باز آرندش ز راہ

ترجمہ (چنانچہ بعض) اولیا کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قدرت (حاصل) ہے۔ کہ چھوٹے ہوئے تیر کو راستہ سے واپس لے آئیں

مطلب چونکہ خرق عادت ولایت کی شرط نہیں ہے۔ اور یہ ضرور نہیں کہ ہر ولی سے خرق عادت کا ظہور ہو۔ اسلئے اولیاء سے یہاں بعض اولیا مراد ہیں۔ ولی کے اوصاف و شرائط جو کتب کلامیہ میں مذکور ہیں۔ صرف یہ ہیں۔ کہ وہ اللہ کی ذات و صفات کا عارف ہو۔ ہمیشہ طاعات بجالائے۔ اور معاصی و محرمات سے پرہیز کرے۔ لذات و شہوات میں غرق ہونے سے بچے پاک و صاف رہے۔ یہ نہ ہو کہ نجاست سے آلودہ اور کتوں سے ملا جلا رہتا ہو۔ وہ نماز و دیگر عبادات کو ترک نہ کرے۔ مجنون اور فاتر العقل نہ ہو۔ شرمگاہ کو ننگا نہ کرے۔ باقی بدن کو برہنہ رکھنے کا بھی عادی نہ ہو (مجالس الابرار)

گفتہ ناگفتہ کند از فتح باب — تا ازاں نے سیخ سوزد نے کباب

ترجمہ (ولی اپنے آپ پر قرب حق کا) دروازہ کھلا ہونے کے سبب سے منہ سے نکلی ہوئی (نازیبا) بات کو محو کر اسکتا ہے۔ تاکہ نہ (اس کی شامت سے) سیخ جلے نہ کباب۔

مطلب کباب مقصود ہوتا ہے اور سیخ ذریعہ اگر سیخ جل گیا۔ تو گویا ذریعہ جاتا رہا۔ اور کباب بھی جل جائے تو مقصود ہی فوت ہو گیا۔ یہ کنایہ ہے اس سے کہ اولیاء اللہ کا اپنی زبان سے نکلی ہوئی نازیبا بات کو محو و عفو کرنے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کے حصول قرب کے ذرائع بھی قائم رہیں۔ اور قرب بھی متوقع رہے۔

از ہمہ دلہا کہ آں نکتہ شنید — آں سخن را کرد محو و ناپدید

ترجمہ (ولی کو یہ طاقت ہے کہ) تمام دلوں سے جنہوں نے وہ نکتہ سنا ہو اس بات کو محو و نابود کر دے

گرت برہاں باید و حجت مہا — از نبی خواں آیۂ او ننسہا

لغات گرت اگر ترا۔ مہا بمعنی مہ اے سردار بزرگوار۔ ننسہا نون کے ضمہ اور یاء سے بھول سے نفس گر مجید۔

ترجمہ حضرت اگر آپ کو ثبوت و دلیل درکار ہے۔ تو قرآن مجید سے او ننسہا کی آیت پڑھئے۔

مطلب اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا یعنی نہیں منسوخ کرتے

ہم کسی آیت کو بھلاتے اس کو مگر یہ کہ لاتے ہیں بہتر اس سے۔ مفسرین نے اس آیت میں ننسہا کے چند معنے بیان کئے ہیں۔ جن میں سے ایک معنی بھلانے کا بھی ہے۔ مراد یہ ہے۔ کہ ہم آپ کے قلب سے کسی آیت کو محو کر دیتے ہیں۔ ابو امامہ ابن سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ چند صحابہ ایک شب نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور ایک سورت پڑھنی چاہی۔ تو وہ سورت بالکل یاد نہ آئی۔ صرف بسم اللہ یاد رہ گئی۔ صبح کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں یہ واقعہ عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اس سورت کی تلاوت اور حکم دونوں اٹھا لئے گئے۔ (تفسیر مظہری)

آیہ اَنْسَوْکُمْ ذِکْرِیْ بخواں ۔۔۔ قوتِ نسیاں نہادن شاں بداں

ترجمہ (ساتھ ہی) آیہ انسوکم ذکری پڑھو۔ اور ان (اولیاء اللہ) میں بھلا دینے کی قوت ودیعت کئے جانے کا خیال کرو۔

مطلب یہ سورۂ مومنون کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ اِنَّہٗ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۔ فَاتَّخَذْتُمُوْھُمْ سِخْرِیًّا حَتّٰٓی اَنْسَوْکُمْ ذِکْرِیْ وَکُنْتُمْ مِّنْھُمْ تَضْحَکُوْنَ ۝ یعنی میرے بندوں میں سے کچھ لوگ تھے۔ جو کہتے تھے۔ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے۔ پس ہم کو بخش دے۔ اور ہم پر رحم کر۔ اور تو سب سے اچھا رحم کرنیوالا ہے۔ تو تم نے ان کا مذاق بنا رکھا تھا یہانتک کہ انہوں نے تمہارے دل سے میری یاد بھلا دی اور تم ان سے ہنستے تھے۔ انتہی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے دن ان کافروں کو خطاب ہوگا۔ جو اہل اللہ سے تمسخر کرتے تھے۔ بھلا دینے کا فعل جس کو اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں اپنے ساتھ منسوب فرمایا ہے۔ دوسری آیت میں اس کو اپنے بندوں سے منسوب کیا ہے۔ یعنی وہ لوگ اپنے تمسخر کرنیوالوں کو ان کے اس فعل کی یہ سزا دیتے ہیں۔ کہ ان کے دل سے خدا کی یاد محو کرا دیتے ہیں۔ جو ایک نعمت کبریٰ اور عطیہ عظمیٰ ہے۔ مگر فی الواقع یہ فعل بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اور وہ باذنِ خداوندی ایسا کرتے ہیں۔ اب اس استدلال کا یہ نتیجہ نکلا کہ:۔

چوں بہ تذکیر و بہ نسیاں قادر اند ۔۔۔ بر ہمہ دلہائے خلقاں قاہر اند

لغات تذکیر یاد دلانا امورِ دین پر متوجہ کرنا۔ خلقاں جمع خلق۔ قاہر غالب حکمران۔

ترجمہ جب (اولیاء اللہ) یاد دلانے اور بھلا دینے پر قادر ہیں۔ تو گویا تمام مخلوق کے دلوں پر حکمراں ہیں

چوں بہ نسیاں بست او راہِ نظر ۔۔۔ کار نتواں کرد ور باشد ہنر

ترجمہ جب اس نے نسیان سے غور و فکر کی راہ بند کر دی۔ تو اگرچہ (بڑے سے بڑا) ہنر آتا ہو کچھ کام نہیں دیتا۔

خُذْ تُمُوْ سِخْرِیَّۃً اَھْلَ السُّمُوْ ۔۔۔ از نبی خوانید تا اَنْسَوْکُمْ

لغات - اہل السمو اہل مراتب - ذی شان -

ترجمہ قرآن مجید سے فاتخذتموھم سخریا سے لیکر انسوکم تک پڑھ جاؤ

مطلب آیہ کریمہ کے کلمات فاتخذتموھم میں جو ضمیر جمع غائب یعنی "ھم" اہل اللہ کے لئے آئی ہے - اس کو یہاں اھل السمو سے تعبیر کیا ہے - اور یہ کمی بیشی بغرض وزن شعر ہوئی ہے - آیت کا ترجمہ اوپر گذر چکا ہے واضح ہو کہ اس آیت میں بھلا دینے کی اسناد مومنین کی طرف باتباع مفسرین مجازی ہے - اور مطلب اس کا یہ ہے کہ مومنین کی مسکنت و خستہ حالی کفار کے لئے دل لگی کا ایسا مشغلہ بن گئی - کہ ان کو یاد خدا کی بھی پروا نہ رہی - گویا انہی مومنوں نے ان لوگوں کو خدا سے غافل کر دیا - مگر مولانا رح نے اس فعل کا اہل اللہ کے ساتھ حقیقۃً اسناد تسلیم کر کے اپنے دعوی پر استدلال کیا ہے - یعنی اہل اللہ ہی نے عمداً ان کو ذکر خدا سے غافل کیا ہے - چونکہ کلمہ انسوا فی نفسہ اسناد حقیقی کو محتمل ہو سکتا ہے - ساتھ ہی خوارق عادت قواعد شرعیہ کے خلاف نہیں - یعنی از روئے شرع یہ بعید نہیں کہ اہل اللہ اپنی کرامت سے ایسا تصرف کر دیں اسلئے اس آیت کے معنی میں اسناد حقیقی مان لینا غلط اور باطل نہیں ہو سکتا البتہ مرجوح ضرور ہے -

صاحب دِہ بادشاہِ جسمہاست   صاحبدل شاہِ دلہا شماست

ترجمہ شہر کا حاکم تو تمہارے اجسام پر حکمران ہے - صاحبدل (ولی) تمہارے قلوب پر فرمانروا ہے -

مطلب کیونکہ وہ صاحب تصرف ہے - کہ اپنی تاثیر سے طالبوں کو مستفید کر سکتا ہے - اور اگر کسی کو حصول کمال کا اہل نہیں پاتا - تو اس سے سب فیوض سلب بھی کر سکتا ہے - حتی کہ حاصل شدہ برکات اس سے زائل اور یاد کی ہوئی باتیں اس کے ذہن سے محو ہو جاتی ہیں - اب صاحب تصرف ہونے کے ساتھ اس کا صاحب کشف ہونا بیان فرماتے ہیں -

فرعِ دید آمد عمل بے ہیچ شک   پس نباشد مردم الّا مردمک

لغات فرع شاخ - دید بصیرت - علم مردمک آنکھ کی پتلی -

ترجمہ بیشک عمل علم کی شاخ ہے - پس آدمی (میں سب سے افضل چیز) آنکھ کی پتلی ہی ہے -

مطلب - تصرفات جن کا ذکر اوپر گزرا ہے - سب علم یعنی کشف کی فرع ہیں - یعنی پہلے کشف کا درجہ حاصل ہوتا ہو تو پھر تصرفات کی قابلیت پیدا ہوتی ہے - جس سے کشف یعنی علم کا اصل ہونا ثابت ہوا - پھر دوسرے مصرعہ میں علم اور صاحب علم کی فضیلت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں - کہ انسان میں سب سے بڑی چیز آنکھ کی پتلی ہے - جو کاشف اشیاء ہے - اسی طرح انسانوں کی جماعت میں ولی اللہ بمنزلہ مردمک کے ہے - کہ بظاہر حقیر و کمتر ہے - مگر فی الحقیقت سب سے افضل و برتر -

مردمش چوں مردمک دیدند خرد   در بزرگی مردمک کس پے نبرد

ترجمہ (مگر) لوگوں نے (اس ولی کو) پتلی کی طرح حقیر سمجھ رکھا ہے - مگر اس پتلی کی بزرگی کا کسی نے پتہ نہ لگایا (کہ اس میں کیا کیا عالم سما رہے ہیں) خواجوی کرمانی رحمہ

خوشا سرفرازانِ کوتاہ دست — بزرگانِ خرد و بلندانِ پست
سلاطین نشانانِ خلوت نشین — اقالیم گیرانِ عزلت گزین
ہمہ نامدارانِ گم کردہ نام — ہمہ کامگاران نادیدہ کام

یہاں سے یہ ہدایت مستفاد ہوتی ہے کہ مستور الحال درویشوں اور فقیروں کی تحقیر و دل آزاری سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ مبادا اس کا کوئی بُرا نتیجہ پیش آجائے۔ امیر خسرو رح ؎

وقتے زبان طعن کشودم بہ بیدلے — دانم دلِ خراب مرا حق او گرفت

من تمام ایں را نیارم گفت زاں — منع مے آید ز صاحب مرکزاں

لغات صاحبِ مرکز۔ ایک بڑے درجے کے اولیا مراد ہیں۔ اہل تمکین۔ قطب ارشاد۔
ترجمہ میں (ان بزرگوں کے) اس (تصرف و کمال کی تفصیل) کو پوری طرح بیان نہیں کر سکتا کیونکہ اہل مرکز (یعنی مقام ارشاد کے قطبوں) کی طرف سے (اس کی) ممانعت ہے۔
مطلب ان اسرار کا اظہار ممنوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان مضامین کے بیان میں اگر کچھ فائدہ متصور ہے۔ تو اس کے مقابلے میں خطرا و خوف ضرر زیادہ ہے۔ اور کم فہم لوگوں کے غلطی میں پڑ جانے کا قوی احتمال ہے۔ عراقی رح ؎

میخواستم از اسرار اظہار کنم حرفے — زاغیار بترسیدم گفتم سخن سربست

چوں فراموشیِ خلق و یادشاں — با وے ست و میرسد فریادشاں
صد ہزاراں نیک و بد را آں بہی — میکند ہر دم ز دلہاشاں تہی

لغات بَہی با کے فتحہ سے بروزن فعیل از بہا، یعنی باکمال بارونق یا فروغ۔
ترجمہ چونکہ لوگوں کی فراموشی اور ان کی یادداشت اس (ولی) سے وابستہ ہے۔ اور وہ ان کا فریادرس ہے (اس لئے) وہ باکمال لاکھوں اچھے بُرے خیالات کو (رات کے وقت) ہمیشہ ان کے دل سے نکالتا رہتا ہے۔

روز دلہا را ازاں پُر میکند — آں صدفہا را پُر از دُر میکند

ترجمہ (پھر) دن کے وقت ان خیالات کے ساتھ قلوب کو پُر کر دیتا ہے۔ (گویا) ان (دلوں کے) سیپیوں کو (اخلاق کے) موتیوں سے بھر دیتا ہے۔
مطلب ان لوگوں کو جب رات کے وقت نیند آجاتی ہے۔ تو انکے قلوب سب خیالات سے خالی ہو جاتے ہیں پھر دن کو بیدار ہوتے ہی وہ خیالات، پھر دلوں میں آجاتے ہیں۔ یہ خیالات کی آمد و رفت بھی یا ذاتِ الٰہی انہی اولیا کے تصرف سے وقوع پاتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ لکھتے ہیں کہ فرشتوں کی ایک عظیم جماعت دنیا میں اس خدمت پر مامور ہے۔ کہ ان کو عالم بالا سے جیسا الہام ہوتا ہے۔ اس کے مطابق انسانوں اور دیگر حیوانات کے دلوں میں اپنی تاثیر سے مختلف ارادے اور خیالات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ جو مقصود قدرت

کے مناسب ہوتے ہیں (حجۃ اللہ البالغۃ) اسی طرح بعید نہیں۔ کہ فرشتوں کی طرح اولیاء کو بھی قدرت الٰہیہ نے ایسی خدمت پر مامور فرمایا ہو۔ ؎

صائب جماعتے کہ بمعنی رسیدہ اند
تسخیر دل بیک نگہ آشنا کنند

ولہ
چوں آفتاب گرچہ نداریم لشکرے
تسخیر عالم از نگہ پاک کردہ ایم

یہاں اولیاء اہل تکوین کے فضائل و کمالات کا ذکر ہے۔ کلید مثنوی میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کی دو جماعتیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کے سپرد خلق اللہ کی ہدایت و ارشاد، قلوب کی اصلاح، نفوس کی تربیت اور قرب حق حاصل کرنے کی تعلیم ہے۔ یہ اہل ارشاد کہلاتے ہیں۔ اور ان میں جو بزرگ اپنے عہد میں سب سے افضل و اکمل ہوں۔ اور ان کا فیض اتم و اعم ہو۔ ان کو قطب ارشاد کہتے ہیں۔ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے نائب حقیقی ہوتے ہیں۔ اور ان کا طرز عمل طرز نبوت ہوتا ہے۔ دوسرے وہ حضرات جن کے متعلق معاش خلق کی اصلاح اور امور دنیا کا انتظام اور دفع بلیات ہے۔ کہ اپنی ہمت باطنی سے باذن الٰہی ان امور میں تصرف کرتے رہتے ہیں۔ ان کو اہل تکوین کہتے ہیں۔ ان میں سے جو بزرگ سب سے اعلیٰ اور اقویٰ اور دوسروں پر حاکم ہوتے ہیں۔ انکو قطب التکوین کہا جاتا ہے۔ ان کے کاروبار ملائکہ کیطرح ہوتے ہیں جنکو مدبرات امر فرمایا گیا ہے حضرت خضر علیہ السلام بھی اسی شان کے معلوم ہوتے ہیں مولانا اس مقام میں جن اولیاء اللہ کے تصرفات کا ذکر فرماتے ہیں وہ اہل تکوین ہیں۔ انکے مقام و منصب کے لئے ایسے تصرفات و خوارق کا ہونا لازم ہے بخلاف اہل ارشاد کے۔ کہ ان کا صاحب خوارق ہونا لازم نہیں۔ البتہ ان کی کرامات ذوقی و وجدانی ہوتی ہیں۔ کہ ان کا ادراک عوام کو نہیں ہوتا جو شخص ان کی صحبت سے مستفید ہوتا ہے۔ وہ معلوم کر سکتا ہے۔

آں ہمہ اندیشۂ پیشانہا — میشناسد از ہدایت جانہا

لغات پیشاں بمعنی پیشیں **ترکیب** جانہا فاعل ہے شناسد کا۔ اندیشہ مفعول ہے۔

ترجمہ (ان اولیاء کی) ارواح (لوگوں کے) ان تمام سابقہ خیالات کو تعلیم حق (کی روشنی) سے (بخوبی) پہچانتی ہیں۔

پیشہ و فرہنگ تو آید بتو — تا در اسباب بکشاید بتو

ترجمہ (اور ان کے تصرف سے، تمہارا پیشہ اور دانائی (جاگتے وقت) تمہاری ہی طرف رجوع کرتا ہے۔ تاکہ اس ہنر کے ذریعہ سے تم پر اسباب معاش اور تدابیر حوائج، کا دروازہ کھل جائے۔

مطلب ان اولیاء کو زمانہ حال کی طرح زمانہ ماضی کے متعلق بھی علمی تصرف یعنی کشف حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کے اس تصرف کی وجہ سے ہر شخص کا پیشہ بیداری کے وقت خاص اسی کے پاس چلا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک کا پیشہ دوسرے کے پاس اور دوسرے کا پیشہ تیسرے کے پاس پہنچ جائے اور اصل پیشہ ور اپنے پیشے کو بھول جائے۔

پیشۂ زرگر بآہنگر نشد — خوئے ایں خوشخو بداں منکر نشد

ترجمہ سنار کا پیشہ لوہار کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ اس خوشخو کی خصلت اس بدخو کی طرف نہیں جاتی۔

پیشہا و خلقہا ہمچوں جہیز — سوئے خصم آیند روز رستخیز

لغات خلقہا اخلاق خصم مالک رستخیز راکے ضمہ سے یعنی اُگنا اور اُٹھنا یا راکے فتحہ سے پھر اس کے معنی چھوٹنا اور اُٹھنا ہونگے۔ مراد دونوں سے حشر ونشر ہے۔

ترجمہ تمام پیشے اور اخلاق جہیز کی طرح (جو جہیز کے مستحق کی طرف آتا ہے) قیامت کے روز اپنے مالک کی طرف آئینگے۔

مطلب اوپر ذکر تھا کہ صبح کے وقت ہر پیشہ ور کا پیشہ اس کے پاس آجاتا ہے۔ اب اس کی مناسبت سے فرماتے ہیں۔ کہ صبح قیامت کو ہر شخص کے اعمال اس کے پاس آجائینگے۔ صائب رحمہ

خانۂ دنیا بعینہ خانۂ آئینہ ہست — ہرچہ کس آورد با خود ہم ہماں را مے برد

عن عدی ابن حاتم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا سیکلمہ ربہ لیس بینہ وبینہ ترجمان ولا حجاب یحجبہ فینظر ایمن منہ فلا یری الا ما قدم من عملہ وینظر اشأم منہ فلا یری الا ما قدم وینظر بین یدیہ فلا یری الا النار تلقاء وجہہ فاتقوا النار ولو بشق تمرۃ متفق علیہ

یعنی عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کا پروردگار کلام کریگا۔ اس کے اور اس کے درمیان کوئی ترجمان یا پردہ نہ ہوگا۔ جو اس کے آگے آڑ ہو۔ پھر وہ اپنے دائیں طرف نظر کریگا۔ تو اس کو اپنے اعمال ہی اعمال دکھائی دینگے۔ جو وہ پہلے کر چکا ہے اور اپنے بائیں طرف دیکھے گا۔ تو اسکو (ادھر بھی) اپنے عمل ہی عمل نظر آئینگے۔ جو کر چکا ہے۔ اور اپنے سامنے دیکھے گا۔ تو اس کو وہ دوزخ اپنے منہ کے سامنے دکھائی دیگا۔ پس بچو دوزخ سے اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ (مشکوۃ) سعدی رحمہ

قیامت کہ بازار مینو نہند — منازل باعمال نیکو دہند
بضاعت بچندانکہ آری بری — وگر مفلسی شرمساری بری
برفتند و ہر کس درود آنچہ کشت — نماند بجز نام نیکو و زشت

صورتے کاں بر نہادت غالب است — ہم براں تصویر حشرت واجب است

ترجمہ دنیا میں جو صورت تمہارے وجود پر غالب ہے۔ اس صورت پر (قیامت کو) تمہارا حشر ہونا واجب ہے۔

مطلب یعنی ایک شخص کی زندگی جن اخلاق و اطوار اور جن حالات و مشاغل میں بسر ہوئی ہے۔ انہی کی مناسب صورت میں وہ اٹھے گا۔ شرح بحر العلوم میں لکھا ہے۔ کہ شعر کا معنی اس قول سے ماخوذ ہے جو مروی ہے۔ کما تعیشون تموتون وکما تموتون تبعثون۔ یعنی جس حالت پر تم نے زندگی بسر کی ہے۔ اسی پر مروگے۔ اور جس حالت پر مروگے اسی پر اٹھائے جاؤگے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں۔ عالم مثال میں بعض یعنی مناسبات ہی پر احکام مبنی ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت جبرئیل کا خاص دحیہ کلبی کی صورت میں متشکل ہونا

کسی خاص معنی پر مبنی تھا۔ اور ان مناسبات کا عارف جان لیتا ہے۔ کہ فلاں عمل کی جزا کس صورت میں ہوگی۔ جیسے تعبیر خواب کا عارف جانتا ہے۔ کہ خواب میں دیکھی ہوئی صورت سے کونسا معنی مراد ہے۔ غرض اسی طریقے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص علم کو چھپائے۔ اور تعلیم کی ضرورت کے وقت اس سے جی چرائے اس کو آگ کے لگام سے عذاب دیا جائیگا۔ اور جو شخص مال کو نہایت عزیز رکھے۔ اور ہمیشہ اسیکی محبت میں مگن رہے اس کے گلے میں گنجا سانپ ہار بنا کر ڈالا جائیگا۔ اور جو شخص درہم و دینار کی حفاظت جان کے برابر کرے اور خدا کی راہ میں ان کو خرچ نہ کرے۔ اس کو انہی چیزوں سے داغ دے دے کر عذاب کیا جائے گا۔ اور جو شخص اپنے آپ کو دنیا میں کسی تیز چیز یا زہر وغیرہ سے عذاب دے۔ قیامت میں اس کو اسی چیز سے عذاب دیا جائیگا۔ جو شخص محتاج کو کپڑا پہنائے۔ قیامت میں اس کو جنت کی اعلیٰ پوشاک دی جائے گی۔ جو کسی بردے کو آزاد کرے۔ اس کا ایک ایک عضو آگ سے آزاد رہیگا۔ (حجۃ اللہ البالغۃ)

اختلاف - مولانا بحر العلوم رہ بعض شارحین سے نقل کرتے ہیں۔ کہ یہ شعر قدیم نسخوں میں نہیں ہے۔

پیشہا و خلقہا از بعدِ خواب — واپس آید ہم بخصمِ خود شتاب

ترجمہ (مضمون سابق کا اعادہ ہے) سو چکنے کے بعد پیشے اور خصلتیں فوراً اپنے اپنے مالک کے پاس واپس آجاتی ہیں (چنانچہ سنار لوہار وغیرہ سویرے اٹھتے ہی اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں)

پیشہا و اندیشہا در وقتِ صبح — ہم بدانجا شد کہ بود آں حسن و قبح

ترجمہ پیشے اور اندیشے سویر ہوتے ہی اسی جگہ جاتے ہیں جہاں پہلے وہ خوبی یا برائی (موجود) تھی۔

چوں کبوترہائے پیک از شہرہا — سوئے شہرِ خویش آرد بہرہا

ترجمہ جیسے کہ نامہ بر کبوتر دوسرے شہروں سے اپنے شہر کی طرف (اپنے اپنے مکتوب الیہم کے لئے نامہ و پیام کے) قصے لاتے ہیں۔

مطلب کبوتروں کی یاد مشہور ہے۔ یہ اپنے گھروں کو خوب پہچانتے ہیں۔ منزلوں سے بھاگ کر آتے ہیں اور برسوں نہیں بھولتے۔ پرانے زمانے میں جب ڈاک تار کے سامان نہ تھے۔ تو بعض دور دراز سفر پر جانے والے لوگ دو ایک بھروسے کے کبوتر ساتھ لے جاتے۔ جب ضرورت پڑتی۔ تو کاغذ پر مطلب لکھ کر ایک کے گلے میں باندھ دیتے وہ بیکر سیدھا گھر پر آجاتا۔ نامہ بر کبوتر اسی قسم کے کبوتر سے مراد ہے۔ کما قیل ؎

نہ قاصدے نہ صبائے نہ مرغ نامہ برے — کسے ز بیکسی ما نمے برد خبرے

قیل ؎ چو بستم نامہ بر بالِ کبوتر بستہ شد پایش — تو گوئی حلقۂ دام ست نقشِ مہر مکتوبم

ہر چہ بینی سوئے اصلِ خود رود — جزو سوئے کل خود راجع شود

ترجمہ (اسی طرح) جو چیز تم دیکھتے ہو اپنے اپنے اصل کی طرف جاتی ہے۔ جزو اپنے کل کی طرف راجع ہوتا ہے ؎

ہر کجا فرست آرد بہ اصلِ خود رجوع — سر بپائے نخلِ خود افتد برگِ گلزار

شنیدن آں طوطی حرکت آں طوطی را و مُردن و نوحہ خواجہ برو

طوطے کا اس طوطے کی حرکت سُنکر مرجانا اور مالک کا اس پر نوحہ کرنا

چُوں شنید آں مُرغ کاں طوطی چہ کرد ہم بلرزید و فتاد و گشت سرد

ترجمہ جب اس پرندے نے سُنا کہ اس طوطے نے کیا کیا۔ تو وہ بھی تھرتھرا کر گر پڑا اور مرگیا۔

خواجہ چُوں دیدش فتادہ اینچنیں برجہید و زد کُلہ را بر زمیں

ترجمہ مالک نے جب اُسکو یوں گرا ہوا پایا۔ تو (بیقراری سے تڑپ) اٹھا اور (اپنی) ٹوپی زمین پر دے ماری

چُوں بدیں رنگ و بدیں حالش بدید خواجہ برجست و گریباں را دُرید

ترجمہ جب اس (طوطے) کو اس رنگ اور حالت میں دیکھا۔ تو خواجہ تڑپ اٹھا اور (اپنا) گریبان چاک کیا۔

گفت اَے طوطی خُوبِ خوش جبیں ہے چہ بُودت ایں چرا گشتی چنیں

ترجمہ (روکر) کہنے لگا اے خوبصورت پیشانی والے طوطے ہائے تجھے کیا ہوگیا۔ تیری کیوں یہ حالت ہوگئی۔

اَے دریغا مُرغ خوش آوازِ من اَے دریغا ہمدم و ہمرازِ من

ترجمہ ہائے! ارے میرے خوش آواز پرندے! ہائے رے! میرے ساتھی اور بھیدی۔

اَے دریغا مُرغ خوش اُلحانِ من راحِ رُوح و رَوضۂ رِضوانِ من

ترجمہ ہائے رے! میرے خوش الحان پرندے! میرے آرام جان اور باغ بہشت

گر سلیماں را چنیں مُرغے بدے کے دِگر مشغولِ آں مُرغاں شدے

ترجمہ اگر حضرت سلیمان ؑ کے پاس ایسا پرندہ ہوتا تو پھر کب دوسرے پرندوں میں جی لگاتے

مطلب حضرت سلیمان ؑ منطق الطیر (پرندوں کی بولی) سمجھتے تھے۔ اسلئے آپ ان کے احوال واقوال سے دلچسپی رکھتے تھے جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے

اَے دریغا مُرغ کاَرزاں یافتم زُود رُو از رُوے او برتافتم

ترجمہ ہائے رے! میرے پرندے جسکو میں نے سستے داموں پایا تھا جلد ہی اس کے دیدار سے مُنہ موڑنا پڑا

اَے زباں تو بس زیانی مَر مرا چُوں توئی گویا چہ گویم مَر ترا

ترجمہ اے میری زبان (جس نے اس پیغام گو ادا کرکے طوطے کو مار ڈالا) تو میرے لئے بڑی ضرر رساں ہے

(تجھے ملامت تو کروں مگر) چونکہ (اسمیں بھی میری طرف سے) تو ہی بولتی ہے۔ اب تجھے کیا کہوں۔

اے زباں ہم آتش و ہم خرمنی　　　چند ایں آتش دریں خرمن زنی

ترجمہ اے زباں تو آگ بھی ہے خرمن بھی ہے۔ اس خرمن میں کب تک یہ آگ لگاتی رہیگی
مطلب زبان کو آگ اس لحاظ سے کہا کہ کلمات قبیحہ بول کر موجب فتنہ و فساد ہوتی ہے۔ اور خرمن اس اعتبار سے کہ وعظ و نصیحت اذکار و اوراد وغیرہ کلمات حسنہ اس سے ادا ہوتے ہیں۔ جو توشہ عقبےٰ ہیں۔ امام غزالی رح فرماتے ہیں ان اللسان من نعم الله العظيمة ولطائف صنعه الغريبة فانه صغير جرمه عظيم طاعته وجرمه اذ لا يستبين الكفر والايمان الا بشهادة اللسان۔ یعنی زبان اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں اور اس کی بنائی ہوئی نادر چیزوں سے ہے۔ کیونکہ اس کا وجود تو چھوٹا ہے۔ مگر اس کی طاعت اور گناہ بڑا ہے۔ اس لئے کہ کفر اور ایمان صرف زبان کی شہادت سے ظاہر ہو سکتا ہے (احیاء العلوم) دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ اے زبان تو اپنے کلمات قبیحہ سے کلمات حسنہ کا اثر و برکت تک ضائع کرتی رہیگی۔ ایک حدیث کے یہ کلمات ہیں۔ ان الرجل ليتكلم بالكلمة من الشر لا يعلم مبلغها يكتب الله بها عليه سخطه الى يوم يلقاه یعنی آدمی کوئی برا کلمہ بول اٹھتا ہے۔ جس کو نہیں جانتا۔ کہ وہ کہاں تک پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے قیامت تک اس پر اپنی ناراضگی لکھ لیتا ہے (مشکوٰۃ)

در نہاں جاں از تو افغاں میکند　　　گرچہ ہرچہ گوئیش آں میکند

ترجمہ باطن میں جان تجھ سے نالہ و فریاد کرتی ہے۔ اگرچہ وہ کرتی وہی ہے۔ جو کچھ تو اس کو کہتی ہے۔
مطلب انسان اپنی زبان کے خطرہ و ضرر سے پوری طرح واقف ہے۔ اور اس کے کرتوتوں سے نالاں ہے۔ مگر پھر بھی خواہ مخواہ اس کا اتباع کرتا رہتا ہے۔ ؎

ہرکس از دستِ غیر نالہ کند　　　سعدی از دستِ خویشتن فریاد

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَفَعَہٗ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ اٰدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ کُلَّھَا تُکَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اتَّقِ اللّٰہَ فِیْنَا فَاِنَّا نَحْنُ بِکَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا (رواہ الترمذی)
ابو سعید سے مروی ہے جو اس روایت کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں۔ کہ ہر صبح کو فرزند آدم کے تمام اعضا زبان کے آگے منت کرتے ہیں۔ کہ تو ہمارے بارے میں خدا سے ڈر۔ کیونکہ ہماری ہستی تیرے ساتھ ہے اگر تو راست رو ہے۔ تو ہماری حالت بھی راستی پر ہے۔ اگر تو کجروی اختیار کرے۔ تو ہم بھی کجرو ہو جاتے ہیں (مشکوٰۃ)
غنی رحمۃ ؎

من نہ از زخم زبانِ دگراں دل ریشم　　　در فغانم چو قلم از زخم زبانِ خویشم

اے زباں ہم گنج بے پایاں توئی　　　اے زباں ہم رنج بے درماں توئی

ترجمہ اے زبان تو (بلحاظ کلمات خیر ہونے کے لحاظ سے) بے انتہا خزانہ بھی ہے۔ اے زبان تو (بلحاظ کلمات فسق و کفر ہونے کے اعتبار سے) مرض لا علاج بھی ہے۔

ہم صفیر و خدعۂ مرغاں توئی　　　ہم انیس وحشتِ ہجراں توئی

ترجمہ تو (پرندوں کو جال میں گرفتار کرنیوالی) سیٹی اور دھوکا بھی ہے۔ تو ہی وحشتِ ہجراں میں (تسلی دینے والا) رفیق بھی ہے۔

ہم خفیرِ و رہبرِ یاراں توئی   ہم بلیس و ظلمتِ کفراں توئی

ترجمہ تو ہی (وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے) یاروں کا بدرقہ اور رہبر بھی ہے (اور اغوا و اضلال کی وجہ سے) تو ابلیس اور کفران کی تاریکی بھی ہے۔

چند امانم میدہی اے بے اماں   اے توزہ کردہ بکین من کماں

ترجمہ اے بے امان تو مجھ کو کب امن دیگی۔ اے (زبان) تو نے میری دشمنی پر کمان کو چلہ چڑھا رکھا ہے۔

نک بپرانیدۂ مرغ مرا   در چراگاہِ ستم کم کن چرا

ترجمہ (اے زبان) دیکھ تو نے میری (سونے کی) چڑیا کو اڑا دیا (خدا کے لئے) ظلم کے چراگاہ میں چرنا چگنا کم کر

یا جوابِ من بگو یا داد دہ   یا مرا اسبابِ شادی یاد دہ

ترجمہ یا تو میرا جواب دہ۔ یا میرے ساتھ انصاف کر۔ یا مجھے خوشی کا سامان (یعنی ذکر خدا) یاد دلا

مطلب جواب سے مراد یہ ہے کہ اس بات کی دلیل پیش کرے کہ میرا رونا چلانا بیہودہ ہے۔ جو کچھ زبان نے کیا وہ بالکل درست تھا۔ اور داد سے مراد یہ ہے۔ کہ زبان اپنے قصور کا اعتراف کرے۔ لیکن اگر وہ نہ تردید کرے۔ نہ اعتراف کرے۔ تو پھر اسباب شادی کی یاد آوری کرے۔ اور اسباب شادی کی یاد آوری سے یہ مقصود ہے کہ میں ذکر خدا میں مشغول ہو کر غیر حق کو فراموش کردوں اور اس درد والم سے چھوٹ جاؤں۔ جو طوطے کے مرنے پر محسوس ہو رہا ہے۔ حافظ ؒ

ز فیض بیخودی ہر دو کون آزادم   خط پیالہ زغمہا خطِ امانِ من است

اے دریغا نورِ ظلمت سوزِ من   اے دریغا صبحِ روز افروزِ من

ترجمہ ہائے رے میرا اندھیرے کو دور کرنیوالا نور۔ ہائے رے میری دن کو روشن کرنیوالی صبح۔

اے دریغا مرغِ خوش پروازِ من   ز انتہا پرید تا آغازِ من

ترکیب پرید بمعنی تلف شد۔ زائل گردید۔ اس کا فاعل لطف وعیش مقدر ہے۔

ترجمہ ہائے میرا پیاری اڑان والا پرندہ (جس کے مرنے سے) مجھے اس وقت سے لیکر آغاز عمر تک کے سارے مزے بھول گئے

عاشقِ رنج ست نادان تا ابد   خیز و لا اقسم بخوان تا فی کبد

۱ بدرقہ نگہبان۔ رہبر۔ قاصد ۲ ابلیس کا مخفف ۳ ناشکری کافر
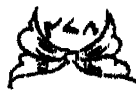
ترجمہ (اس تاجر کی طرح) نادان (آدمی) ہمیشہ رنج کا دلدادہ ہے (اگر ثبوت مطلوب ہے۔ تو) اٹھو سورہ لا اقسم کو فی کبد تک پڑھو۔

مطلب ۔ اوپر تک تاجر کا نالہ وفغاں تھا۔ اب یہاں سے مولانا رح کا مقولہ شروع ہوتا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔ کہ آدمی عموماً مصائب وبلیات میں مبتلا رہتا ہے ۔ اس کے کثرت ابتلا کو بلا پر عاشق ہوتے سے تعبیر کیا ہے۔ جس طرح کوئی مسلسل بیمار رہے۔ تو کہہ دیتے ہیں ۔ تم نے تو بیماری کے ساتھ دوستی پیدا کرلی ؎

ہر بلائے کز آسماں آید　　　گرچہ بر دیگرے قضا باشد
بر زمیں نارسیدہ مے پرسد　　　خانہ انوری کجا باشد

یا اس لحاظ سے اس کو عاشق بلا کہا ہے ۔ کہ اکثر دکھ اور تکالیف کو وہ خود اپنے ہاتھوں پیدا کرتا ہے ۔ اور لفظ نادان بھی اسی مفہوم کی تائید کرتا ہے ۔ شیخ ابو سعید ابوالخیر رح ؎

آتش بدودستِ خویش در خرمنِ خویش　　　چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمنِ خویش
کس دشمنِ من نیست منم دشمنِ خویش　　　اے وائے من و دستِ من و دامنِ خویش

فی کبد سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ یعنی ہم نے انسان کو رنج وسختی میں پیدا کیا ہے ۔ عمر خیام غفر لہ ؎

از آبِ عدم تخم مرا کاشتہ اند　　　از آتش غم رُوح من افراشتہ اند
سرگشتہ چو بادے دوم گرد جہاں　　　تا خاکِ من از چہ بلے برداشتہ اند

از کبد فارغ شُدم با رُوئے تو　　　وز زبد صافی بُدم در جُوئے تو

ترجمہ (اے محبوب حقیقی) میں (عالم ارواح میں) تیرے دیدار کی بدولت غم سے سبکدوش تھا۔ اور تیری (محبوبیت کی) نہر میں (غم کی) جھاگ سے پاک تھا۔

مطلب ۔ یہاں سے انتقال ہے رُوح کی ان سعادت کے بیان کی طرف جو اس کو دنیا میں آنے سے پہلے عالم ملکوت میں حاصل تھیں۔ اور مثنوی شریف کے پہلے شعر میں رُوح کی حکایت وشکایت کے عنوان سے ان کا ذکر کیا ہے (دیکھو شرح شعر مذکور) اہل دنیا کے مبتلائے محن ومصائب ہونے کا ذکر فرمانے کے بعد اب کہتے ہیں ۔ کہ ہماری ارواح عالم ملکوت میں یادِ حق میں محو ومستغرق رہتی تھیں ۔ وہاں غم والم کا نام ونشان نہ تھا ۔ اور یادِ حق میں غیر حق کا کام ہی کیا ہے؟ جامی رح ؎

دارم دلکے کہ با ہر اندیشہ کہ داشت　　　جز یادِ تو بر صفحۂ خاطر ننگاشت
یادِ تو چناں فرو گرفتش کہ درو　　　گنجائی ہیچ چیز دیگر نگذاشت

اے دریغا با خیالِ دیدن ست　　　وز وجودِ نقد خود ببریدن ست

ترجمہ (مگر) ہائے افسوس (اب) خیال دیدار (دل ہی دل میں) ہے۔ اور اپنے ذاتی وجود سے قطع تعلق کرنا (ابھی باقی) ہے ۔ (کہ پھر وہی مقام حاصل ہوجائے) ؎

میانِ عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست　　　تو خود حجابِ خودی حافظ از میاں برخیز

غیرتِ حق بُود وبا حق چارہ نیست کو دِلے کز حکمِ حق صد پارہ نیست

ترجمہ (دنیا کے دارالمحن میں ہمارے آنے کی مقتضی) غیرتِ حق تھی اور حق کے آگے کیا پیش جاتی ہے وہ دل بھی کیا ہے۔ جو حکمِ حق سے صد چاک نہیں ہے۔

مطلب کنت کنزاً مخفیاً الخ جو حدیث قدسی کے نام سے مشہور ہے اور جس کے متعلق شرح ہذا کے حصہ اول میں بحث ہو چکی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند آئی۔ کہ مجھ کو پہچانا جائے۔ اور اس کی صورت یہی ہو سکتی تھی۔ کہ اس کے پہچاننے والے موجود ہوں۔ اس لئے اس نے اپنی قدرت سے جن و انس کو پیدا کیا۔ تاکہ وہ اس کے آگے اعترافِ جلال۔ اور اقرارِ ربوبیت میں گردنیں جھکا دیں۔ مولانا رحمۃ اللہ خداوند تعالیٰ کی اس مشیت کو غیرت سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ بات پسند نہ کی۔ کہ وہ جمالِ کل اور حُسنِ حقیقی ستر و خفا کے حجاب میں رہے۔ اور کوئی نگاہِ شوق موجود نہ ہو۔ جو اس کی ممنونِ شہود اور محظوظِ دیدار ہو۔ لہٰذا اس کی غیرت نے عالمِ ملکوت کو پیدا کیا۔ اور پھر دائرہ تخلیق کو عالمِ ناسوت تک وسعت دی۔ تاکہ اس کی طلب و جستجو کا عام وسیع اور اس کے عرفان و شناسائی کا سلسلہ غیر محدود ہو جائے۔ فرماتے ہیں۔ کہ اس کی غیرت ہی کے تقاضے سے ہماری ارواح کو عالمِ ملکوت سے ناسوت میں آنا پڑا۔ اور اس کے حکم کے پورا ہوتے ہیں جو کچھ بھی ہم کو جھیلنا پڑا سب گوارا ہے۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ؎

اگر عاشقی دامنِ او بگیر وگر گویدت جاں بدہ گو بگیر
بہشتِ تن آسانی آنگہ خوری کہ بر دوزخِ نیستی بگذری

غیرت آں باشد کہ او غیرِ ہمہ است آنکہ افزوں از بیان و دمدمہ است

ترجمہ غیرتِ (حق) یہ ہے۔ کہ وہ سب سے غیر ہے۔ جو کہ افسون و بیان سے بالاتر ہے۔

مطلب اوپر جو کہا تھا۔ کہ غیرتِ حق ہمارے دنیا میں آنے کی مقتضی ہوئی۔ اب اس غیرت کی تفسیر فرماتے ہیں کہ غیرت کے معنی ہیں کسی امر کو اپنی عزت و حرمت کے لئے نامناسب سمجھنا حق تعالیٰ کی غیرت یہ کب گوارا کرتی تھی کہ وہ جمالِ کل وہ حسنِ محیط نمایاں اور ممتاز نہ ہو۔ اس کا اقرار و اعتراف نہ کیا جائے۔ اس کی برتری و عظمت کو نہ مانا جائے۔ لہٰذا اس کی غیرت متقاضی ہوئی۔ کہ اس کو سب سے برتر سب سے نرالا سب سے الگ تھلگ تسلیم کیا جائے۔ اقرار کی زبانیں اور یقین کے قلوب سب کے سب اس کی معرفتِ ذات اور ستایشِ صفات پر متفق ہو جائیں اور پکار اٹھیں۔ کہ وہ اَحَد ہے۔ وہ لَمْ یَلِدْ اور لَمْ یُوْلَدْ ہے۔ اور مختصر یہ کہ وہ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَد ہے۔ یعنی "او غیرِ ہمہ است" جس کی تفصیل ناممکن ہے۔ اور اس کے بیان کرنے کی کوشش بے سود (یہ دوسرے مصرعہ کا مطلب ہے۔ چنانچہ کل عالم (کچھ اشقیا کی جماعت کے سوا) اس کو جانتا اور مانتا ہے۔ اگرچہ اس کی کنہ کے ادراک سے عاجز ہے۔ جب کل عالم اس کو مانتا ہے۔ تو اس کی ذات پاک کسی کے بیان کی محتاج نہیں۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ؎

جہاں متفق بر الٰہیتش فرو ماندہ در کنہ ماہیتش
بشر ماورائے جلالش نیافت بصر منتہائے جمالش نیافت

غیرتِ حق ہمارے دنیا میں آنے کی مقتضی ہوئی

یہ بات قابل توجہ ہے۔ کہ مولانا قدس سرہٗ یہاں تصریحاً حق اور خلق میں غیریت کا اثبات فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ جہاں کہیں ان کے کلام سے اثبات عینیت کا دعوےٰ مفہوم ہوتا ہے۔ وہاں عینیت اصطلاحی مراد ہے نہ کہ لغوی ورنہ ان کے کلام میں تعارض لازم آئیگا۔

اے دریغا اشکِ من دریا بُدے ۔۔۔ تا نثارِ دلبرِ زیبا بُدے

ترجمہ ہائے افسوس میرے آنسو دریا (کی طرح موجزن) ہوتے تاکہ دلبر نازنین پر سے نثار (ہونے کے لائق) ہوتے۔

مطلب مولانا کا مقولہ اوپر تک تھا۔ اس شعر سے اب پھر تاجر کی گریہ وزاری کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ (کذا فی شرح بحر العلوم)

طوطیِ من مرغِ زیرک سارِ من ۔۔۔ ترجمانِ فکرت و اسرارِ من

لغات سار ایک سیاہ رنگ و خوش آواز پرندے کا نام ہے۔ سار بمعنی مثل بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں معنی مثل زیرک ہونگے (بحر العلوم)

ترجمہ (ہائے) میرے طوطے (اور) میرے بیدار مغز خوبصورت وخوش آواز پرندے میرے خیالات اور اسرار کے ترجمان!

ہر چہ روزی داد و ناداد آمدم ۔۔۔ او ز اوّل گفت تا یاد آمدم

لغات ناداد ناانصاف یا ناداد یعنی جس کو کچھ نہ ملا ہو۔ پہلی صورت میں داد بمعنی عدل اور دوسری صورت میں دادن سے مشتق ہے۔ بہرہ تقدیر ترجمہ حسب ذیل ہوگا **ترکیب** داد کا فاعل ضمیر ہے۔ راجع بخداوند تعالیٰ۔ اور ضمیر متکلم مفعول بہ محذوف ہے دوسرے مصرعہ میں ضمیر او کا مرجع طوطی ہے۔ یاد آمدم میں آمد کا فاعل کلمہ شکر مقدر ہے میم ضمیر متکلم مفعول بہ ہے۔ ان محذوفات و مقدرات نے ایک آسان و صاف شعر کو پیچیدہ بنا رکھا ہے۔

ترجمہ ۱۔ (خداوند تعالیٰ نے) جو روزی (مجھ کو) عطا فرمائی اور میں نے (بوجہ غفلت اس کا شکر) ادا نہ کیا۔ وہ (طوطا مجھ سے) پہلے (حق اللہ پاک ذات اللہ) کہنے لگتا یہاں تک کہ مجھ کو (اپنا فریضہ شکر) یاد آجاتا

۲۔ (خداوند تعالیٰ نے) جو روزی (مجھ کو) عطا فرمائی۔ اور (میں نے بوجہ غفلت اس کے شکر سے اس طرح سکوت رکھا گویا) مجھے (وہ روزی) ملی ہی نہیں۔ تو وہ (طوطا الخ)

طوطیے کاید ز وحی آوازِ او ۔۔۔ پیش ز آغازِ وجود آغازِ او

ترجمہ وہ (روح کا) طوطا جس کی آواز وحی (و الہام) سے آتی ہے۔ اس کا آغاز وجود (ظاہری یعنی اجسام کے آغاز سے پہلے کا ہے۔

مطلب یہاں سے بطور انتقال روح کے حالات و خصوصیات کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور طوطی کے قصے کی مناسبت سے اس کو طوطے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ روح کا مورد الہام ہونا تو ثابت ہے۔ اس کا اجسام سے پہلے وجود میں آنا بھی ظاہر و مشہور ہے۔ کیونکہ جسم اس کا آلہ ہے۔ اور وہ تبعاً پیدا ہوا ہے۔ صاحب مرسے

ایجادِ تو برائے سپرداری دل ست　　خاکسترِ فسردہ نگہبانِ آتش ست

اندرونِ تست آں طوطی نہاں　　عکسِ اُو را دیدہ تو برایں و آں

ترجمہ وہ (روح کا) طوطا تم میں پنہاں ہے۔ مگر تم (اس کی بجائے) اس کے عکس کو دیکھتے ہو (جو) ادھر ادھر کی اشیاء (یعنی جسم و اعضاء) پر (پڑتا ہے)

مطلب فرماتے ہیں کہ جسم کے اندر تمہاری روح مخفی ہے۔ کیونکہ روح کا وجود فی الواقع ادراکات ظاہری سے پنہاں ہے یعنی رح ؎

در غبارِ تن نیابد کس نشاں از جانِ پاک　　آب تا بیروں بیاید از میاں بردار خاک

پھر ارشاد ہے۔ کہ تم صرف اس کے آثار اپنے جسم عنصری اور اعضاء میں دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ جس قدر افعال جسم اور اعضائے جسم سے سرزد ہوتے ہیں۔ وہ رُوح ہی کے تصرف سے ہیں۔ ورنہ جسم تو محض ایک جماد ہے۔ چنانچہ وہ رُوح کی مفارقت کے بعد جماد کا جماد رہ جاتا ہے۔ اور ایک جماد کا احساس و شعور کیا رہا ہے۔ کہ ع کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں۔ صائب ؎　ہیچ عضوے بے بصیرت نیست در ملکِ وجود　ورنہ چوں پہلو شناسد بستر بیگانہ را

میبرد شادیت را تو شاد ازو　　مے پذیری ظلم را چوں داد ازو

ترجمہ (یہ عکس) تمہاری (یعنی روحانی) مسرت کو زائل کر رہا ہے۔ اور تم اس سے خوش ہو۔ تم اس کے ظلم کو انصاف کی طرح (خوشی سے) قبول کر رہے ہو۔

مطلب عکس سے جسمانی احساس مراد ہے۔ جو رُوح کے آثار سے ہے۔ چونکہ جسمانی احساس جسمانی لذات کا منشا ہے اس لیے اس کو روحانی مسرت کے لیے آفت قرار دیا ہے۔ یعنی تم لذات جسمانیہ میں مستغرق رہ کر روح کی معرفت اور اس کے طریق تربیت سے غافل ہو رہے ہو۔ اور اس خیبت و خسران کو منفعت بیکراں سمجھے بیٹھے ہو۔ حافظ رح ؎　تو کز سرائے طبیعت نمے روی بیروں　کجا بکوئے حقیقت گذر توانی کرد

ایکہ جاں از بہرِ تن مے سوختی　　سوختی جاں را و تن افروختی

ترجمہ اے (عکسِ روح کے شیدائی) جس نے بدن کی خاطر رُوح کو برباد کر دیا ہے۔ تم نے جان کو تو پھونک ڈالا اور بدن کو روشن کر لیا۔ سعدی رح ؎　ہمے میرد ت عیسیٰ از لاغری　تو در بندِ آنی کہ خر پروری

مطلب لذاتِ جسمانیہ میں منہمک ہونے والے لوگ روح کو کثیف و ناپاک اور بدن کو بارونق بنا لیتے ہیں۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا اور جس نے اس کو (یعنی اپنی روح کو) تباہ کر لیا۔ وہ گھاٹے میں رہا۔ صائب ؎

خاکیانے کہ بمعماریِ تن کوشیدند　　در رہِ آبِ بقا سدِ سکندر بستند

سوختم من سوختہ خواہد کسے　　تا زمن آتش زند اندر خسے

لغات سوختہ روئی یا چیتھڑا وغیرہ وہ چیز جس میں پہلے آگ لگا لیتے ہیں۔ پھر اس سے لکڑیوں کو سلگاتے ہیں۔ خس فارسی میں بمعنی گھاس پھوس اور ایک خوشبو دار گھاس کا نام ہے۔ عربی میں اس کے معنی کمینہ و فرومایہ۔ ذلیل و خوار

عربی میں دراصل سین کی تشدید کے ساتھ ہے۔

ترکیب تقدیر عبارت یوں ہے۔ اگر کسے سوختہ میخواہد او را باید کہ از من درخس آتش زند۔ لہٰذا اگر حرف شرط مقدر ہے۔ اور تا بیانیہ ہے۔

ترجمہ میں (عشق الٰہی کی آگ میں جسمانی حیثیات سے) جل چکا ہوں۔ اگر کسی کو (میری طرح اپنا خرمن جسمانیت پھونک ڈالنے کے لئے) سوختہ کی خواہش ہے۔ (تو اس کو چاہیے) کہ (اپنے) خاشاک (ہستی) میں، مجھ سے آگ لگا لے۔

مطلب اوپر سوختگی مذموم کا ذکر تھا۔ اب سوختگی محمود کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ یعنی غافل لوگ تن پروری میں روح کو تباہ و برباد کر لیتے ہیں۔ حالانکہ روح کے تزکیہ و تصفیہ کے لئے جسم کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا نجات پائی اس نے جس نے اپنی روح کو پاکیزہ بنا لیا۔ پھر تمثیلاً اپنا حال بیان فرماتے ہیں۔ کہ دیکھو ہم نے روح کی تہذیب و تزکیہ کے لئے جسم کو آتش عشق میں پھونک لیا ہے۔ اگر کسی ناقص کو اپنے اندر یہ اعلیٰ حالت پیدا کرنی منظور ہے۔ تو وہ ہم جیسے سوختگان عشق کی صحبت میں رہے۔ کہ ایک چراغ سے کئی چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔ جامی ؒ

ہر کہ اول سوختی تنہا نہ او را سوختی ۔۔۔ بلکہ از سوز دلش صد بیدل دیگر بسوخت

سوختہ چوں قابلِ آتش بود ۔۔۔ سوختہ بستاں کہ آتش کش بود

لغات سوختہ یہاں اسم مفعول از سوختن جلا ہوا مراد ہے۔ چوں حرف استفہام انکاری۔ بعض شارحین نے یہاں سوختہ بمثل سابق بمعنی آتشگیر اور چوں حرف شرط قرار دیا ہے۔ وہذا لا یجدی نفعاً کما تری۔

ترجمہ (اگر ہر) جلا ہوا (جو اپنی روحانیت کو بھی جلا چکا ہو) کیونکر (اس) آگ کے قابل ہو سکتا ہے۔ ایسا جلا ہوا (اپنی صحبت کے لئے) اختیار کرو جو (عشق کی) آگ کو قبول کرنے والا ہو۔

مطلب اوپر سوختہ عشق کی صحبت اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ اب کہتے ہیں۔ کہ اتنی احتیاط رکھو کہ ہر سوختہ قابل صحبت نہیں ہو سکتا اور اس سے سوختہ آتش ہوس مراد ہے۔ جس کا پہلے یوں ذکر تھا۔ ایک جاں از بہر تن مے سوختی۔ کیونکہ اس کی صحبت بجائے مفید ہونے کے مضر ہوتی ہے۔ بلکہ وہ سوختہ چاہیے۔ جو خود عشق الٰہی سے جاذب آتش ہو کر دوسروں کے دل میں آتش عشق لگا دے۔ صائب ؒ

دے کہ سوختہ بداغ خلیل مے داند ۔۔۔ کہ آتش دگران ست عشق و باغ من ست

اے دریغا اے دریغا اے دریغ ۔۔۔ کانچناں ماہے نہاں شد زیرِ میغ

ترجمہ ہائے افسوس! ہائے افسوس!! ہائے افسوس!!! کہ (روح کا) ایسا چاند (علائق جسمانیہ کے) ابر کے نیچے چھپ گیا۔

مطلب اوپر روح کے تزکیہ و تصفیہ کا ذکر چلا آتا تھا۔ اب افسوس فرماتے ہیں۔ کہ علائق جسمانیہ نے روح کی شناخت اور اس کی تربیت و اصلاح سے سب کو غافل کر رکھا ہے۔ اس سے روح و جسم کے تعلق پر افسوس کرنا مقصود نہیں کیونکہ وہ تو مقتضائے حکمت ربانی ہے۔ بلکہ لذائذ جسمانیہ میں غرق ہو کر روح کے حقوق سے غافل

ہونے پر اظہار تاسف فرماتے ہیں۔ صائب رح ؎

از چہ زنداں برآمد ہر کہ جاں از تن شناخت　　شد عزیز آنکس کہ یوسف را ز پیراہن شناخت

مولانا بحر العلوم کی تفسیر کے مطابق اس شعر کا ترجمہ یوں ہوگا۔ ہائے افسوس کہ ذات احدیت کا ایسا چاند تعینات کی گھٹا میں چھپ گیا۔ اور لوگ اس کو شناخت نہیں کر سکتے۔ سعدی رح

گر کسے وصف او ز من پرسد　　بیدل از بے نشاں چہ گوید باز

حافظ رح ؎　یا ہیچکس نشانے زاں دلستاں ندیدم　　یا من خبر ندارم یا او نشاں ندارد

چوں زنم دم کآتشِ دل تیز شد　　شیرِ ہجر آشفتہ و خونریز شد

ترجمہ میں (اس بات کو تفصیل کے ساتھ) کیونکر بیان کروں۔ کہ دل کی آتش (عشق) تیز ہوگئی۔ ہجر کا شیر اور بھی تند اور خونریز ہو گیا۔

مطلب اوپر اقتضائے مقام یہ تھا۔ کہ معرفت روح یا عرفانِ حق کے متعلق کچھ تفصیلی گفتگو فرماتے۔ مگر صرف اجمال پر اکتفا کیا۔ اس کا عذر فرماتے ہیں۔ کہ میں اب آتش عشق سے بیتاب ہو رہا ہوں۔ میری حالت خود میرے بس میں نہیں۔ کہ کچھ اور کہوں۔ کما قیل ؎

نے دانم کدامیں تو بہار جلوہ مے آید　　کہ در پرواز آمد رنگِ رو گلہائے بستاں را

دوسرے مصرعہ میں حالت ہجر کے زیادہ سخت ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ عاشق با وجود واصل ہونے کے ہمیشہ ہجر میں رہتا ہے کیونکہ تجلیات حق کی کوئی انتہا نہیں۔ اور جب ایک تجلی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ تو دوسری تجلی کے مشاہدہ کے لئے شوق کی اور آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ امیر خسرو رح ؎

یار چوں با ماست بہر دیدنش تعجیل چیست　　یوسف اندر مصر دل در دیدہ رود نیل چیست

آنکہ او ہشیار خود تند ست و مست　　چوں بود چوں او قدح گیرد بدست

ترجمہ جو شخص ہوشیار ہونے کی حالت میں بھی تند اور مست ہے۔ وہ جب ہاتھ میں جام (شراب) لے لے تو کیا ٹھکانا۔

مطلب یہ تائید عذر ہے۔ کہ جو شخص ہماری طرح بصورت صحو بھی اپنی حالت پر قادر نہیں ہوتا۔ جیسے کہ بعض اہل اللہ پر ہر وقت غلبہ حال رہتا ہے۔ تو بحالت سکر وہ کیا گفتگو کر سکتا ہے۔ امیر خسرو رح ؎

ہر زماں گوئی کہ حال دل بگوے　　ایں کسے را گوے کو را دل بجاست

شیر مستے کز صفت بیروں بود　　از بسیط مرغزارا فزوں بود

لغات۔ بسیط فضا۔ میدان۔ مرغزار میم کے فتحہ سے سبزہ زار چراگاہ۔ جنگل۔

ترجمہ۔ وہ مست شیر جو (اپنی سابقہ) حالت سے باہر ہو (جائے) وہ جنگل بھر میں نہیں سما سکتا۔

مطلب۔ صفت سے مراد خصلت و عادت ہے۔ اوپر کا شعر جو تائید عذر تھا۔ اس کے بعد یہ شعر تائید مزید ہے یعنی شیر اپنی عام و مستمرہ حالت میں ہی ایک خطرناک چیز ہے۔ لیکن جب وہ مستی کے ایسے درجے پر پہنچ جائے

جو اس کی عام عادت سے بڑھکر ہو - تو پھر بیٹھے بٹھائے اس کی سمائی کہاں - بعض شارحین نے شیر مست [illegible] تیم مست لکھتے ہیں - خدا جانے ان کو یہ محاورہ کہاں سے مل گیا - شیر مست تو بکری کے اس بچے کو کہتے ہیں [illegible] موٹا تازہ ہو رہا ہو - چنانچہ کتب طب میں ماءاللحم کی ترکیبوں میں یہ لفظ عام استعمال ہوتا ہے - البتہ شیر [illegible] یتیم مست ہوتے ہیں -

قافیہ اندیشم و دلدارِ من — گویدم مندیش جز دیدارِ من

ترجمہ میں تو قافیے کی فکر میں ہوں - اور میرا دلدار مجھے کہتا ہے - کہ میرے دیدار کے سوا دوسرا خیال دل میں نہ لاؤ -

مطلب اوپر تو غلبۂ عشق کی وجہ سے لب کشائی سے عذر کیا تھا - اب ترقی کر کے فرماتے ہیں - کہ اس حالت میں نہ صرف تکلم ہی مشکل ہے بلکہ دیگر امور کا تخیل بھی متعسّر ہو رہا ہے - چنانچہ میں اس مثنوی کے لکھنے میں جب قافیہ سوچنا چاہتا ہوں - جو نظم نویسی کے شرائط میں سے ایک ضروری شرط ہے - تو محبوب حقیقی کا خیال یہاں بھی کوئی پیش نہیں چلنے دیتا - امیر خسرو رح سے

خصم بپے طعنہ زد و دوست بپے پند داد — چشم دلم در تو بود، گوش بر ایشاں نرفت

خوش نشیں اے قافیہ اندیشِ من — قافیہ دولت توئی در پیشِ من

لغات قافیہ پیچھے آنیوالا مترادف دولت اقبال و خوش نصیبی -

ترجمہ (محبوب حقیقی کہتا ہے) اے میرے قافیہ سوچنے والے مزے سے بیٹھے رہو (جب) تم اقبال کے مترادف میرے سامنے بیٹھے ہو - (تو قافیے کی کیا حاجت ؟)

مطلب - شعر سابق کے مصرعہ ثانیہ سے محبوب کا مقولہ شروع ہوتا ہے - یعنی وہ کہتا ہے - کہ تم کو میرے دیدار یعنی توحید ذاتی و صفاتی کے سوا اور کچھ نہ سوچنا چاہیئے - قافیے کو رہنے دو - بس اسی توحید میں مشغول رہنا بہتر ہے - عراقی رح سے

امروز مرا در دل جز یار نمے گنجد — وز یار چناں پُر شد کاغیار نمے گنجد

حرف چہ بُود تا تو اندیشی ازاں — صوت چہ بُود خارِ دیوارِ رزاں

لغات چہ - استفہام تحقیر کے لئے ہے - صوت آواز - رزاں جمع رز بمعنی انگور - دیوار رزاں - ٹٹی جس پر انگور کی بیل چڑھتی ہے -

ترجمہ حرف کی کیا حقیقت ہے کہ تم اس پر غور کر رہے ہو - آواز کیا چیز ہے - بس انگوروں کی ٹٹی کا کانٹا

مطلب چونکہ حرف و صوت معانی و مطالب کے حاجب و متضمن ہوتے ہیں - اس لئے آواز کو دیوار رزاں سے تشبیہ دی ہے - جو انگوروں کو اپنے اندر چھپا کر قائم و کشادہ کرتی ہے -

حرف و صوت و گفت را برہم زنم — تا کہ بے ایں ہر سہ با تو دم زنم

لغات گفت حاصل مصدر گفتن سے۔ گفتگو بات چیت۔ برہم زدن درہم برہم کر دینا۔ تہ و بالا کر دینا۔ دم زدن بات چیت کرنا

ترجمہ میں حرف اور آواز اور بولی کو ملیامیٹ کر دیتا ہوں۔ تاکہ ان تینوں کے بغیر تم سے ہمکلام ہوں۔

مطلب کلام لفظی کو چھوڑ کر کلام نفسی سے ہمکلام ہوتا ہوں۔ صاحب ہم سے

چو شمع چند سن بزباں گفتگو کنم ——— روشن ز نے کجاست بجاں گفتگو کنم

آں دمے کز آدمش کردم نہاں ——— با تو گویم اے تو اسرار جہاں

ترجمہ اے اسرار جہاں جو بات میں نے حضرت آدم ع سے بھی چھپا رکھی تھی (اب) تم سے میں بیان کروں گا

آں دمے را کہ نگفتم با خلیل ——— واں دمے را کہ نداند جبرئیل

ترجمہ وہ بات جو میں نے حضرت خلیل علیہ السلام سے بھی نہیں کہی۔ وہ بات جس کو جبرئیل علیہ السلام بھی نہیں جانتے۔

مطلب اوپر دلدار حقیقی کا یہ مقولہ گذر چکا ہے۔ کہ "با تو دم زنم" یہ دونوں شعر اس دم زدن کی تفسیر ہیں یعنی وہ بات ایسی اسراری ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کی وساطت کے بغیر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر القا ہوئی ہے کما قال اللہ تعالیٰ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی اور وہ بات حضرت آدم حضرت ابراہیم وغیرہما دیگر انبیا علیہم السلام میں سے کسی پر القا نہیں کی گئی۔ کیونکہ وہ بات ان اسرار میں سے ہے۔ جو طریقہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے مختص ہیں۔ لہٰذا دیگر انبیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اور دلدار حقیقی کہتا ہے۔ کہ میں وہ بات تم سے کہوں گا۔ کیونکہ تم طریقہ محمدیہ کے تابع اور امت محمدیہ میں شامل ہو۔ اس تقریر سے یہ شبہ رفع ہو گیا۔ جو ان اشعار پر وارد ہو سکتا ہے۔ کہ اس بیان سے ایک ولی کی نبی پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ (بحر العلوم ملخصاً)

کلید مثنوی میں لکھا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کو اوّلاً اور اولیاء کرام کو تبعاً دو قسم کے علوم عطا ہوئے ہیں۔ ایک علوم نبوت یعنی شرائع اور احکام ظاہرہ و باطنہ دوسرے علوم ولایت یعنی وجدانیات و ذوقیات۔ یہاں جن علوم کا ذکر ہے۔ کہ وہ نہ حضرت آدم ع کو بتائے گئے ہیں۔ نہ حضرت خلیل ع کو نہ جبرئیل ع کو آتے ہیں۔ ان سے علوم نبوت مراد نہیں۔ کیونکہ اول تو حضرت جبرئیل ع ان علوم کے لئے واسطہ ہیں۔ اور واسطہ کو ان کے معلوم نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ دوسرے ان کے حصول کے لئے مقام فنا شرط نہیں۔ بلکہ وہ عوام و خواص سب کے لئے عام ہیں۔ ورنہ اگلے شعر میں یہ کہنا بے معنی ہوگا کہ غیرت حق نیز بے ما ہم نزد۔ یعنی غیرت حق اس کو لطفی و فنا کے بغیر ظاہر نہیں کرتی۔ نیز وہ علوم محل غیرت بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا اظہار و اشاعت مقصود ہے۔ بلکہ اس سے مراد علوم ولایت ہیں۔ اور چونکہ ہر ولی کا علم ولایت مختلف ہوتا ہے۔ جیسے کہ ہر نبی کی شریعت فروعات میں جداگانہ ہوتی ہے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسا ذوقی وجدانی علم عطا ہوا ہے۔ جو کسی دوسرے نبی کو نہیں ملا۔ اور تبعاً آپ کے اولیائے اُمّت کو بھی حاصل ہوا ہے۔

آں دمے کز وے مسیحا دم نزد ——— حق ز غیرت نیز بے ما ہم نزد

ترجمہ وہ بات جسکو حضرت مسیح علیہ السلام نے (بھی سرّ الٰہی سمجھ کر) ظاہر نہیں کیا۔ حق تعالےٰ نے بھی بتقاضائے غیرت (کسی پر اس کے مقام) فنا (حاصل کرنے) کے بغیر ظاہر نہیں کیا۔

مطلب اوپر کے اشعار کا مضمون دلدار حقیقی کا مقولہ تھا۔ یہ شعر مولانا کا مقولہ ہے۔ اس لئے یہ شعر اشعار سابقہ سے منفصل ہے جس میں آنچہ اپنے بیان سمیت مبتدا ہے۔ اور مصرعہ ثانیہ اس کی خبر۔ حضرت آدم و خلیل علیہما السلام کے متعلق تو اوپر یہ ظاہر کیا گیا تھا۔ کہ وہ راز ان کو معلوم ہی نہیں۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ کہا ہے کہ انہوں نے وہ راز کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ گویا ان کو معلوم ہے۔ مگر چونکہ وہ کمالات رسالت کی اشاعت پر مامور ہیں نہ کہ ولایت کے اظہار پر۔ اس لئے اس کو کسی پر افشا نہیں کرینگے۔ اور حضرت عیسیٰ ؑ کو اس کے معلوم ہونے اور دیگر انبیا کو معلوم نہ ہونے میں یہ نکتہ مضمر ہے۔ کہ وہ راز ان علوم ولایت میں سے ہے۔ جو کمالات محمدیہ علی صاحبہا السلام والتحیۃ سے متعلق ہیں۔ اور امت محمدیہ کے افراد خاص کے حصے میں آئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ قرب قیامت میں نزول فرما کر امت محمدیہ میں شامل اور شریعت محمدیہ پر عامل ہونگے اس لئے وہ اس راز کو معلوم کرنے کے لئے مستحق ٹھہرے۔ "بے ماہم نزد" کے جملے میں بھی ایک عجیب نکتہ ہے۔ یعنی اوپر دلدار حقیقی کا یہ قول چلا آ رہا تھا۔ کہ جو بات میں نے بڑے بڑے انبیا کو نہیں بتائی وہ تم کو بتاتا ہوں۔ اس کے اس عطیہ کبریٰ پر یہ کہنا کہ بے ماہم نزد اعتراف احسان کا آئینہ ہے۔ بایں معنی کہ حق تعالیٰ نے بھی اس غیرت سے کہ یہ راز اسی امت کے اکابر کا حق ہے۔ ہمارے بغیر کسی دوسری امت کے نبی یا امتی کو نہیں بتایا اور اس صورت میں کلمہ ما کا حرف فارسی ضمیر متکلم ہونا ظاہر ہے۔ مگر مولانا اس کلمے سے یہ مزید فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کہ اس کو لغت عرب بمعنی نفی قرار دیکر اپنے فنا و لاشیئت کا اظہار فرماتے ہیں۔ اور ہم نے شعر کا ترجمہ بھی اس لحاظ سے کیا ہے۔ اور خود مولانا اگلے شعر میں اس کی تصریح کرتے ہیں۔

ماچہ باشد در لغت اثبات و نفی — من نہ اثباتم منم بے ذات و نفی

ترجمہ (لفظ) ما لغت (عربیہ) میں کیا ہے؟ (ما موصولہ) اثبات (کے لئے) اور (ما نافیہ) نفی کے لئے (مگر یہاں نفی مراد ہے۔ کیونکہ) میں صاحب اثبات نہیں ہوں۔ بلکہ معدوم الذات اور منفی محض ہوں۔ امیر خسروؒ ؎

اے صبا آنانکہ دلتنگ اند بہر ما بگوے — ما ز غم مردیم دل از سوے ما بے غم کنند

من کسی در ناکسی دریافتم — پس کسی در ناکسی در تافتم

لغات ۔ کسی ہستی۔ بقا ناکسی۔ نیستی فنا۔ دریافتن پانا تافتن ۔ پھیرنا۔ بٹنا۔ مروڑنا۔

ترجمہ میں نے (حقیقی) ہستی فنا میں پائی۔ اس لئے ہستی کو نیستی میں کھپا دیا۔ حافظ رحمہ ؎

دست از مس وجود چو مردان رہ بشوے — تا کیمیائے عشق بیابی و زر شوی

از پائے تا سرت ہمہ نور خدا شود — در راہِ ذو الجلال چو بے پا و سر شوی

جملہ شاہاں پست پست خویش را — جملہ مستاں مست مست خویش را

لغات پست جھکنے والا۔ سر تسلیم خم کرنے والا۔ مست ولی اللہ۔ عاشق محب۔

ترجمہ (چنانچہ) سب بادشاہ (اپنے آگے تعظیماً جھکنے والے (کی بات) کے آگے سر جھکا دیا کرتے ہیں (اور) سب اولیاء اللہ اپنے عاشق کے محب ہوتے ہیں۔

جملہ شاہاں بردۂ بردہ خود انڈ جملہ خلقاں مردۂ مردہ خود انڈ

لغات۔ بردہ غلام۔ مراد گرویدہ مسخر تابع۔ مردہ بے جان۔ مراد وہ شخص جو دم نہ مارے۔ سر نہ اٹھائے

ترجمہ تمام بادشاہ اس شخص کی بات مانا کرتے ہیں۔ جو دل سے ان کا تابع ہو (یہی حال) عام خلقت (کا ہے۔ کہ وہ) اس شخص کے آگے دم نہیں مارتے جو ان کے سامنے سر نہ اٹھائے۔

مطلب۔ اوپر یہ ذکر تھا۔ کہ محبوب حقیقی نے ہم کو ان اسرار عظیمہ کے بتانے کا شرف بخشا ہے۔ جو دیگر بڑے بڑے لوگوں کو نہیں بخشا۔ پھر کہا تھا۔ کہ ہم کو فنا وہستی کے مقام پر فائز ہو کر یہ شرف ملا ہے۔ اب ان شعروں میں چند تمثیلوں سے پھر اس عطائے عظیم کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ جن کا خلاصہ بقول بیدل عفر یہ ہے ؎

منزلت خواہی مدارا کن کہ در فوارہ آب اوج گیرد آں قدر کز خود تنزل میکند

شرح بحر العلوم میں فتوحات مکیہ سے منقول ہے۔ کہ حضرت بایزید بسطامی رح پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا تَقَرَّبْ اِلَیَّ بِمَا لَیْسَ عِنْدِیْ یعنی اے بایزید میری درگاہ میں اس چیز کے ذریعہ سے تقرب حاصل کر۔ جو میرے پاس نہیں ہے۔ بایزید رح نے عرض کیا یا الٰہی وہ کیا چیز ہے۔ جو تیرے پاس نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تَقَرَّبْ اِلَیَّ بِالذُّلِّ وَ الْاِفْتِقَارِ (یعنی میری درگاہ میں ذلت و محتاجی کے ساتھ قرب حاصل کرو۔ انتہی۔ شیخ سعدی رح فرماتے ہیں۔ ایک قطرہ ابر سے ٹپکتا ہے۔ اور سمندر کے مقابلے میں اپنے آپ کو ناچیز دیکھتا ہے۔ تو اس خاکساری کی برکت سے سیپ کی آغوش میں جگہ پاتا ہے۔ اور در شہوار بنجاتا ہے۔

؎ چو خود را بچشم حقارت بدید صدف در کنارش بجاں پرورید
سپہرش بجائے رسانید کار کہ شد نامور لولوے شاہوار

وکماقیل ؎ خاکساراں را دراں درگاہ قرب دیگرست سجدہ گاہ خلق شد سجادہ از افتادگی

میشود صیاد مرغاں را شکار تا کند ناگاہ ایشاں را شکار

ترجمہ شکاری پہلے خود پرندوں (کے شوق) کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اچانک ان کو شکار کر لیتا ہے۔

مطلب۔ شکاری شکار کا دلدادہ ہو کر اس کو مسخر کر لیتا ہے۔ پس کسی کا دلدادہ ہو جانا اس کو تسخیر کرنے کی بہترین تدبیر ہے۔

دلبراں را بیدلاں فتنہ بجاں جملہ معشوقاں شکار عاشقاں

لغات بیدل عاشق فتنہ بجان مفتوں شیفتہ۔ کسی پر مرنے والا۔

ترجمہ دلبر (خود) اپنے دلدادوں کے مفتوں ہوتے ہیں۔ تمام معشوق (خود اپنے) عاشقوں پر جان دیتے ہیں۔

مطلب - عاشق تو اپنے معشوق پر فریفتہ ہوتا ہی ہے۔ خود معشوق بھی اپنے عاشق کا دلدادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے کمال حسن کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ ونعم ما قال میرزا جانجاناں مظہر الشہید قدس سرہ العزیز ؎

رتبۂ غیر تحیت درولش کردیم جا مظہر　　بجا باشد اگر خوانند یاران جانجاناں مارا

ہر کہ عاشق دیدیش معشوق داں　　کو بہ نسبت ہست ہم ایں و ہم آں

ترجمہ جس شخص کو تم نے عاشق پایا ہے (اس کو بلحاظ حیثیت معشوق خود) معشوق سمجھو۔ کیونکہ نسبت کی رو سے وہ یہ بھی ہے۔ وہ بھی۔ کما قال قیمتی غفرلہ ؎

چوں جذبۂ عشق صادق است　　معشوق سزد کہ عاشق افتد
جائیکہ زعشق جز ادب نیست　　معشوقی عاشقاں عجیب نیست

تشنگاں گر آب جویند از جہاں　　آب ہم جوید بعالم تشنگاں

ترجمہ اگرچہ (بظاہر) پیاسے (ہی) پانی کی تلاش کرتے ہیں (مگر) پانی بھی (دریا بن کر) پیاسوں کو ملک بملک ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔

مطلب پانی کا پیاسوں کو ڈھونڈھنا یا تو اس لحاظ سے ہے کہ اس کا نہروں۔ ندی نالوں اور دریاؤں کی راہ سے دنیا بھر میں تگ و دو کرتے پھرنا طلب و تجسس کا ہم شکل ہے۔ یا اس اعتبار سے۔ کہ پانی پیاسوں کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے وہ تکوینًا اس کا مقتضی ہے۔ کہ پیاسے اس کو ملیں۔ اور پئیں۔ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّزْقَ لَیَطْلُبُ الْعَبْدَ کَمَا یَطْلُبُہٗ اَجَلُہٗ۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رزق بندے کو اس طرح ڈھونڈھتا ہے جس طرح اس کی موت اس کو ڈھونڈھتی ہے۔ (مشکوۃ) کما قیل ؎

رزق گر بر آدمی عاشق نباشد پس چرا　　از زمیں گندم گریباں چاک مے آید چرا

چونکہ عاشق اوست تو خاموش باش　　او چو گوشت می کشد تو گوش باش

ترجمہ جب وہ (محبوب حقیقی خود تیرا) محب ہے۔ تو تو چپ رہ جب اس نے تجھ کو کان دیئے ہیں (اور یہ اسکی طرف سے اس بات کا اشارہ ہے۔ کہ جو کچھ کہا جائے اس کو سنو) تو تو ہمہ تن گوش بنجا۔

مطلب - جب معلوم ہوا کہ خداوند تعالیٰ خود رؤف و رحیم ہے اور اس کے فضل و احسان کی گھٹائیں ہمارے سر پر ہمیشہ آمادۂ باریدگی ہیں۔ تو ہم کو متوقعانہ سکوت اختیار کرنا لازم ہے۔ اور مفارقت و ہجران پر یا تو اضطراب کرنا زیبا نہیں جیسے کہ اس شعر سے مترشح ہوتا تھا۔ کہ ؎

چوں زغم دم کاتش دل تیز شد　　شیر ہجر آشفتہ و خونریز شد

بند کن چوں سیل سیلانی کند　　ورنہ رسوائی و ویرانی کند

لغات سیلانی - پانی کی طغیانی - ویرانی - بربادی۔

ترجمہ جب (طلب رؤیت کا) سیلاب طغیانی پر آئے۔ تو اس کو بند کردو۔ ورنہ خرابی و بربادی برپا کرے گا۔
مطلب مولانا اپنے آپ سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں۔ کہ محبوب کی رویت بے حجاب کے خیال سے باز آؤ۔ کیونکہ تجلی بے حجاب قیامت کے بعد مومنوں کے لئے موعود و منصوص ہے۔ دنیا میں ناممکن ہے جس کی وجہ یہ کہ قوائے مدرکہ جو اس عالم میں بندوں کو عطا ہوئے ہیں۔ وہ اس کے متحمل نہیں۔ چنانچہ کوہ طور تک اس کا متحمل نہ ہوسکا۔ اور پاش پاش ہوگیا۔ اسی طرح اگر تم پر تجلی بے حجاب ہوجائے تو تمہاری ہستی معدوم ہوجائے۔ پس دنیا میں اس کی طلب کرنا گویا موت مانگنا یا دوسرے لفظوں میں خودکشی ہے۔ اور یہی مراد ہے رسوائی و ویرانی سے۔ عراقی رہ ؎

؎ دراں لحظہ کہ بنماید جمال خود عجب نبود ... کہ از حیرت سر انگشت تعجب در دہاں میری

من چہ غم دارم کہ ویرانی بود ... زیر ویراں گنج سلطانی بود

ترجمہ میں (اس بات کی) کیا پروا کرتا ہوں کہ ویرانی ہوجائے۔ کیونکہ شاہی خزانہ ویرانہ ہی میں ہوتا ہے
مطلب چونکہ شوق رویت اس قدر غالب ہے۔ اس لئے جواب دیتے ہیں۔ کہ طلب رویت سے باز نہیں رہ سکتا خواہ کچھ ہی ہوجائے۔ ویرانی و بربادی کی کوئی پروا نہیں۔ حافظ رہ ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید ... یا تن رسد بجاناں یا جان ز تن برآید

پھر فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس طلب و تجسس میں ہماری ہستی منہدم و مستہلک ہوگئی۔ تو اور بھی بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں تجلّی بے حجاب میسر ہوا کرتی ہے۔ سعدی رہ ؎

ترا با حق آں آشنائی دہد ... کہ از دستِ خویشت رہائی دہد
کہ تا با خودی در خدا راہ نیست ... وزیں نکتہ جز بیخود آگاہ نیست

غرقِ حق خواہد کہ باشد غرق تر ... ہمچو موجِ بحر جاں زیر و زبر

ترجمہ (عشق، خدا (کے دریا) کا غریق تو یہی چاہتا ہے کہ اور بھی نیچے ڈوب جائے (اور) دریا کی موج کی طرح (اس کی) جان زیر و زبر ہوجائے۔
مطلب جو شخص اپنے عشق صادق کی بدولت مقام شہود تک پہنچ گیا ہو۔ وہ تو اور بھی قرب و وصل کا خواہاں ہوگا اور متمنی ہوگا۔ کہ یہ حجاب جسمانی بھی اٹھ جائے۔ اس کو اپنی جان کے نکل جانے اور حالات ما بعد الموت کی رو میں بہ جانے کا اندیشہ نہیں۔ جس طرح موج کو دریا میں زیر و زبر ہونا کچھ بھی ناگوار نہیں ہوتا۔ صائب رہ ؎

دل چوں رسد بجاناں، بیزار جسم گردد ... تا پیش شمع سوزد پروانہ بال و پر را

زیر دریا خوشتر آید یا زبر ... تیر او دلکش تر آید یا سپر؟

ترجمہ (سچ کہنا بحر عشق کے غریق کو) زیر دریا پسند ہوگا۔ یا بالائے دریا؟ (محبوب کا تیر عشق کو) اس کا تیر مرغوب ہوگا یا ڈھال؟
مطلب۔ مصائب عشق کا مطلوب و مرغوب ہونا بطور استفہام ثابت کرتے ہیں۔ جو ثبوت دعویٰ کیلئے ابلغ طریق ہے۔ گویا مصائب عشق بدیہیات کی قبیل سے ہیں۔ کہ مخاطب ان سے انکار نہیں کرسکتا۔ امیر خسرو رح

زخونِ دل وضو سازم کنم سجدہ بسوئے او — بود عشاق را آرے بسے تیغ نہ غذا پیما

صائب ؎ نظر بشاخ بلند است مرغ وحشی را — تلاش دار کند ہر سرے کہ سودائی ست

ولہ ؎ آنچہ معیت ز درختِ وادی ایمن کلیم — ہست منصور بینہ زیست زچوبِ دار بیاں

پس زبونِ وسوسہ باشی دلا — گر طرب را باز دانی از بلا

ترجمہ اے دل اگر تو نے (محبوبِ حقیقی کی پسندیدہ) خوشی اور بلا میں فرق کیا۔ تو (عاشقِ صادق نہیں بلکہ) وسوسے کا مارا ہوا ہے۔ صائب رحمہ ؎

عاشقِ حیراں چہ میداند غذائے خود کہ چیست — بخورد چوں آبِ شیریں ریگ آبِ تلخ را

گر مرادت را مذاقِ شکرست — بے مرادی نے مرادِ دلبرست؟

ترجمہ اگر تیری مراد (یعنی طرب) شیرینی کا ذائقہ رکھتی ہے۔ (اور نامرادی یعنی بلا تلخ و ناگوار ہے) تو کیا نامرادی (تیرے لیے) دلبر کی تجویز کی ہوئی نہیں ہے! (پھر اس سے کیوں گریز کرتا ہے) سعدی رحمہ ؎

یاری آنست کہ زہر از قبلش نوش کنی — نہ چو رنجے رسدت یار فراموش کنی

کلیم رحمہ ؎ مردِ حق بیں کہ بلا را ز خدا داند ہمہ — تیغ را بر سرِ خود بالِ ہمائے بیند

ہر ستارہ اش خونبہائے صد ہلال — خونِ عالم ریختن او را حلال

صنائع ... ہلال اور حلال میں تجنیس ہے۔

ترجمہ اس (کی تجلی جمال) کا ایک ایک ستارہ سینکڑوں ہلال (کے سے خم کمر عشاق) کا خوں بہا ہے۔ (اس لیے) دنیا بھر کو کشتۂ (عشق) بنانے کا اس کو حق ہے۔

مطلب جب عاشق لوگ وفات کے بعد رویتِ بلا حجاب کی دولت سے محظوظ ہوجاتے ہیں۔ تو یہ شرف انکی موت کا بہترین عوض ہے۔ اسلئے محبوبِ حقیقی اگر عاشق کی جان لے لے تو محلِ شکایت نہیں بلکہ مقامِ شکر ہے۔ فغانی ؎

نہ تیغم گر زند دستش نگیریم — وگر تیرم زند منت پذیریم

امیر خسرو رحمہ ؎ عشق ار کشدم منتِ ہجرانِ تو برمن — کیں مرتبہ از دولتِ ہجرانِ تو یابند

ما بہا و خونبہا را یافتیم — جانبِ جاں باختن بشتافتیم

ترجمہ ہم (بھی محبوبِ حقیقی کے ہاتھ بک کر) قیمت اور (مقتول ہوکر) خونبہا پا چکے ہیں (اور) جانبازی کی طرف مائل ہوگئے ہیں۔ قال بعضہم ؎

یک جاں چہ متاعے ست کہ سازیم فدایت — الا چہ تواں کرد کہ موجود ہمیں ست

اے حیاتِ عاشقاں در مردگی — دل نیابی جز کہ در دلبردگی

ترجمہ اے (طالب!) عاشقوں کی (حقیقی) زندگی مرجانے میں ہے (دل کی اس (حالت) کے سوا دل نہ پاؤگے

کہ (وہ دلبر حقیقی کی) دلبری میں (فدا ہو جائے)

مطلب دل کی زندگی یہی ہے کہ وہ دلبر کے کام آئے۔ اگر ایسا ہے تو دل ہے۔ ورنہ مشتِ گل امیر خسرو رح ؎

اندر رہ تیغ بتاں زندہ کسے نیست | جز کشتہ خوباں کہ دراں مردہ دراں زیست
جامی رح ؎ از لذتِ تیغت چہ خبر مردہ دلاں را | چوں زخم تو جز بر دل آگاہ نیامد

من دلش جستہ بصد ناز و دلال — او بہانہ کردہ با من از ملال

لغات دل جستن دلجوئی یا رضا جوئی کرنا۔ ناز و دلال ناز و انداز۔ یہاں انبساط و بے تکلفی مراد ہے۔ اگلے شعر میں اس کے معنی کبر و استغنا کے ہونگے۔ بہانہ کردن ٹالنا ملال ناراضگی۔

ترجمہ میں نے (طلب رویت کے لئے) اس (محبوب حقیقی) کی سو انس و بے تکلفی سے دلجوئی کی۔ (مگر) اس نے ناپسندیدگی کے ساتھ (فردائے قیامت پر) ٹال دیا۔ عراقی رح ؎

سحرگاہاں بسوئے او بسے رفتم بکوئے او | بسے گفتم قبولم کن نکرد آں یار چہ تواں کرد

منش جستہ با نیاز و بے ملال — او بہانہ کردہ از ناز و دلال

ترجمہ (بخلاف اس کے پھر) میں نے عجز و الحاح کے ساتھ اس کی دلجوئی کی۔ (پھر بھی) اس نے کبر و استغنا سے ٹال دیا۔

حافظ رح ؎ رو بر رہش نہادم و بر من گذر نکرد | صد لطف چشم داشتم و یک نظر نکرد

مطلب۔ ان دو شعروں میں دعا و مناجات کے دو مختلف طریقوں کی طرف اشارہ ہے۔ پہلا طریقہ جس کا منشا انبساط و انس ہوتا ہے یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم پر اعتماد کر کے اپنے تعلق و خصوصیت بلکہ ایک قسم کے استحقاق کو پیش رکھ کر بے تکلفی کے ساتھ حاجت مانگے۔ دوسرا طریقہ جو زیادہ ماثور و متعارف ہے یہ ہے کہ عجز و انکسار اور تضرع و ابتہال سے مراد طلب کرے وَادْعُوْہُ خَوْفًا وَّطَمَعًا الخلاف۔ یہ شعر ہمارے نسخے میں درج نہیں ہے۔

گفتم آخر غرق تست ایں عقل و جاں — گفت رو رو بر من ایں افسوں مخواں

ترجمہ میں نے عرض کیا آخر یہ عقل و جان تمہاری معرفت (کے شوق) میں غرق ہے فرمایا چلو چلو۔ مجھے یہ (فسوں) مت

مطلب میں نے شوق رویت میں اپنی عقل و جان کی حالت زار کو پیش کیا تو فرمایا۔ جب تک تم کو عقل و جان کا احساس ہے۔ التجائے رویت فضول ہے۔ حافظ رح ؎

گفتم کہ کے بہ بخشی بر جان ناتوانم | گفت آں زماں کہ نبود جاں در میانہ حائل

من ندانم آنچہ اندیشیدۂ — اے دو دیدہ دوست را چوں دیدۂ؟

ترجمہ مجھے معلوم نہیں تم نے کیا سوچ رکھا ہے۔ (کہ یوں بے دھڑک طالب رویت ہو) اسے دو آنکھوں والے (تم یک بیں نہیں ہو سکتے) تم نے محبوب (حقیقی) کو کیا سمجھا ہے؟

مطلب عاشق کو دو دیدہ اس لئے کہا ہے کہ اوپر جو اس نے اپنی عقل و جان کی حالتِ زار پر توجہ دلائی تھی۔ تو گویا ایک نظر سے اس کو اپنی عقل و جان کی طرف توجہ ہے۔ اور دوسری نظر سے رویت بلا حجاب کا بھی اشتیاق ہے اور

یہ حالت طلب کامل اور جذبہ صادق سے منافی ہے ۔ کما قیل ؎

زخود شو بیخبر گر وصل جاناں آرزو داری ۔ بود از خود بریدن اندریں رہ قطع منزلہا

اے گرانجاں خوار دیدستی مرا ۔ زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا

لغات گرانجاں کاہل ۔ پست ہمت خوار بیقدر ۔ ایسا ویسا ۔

ترجمہ اے پست ہمت تم نے مجھ کو ایسا ویسا سمجھ رکھا ہے ۔ (کہ تم نعمت رویت کے طالب ہو) اس لئے کہ تم نے مجھ کو نہایت ارزاں پا لیا ہے ۔

مطلب ارزاں پانے کا مطلب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت اور فضل و رافت بالکل مفت بندوں کے شامل حال ہے ۔ اسکے دریائے کرم سے دوست دشمن مومن و کافر سعید و شقی سب سیراب ہوتے ہیں ۔ سعدی رح ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست ۔ بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد ۔ گوہرے طفلے بقرص ناں دہد

ترجمہ جو شخص کسی چیز کو سستے داموں خریدتا ہے ۔ وہ سستی دے ڈالتا ہے (چنانچہ) ایک بچہ ایک (قیمتی) موتی روٹی کے عوض دیدیتا ہے ۔

مطلب جو چیز بلا مشقت حاصل ہوتی ہو ۔ اگرچہ کتنی ہی گرانمایہ و نایاب ہو ۔ اس کی چنداں قدر نہیں ہوتی ۔ اور ناداں آدمی اس کو نہایت ارزاں نرخ پر دے ڈالتا ہے ۔ جامی رح ؎

دہد گنج سعادت تا خردمند ۔ ستاند زر کشیدہ در ہمہ پیند

مندرجہ بالا معانی و مطالب کے لحاظ سے یہاں تک محبوب کا مقولہ ہے ۔ مگر مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آخری دو شعروں میں عاشق کی طرف سے معشوق کو خطاب ہے ۔ اور وہ گراں جاں کے معنی گرامی جان کرتے ہیں ۔ مطلب یوں ہے کہ اے محبوب گرامی جان تو نے مجھ کو خوار و ذلیل دیکھا ہے ۔ چنانچہ میں اپنی فطرت میں ذلیل بندہ ہوں ۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ تو نے مجھے ارزاں پایا ہے ۔ کیونکہ تیری قدرت کامل ہے ۔ اگر چاہے تو مجھ ایسے لاکھوں کروڑوں بندے پیدا کرلے ۔ اور اگرچہ میں تیری صورت پر ہونے کی وجہ سے مثل گوہر ہوں (خلق اللہ آدم علی صورتہٖ) مگر میری ارزانی کے سبب سے تو مجھے ذلیل سمجھتا ہے ۔ مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ کہ یہ معنی اقرب بذوق ہیں ۔

غرق عشقے شو کہ غرق ست اندریں ۔ عشقہائے اولین و آخریں

ترجمہ اس عشق میں غرق ہو جاؤ جس میں سب اولین و آخرین کے عشق غرق ہیں ۔

مطلب مولانا رح اپ سامعین کو ترغیب دیتے ہیں ۔ کہ تم بھی محبوب حقیقی کے عشق میں مستغرق ہو جاؤ ۔ جس میں تمام سلف و خلف کے عشق شامل ہیں ۔ یعنی وہ بھی اس دولت سے بہرہ ور ہیں ۔ جامی رح ؎

زاہد از سوز محبت لب خشک دصوفی دیدہ تر ۔ آہ ازیں آتش کہ چوں زد شعلہ خشک و تر بسوخت

مجملش گفتم نکردم من بیاں ۔ ورنہ ہم افہام سوزد ہم زباں

لغات مجمل مختصر ۔ افہام فہم کی جمع ۔

ترجمہ میں نے اس (مکالمہ محبوب) کا مختصر ذکر کیا ہے۔ ورنہ اگر تفصیل سے بیان کرتا تو (سامعین کے) فہم وادراک اور متکلم کی زبان جل جاتی۔ نعمت خان عالی غفر اسد لہ ؎

نعمت مباد چہ مے پرسی از حکایت من — دل تو طاقت ایں گفت گونے دارد

سعدیؒ ؎ حدیث عشق بطومار درنے گنجد — بیان شوق بگفتار درنے گنجد

من چو لب گویم لب دریا بود — من چو لا گویم مراد الّا بود

لغات لاؔ حرف نفی۔ یہاں اس سے مخلوقات مراد ہے۔ جو حادث اور قابل انعدام ہے الّاؔ حرف استثناء ہے جو نفی کے بعد اثبات کے لئے لاتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد قدیم ہے۔ جس کا وجود اصلی ہے۔

ترجمہ میں جب لب (کا لفظ) کہتا ہوں تو (مراد) لب دریا ہوتا ہے۔ میں جب (حرف) لا بولتا ہوں تو مراد (اس سے) الّا ہوتی ہے۔

مطلب اوپر کہا تھا کہ میں نے اسرار کے بیان کرنے میں اجمال واختصار کا پیرایہ اختیار کیا ہے۔ اب فرماتے ہیں کہ میں اس میں بھی اشارات وکنایات سے استعمال کرتا ہوں۔ اور حادث کی مثال میں قدیم کا راز بیان کرتا ہوں۔

جامیؒ ؎ پردہ ز تشبیہ و مجازش کنم — تحفۂ ہر مجلس رازش کنم

عراقیؒ ؎ میخواستم از اسرار اظہار کنم حرفے — ز اغیار بترسیدم گفتم سخن سربست

من ز شیرینی نشینم رو ترش — من ز بسیاری گفتارم خمش

ترجمہ میں شیرینی (معرفت) سے (شیریں کام ہونے کے باوجود) ترش رو (ہوکر) بیٹھ جاتا ہوں۔ میں اپنی کثرت مضامین سے خاموش (ہو رہتا) ہوں۔

مطلب اوپر اخفائے اسرار کا قولاً ایک طریقہ بیان کیا تھا۔ اب فرماتے ہیں کہ میں عملاً بھی اسرار کے اظہار سے مجتنب رہتا ہوں یعنی باوجود ہمہ دانی کے اس طرح خاموش ہو بیٹھتا ہوں۔ کہ کوئی سمجھے اس کو کچھ نہیں آتا۔ رو ترش کا کلمہ شیرینی کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے۔ اور ان دو لفظوں سے حقیقی معنی مقصود نہیں ہیں۔ بلکہ یہ دونوں استعارے ہیں۔ اسرار کی واقفیت اور عدم واقفیت یا خاموشی سے ورنہ رو ترش ہوکر بیٹھنا بزرگوں کی شان سے بعید ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ اکمل المؤمنین ایمانا احسنہم اخلاقًا مسلمانوں میں سے زیادہ کامل الایمان وہ ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں (مشکوٰۃ) صائبؒ ؎

تنگ خوئی را بخوش خوئی مبدل ساختن — چشم تنگ مور را ملک سلیمان کردن است

غنیؒ ؎ چوں قفل اگر گرفتگی گیری پیش — آخر ولت از تیغ جفا گردد ریش

وا اونہ جو صورت کلید ابرو را — پیوستہ کشادہ دار پیشانی خویش

تا کہ شیرینی ما از دو جہاں — در حجاب رو ترش باشد نہاں

ترکیب ۔ یہ شعر علت ہے اور شعر سابق کا مضمون رو ترش نشینم وخاموش باشم اس کا معلول ہے۔

ترجمہ تا کہ ہماری شیرینی (یعنی ذوق اسرار) دونوں جہان (والوں یعنی جن وانس) سے رو ترشی (یعنی

خاموشی) کے حجاب میں پوشیدہ رہے ؎
راز دل ما تا نگند فاش عراقی   اینک دہن از گفت یہ بستیم دگر بار

تاکہ در ہر گوش ناید ایں سخن   یک ہمے گویم زصد سرِّ لدُن

لغات ہر گوش آمدن سننا۔ کان تک بات کا پہنچنا۔ سرِّ لدن علم لدنی کی بات دیکھو اس شرح کا حصہ اول
ترکیب مصرعہ اولیٰ علت ہے دوسرے مصرعہ کے مضمون کی۔ اوپر کے معلول سے اس کو تعلق نہیں۔
ترجمہ تاکہ یہ (اسراری) بات ہر اکس و ناکس کے کان میں نہ پڑے۔ علم لدنی کے سینکڑوں بھیدوں میں سے ایک بھید بیان کرتا ہوں۔

تفسیرِ قولِ حکیم سنائی رُوّحَ اللہُ رُوحَہٗ

حکیم سنائی (اللہ ان کے روح کو راحت دے) کے اس قول کی شرح

ہر چہ از راہ وامانی چہ کفر آں حرف و چہ ایماں

جس (بات) کے سبب سے تم راہ (ہدایت) سے بھٹک جاؤ وہ کلمہ کفر ہوا تو کیا۔ اور ایمان ہوا تو کیا

ہر چہ از دوست دُور افتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا

جس امر کی وجہ سے تم دوست سے جدا ہو جاؤ۔ وہ نقش بدنما ہوا تو کیا۔ اور خوشنما ہوا تو کیا

وَفِیْ مَعْنٰی قَوْلِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنَّ سَعْدًا لَغَیُوْرٌ وَّ اَنَا اَغْیَرُ مِنْہُ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کا مطلب کہ بیشک سعد بڑا غیرتمند ہے۔ اور میں اُس سے زیادہ غیرتمند ہوں

وَاللہُ اَغْیَرُ مِنِّیْ وَمِنْ غَیْرَتِہٖ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ

اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرتمند ہے۔ اور اس کی غیرت کی وجہ ہے کہ اس نے تمام کھلی اور چھپی بدکاریوں کو حرام کر دیا۔
لغات حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ اکابر شعرا میں سے ہیں۔ نیز ان کا شمار مشہور اہل اللہ میں ہوتا ہے۔ وطن غزنین تھا۔ بہرام شاہ فرمانروائے غزنیں کی مدح میں بہت سے قصائد لکھے۔ پھر توفیق غیب رفیق حال ہوئی۔ تو اس پیشے سے توبہ کی۔ اور گوشہ نشیں ہو کر فقر و تجرید اختیار کی امراء و سلاطین مشتاق زیارت ہوتے تھے۔ مگر انہوں نے اہل دولت سے تعلقات رکھنا کلیتہً ترک کر دیا۔ ان کی تصانیف میں سے حدیقۃ الحقیقۃ تصوف کی شاندار کتاب ہے جو حدیقہ سنائی کے نام سے مشہور ہے اور مولانا نے اپنی مثنوی میں کئی جگہ اس سے اقتباس کیا ہے۔ حکیم سنائی علیہ الرحمۃ نے ۵۲۶ھ میں وفات پائی وامانذن چل نہ سکنا۔ ٹھہر جانا سعد۔ سے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر و جاں نثار صحابی قبیلہ بنی خزرج میں سے انصار کے ایک سردار تھے۔ بہت سے راویوں نے ان سے حدیث

حکیم سنائی
سعد ابن عبادہ

روایت کی ہیں مشہور غزوات ہیں داد شجاعت دی۔ آخر حضرت عمرؓ کے ایام خلافت ہیں ۲۰ھ ہجری ہیں وفات پائی۔
اغیر صیغہ اسم تفضیل ہے غیرت سے۔

مطلب سورہ نور کی آیت ہے۔ کہ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی اور جو لوگ منکوحہ عورتوں کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہ لاسکیں۔ تو ان کے اسّی کوڑے مارو۔ اور پھر کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو۔ اور وہی لوگ بدکار ہیں۔

اس آیت کے نزول پر سعد بن عبادہ رضؓ نے کچھ گفتگو کی تھی۔ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ عنوان کلمات فرمائے جس کا ذکر متعدد روایات ہیں ہے۔ عن المغیرۃ قال قال سعد بن عبادۃ لو رایت رجلا مع امراتی لضربتہ بالسیف غیر مصفح فبلغ ذلك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اتعجبون من غیرۃ سعد واللہ لانا اغیر منہ واللہ اغیر منی ومن اجل غیرۃ اللہ حرم اللہ الفواحش ما ظھر منھا وما بطن ولا احد احب الیہ العذر من اللہ ومن اجل ذلك بعث المنذرین والمبشرین ولا احد احب الیہ المدحۃ من اللہ ومن اجل ذلك وعد اللہ الجنۃ متفق علیہ یعنی مغیرہ رضؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ سعد بن عبادہؓ نے کہا اگر ہیں کسی آدمی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں۔ تو ہیں اس کے تلوار ماروں (جس کی ضرب) چوڑائی کے رخ سے نہیں (بلکہ دھار کے رخ سے پڑے۔ یعنی اس آیت کے حکم کے مطابق چار گواہ لانے کی تاب مجھ ہیں نہ رہیگی اور فوراً فیصلہ کر ڈالوں گا) یہ بات جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ تو آپ نے فرمایا کیا تم سعد کی غیرت سے تعجب کرتے ہو۔ واللہ ہیں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرتمند ہے۔ اور اللہ کی غیرت ہی اس کا سبب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کھلی چھپی سب بدکاریاں حرام کردیں۔ اور اللہ سے زیادہ کسی کو عذر مرغوب نہیں ہے۔ اسی لئے اس نے ڈرانے والے اور بشارت دینے والے (پیغمبر) بھیجے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے کسی کو مدح و ثنا مرغوب نہیں ہے۔ اور اسی لئے اُس نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ (مشکوٰۃ)

مولانا رحؒ اوپر کتمان اسرار اور اخفائے حقائق کا ذکر فرما رہے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اسرار حقیقت کا اخفا بتقاضائے غیرت ہوتا ہے۔ سعدی رحؒ سے

نہ ہر سخن کہ برآید بگوید اہل سخن ‏ ‏ ‏ بسِرّ شاہ سرِ خویشتن بباید باخت

درِ عراقی نیز خواہد گفت انا الحق آشنا ‏ ‏ ‏ بر سر دارش ز غیرت ناگہاں خواہیم کرد

۵ اس مناسبت سے اب عنوان بالا کے ماتحت غیرت کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ بیشک بندے غیور ہوتے ہیں مگر اللہ کی غیرت کہیں بڑھ کر ہے۔ بندوں کی غیرت اللہ کی غیرت کا محض ایک پرتو ہے۔ یہ مضمون حدیث مندرجہ بالا کا مفہوم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی غیرت یہاں تک ہے۔ کہ کوئی امر اگرچہ بظاہر مستحسن ہو۔ مگر جب اس کے بجالانے سے کسی دوسرے امر احسن واہم کا ترک لازم آئے۔ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ غیر مستحسن اور قبیح قرار پاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے۔ کہ ایک شخص جس کے ذمے حج فرض نہیں ہے۔ اور بندگانِ خدا کی تربیت نفس اور اصلاح اخلاق کی خدمت اس سے انجام پا رہی ہے۔ اگر وہ اس عظیم الشان کام کو چھوڑ کر سفر حج اختیار کرے۔ تو ہر چند کہ حج شعائر دین ہیں سے ہے مگر چونکہ اس سے ایک زیادہ بڑے مامور بہ کا ترک لازم آتا ہے۔ اس وجہ سے وہ حج بُعد عن الحق کا موجب اور

غیر مستحسن و قبیح ہے۔ یہ حکیم سنائی رح کے شعر مندرجہ عنوان کا مطلب تھا۔

جملہ عالم زاں غیور آمد کہ حق برد در غیرت بریں عالم سبق

ترجمہ تمام جہان اس لئے غیور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس جہان (کی غیرت) سے (مقدم و) سابق ہے۔

مطلب جب اللہ تعالیٰ کی غیرت سابق ہے تو جہان جو مظاہر اسماء کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس پر غیرت حق کا پرتو پڑتا یعنی اس کا غیور ہونا لازم ہے۔

او چو جان ست و جہاں چوں کالبد کالبد از جاں پذیرد نیک و بد

ترجمہ وہ (یعنی حق تعالیٰ) گویا جان ہے۔ اور جہاں بمثل جسم ہے۔ اور جسم جان ہی سے کمال و نقص قبول کرتا ہے۔

مطلب جس طرح جسم اور اعضائے جسم کے افعال روح کے قصد و ارادہ کے تابع ہیں۔ اسی طرح مخلوق کے سب اخلاق و افعال اس فیاض مطلق کی طرف سے مترشح ہوتے ہیں۔ نیک و بد سے تمام خیر و شر۔ طاعت و معصیت اور ایمان و کفر مراد ہے۔ جن کا موجد اور خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ پذیرد کا مطلب یہ ہے۔ کہ بندہ اپنے اختیار اور قصد سے خود سے خود ان افعال کو قبول کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان افعال کے کرنے پر مجبور نہیں کرتا خصوصاً صفات قبیحہ کو بندہ خود اختیار کرتا ہے۔ اب یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ کہ اس شعر کا مضمون فرقہ جبریہ کے عقیدے کے مطابق ہے۔ کہ تمام نیک و بد افعال اللہ تعالیٰ کے کرنے سے بندہ کرتا ہے۔ و ہو باطل البتہ بعض افعال حسنہ میں اتفاقاً اس کی ایجاد کا طریقہ یہ ہے۔ کہ وہ اپنی صفات کا فیض بندوں پر نازل فرماتا ہے۔ جیسے کہ مولانا کے قول جملہ عالم زاں غیور آمد الخ کے مطابق غیرت حق کا فیض بندوں پر نازل ہو کر ان کو غیور بناتا ہے اب آگے غیرت کی چند مثالیں بیان فرماتے ہیں۔ جو گویا حکیم سنائی رح کے قول مندرجہ بالا کی تفصیل ہیں

ہر کہ محراب نمازش گشت عین سوئے ایماں رفتنش میدان تو شین

لغات محراب نماز مراد قبلہ توجہ۔ عین بالکل وہی۔ ہو بہو۔ مراد ذات حق۔ میدان صیغہ امر دانستن سے شین عیب۔ امر قبیح۔

ترجمہ جس شخص کا قبلہ توجہ خاص ذات (حق) ہو۔ اس کا (استدلالی و تقلیدی) ایمان کی طرف جانا عیب سمجھو۔

مطلب غیرت کی پہلی مثال یہ ہے۔ کہ جس شخص کو مشاہدہ و معائنہ کا درجہ حاصل ہو جس سے التفات الی الذات المحضہ مراد ہے۔ اس کا بطریق استدلال معرفت حق کی کوشش کرنا بیہودہ کام ہے۔ کیونکہ استدلال کا رتبہ معائنہ سے نہایت کم ہے اور اعلیٰ چیز کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کرنا صاف تنزل ہے۔ لہٰذا غیرت کے خلاف ہے۔

ہر کہ شد مر شاہ را او جامہ دار ہست خسران بہر شاہش اتجار

لغات جامہ دار۔ بادشاہ کے لباس و پوشش کا مہتمم۔ توشہ خانہ کا منتظم اتجار تجارت۔ سوداگری

ترجمہ جو شخص خاص بادشاہ کے لباس و پوشش کا انتظام ہاتھ میں رکھتا ہو۔ اس کا بادشاہ کے لئے تجارت (پارچات) کرنا مضر ہے۔

مطلب یہ غیرت کی دوسری مثال ہے۔ بادشاہ کا جامہ دار ہونا دو طرح ممکن ہے۔ ایک تو یوں کہ کسی کو شاہی دربار میں یہانتک باریابی میسر ہو۔ کہ خود شاہانہ لباس تیار کر کے بادشاہ کے حضور میں پیش کر سکے۔ تو اس کا تاجرانہ نرخ پر اس کی قیمت کا خواہشمند ہونا بلحاظ مقتضائے خست ہونے کے غیرت کے خلاف بھی ہے۔ اور شاہی انعامات سے محروم رہنے کی وجہ سے موجب خسران بھی۔ بخلاف اس کے اگر وہ اس پوشاک کو بطور نذر پیش کش کرتا۔ تو اعزاز و اکرام کا مستحق بھی ہوتا۔ اور انعام سے بھی مالامال ہو جاتا۔ دوسری صورت یہ ہے۔ کہ وہ شاہی ملبوسات کے اہتمام و انصرام پر مامور و ملازم ہو۔ چونکہ ایسی حالت میں اس کے خود تجارت پارچات کرنے سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے مال میں سے گراں نرخ پر شاہی لباس تیار کرتا ہوگا۔ اس لئے اس کی یہ تجارت باتہام خیانت و خیانت خلاف غیرت بھی ہے۔ اور عتاب شاہی کے امکان سے موجب خسران بھی۔

**ہر کہ با سُلطاں شود اُو ہمنشیں		بر درش شستن بود حیف و غبیں**

لغات شَستن بفتح سین مخفف نشستن حیف ظلم۔ یہاں معنی متعارف افسوس مراد ہے۔ غَبین منیعف ہرا ہے۔ زیانکار

ترجمہ جو شخص بادشاہ کا ہمنشیں بن گیا۔ اس کو (پھر) دروازے پر (فقیروں کی طرح) بیٹھنا (موجب) افسوس اور نقصان رسیدن (ہوتا) ہے۔

مطلب یہ غیرت کی تیسری مثال ہے۔ جو شخص اہل رتبہ ہو کر اپنے آپ کو محض بزدلی و دون ہمتی کے باعث رتبے سے گرائے وہ بے غیرت ہے۔ نہ کہ متواضع ولنعم ماقیل ؎

پایۂ تمکیں زکف مگذار تا گردی عزیز		سنگ را سنجیدگی با زر برابر میکند

**دست بوسش چُوں رسید از پادشاہ		گر گزیند بوسِ پا باشد گناہ**

ترجمہ جب اسکو بادشاہ کا ہاتھ چومنے کا شرف حاصل ہو گیا۔ تو پھر اگر پابوسی اختیار کرے تو (اخلاقی) گناہ ہے

مطلب غیرت کی چوتھی مثال بادشاہ کا مقرب خاص اگر کم رتبہ لوگوں کی طرح اس کے پاؤں پڑنے لگے۔ تو وہ صرف اپنی ہی نہیں بلکہ منصب تقریب کی توہین بالذات اور بادشاہ کی توہین بالعرض کر رہا ہے۔ اس لئے آداب سلاطین کی شریعت میں یہ ایک گناہ ہے۔

**چُوں بیابی دست گرد پا مگرد		ہست سربازی نشانِ مرد مرد**

ترجمہ جب تم کو ہاتھ چومنا میسر ہو تو پاؤں کے پاس بھی نہ پھٹکو (ہاں راہ وفا میں) سر دے دینا کمال مردمی کا نشان ہے۔

الخلاف یہ شعر ہمارے نسخے میں نہ تھا۔

**گرچہ سر بر پا نہادن خدمت ست		پیشِ آں خدمت خطا و زلت ست**

ترجمہ اگرچہ (عوام کے لئے بادشاہ کے) پاؤں پر سر رکھدینا (بڑی) خدمت ہے۔ مگر (مقرب خاص کے

لیئے اس (کے تقرب) کے مقابلے میں (یہ خدمت) غلطی اور لغزش ہے۔

شاہ را غیرت بود بر ہر کہ او — بو گزیند بعد ازاں کہ دید رو

ترجمہ بادشاہ کو اس شخص پر غیرت آتی ہے جو بعد اس کے کہ (برافگندہ نقاب) چہرہ دیکھ چکا ہو۔ پھر خوشبو کو
مطلب غیرت کی مثالیں بیان کرنے کے بعد اب محل غیرت کا ذکر فرماتے ہیں یعنی بادشاہ حقیقی کو اس شخص پر غیرت آتی ہے جو کشف حقیقت کے بعد صرف اس کے ذکر و حکایت پر اکتفا کرتا ہے۔ یا یوں کہو۔ کہ وہ حال کو چھوڑ کر قال کو اختیار کرتا ہے۔ صائب رح ؎

در کاروان ماجرس قال و قیل نیست — در عالم مشاہدہ راہِ دلیل نیست

غیرتِ حق بر مثل گندم بود — کاہِ خرمن غیرتِ مردم بود

ترجمہ مثال کے طور پر (غیرت کو ایک خرمن فرض کر لو تو) خدا کی غیرت گویا گیہوں ہیں (اور) لوگوں کی غیرت کھلیان کا بھوسہ ہوتا ہے۔

اصل غیرتہا بدانید از الٰہ — آن خلقاں فرع حق بے اشتباہ

ترجمہ یاد رکھو تمام غیرتوں کی جڑ خدا سے ہے مخلوقات کی (غیرت) بیشک (اس غیرت) خدا کی شاخ (ہے)

شرح ایں بگذارم و گیرم گلہ — از جفائے آں نگارِ دہ دلہ

لغات نگار معشوق مراد محبوب حقیقی۔ دہ دلہ متلون مزاج۔
ترجمہ میں اس (مضمون غیرت) کی تفصیل کو چھوڑ کر اس محبوب (حقیقی) کی جفائے (استغنا) کی شکایت کرتا ہوں۔ جو صاحبِ تجلیات ہے۔
مطلب۔ یہاں سے پھر اشتیاق رویت اور شکوے سے پھر شروع ہوتا ہے۔ محبوب حقیقی کو دہ دلہ اس کی تجلیات کثیرہ اور شیون مختلفہ کے لحاظ سے کہا ہے۔ امیر خسرو رح ؎

گہ عشوہ گہ کرشمہ گہے خشم و گاہ ناز — مسکین کسیکہ شیفتہ و مبتلائے تست

نالم ایرا نالہا خوش آیدش — از دو عالم نالہ و غم بایدش

لغات ایرا بمعنی زیرا کہ۔ یا مخفف ایں را جس میں (یں) کا مشار الیہ شکوی ہے۔ یعنی بہ اسے این شکوی سے نالم۔
ترجمہ میں اس لئے روتا ہوں کہ اس کو رونا اچھا لگتا ہے۔ اس کو دو جہاں سے نالہ و غم بھاتا ہے۔
مطلب اللہ تعالیٰ کو گریہ و زاری پسند ہونے کے متعلق ایک حدیث یا ین کلمات پیچھے گزر چکی ہے۔ لیس شیء احب الی اللہ تعالیٰ من قطرتین الخ دیکھو بیان تقلیم سحران موسیٰ را کہ اول تو عصا بیندا ز۔ عراقی رح ؎

انان خوش ست ہمہ نالہ ام بگوش جہاں — کہ ہیچ ہم نزدم تا تو ام نمی نوازی

چوں ننالم تلخ از دستانِ او — چوں نیم در حلقۂ مستانِ او

لغات تلخ نالیدن نہایت درد سے رونا۔ دستان مکروفریب۔ مستان عشاق۔

ترجمہ میں اس کے ناز و کرشمہ سے کیوں کڑوے آنسو نہ بہاؤں۔ میں اس کے عاشقوں کے حلقوں میں کیوں (داخل) نہیں ہوں۔

مطلب دستاں بمعنی ناز و کرشمہ سے دیدار کے لئے ترسانا اور تجلی دکھا کر رویت سے محروم رکھنا مراد ہے۔ یہ کیفیت معشوقان مجازی میں ایک خاص ناز و ادا سمجھی جاتی ہے۔ جو ولولہ شوق کو برانگیختہ کرتی ہے۔ سعدی رح ؎

دیدار مے نمائی و پرہیز مے کنی — بازار خویش و آتش ما تیز میکنی

جامی رح ؎ سوے خود مے خوانیم چوں آمدم مے رانیم — مے ندانم چوں کنم درماندۂ خوے توام

نسیم انیل ؎ گفتش قتل من خستہ چساں خواہی کرد — گفت گاہے بتغافل بنگاہے گاہے

چوں نباشم ہمچو شب بے روزِ او — بے وصالِ روے روز افروزِ او

ترجمہ میں اس کے دن (کے سے روشن جلوے) کے بغیر (اور) اس کے دن کو روشنی بخشنے والے چہرے کو دیکھے بغیر کیوں نہ رات کی طرح (سیہ بخت) ہو جاؤں۔ جامی رح ؎

بعرصۂ چمن و صحنِ باغ نکشاید — دلے کہ غنچہ وش از ہجر گلرخے تنگ ست

ناخوشِ او خوش بود در جانِ من — جاں فدائے یارِ دل رنجانِ من

ترجمہ اس کی کج ادائیاں میری جان کو گوارا ہیں میرے دل کو ستانے والے یار پر جان قربان جائے۔

عراقی رح ؎ خواہ با من لطف کن خواہی جفا — من نخواہم آں کنی و ایں مکن

جامی رح ؎ خوش آں بیدل کہ دولت یار گردد — بگرد خاطرِ دلدار گردد

چو خواہد جاں، رواں بر لب آرد — ببوسد خاک او را جاں سپارد

چو جوید دل کند دل را زغم خوں — دہد در دم ز راہ دیدہ بیروں

عاشقم بر رنجِ خویش و دردِ خویش — بہرِ خوشنودیِ شاہِ فردِ خویش

ترجمہ میں اپنے آقاے واحد کی خوشی کے لئے اپنے رنج اور اپنے درد کو دل سے چاہتا ہوں۔

مطلب محبوبِ حقیقی اپنے عشاق کے درد سے اس لئے خوش ہے۔ کہ وہ اس کے عشق و محبت کے مقتضیات سے ہے۔ اور درد ہر چند عشاق کے لئے تکلیف دہ ہے۔ مگر چونکہ وہ رضاے محبوب کا باعث ہے۔ اور محبوب کا مرغوب بھی محبوب ہوتا ہے۔ اس لئے درد اُن کو محبوب ہے۔ جامی رح ؎

خوشم با محنتِ درد تو آرے — بود رنجِ محبت راحت آمیز

خاکِ غم را سرمہ سازم بہرِ چشم — تا ز گوہر پُر شود دو بحرِ چشم

ترجمہ میں غم کی مٹی کو آنکھوں کا سرمہ بناتا ہوں تاکہ دونوں آنکھوں کے دریا (اشک کے) موتیوں سے بھر جائیں۔ امیر خسرو رح ؎

بکاں دعائے غنت سے کشم کہ دیدہ زیاد | گرد فزائش ایں درد بے دوا سے من است
سعدیؒ ؎ غمے خور کو بشادی بہائے بے اندازہ انجام | چو بعقلاں وو دنیاں آں شادی کہ غم گرود

اشک کاں از بہر او بارند خلق **گوہرست و اشک پندارند خلق**

ترجمہ لوگ جو آنسو اس کے لئے برساتے ہیں۔ (فی الحقیقت) وہ موتی ہیں۔ اور لوگ (غلطی) سے اُن کو آنسو سمجھتے ہیں۔ حافظ رحؒ ؎

گر طمع داری ازاں جام مرصع مے لعل | در و یاقوت بنوک مژہ ات باید سفت
صائبؒ ؎ بحرو کاں در نظرش چشم تر ست و لب خشک | حُسن او را بچہ سرمایہ خریدار شویم

من ز جانِ جاں شکایت میکنم **من نیم شاکی روایت میکنم**

ترجمہ میں اگر چہ زبان سے جانجاں (یعنی محبوب حقیقی) کی شکایت کر رہا ہوں۔ (مگر دل سے) اس کا شاکی نہیں ہوں۔ (بلکہ اپنے عشق کا) حال سُنا رہا ہوں۔

مطلب میں جو رویت سے محروم رہنے پر محبوب حقیقی کی شکایت کر رہا ہوں۔ یہ فی الواقع شکایت نہیں ہے۔ حافظ رحؒ ؎ آشنایانِ رہ عشق گرم خوں بخورند | کافرم گر بشکایت بر بیگانہ روم
بلکہ یہ اپنی حکایت ہے۔ کیونکہ شکایت تو ناراضگی سے ہوا کرتی ہے۔ اور نعوذ باللہ اس محبوب سے ناراضگی کیسی؟ حافظ رحؒ ؎ زاں یار دلنوازم شکریست با شکایت | گر نکتہ دانِ عشقی خوش بشنو ایں حکایت

دل ہمیگوید از و رنجیدہ ام **وز نفاق سُست میخندیدہ ام**

ترکیب از و رنجیدہ ام مقولہ ہے دل کا۔ دوسرا مصرعہ مخاطب دل ہونے کی حیثیت سے خود مولانا کا قول ہے۔ بعض شارحین نے دوسرے مصرعہ کو بھی دل کا مقولہ قرار دیا ہے۔ جس کی غلطی آگے بتائی جائے گی۔

ترجمہ دل کہتا ہے کہ (درخواست رویت منظور نہ ہونے کی وجہ سے) میں اس (محبوب) سے رنجیدہ ہوں۔ (حالانکہ وہ اندر ہی اندر اس سے مسرور و راضی ہے) اور (اسی لئے اس کی اس اظہار رنج کی) مکر و بناوٹ پر مجھے ہنسی آتی ہے۔

مطلب میرا دل بظاہر محبوب سے اظہار رنج کر رہا ہے۔ اور اندر سے اسکے چاؤ اور محبت میں پھولا جا رہا ہے۔ اس کی بناوٹی رنجیدگی میرے نزدیک قابل مضحکہ ہے۔ اگر آخر شعر تک دل کا مقولہ قرار دیا جائے۔ جیسے کہ بعض شارحین نے سمجھا ہے۔ تو یہ سخت غلطی ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا کہ دل کہتا ہے۔ کہ میں محبوب حقیقی سے رنجیدہ ہوں۔ اور محض جھوٹے طریق سے براہ نفاق یوں ہی ہنس دیتا ہوں۔ اس سے ایک تو اپنے نفاق حقیقی کا اعتراف لازم آتا ہے۔ کہ کرنا کچھ اور دکھانا کچھ۔ جو معاذ اللہ حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ عمل میں لانا کفر ہے۔ بخلاف اس کے پہلے معنی کے لحاظ سے وہ نفاق نہیں ہے۔ بلکہ دل کی خوشی کو مستور رکھ کر محبوب کی رضا کے لئے اظہار شوق کے طور پر گریہ و زاری اور نالہ و فغاں کرے تو یہ عین طاعت ہے۔ دوسرے یہ معنی اوپر کے مضمون من نیم شاکی کے خلاف ہیں۔ وہاں اقرار کیا تھا۔ کہ مجھے شکایت نہیں۔ صرف اظہار حال مقصود ہے۔ مگر یہاں اس کے برعکس

ایک گہری شکایت کا اعتراف کیا ہے جو قلب پر متسلط ہے۔

راستی کن اے تو فخرِ راستاں ... اے تو صدر و من درت را آستاں

لغات راستی سچائی۔ صدق۔ راست روی یہاں سیدھا سادہ برتاؤ مراد ہے۔ جو بمقابلہ دستاں یعنی ناز و کرشمہ کے ہے۔ جس کا ذکر شعر "چوں نسالم تلخ از دستانِ او" میں ہے۔ فخرِ راستاں راست رو لوگوں کا فخر۔
ترجمہ اے فخرِ راستاں (میرے معاملے میں ناز و کرشمہ چھوڑ کر) سیدھا سادہ برتاؤ اختیار کر تو صدر ہے میں تیرے دروازے کی دہلیز ہوں۔
مطلب فخرِ راستاں سے اس آیت کی طرف تلمیح ہے۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا یعنی اللہ سے زیادہ راستگو کون ہو سکتا ہے۔ راستی کن سے یہ استدعا ہے۔ کہ ناز و کرشمہ سے عاشق و محب کو آزمانا مقصود ہوتا ہے۔ پس جب محو شوق ہو کر خاک آستانہ بن چکا ہوں۔ تو میرے لئے اس ابتلا و امتحان کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے سیدھا سادہ سلوک کرنا کافی ہے۔

آستان و صدر در معنی کجاست؟ ... ما و من کو آں طرف کو یار ماست؟

ترجمہ (یہ میری غلطی تھی) حقیقت میں آستان و صدر کہاں ہیں؟ جہاں ہمارا محبوب ہے۔ وہاں ما و من کا کیا کام؟
مطلب چونکہ اوپر کے شعر میں اپنے آپ کو خاک آستانہ کہا تھا۔ جو اپنی ہستی کے دعوے پر مشتمل ہے اور استقلالاً اپنی ہستی خلاف واقع ہے۔ اور التفاتاً ذوق فنا کے منافی ہے۔ لہٰذا اس سے اضراب کرتے ہیں کہ جہاں محبوب ہو۔ وہاں ہماری ہستی کا کیا ذکر ولنعم ما قال مولانا اسمٰعیل میرٹھی رح ؎

کیسی طلب؟ کہاں کی طلب؟ کس لئے طلب ... ہم ہیں تو وہ نہیں ہے جو وہ ہے تو ہم نہیں

اے رہیدہ جانِ تو از ما و من ... اے لطیفہ روح اندر مرد و زن

ترجمہ اے وہ ذات پاک جس کی حقیقت ما و من (کی قید) سے آزاد ہے۔ اے (وہ جو مثل لطیفہ) روح ہے۔ کہ سب مرد و زن میں ہوتا ہے۔
مطلب جس طرح اجسام کی مایہ حیات روح ہے۔ اسی طرح عالم کا قیام تیری ذات کے ساتھ ہے۔ کیونکہ تو قیوم عالم ہے۔ قائم بالذات تیرے سوا کوئی نہیں۔ نظامی رح ؎ پناہ بلندی و پستی توئی ... ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی
جامی رح ؎ تعالی اللہ زہے قیّوم و دانا ... توانائی دہِ ہر ناتواں را

مرد و زن چوں یک شوند آں یک توئی ... چونکہ یکہا محو شد آں نِک توئی

لغات نِک مخفف۔ اینک کا دیکھ۔
ترجمہ مرد و زن جب ایک ہو جائیں۔ تو وہ ایک تو ہی ہے۔ جب سارے واحد محو ہو جائیں۔ تو (ان کے محو ہونے کے بعد جو شے باقی رہیگی) دیکھ وہ تو ہی ہے۔ نظامی رح ؎

تفرقہ ایں ہمہ ہست بر نیستی تو ئی آنکہ بریک قرار ایستی

مطلب موجودات کثیرہ میں ایک تمایز عرضی ہوتا ہے جیسے کہ طفل و جوان اور مرد و زن اور زنگی و رومی میں اور ایک تمایز ذاتی ہوتا ہے جیسے انسان و بہائم اور شجر و حجر میں ۔ پس عرضی اختلاف اٹھ جانے سے ان اشیاء میں ذاتیات کا اشتراک باقی رہتا ہے اور اگر ذاتی اختلاف مرتفع ہو جائے تو موجودات کثیرہ بھی باقی نہیں رہتیں ۔ کیونکہ کثرت و اثنینیت کو تمایز لازم ہے اور تمایز عرضی و ذاتی میں منحصر ہے جب دونوں قسمیں مرتفع ہو گئیں ۔ تو تمایز بھی نہ رہا تو جب تمایز نہ رہا تو اثنینیت کا تحقق یعنی کثرت کا تحقق بھی نہ رہا ۔ پس مصرعہ اولی میں اختلاف عرضی کے مرتفع ہونے کا بیان ہے ۔ جس کو مرد و زن کے ایک ہو جانے سے تعبیر کیا ہے ۔ یعنی اختلاف عرضی کے ارتفاع سے نوع واحد رہ جائیگی ۔ اور مصرعہ ثانیہ میں اختلاف ذاتی کے ارتفاع کا ذکر ہے ۔ یعنی جب وہ سب انواع جن کو یکجا کہا ہے مرتفع ہو جائیں ۔ تو کثرت ہی مرتفع ہو جائے ۔ اور چونکہ ایک ممکن کے موجود رہنے سے اس کے لئے واجب سے تمایز ضروری ہے ۔ اور تمایز کو مرتفع تسلیم کیا ہے ۔ اس لئے لازم آیا ۔ کہ باقی صرف موجود حقیقی ہی رہجائے گا ۔ اور مصرعہ اولی میں آں یک توئی مجاز ہے ۔ جس میں وحدت اصطلاحیہ بمعنی اضمحلال وجود ممکن کو اتحاد سے تعبیر فرمایا ہے ۔ مطلب یہ کہ واقع میں یا التفات میں کثرت کا مرتفع ہونا بقائے وحدت کو مستلزم ہے (کذا فی کلید مثنوی)

این من و ما بہر آں بر ساختی تا تو با خود نرد خدمت باختی

ترجمہ یہ من و ما (یعنی مخلوق) تو نے اس لئے پیدا کی ہے ۔ کہ اپنے ساتھ آپ ہی خدمت کی نرد بازی کرے (یعنی خود ہی خادم خود ہی مخدوم ہو) ۔

مطلب خدمت سے مراد دنیا کے کاروبار و ارتفاقات ہیں چونکہ ممکنات کا استقلال وجود باطل ہے ۔ موجود حقیقی واحد اور وہ صرف وہی سبحانہ تعالی ہے ۔ اور اس نے موجودات عارضیہ کو محض اس لئے پیدا کیا ہے ۔ کہ ان سے اپنی حکمت کے مطابق کام لے ۔ اس لئے اس اتحاد اصطلاحی کی بنا پر واحد حقیقی کو مجازاً خادم و مخدوم کہدیا ہے ۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح عراقی رح ؎

ظاہر و باطن توئی و طالب و مطلوب تو وانگہ نامے ست اندر ہر زباں انداختہ

تا تو با ما و تو یک جوہر شوی عاقبت محض چناں دلبر شوی

ترجمہ یہانتک کہ جب تو ما و تو (موجودات منکثرہ) کے ساتھ ایک ذات ہو جائیگا ۔ تو آخر صرف تو وہی (اکیلے کا اکیلا) محبوب (جو پہلے تھا موجود) رہیگا ۔

تا من و تو ہا ہمہ یک جاں شوند عاقبت مستغرق جاناں شوند

لغات یک جاں یکذات ۔ متحد مستغرق ۔ غرق ۔ محو ۔ فنا ۔

ترجمہ یہاں تک کہ من و تو سب یک جان ہو جائیں گے (اور) انجام کار محبوب حقیقی کے انوار جلال میں فنا ہو جائینگے ۔

مطلب ۔ جس طرح ازل میں صرف تیری ذات واحد موجود تھی ۔ اور کوئی دوسری شے نہیں تھی اسی
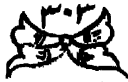
طرح ایک وقت آئیگا۔ کہ صرف تیری ہی ذات ہوگی اور کچھ نہ ہوگا۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔ یعنی جو چیز زمین پر ہے۔ سب فنا ہونیوالی ہے۔ اور تیرے عزت و بزرگی والے پروردگار کی ذات پاک باقی رہجائیگی (رحمٰن ع ۱) عمران ابن حصین کی روایت میں یہ کلمات ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهٗ یعنی پہلے خداوند تعالیٰ ہی تھا اور کوئی شئے اس سے پہلے نہ تھی (مشکوٰۃ) مستغرق جاناں ہونے سے یا تو یہ مراد ہے۔ کہ کوئی موجود سوائے ذات حق کے باقی نہ رہیگا جیسے کہ نفخ صور کے وقت ہوگا۔ یہاں فنا و محویت بمعنی اضمحلال وجود مراد ہے۔ کہ سالک مقام فنا پر فائز ہوکر غیر اللہ کو معدوم پاتا ہے۔ اور اس کی نظر میں تمام موجودات متحد ہوکر ذات حق میں فنا ہو جاتی ہے۔ عراقی رہ ؎

عجب تر آنکہ مے بینم جمال تو بہر جائے ہمہ ہستی توئی فی الجملہ ایں وآں نمیدانم

حضرت ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حدیث کان اللہ ولا شئ معہ اور ایک روایت میں ولا شئ غیرہ اور ایک روایت میں ولم یکن شئ قبلہ ثابت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ کچھ اور کلمات بھی روایت کئے جاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ وَهُوَ الْاٰنَ عَلٰى مَا عَلَيْهِ كَانَ یعنی وہ اب بھی ویسا ہے جیسے پہلے تھا۔ یہ حدیث نہیں۔ صوفیہ کا کلام ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ کلمات فرقہ وجودیہ کے مفتریات سے ہوں جو عینیت کا قائل ہے۔ اور مرتبہ شہود میں جو معیت منصوص ہے۔ اس کی مخالفت کرتا ہے۔ اگر ان کلمات کو صوفیہ کرام علیہم الرحمتہ کا قول اور اس کے معنی کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر اس کی تاویل یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کمال اور صفات جلال جو پہلے تھیں مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد ان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ یعنی ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان تمام چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں چھ دن میں بنادیا۔ اور ہم کو تھکان چھوئی تک نہیں (ق ع ۳)

یا ان کلمات کے یہ معنی ہونگے کہ ما سوی اللہ بمنزلہ سراب بے حقیقت و ہباءً منثورًا کے ہے۔ پس عارف کی نظر میں کسی موجود حادث کی بمقابلہ وجود قدیم کے کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ کیونکہ مخلوقات کا وجود ذاتًا اور صفۃً مستقل نہیں ہے۔ اسی لئے کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔ سِوَى اللّٰهِ وَاللّٰهِ مَا فِي الْوُجُوْدِ اور کہا گیا ہے۔ وَلَيْسَ فِي الدَّارِ غَيْرُهٗ دَيَّارٌ۔ یعنی بخدا خدا کے سوا کوئی موجود نہیں۔ اور گھر میں گھر کے مالک کے سوا اور کوئی نہیں اور یہ حالت مقام جمع میں ہے۔ جس کی طرف یہ قول باری تعالیٰ اشارہ کرتا ہے۔ کہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں بھی اسی کی طرف ایما ہے۔ کہ اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الْعَرَبُ قول لبید الا کل شیء ما خلا اللہ باطل یعنی عرب کے اشعار میں سب سے زیادہ سچا شعر یہ ہے۔ کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔ لیکن جو شخص جمع الجمع کے مقام پر داخل ہوگیا۔ اس کو کثرت وحدت سے یا وحدت کثرت سے محجوب نہیں کر سکتی۔ جس کی طرف یہ قول باری تعالیٰ اشارہ کرتا ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (موضوعات کبیر)

ایں ہمہ ہست وبیائے اَمرِ کُن اے منزہ از بیان واز سخن

لغات امرِ کن اگر با ضافت ہو۔ تو اس سے مراد تکلم الٰہی ہے۔ جو باعثِ خلق ہے۔ اور اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون (دیکھو حصہ ہذا کا صفحہ ۱۸۰ و ۱۹۱) اگر امرِ کن بلا اضافت ہو۔ تو کن بمعنی کنندہ کلمہ فارسی ہے۔ اور امر کن سے مراد حاکم و آمر ہے۔ ان دونوں احتمالوں کی بنا پر شارحین نے اس شعر کے معنی بیان کرنے میں اختلاف کیا ہے۔

ترجمہ (۱) یہ تمام (اسرار وحدت ثابت) ہیں۔ اے (حق تعالیٰ کے) امرِ کن جو (کلام نفسی کی قبیل سے ہے اور اس لئے) بیان و سخن سے منزہ ہے۔ تو وقوعِ پاکرانِ اسرار کو درجہ مشاہدہ میں لاعے)

(۲) یہ سب (اشارات تو) درست ہیں (مگر) اے حاکم (حقیقی تو پرافگندہ نقاب جلوہ دکھا) اور چلا آ (تاکہ اشارات کی ضرورت نہ رہے) تو بیان و سخن سے پاک ہے (اس لئے طالب رویت صرف بیان صفات سے تسلی نہیں پاتا)

مطلب ترجمے کی دونوں تقدیروں پر مطلب ظاہر ہے پہلے معنی بلحاظ الفاظ اور ملحوق ہیں۔ اور دوسرے معنی باعتبار قرینہ و سیاق و سباق انسب معلوم ہوتے ہیں۔

چشم جسمانہ تواند دیدنت؟ ٭ درخیال آرد غم و خندیدنت!

ترجمہ (نہیں نہیں ایسی درخواست کرنا میری غلطی تھی) بھلا جسمانی آنکھ تجھ کو دیکھ سکتی ہے؟ (اور) غم و خندہ (کا پابند) تجھ کو خیال میں لا سکتا ہے؟

مطلب پہلے غلبہ حال میں شدت شوق کی وجہ سے رویت کی درخواست کی تھی اب افاقہ پاکر مقتضیات احکام کا احساس ہوا۔ تو اس درخواست کے بے سود ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ عراقی رہ ؎

ہم دیدۂ او باید تا حسن رخش بیند ٭ کانجا کہ جمالِ اوست ابصار نمے گنجد

دل کہ او بستہ غم و خندیدن ست ٭ تو بگو کے لائقِ ایں دیدن ست

ترجمہ جو دل غم اور ہنسی (کے خیالات) کا مقید ہے تمہیں بتاؤ کہ وہ اس دیدار الٰہی کے لائق کہاں ہے؟

مطلب غم و خندہ سے مراد کیفیات طبعیہ ہیں۔ یعنی کیفیات طبعیہ کا مقید رویت الٰہی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً اس جہان میں البتہ عقبیٰ میں متحمل رویت ہو سکے گا۔ حافظ رہ ؎

دیدۂ روے ترا دیدۂ جان سے باید ٭ ویں کجا مرتبۂ چشم جہاں بین من ست

آنکہ او بستہ غم و خندہ بود ٭ او بدیں دو عاریت زندہ بود

ترکیب اگرچہ عاریت کا دو اسم عدد کے لئے معدود ہونا بھی صحیح ہے۔ کما یتبادر مگر اولیٰ یہ ہے۔ کہ عاریت حال ہو زندہ کے لئے اور دو بمعنی ہر دو ہو۔

ترجمہ جو کوئی غم و خندہ (وغیرہ کیفیات طبعیہ) کا مقید ہو۔ وہ ان ہر دو (قسم کی کیفیات طبعیہ جسمانیہ کے بقا) تک چند روزہ زندگی پاتا ہے۔

مطلب - یہ کیفیات حیات دنیویہ فانیہ کے لوازم سے ہیں۔ اور حیات فانی میں جمال باقی کا مشاہدہ ناممکن ہے۔ ؎

از دیدنِ رویت دل آئینہ فرو ریخت　　　ہر شیشہ دلے طاقتِ دیدار ندارد

باغِ سبزِ عشق کو بے منتہاست　　جز غم و شادی درو بس میوہاست

ترجمہ عشق کا ہرا بھرا باغ جس کی انتہا نہیں۔ اس میں غم و شادی سے جداگانہ بے شمار میوے ہیں۔

مطلب اوپر ثابت کیا تھا۔ کہ دنیا میں دیدارِ الٰہی ناممکن ہے۔ اب فرماتے ہیں۔ کہ آخرت کے باغ بہشت میں جہاں کیفیاتِ طبعیہ کا کوئی کام نہیں ہے۔ بلکہ وہاں بجائے ان کے دوسرے کمالات حاصل ہونگے۔ جن کی بدولت تحمل دیدار کی طاقت پیدا ہو جائیگی۔ پس وہاں محبانِ حق کو دولتِ دیدار میسر ہو گی۔ اور یہ لذت و سرور تمام نعمتوں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ فیرفع الحجاب فینظرون الی وجہ اللہ فما اعطوا شیئاً احب الیہم من النظر الی ربہم یعنی پھر حجاب اٹھا دیا جائیگا۔ تو مومن لوگ اللہ کا جلوہ دیکھینگے۔ پس ان کو جس قدر نعمتیں دی جائینگی۔ ان میں سے ان کو اپنے پروردگار کے دیدار سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ مرغوب نہیں ہوگی (مشکوٰۃ)

بہشت کو باغِ عشق کہنا تسمیۃ المسبب باسم السبب کی قبیل سے ہے۔ کیونکہ عشقِ الٰہی اور محبتِ حق بہشت میں داخل ہونے کا سبب ہوگی۔ وقیل ؎

گر صاحبِ عشق دوزخی خواہد بود　　　فردا بینی بہشت ہمچو کفِ دست

عاشقی زیں ہر دو حالت برترست　　بے بہار و بے خزاں سبز و ترست

ترجمہ (کیونکہ) عاشقی ان دونوں حالتوں سے اعلیٰ ہے۔ وہ بہار و خزاں کے تعلق کے بغیر ہی سبز و شاداب ہے

مطلب عاشقی کا باغ یا بہشت جو عاشقانِ الٰہی کا مسکن ہوگا۔ سدا بہار ہے۔ جس میں خزاں و بہار کا تعاقب و تناوب ممکن نہیں۔ حافظ رح ؎

از دمِ صبحِ ازل تا آخرِ شامِ ابد　　　دوستی و مہر بریک عہد و یک میثاق بود

دہ زکوٰۃِ روئے خود اے خوبرو　　شرحِ جانِ شرحہ شرحہ باز گو

ترجمہ اے (محبوب) خوبرو اپنے (پیارے) مکھڑے کی زکوٰۃ (کے طور پر جلوہ دکھا) دے۔ اور میری پارہ پارہ جان کے متعلق مفصل طور سے بیان کر (کہ کب اپنی مراد کو پہنچیگی)

مطلب اب پھر دریائے شوق متلاطم ہوتا ہے۔ اور غلبہ حال میں محبوبِ حقیقی کے دیدار کی ولولہ خیز خواہشات ظاہر فرماتے ہیں۔ کما قیل ؎　بر چہرہ تو نقاب تا کے　　　بر چشمۂ نور سحاب تا کے

عراقی　در پردہ چند باشی بردار برقع از رخ　　　تا روئے تو بہ بینید یکدم امیدوارے

کز کرشمہ غمزۂ غمازۂ　　بر دلم بنہاد داغِ تازۂ

لغات غمزہ معشوق کا آنکھ سے اشارہ کرنا۔ غمازہ سخن چین۔ چونکہ غمزہ معشوق کے حالتِ قلب کا پتہ دیتا اس لئے اس کو غماز یا غمازہ یعنی اس کے دل کی کیفیت کو ظاہر کرنیوالا کہتے ہیں۔ ترکیب آغاز شعر کا کاف یا تو بیانیہ ہے۔ جس کا مبین شعر سابق میں خوبرو ہے۔ یا تعلیلیہ ہے۔ اس لحاظ سے ترجمہ کا فرق ملاحظہ ہو:۔

ترجمہ (۱) (اے وہ محبوب) جس نے اپنے اشارہ چشم کے کرشمے سے جو دل کا حال ظاہر کر دیتا ہے۔ میرے دل پر تازہ داغ لگا دیا

(۲) (میں محبوب سے دیدار کی خواہش اس لئے کرتا ہوں) کہ اس نے اپنے غمزے کے کرشمے سے الخ　　**مطلب** حالت محویت میں جو کوئی تجلی ہوئی۔ تو اس سے آتش اشتیاق اور مشتعل ہوگئی۔ وہ تجلی کرشمہ ہے۔ اور زیادتِ شوق تازہ داغ ہے۔ عراقی رح ؎

تا سیر نیارد دید نظارگیے رویش　　　　بگماشتہ از غمزہ بر گوشہ نگہبانے

من حلالش کردم از خونم بریخت　　　　من ہمے گفتم حلال او میگریخت

ترجمہ اگر وہ (محبوب) میرا خون بھی کر دے۔ تو میں اسے اس کی اجازت دیتا ہوں۔ مگر میں تو اجازت دے اجازت ہے۔ پکارتا رہ گیا (اور) وہ چل دیا۔

مطلب اس کے دیدار کی تمنا ہے۔ اگرچہ اس کی تجلی کو برداشت کرنے کی تاب نہ ہو۔ اور جان جاتی رہے۔ کچھ پروا نہیں

امیر خسرو ؎ ایکہ بے خاک درت در دیدۂ من نور نیست　　　　گر بتیغ جاں بیرود ترک تو ام مقدور نیست

عراقی ؎ چو با تو شاد بنشیند زہست و نیست برخیزی　　　　چو از رخ پردہ برگیرد بپیشش شاد ما ریزی

چوں گریزانی ز نالہ خاکیاں　　　　غم چہ ریزی بر دلِ غمناکیاں

ترجمہ (اے دلدارِ حقیقی) تو خاکساروں کی زاری سے گریز کیوں کرتا ہے۔ جو پہلے ہی غمناک ہیں۔ ان کے دل پر (حرمانِ دیدار کا) غم (مزید) کیوں ڈالتا ہے۔ حافظ رح ؎

اے خسرو خوباں نظرے سوے گدا کن　　　　رحمے بمن سوختہ بے سر و پا کن

ایکہ ہر صبحیکہ از مشرق بتافت　　　　ہمچو چشمہ مشرقت در جوش یافت

چہ بہانہ میدہی شیدات را　　　　اے بہانہ شکر لبہات را

لغات چشمہ مشرق مراد آفتاب۔ بہانہ مصرعہ ثانیہ میں نون نافیہ ہے۔ ترکیب پہلا شعر اور دوسرے شعر کا مصرع دوم ندا اور دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ جواب ندا ہے۔ در جوش یافت کی ضمیر فاعلی صبح کی طرف عائد ہے۔

صنائع بہانہ بمعنی حیلہ و حجت اور بہانہ بمعنی بہا نیست میں تجنیس تام مرکب۔

ترجمہ اے وہ کہ تجھے مشرق سے طلوع کرنیوالی ہر صبح نے (بھی) آفتاب کی طرح تاباں و درخشاں پایا اے وہ کہ جس کے لبوں کی شیرینی بے بہا ہے۔ تو اپنے عاشق کو ٹالتا کیوں ہے؟

اے جہانِ کہنہ را تو جانِ نو　　　　از تنِ بیجان و دل افغاں شنو

صنائع کہنہ و نو میں طباق ہے۔ جہان و جان میں تجنیس ناقص۔ تن۔ جان۔ دل۔ متناسبات ہیں۔

ترجمہ اے وہ کہ پرانے جہان کے لئے بمنزلہ نئی روح کے ہے۔ اس بیجان و دل جسم کی فریاد سن لے

مطلب جہاں کو کہنہ بلحاظ بوسیدہ و فرسودہ ہونے کے کہا ہے۔ کیونکہ وہ متغیر ہوتا رہتا ہے۔ جو اس کے حدوث کی دلیل ہے۔ کہنہ کے ایک معنی قدیم کے ہیں۔ وہ یہاں مراد نہیں۔ محبوب حقیقی کو جان تو اس لحاظ سے کہا ہے۔ کہ وہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ ہے۔ اور جہان کے لئے اس کا بمنزلہ جان ہونا اس اعتبار سے ہے۔ کہ وہ قیوم عالم ہے۔

شرحِ گُل بگذار از بہرِ خُدا　　شرحِ بُلبُل گو کہ شُد از گُل جُدا

ترجمہ (اے دل) پھول کا حال تو رہنے دے۔ خدا کے لئے بلبل کا حال بیان کر۔ جو پھول سے جدا ہو گیا ہے۔

مطلب التماس طویل کے بعد جب رویت محبوب سے مایوسی ہوئی۔ تو اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔ کہ محبوب کے دیدار کے لئے اظہار شوق اور تکرار تمنا کا سلسلہ تو موقوف کرو۔ اب ذرا عاشق کی حالت کا نقشہ کھینچ کر دکھاؤ۔ صائب رحمہ ؎

ماجرائے من و معشوق مرا پایاں نیست　　ہر چہ آغاز ندارد نپذیرد انجام

از غم و شادی نباشد جوشِ ما　　با خیال و وہم نبود ہوشِ ما

ترجمہ (چنانچہ ہم عاشق لوگوں کا حال یہ ہے کہ) غم و خوشی (کی تاثیر) سے ہمارا جوش نہیں ہے۔ ہمارا ہوش خیال و وہم (وغیرہ احساسات) کے ساتھ (وابستہ) نہیں ہے۔

مطلب ہوش سے علم اور جوش سے حال مراد ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ ہمارے علم و حال کو عوام کے علم و حال پر قیاس نہ کرو۔ کیونکہ عوام کے اسباب علم تو صرف ذہن و ذکا اور منقولات ہوتے ہیں۔ ہمارا علم جو ذات و صفات سے متعلق ہے اس کا سبب ایک اور قوت باطنہ ہے۔ جس کو عقل عالی یا قوت قدسیہ کہتے ہیں۔ اسی طرح عوام کی کیفیات قلبیہ کے اسباب زمانہ کے واقعات غم و شادی ہیں۔ اور ہماری کیفیات و حالات کے اسباب واردات غیبیہ ہیں۔ جو نسبت باطنی اور معیت حق کی بدولت قلب پر نازل ہوتے ہیں (کلید مثنوی)

حالتِ دیگر بود کاں نادِرست　　تو مشو مُنکر کہ حق بس قادِرست

ترکیب آں جوش و ہوش مبتدا مقدر ہے۔ حالت دیگر الخ اس کی خبر ہے۔

ترجمہ (وہ ہمارا جوش و ہوش) ایک اور ہی حالت ہے۔ جو (کسی کو شاذ و) نادر (ہی میسر ہوتی) ہے تم اس کے منکر نہ ہو۔ کیونکہ خداوند تعالی بڑا قادر ہے۔

مطلب بزرگوں کے حالات و واردات کا منکر وہی ہوتا ہے۔ جو خود اس دولت سے بہرہ یاب نہ ہو۔ بقول اَلنَّاسُ اَعْدَاءٌ لِمَا جَهِلُوْا۔ اس لئے فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ وہ حالت نادر الوجود ہے۔ اس لئے بعید نہیں کہ ایک کو حاصل ہو۔ اور دوسرے کو نہ ہو۔ کیونکہ خداوند تعالی ایسا کرنے پر قادر ہے۔ اسلام کے فرقہ ظاہریہ خصوصًا ہمارے ملک کے غیر مقلدین کا مقامات طریقت سے منکر ہونا اور بزرگان دین کے حق میں بدگمانی سے کام لینا اسی قسم کی جہالت پر مبنی ہے۔ کما قیل ؎

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد　　ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں۔

[illegible]

تو قیاس از حالتِ انسان مکن　　　منزل اندر جور و در احسان مکن

ترجمہ تم (عاشق حق کی حالت کو) انسان (یعنی شاہد مجازی کے عاشق) کی حالت پر قیاس نہ کرو۔ (اور) ظلم واحسان پر (جو انسانی بغض ومحبت کے اسباب ہیں قیاس کئے ہوئے) نہ بیٹھے رہو۔

مطلب عشق مجازی صرف شاہدانِ مجاز کے زلف ورخسار کے دیکھنے اور ان کے بوس وکنار وغیرہ امور جسمیہ سے متعلق ہوتا ہے۔ اور اس عشق کی لذت والم ان کے قہر وغضب پر موقوف ہے۔ بخلاف اس کے عشق حقیقی اور اس کے تاثرات کی بنا محض ذوق ووجدان پر ہے۔ لہٰذا اس کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اس کو اس سے کیا نسبت۔ جامی رحمہ

چہ باشد بر حقیقت [illegible]　　　[illegible]

جور و احسان رنج و شادی حادث است　　　حادثان میرند و حق شان وارث است

ترجمہ (محبوب مجازی کا) ظلم واحسان اور (عاشق مجازی کا) رنج وراحت (سب) حادث (یعنی غیر قدیم) ہیں۔ حادث اشیا فنا ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا وارث ہے۔

مطلب یہ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ عشق حقیقی کو عشق مجازی پر قیاس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ عشق حقیقی قدیم ہے۔ اس لئے وہ ظلم واحسان وغیرہ اسباب حادثہ سے متعلق نہیں ہو سکتا۔ بخلاف عشق مجازی یعنی عشق انسان کے۔ کہ انسان خود بھی حادث ہے اور اس کی محبت بھی حادث ہے۔ اور وہ اشیا حادثہ سے متعلق بھی ہے (مکاشفات) دوسرے مصرعہ میں اس آیت کی طرف تلمیح ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں۔ اور ہم ہی وارث ہیں۔ مطلب یہ کہ تمام مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ ہی موجود ہو گا۔

صبح شد اے صبح را پشت و پناہ　　　عذر مخدومی حسام الدین بخواہ

ترجمہ اے (عشق) جو (ظہور تجلیات کی) صبح کی پشت پناہ ہے۔ مشاہدہ انوار میں سحر ہو گئی۔ (اور مثنوی کے لکھنے کا کام بند رہا۔ اس تاخیر کار کے لئے) میرے مخدوم حسام الدین سے عذر خواہی کرو۔

مطلب حضرت حسام الدین مولانا رح کے مرید خاص اور مثنوی شریف کی تصنیف کے محرک اول اور اس کے لکھنے پر متعین تھے۔ مگر مولانا رح غایت محبت اور کمال الفت کی وجہ سے ان کا ذکر ایسے موثر الفاظ سے کیا کرتے ہیں جس سے ایک ناواقف کو شبہ ہوتا ہے۔ کہ وہ مولانا سے برتر درجہ رکھتے ہونگے (دیکھو دیباچہ میں ذکر حضرت حسام الدین چلپی) شاید مشاہدہ انوار میں استغراق وبیخودی کی وجہ سے مثنوی شریف کے لکھنے میں تاخیر واقع ہوئی ہوگی۔ تو ضروری ہوگا۔ کہ حضرت حسام الدین سے اس تاخیر کے متعلق عذر خواہی کی جائے۔ مگر ان کی تعظیم کے لحاظ سے مولانا یہ فرض حضرت عشق کے سپرد فرماتے ہیں۔ پہلے لفظ صبح سے معنی متعارف یعنی سحر وپگاہ مراد ہیں۔ دوسرے لفظ صبح سے ظہور تجلیات اور رفع ظلمت شبہات مقصود ہے۔ جس کی تصریح آگے تیسرے شعر میں آئیگی۔ اور عشق کو اس کی پشت وپناہ اس اعتبار سے کہا ہے۔ کہ اس کی بدولت تجلیات کا ظہور اور شبہات کا ازالہ

ہوتا ہے۔ یہ توجیہ صاحب مکاشفات کی تصریحات سے اخذ کی گئی ہے۔ بعض شارحین نے "اے صبح را پشت و پناہ" میں حق سبحانہ سے خطاب قرار دیا ہے۔ مگر اس میں ان کو یہ مشکل پیش آئی۔ کہ پھر حضرت حسام الدین سے عذر خواہی کرنے کے کیا معنی ہیں۔ کیا معاذ اللہ حق تعالیٰ حسام الدین سے عذر خواہی کرے تو یہ توبہ! لہٰذا انھوں نے دوسرے مصرعہ کا ترجمہ یوں کیا ہے "مخدومی حسام الدین کا عذر قبول فرما لیجئے" اس توجیہ میں تین نقص ہیں۔ ایک تو یہ کہ تحریر مثنوی میں تاخیر تو ہوئی مولانا سے۔ اور عذر کریں حسام الدین۔ اس کے کیا معنی؟ دوسرے عذر اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ جس کی طرف سے تقاضا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ تحریر مثنوی کا تقاضا حضرت حسام الدین کی طرف سے تھا (دیکھو دیباچہ) نہ کہ حق سبحانہ کی طرف سے۔ پھر اس سے عذر کرنے کی کیا وجہ؟ تیسرے عذر خواستن کے معنی عذر خواہی کرنا یا عذر پیش کرنا۔ متعارف ہیں۔ مگر اس توجیہ کے لحاظ سے اس کے معنی عذر پذیرفتن یا عذر قبول فرمانا تسلیم کرنے پڑتے ہیں۔ جو محاورہ و لغت کے خلاف ہیں۔

عُذر خواہِ عقلِ کل و جاں توئی ۔۔۔ جانِ جان و تابشِ مرجاں توئی

ترجمہ (کیونکہ اس) عقل کل اور جان سے عذر خواہی کرنے والا تو ہی ہے۔ (اس) جان کی جان اور (اس) مرجان کی چمک تو ہی ہے۔

مطلب عشق سے خطاب چلا آرہا ہے۔ عقل کل اور جان اور مرجان سے مراد حسام الدین ہیں۔ یعنی اے عشق تو ہی ان کی روح و رواں ہے۔ اور ان کی ساری باطنی نورانیت تیری ہی بدولت ہے۔ تجھی کو زیبا ہے۔ کہ ان سے عذر خواہی کرے۔

تافت نورِ صبح ما از نورِ تو ۔۔۔ در صبوحی با مئے منصورِ تو

لغات صبح: ظہور تجلیات اور کشف اسرار کے لئے استعارہ ہے۔ جس کے لئے اضافت کی تخصیص قرینہ ہے۔ صبوحی: صبح کی مے نوشی۔ منصور: جسکو مدد و نصرت حاصل ہو۔

ترجمہ (اے عشق) تیری صبح کی شراب پیتے پیتے جس کو (روحانی نشہ و سرور کی) مدد حاصل ہے تیرے نور سے ہماری (ظہور تجلیات کی) صبح روشن ہو گئی۔

مطلب یہ شعر تفسیر ہے اوپر کے تیسرے شعر کے اس لفظ کی کہ "اے صبح را پشت و پناہ" وہاں عشق کو صبح تجلیات کی پشت پناہ کہا تھا۔ یہاں اس کا ظہور تجلیات کے لئے خاص محرک ہونا بطور واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

دادۂ حق چوں چنیں دارد مرا ۔۔۔ بادہ کہ بود تا طرب آرد مرا

ترجمہ جب (یہ) خدا داد (نشہ) مجھے ایسا (مست و مسرور) رکھتا ہے۔ تو (انگور و کشمش) کی شراب کی کیا حقیقت ہے۔ جو مجھے سرور بخشے۔

مطلب اوپر صبوحی یعنی صبح کی مے نوشی کا ایراد مستی عشق کے لئے بطور استعارہ ہوا تھا۔ اب بطور رفع اشتباہ یا بطریق تحدیث نعمت ظاہری شراب کی تحقیر اور مستی عشق کی تعریف فرماتے ہیں۔ جو صبوحی سے مراد

نفحی ۔ نظامی رح سے

مرا ساقی از وعدۂ ایزدی ست | صبوح از خرابی مے از بیخودی ست
مئے کو چو آب زلال آمده است | بہر چار مذہب حلال آمده است
مئے کاصل مذہب بداشد تمام | نه آں مئے که آمد بمذہب حرام

بادہ در جوشش گدای جوش ماست | چرخ در گردش گدای ہوش ماست

لغات ۔ گدا دریوزہ گر۔ محتاج ۔ جوشش مستی ۔ ہوش سے وجد و حال ۔ اور لذت روحانی کا احساس مراد ہے

ترجمہ (ظاہری) شراب نشے میں ہمارے نشہ روحانی کے آگے مانند ہے۔ آسمان گردش کرنے میں ہمارے وجد و حال کے آگے ہیچ ہے ۔

مطلب ۔ کسی چیز کا سائل و گدا ہونا اس چیز سے تہی دست ہونا ظاہر کرتا ہے ۔ لہذا یہاں گدا سے ناقص و نہیدست مراد ہے ۔ یعنی شراب کا نشہ اور فلک کی گردش فانی چیزیں ہیں ۔ اس لئے ہمارے نشے اور وجد کے آگے ناقص و ناچیز ہیں ۔ جو باقی و ابدی ہے ۔ حافظ رح سے

ہر کہ چوں من در ازل یکجرعہ زد جام دوست | سر زمستی برنگیرد تا بہ صبح روز حشر

بادہ از ما مست شد نے ما ازو | عالم از ما ہست شد نے ما ازو

لغات عالم سے مراد کائنات دنیا اور یہاں سببیت کے لئے آیا ہے ۔

ترجمہ شراب (ظاہری) ہم سے مست ہے ۔ نہ کہ ہم اس سے مست ہیں اور (کائنات (ماورائے انسان) ہماری وجہ سے پیدا کی گئی ہے ۔ نہ کہ ہم اس کی وجہ سے (پیدا ہوئے ہیں)

مطلب ۔ اوپر اپنے عشق کو نشہ شراب سے برتر فرمایا تھا ۔ اب اس تقریب سے کہتے ہیں ۔ کہ ایک شراب کیا ۔ بلکہ ہم تمام کائنات سے افضل ہیں ۔ شراب کا مسکر و نشہ آور ہونا انسان کا محتاج ہے ۔ ورنہ گدھے کتے اونٹ بیل اس کی کیا قدر کرتے ۔ اور مجرد جوہر پر اس کا کیا اثر ہوتا ۔ بخلاف اس کے انسان شراب کا محتاج نہیں ہے ۔ اسیطرح انسان کے سوا باقی تمام مخلوقات انسان کے فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہے ۔ نہ کہ انسان کو اس کے فائدے کے لئے بنایا گیا ہے ۔ سعدی رح سے

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند | تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ما چو زنبوریم و قالب ہا چو موم | خانہ خانہ کردہ قالب را چو موم

لغات زنبور شہد کی مکھی ۔ قالبہا ۔ اجسام ۔ مرادات ۔ قالب بفتح لام ہے ۔

ترجمہ ہماری مثال شہد کی مکھی کی سی ہے ۔ اور اجسام بمنزلہ موم کے ہیں (ہماری روح) جسم پر اپنا تصرف اس طرح کرتی ہے ۔ گویا اس) کو موم کی طرح خانہ خانہ بنا رکھا ہے ۔

مطلب یا تو قالبہا سے ماورائے انسان دیگر حیوانات و نباتات و جمادات مراد ہیں ۔ اور خانہ خانہ کردن سے یہ مقصود ہے ۔ کہ انسان ان اشیاء پر اپنے انتفاع کے لئے پورا تصرف رکھتا ہے ۔ اور یہ شعر سابقہ مضمون کی تائید ہے

یا یہ مطلب ہے۔ کہ اوپر انسان کی فضیلت ماورائے انسان پر ثابت فرمائی تھی۔ اب خود انسان کے اندر اس کی رُوح کو جسم پر تفضیل دیتے ہیں۔ یعنی رُوح بمنزلہ شہد کی مکھی کے ہے۔ اور اس کا جسم بمنزلہ موم کے ہے۔ جو اس کے تابع اور زیر تصرّف ہے۔ حتی کہ جسم کا ایک ایک رونگٹا اور ایک ایک مسام تک روح کی تسخیر و تسلط میں ہے۔

سوال ایک ہندو کہہ سکتا ہے۔ کہ مثنوی کے اس شعر سے تناسخ کا ثبوت مل سکتا ہے۔ یعنی ہماری ارواح کی مثال شہد کی مکھی کی سی ہے۔ اور اجسام بمنزلہ خانہائے موم کے ہیں۔ جس طرح ایک مکھی ایک خانہ سے نکلتی اور دوسرے میں داخل ہوتی ہے۔ اسیطرح رُوح ایک جسم کو چھوڑتی اور دوسرے میں حلول کرتی رہتی ہے۔ اس کا کیا جواب ؟

جواب اول تو شعر کا تمثیلی مضمون ہی تناسخ پر صادق نہیں آتا۔ تناسخ میں ایک روح کے لئے بہت سے جداگانہ اجسام درکار ہیں۔ بخلاف اس کے یہاں مہال کا صرف ایک چھتہ ہے۔ جس پر بہت سی مکھیاں متسلط ہیں۔ اگرچہ چھتے میں بہت سے خانے ہیں۔ مگر وہ ایک دوسرے سے اس طرح منفک و متمیز نہیں ہیں۔ جیسے مختلف اجسام ہونے چاہئیں۔ لہذا اس مثال سے تناسخ مراد نہیں ہو سکتا۔ دوسرے شعر کے الفاظ بھی مفروضہ توجیہہ کی تائید نہیں کرتے۔ تناسخ چاہتا ہے۔ کہ ایک رُوح کا تصرف بہت سے قالبوں پر ہو۔ مگر یہاں مصرعہ ثانیہ میں صرف ایک قالب ہے۔ جس کا صرف یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ ایک روح نے ایک ہی قالب کو خانہ خانہ بنا رکھا ہے۔ یعنی اس کے مسام مسام پر اپنا قبضہ جما رکھا ہے۔ تیسرے یہ توجیہہ بمنزلہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کے ہے۔ یعنی کسی قول سے ایسے معنی اخذ کرنا جو خود صاحب قول کے نزدیک ناقابل تسلیم ہوں۔ اگر بفرض محال اس شعر کے معنی توڑ مروڑ کر تناسخ کے ڈھانچے پر ٹھیک سے بھی آئیں۔ تو تاوقتیکہ دوسرے قرائن بینہ سے یہ ثابت نہ ہو جائے۔ کہ مولانا رح (معاذاللہ) اس عقیدہ باطلہ کے قائل تھے تو ایسی توجیہ سے صرف ایک فضول دل لگی کے سوا اور کیا فائدہ ہے۔

ایسی توجیہات سخیفہ اور تاویلات رکیکہ کی وہی مثال ہے۔ جیسے کوئی عجیب الدماغ پنجابی استاد اپنے شاگرد کو بوستان پڑھاتا تھا۔ جب یہ شعر آیا۔ کہ :-

"سکندر بدیوارِ روئین و سنگ بکرد از جہاں راہِ یاجوج تنگ"[1]

تو اس نے روئین کے نون کو سنگ سے وصل کرکے اس کا ترجمہ یوں کیا۔ کہ "سکندر اوپر دیوار کے روتا تھا نسنگ" نسنگ بمعنی بے تحاشا پنجابی لفظ ہے۔ یا جیسے ایک استاد نے جب یہ شعر اپنے شاگرد کو پڑھایا کہ:-

"یکے آہنیں پنجہ در اردبیل ہمے بگذرانید بیلک ز بیل"[2]

تو اس کا ترجمہ یوں کیا ایک آہنیں پنجے والا اردبیل میں چھوٹے بیل کو بڑے بیل میں سے گزار دیتا تھا۔

مثنوی کے مذکورہ بالا شعر سے تو تناسخ کی توجیہ ایک نہایت خام و مستبعد احتمال پر ہوتی ہے۔ اگر بالفرض کسی عبارت سے کوئی ایسا مطلب بلا تکلف و تجشم بھی نکلتا ہو۔ جو مولانا رح کے مسلمہ عوام و مقبول خواص مسلک و مذہب کے خلاف ہو۔ تو اس عبارت کو حقیقی معنی پر محمول کرنے کی بجائے اس کی تاویل کرنی اقرب الی الصواب بلکہ واجب ہوگی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ قائل نے اپنے کلام میں مجاز یا استعارہ یا رمز و کنایہ سے کام لیا ہو۔ اور ان الفاظ کے ظاہری معنی اس کی مراد نہ ہوں۔ یا اتفاقاً اس کا کلام ایسے انداز پر واقع ہو گیا ہو۔ جس سے ایک معنی غیر مراد مترشح ہو سکتے ہوں۔ جو ہر کتاب کی ہر عبارت میں ممکن ہے۔ لیکن یہ بات عادۃً محال ہے۔ کہ کوئی مقبول انام اور محترم خلائق بزرگ اپنی تصنیف

---

[1] سکندر نے کانسی اور پتھر کی دیوار بنا کر یاجوج ماجوج کا راستہ دنیا سے بند کر دیا۔ [2] ایک شہزور جو اردبیل کے علاقہ میں تھا۔ جب تیر چلاتا تو لوہے کے پھاوڑے سے پار نکال دیتا۔

میں کسی ایسی بات کا قائل ہو جائے۔ جو صریحاً اس کے مذہب و مشرب کے خلاف اور اس کے اصول دین کو درہم برہم کر دینے والی ہو۔ اس کی ایک مثال یہ ہے۔ کہ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب بوستان کے قصہ سومنات میں ایک شعر لکھا ہے۔

عبادت بتقلید گمراہی است خنک رہروے را کہ آگاہی ست

اور تقلید کے کلمے سے عموماً اصطلاحی تقلید یعنی مسائل دین میں صرف ایک امام مجتہد مطلق کا اتباع کرنا مفہوم ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی غیر مقلد اپنے مذہب کی تائید میں اس شعر کو پیش کر کے کہے کہ دیکھو شیخ سعدی رحہ بھی تقلید امام کو موجب ضلالت قرار دیتے ہیں۔ تو کیا اس کا یہ قول قابل تسلیم ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ اگرچہ خود سومنات کا قصہ ایک زبردست قرینہ[۱] اس بات کا ہے۔ کہ یہاں تقلید امام کا ذکر نہیں۔ بلکہ بت پرستی کی بھیڑ چال مراد ہے۔ جس میں بت پرست کفار عقل سلیم اور فطرت مستقیم کے خلاف مبتلا ہیں۔ مگر سب سے زیادہ اہم یہ امر ہے۔ کہ ہم کو شیخ سعدی کے مذہب و مسلک کو دیکھنا چاہیئے۔ جب ان کا مقلد و صوفی ہونا صاف ظاہر و ثابت و مبرہن ہے۔ تو پھر اس شعر کو تقلید امام کی مخالفت پر محمول کرنا کمال نادانی ہوگی۔

غرض جب ایک شہرہ آفاق مصنف کا قول اس کے صریح مذہب کے خلاف واقع ہو۔ تو اس کے متعلق دو ہی احتمال ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ اس کے کلام کا مطلب کچھ اور ہے۔ یا یہ کہ اس نے عمداً اپنے مذہب کے خلاف روش اختیار کی ہے۔ تو ایسی صورت میں پہلا احتمال اقرب الی الصواب ہوتا ہے۔ اور دوسرا نہایت بعید۔

بعض شیعی مناظرین اور ہندو مصنفین کو ہم جانتے ہیں۔ جو اپنے اپنے مذہب کی تائید میں مثنوی کے بعض اشعار سے استشہاد کیا کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کو اتنی عقل نہیں۔ کہ جب حضرت مولانا روم قدس سرہ کا حقیقی معنی میں ملت اسلام کا ایک فرد فرید اور مذہباً سنی اور مقلد و حنفی اور مشرباً عارف و صوفی ہونا کالشمس فی النہار ثابت ہے۔ اور ان کا تا آخر اس مسلک پر قائم و مستقیم رہنا کافہ خلق کے نزدیک مشہور و متعارف ہے۔ تو پھر کسی ہندو، یہودی، عیسائی، رافضی و خارجی، وہابی، ظاہری، قادیانی، چکڑالوی وغیرہ کا یہ دعویٰ کرنا کہ مولانا اپنے فلاں شعر میں ہمارے مذہب کی تائید کرتے ہیں۔ ایک طرح کی دل لگی یا سخن نافہمی کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہی جواب مثنوی شریف کے ان تمام اشعار کے متعلق کافی ہے۔ جن پر اس قسم کے سوالات عائد ہو سکتے ہیں۔ فتبصر و استقم۔

بس درازست ایں حدیث اے خواجہ گو تا چہ شد احوالِ آں مردِ نکو

ترجمہ: حضرت! یہ بحث تو بڑی طویل ہے (اب یہ) بیان کرو۔ کہ اس مرد نیک (یعنی سوداگر) کا کیا حال ہوا

رجوع بحکایت خواجہ تاجر

خواجہ تاجر کی حکایت کی طرف رجوع

[۱] ایک قرینہ اس حکایت کا یہ ہے۔ کہ جب شیخ سعدی رحہ نے بتخانہ کا راز معلوم کرنے کی غرض سے برہمنی بھیس بدلا۔ تو اپنے اس سوانگ اور بناوٹ اور نقل و محاکات کو تقلید کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ؎

بتقلید کافر شدم روز چند برہمن شدم در مقالات ژند

جس سے ظاہر ہے۔ کہ تقلید کا لفظ اس حکایت میں کن معنوں میں استعمال ہو رہا ہے۔

خواجہ اندر آتش و دُرد و حنین　　صد پراگندہ ہمیگفت ایں چنیں

لغات حنین حا کے فتحہ اور نون کے کسرہ سے گریہ وزاری پراگندہ پریشاں باتیں صفت ہے جس کا موصوف مقدر ہے
ترجمہ (وہ) سوداگر اس طرح (غم کی) آگ اور درد و نالہ میں سینکڑوں بے سروپا باتیں کہہ رہا تھا۔

گہ تناقض گاہ ناز و گہ نیاز　　گاہ سودائے حقیقت گہ مجاز

لغات - سودا - جنون - دیوانگی - عشق - **ترجمہ** (اسکی پراگندہ گوئی کا یہ عالم تھا کہ) کبھی متناقض باتیں (کرتا تھا) کبھی ناز (دکھاتا تھا) کبھی نیاز (سے سر جھکاتا تھا) کبھی سچ مچ کی دیوانگی (ظاہر کرتا تھا) کبھی بہ تکلف -
مطلب اگر سودا سے عشق مراد ہو۔ تو دوسرے مصرعہ کا ترجمہ یوں ہوگا - کہ کبھی عشق حقیقی (سے مناسب باتیں کرتا تھا) کبھی عشق مجازی (کی باتیں)

مرد غرقہ گشتہ جانے میکند　　دست را در ہر گیاہے میزند

ترجمہ (خواجہ کا حال یہ تھا۔ گویا) ڈوبتا آدمی جان توڑتا ہے (اور بچنے کے لئے) ہر گھانس پر ہاتھ مارتا ہے۔
مطلب یہ شعر اس عربی مقولہ کا ترجمہ ہے کہ الغریق یتشبث بالحشیش جیسے کہ اردو میں کہتے ہیں کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا

تا کدامیں دست گیرد در خطر　　دست و پائے میزند از بیم سر

لغات کدامیں کوئی شخص بیم سر جان کا خوف - چونکہ انسان کا قتل عموماً قطع سر کے ساتھ متعارف ہے۔ اس لئے مطلق خوف جان کو بیم سر کہدیا جیسے کہ جدید عربی زبان میں خودکشی کے لئے لفظ انتحار بولا جاتا ہے۔ حالانکہ اس کے لغوی معنی اپنے بالائے سینہ میں کوئی حربہ مارنے کے ہیں - مگر چونکہ اکثر خودکشی کرنے والے چھری - خنجر - چاقو - استرہ وغیرہ سے اسی طرح اپنا کام تمام کرتے ہیں۔ اس لئے ہر خودکشی کرنے والے کا فعل انتحار سے تعبیر کیا جاتا ہے - خواہ وہ زہر کھا کر مرے یا پستول کے فیر سے یا ڈوب کر۔ **ترکیب** تا کدامیں الخ علت مقدم اور دست و پائے الخ معلول مؤخر ہے۔
ترجمہ وہ جان کے خوف سے ہاتھ پاؤں مارتا ہے تاکہ کوئی (راہ گیر) اس خطرے میں اس کی دستگیری کرے -

دوست دارد دوست ایں آشفتگی　　کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

ترجمہ (اگرچہ اس) مہربان (حقیقی کے حکم پر ثمرہ کوشش موقوف ہے تاہم وہ) اس قسم کی متردّدانہ) پریشانی کو پسند کرتا ہے - (کیونکہ) خوابِ (غفلت) سے سعی بے ثمر ہی بھلی -
مطلب اس میں انتقال ہے آشفتگی ظاہری سے آشفتگی باطنی کی طرف جو مطلوب حقیقی کی طلب میں ہو فرماتے ہیں کہ اگر سعی سے کوئی ثمرہ و فائدہ حاصل نہ ہو۔ تو کم از کم جفاکشی - ہمت و عزم صبر و استقلال وغیرہ روحانی طاقتوں کو ترقی اور جسمانی سعی میں ورزش جسم تو ہوتی ہے - یہ فوائد تو ثمرات عاجلہ ہیں - اور اگر خدا کو منظور ہوا۔ تو شاید اصل مقصود بھی کبھی آجلاً میسر ہو جائے - سعدیؒ

طلبگار باید صبور و حمول　　کہ نشنیدہ ام کیمیاگر ملول
چہ زرہا بخاکِ سیہ در کند　　کہ باشد کہ روزے مسے زر کند

آنکہ او شاہ ست او بیکار نیست　　نالہ از وے طرفہ کو بیمار نیست

ترجمہ (دیکھو) وہ (ذات پاک) جو شہنشاہ (حقیقی) ہے۔ وہ (بھی) بیکار نہیں۔ اس شخص کی زاری بڑی عجیب بات ہے جو بیمار نہیں ہے۔

مطلب بادشاہ جو تمام حاجات وضروریات سے مستغنی اور مختار کل ہوتا ہے۔ وہ بڑی حد تک اپنے خدم وحشم کے سر پرستی ومحنت سے فارغ ہوتا ہے۔ پھر وہ شہنشاہ حقیقی تو سب سے زیادہ مستغنی ہے۔ مگر عمل وشغل کی فضیلت دیکھو کہ وہ بھی اپنے مختص افعال خلق ورزق احیاء وامانت وغیرہ دھندوں میں لگا ہی رہتا ہے۔ دوسرا مصرعہ اس مضمون کی تمثیل میں ہے یعنی جو شخص محنت کا محتاج نہیں اور اس پر مجبور نہیں۔ پھر اس کا مصروف محنت رہنا محل تعجب ہے۔

بہر ایں فرمود رحمٰن اے پسر　　کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ اے پسر

صنائع رحمٰن اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔ مگر اس میں سورۂ رحمٰن کی طرف بھی اشارہ ہے جس میں یہ آیت ہے۔

ترجمہ بیٹا! اسی لئے (اس) مہربان حقیقی نے (سورہ رحمٰن میں) آیہ کل یوم الخ فرمائی ہے۔ یعنی وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں ہے۔

مطلب یوم سے عام ظرف زمان بمعنی وقت وحین مراد ہے۔ یعنی وہ ہر وقت مختلف امور کا احداث اور احوال کی تجدید کرتا رہتا ہے۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو کسی نے عرض کیا۔ شان سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی شان یہ ہے کہ کسی گناہ کو معاف کرتا ہے۔ کسی مشکل کو دور کر دیتا ہے۔ کسی قوم کو عروج بخشتا ہے کسی کو تنزل میں گراتا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ یہ آیت یہود کی تردید میں نازل ہوئی ہے۔ جو کہتے تھے۔ کہ یوم السبت (ہفتہ کے روز) اللہ تعالیٰ کوئی کام نہیں کرتا۔ عبداللہ ابن طاہر نے حسین ابن فضل کو بلا کر پوچھا۔ تین آیات کے مطلب میں مجھے شبہ ہے (جن میں سے ایک یہ آیت تھی کہ) کل یوم ھو فی شان حالانکہ ان القلم جف بما ھو کائن الی یوم القیٰمۃ بھی صحیح ہے یعنی قیامت تک جو کچھ ہونا ہے۔ وہ لکھا جا چکا ہے۔ پھر ہر روز نئی سے نئی شان یا نئے سے نئے کام کے کیا معنی ہونگے حسین ابن فضل نے کہا فانہا شؤن یبدیہا لا شؤن یبتدیہا یعنی وہ کام ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ظہور میں لاتا ہے۔ نہ یہ کہ ان کو از سر نو بناتا ہے (مدارک التنزیل)

اندریں رہ مے تراش و مے خراش　　تا دم آخر دمے فارغ مباش

لغات مے تراش ومے خراش امر کے صیغے ہیں۔ تراشیدن وخراشیدن سے مراد سعی وکوشش۔ محنت ومشقت۔ کانٹ چھانٹ۔ ہاتھ پاؤں ہلانا۔

ترجمہ (پس تم بھی) اس راہ طریقت میں کانٹ چھانٹ کرتے رہو۔ آخری دم تک دم بھر کیلئے بھی بیکار نہ رہو۔ قطعہ

درنہ بہ طریقت خامی نشان کفرست　　که در طریق رنداں چالاکی ست و چستی

تا دم آخر دمے آخر بود　　کہ عنایت با تو صاحب سر بود

لغات آخر خاء کے کسرہ سے پہلا آخر بمعنی پچھلا مراد وقت موت دوسرا آخر بمعنی لامحالہ۔ یقیناً۔ بہرکیف۔
ترکیب "تا" حرف جار دم آخر کو جر دیتا ہے۔ اور دم آخر کی غایت کے لئے ہے تعلیلیہ نہیں کما یتبادر دمے مبین۔ دوسرا مصرعہ بیان جس میں درو مقدر ہے۔
ترجمہ (امید ہے کہ) آخری دم تک کوئی نہ کوئی ساعت ایسی ضرور (میسر) ہوگی کہ (جس میں) عنایت (خداوندی) تمہاری ہمراز (اور رفیق حال) بن جائے گی۔ صائب رہ ہ

عرق سعی محال ست کہ گوہر نشود ۔۔۔ میرسد ذرہ بخورشید بلند آخر کار

ہرکہ میکوشید گر مرد و زن ست ۔۔۔ گوش و چشم شاہ جاں بر روزن ست

ترجمہ مرد ہو یا عورت (غرض) کوئی ہو۔ جو کوئی کوشش کرتا ہے۔ (اس) مالک جان کے کان اور آنکھیں (اس کے) جھروکے پر لگی ہیں (کبھی نہ کبھی وہ محنت کا صلہ ضرور دیتا ہے)
مطلب یہ مضمون اس آیت سے مقتبس ہے۔ کہ لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی یعنی تم میں سے کسی مرد یا عورت کے عمل کو میں ضائع نہیں کرتا۔ غرض سعی و کوشش رائگاں نہیں جاتی۔ کما قیل

ہر چیز کہ دل بداں گراید ۔۔۔ گر جہد کنی بدست آید
ہ چوں باد صبحگاہی منشیں زپاے صائب ۔۔۔ باشد کہ برگ سبزے زیں بوستاں بیابی

ایں سخن پایاں ندارد اے عمو ۔۔۔ قصۂ طوطی و خواجہ باز گو

ترجمہ میاں! اس بات کا کہیں خاتمہ نہیں۔ تم طوطی و تاجر کا قصہ بیان کرو۔
اختلاف یہ شعر ہمارے نسخے میں درج نہیں۔

بیروں انداختن مرد تاجر طوطی را از قفس و پریدن آں

تاجر کا طوطے کو مردہ سمجھ کر پنجرے سے باہر پھینکنا۔ اور اس کا پھر سے اُڑ جانا۔

بعد از انش از قفس بیروں فگند ۔۔۔ طوطیک پرید تا شاخ بلند

ترجمہ اس کے بعد تاجر نے اس کو پنجرے سے نکال پھینکا۔ غریب طوطا (پنجرے سے نجات پاتے ہی) اڑ کر ایک اونچی ٹہنی پر جا بیٹھا۔

طوطی مردہ چناں پرواز کرد ۔۔۔ کافتاب از شرق ترکی تاز کرد

لغات ترکی تاز اصل میں ترکتاز ہے۔ ترکوں کی طرح لوٹ مار کرنا۔ چونکہ ترکان قدیم اور موجودہ زمانے کے بعض غیر متمدن ترک قبائل اس وصف میں شہرۂ آفاق ہیں۔ اس لئے سخت لوٹ مار کو ترکتاز کہتے ہیں۔ ترک کو یائے نسبت کے اضافہ سے ترکی بھی کہ سکتے ہیں۔ نیز بتقاضائے وزن شعر ترک سے ترکی کہدیا۔
ترجمہ وہ مردہ نما طوطا اس طرح (پھرتی سے) اڑا جیسے آفتاب مشرق سے لاکھوں میل کی دوڑ دھوپ کر جاتا ہے۔

خواجہ حیراں گشت اندر کارِ مرغ — بیخبر ناگہ بدید اسرارِ مرغ

ترجمہ تاجر پرندے کی اس حرکت سے ہکا بکا رہ گیا (جب) اس نے اچانک بیخبری میں پرندے کے اسرار (مکر و فریب) معلوم کئے۔

روئے بالا کرد و گفت اے عندلیب — از بیانِ حالِ خودمان دہ نصیب

ترجمہ (شاخ درخت کی طرف) منہ اوپر اٹھا کر کہنے لگا۔ اے بلبل (یک سے خوشنما پرندے) ہم کو اپنے حال کے اظہار سے بہرہ یاب کر۔

او چہ کرد آنجا کہ تو آموختی — چشمِ ما از مکرِ خود بر دوختی

ترجمہ (کہ) اس (طوطے) نے وہاں (ہندوستان میں) کیا کارروائی کی تھی۔ جو تو نے بھی اس سے سیکھ لی۔ اور ہماری آنکھ مکر کے ساتھ بند کر دی۔

ساختی مکرے و مارا سوختی — سوختی مارا و خود افروختی

ترجمہ تونے یہ فریب کرکے ہم کو (اپنے فراق میں) تباہ کر دیا۔ ہم کو جلا دیا۔ اور اپنے آپ کو (نجات کی مسرت سے) درخشاں و روشن کر لیا۔

گفت طوطی کو بفعلم پند داد — کہ رہا کن نطق و آواز و گشاد

لغات بفعل پند دادن عملی تعلیم دینا۔ نمونہ دکھا کر تعلیم دینا۔ رہا کردن چھوڑنا ترک کرنا۔ نطق گویائی۔ تکلم۔ گشاد بضم کاف فارسی و تازی دونوں طرح درست ہے۔ فتح۔ خوشی۔

ترجمہ طوطا بولا کہ اس (طوطے) نے فعلاً مجھ کو نصیحت کی کہ اگر تو نجات چاہتا ہے تو بولنا چالنا اور مسرت و نشاط (ظاہر کرنا) چھوڑ دے۔

زانکہ آوازت ترا در بند کرد — خویش را مردہ پئے ایں پند کرد

ترجمہ کیونکہ تیری آواز ہی نے تجھ کو پنجرے میں ڈالا ہے (غرض) اس (طوطے) نے اسی نصیحت کے لئے اپنے آپ کو مردہ بنا لیا تھا۔

مطلب آغاز قصہ میں طوطے کی زبان سے یہ پیغام درج ہو چکا ہے کہ ع وا زشما چارہ رہ وارشاد خواست۔ یعنی اے آزاد طوطیو وہ بیچارہ محبوس قفس طوطا تم سے تدبیر نجات پوچھتا ہے اور ہم نے وہاں لکھا تھا کہ ناظرین اس مصرعہ کو ذہن نشین رکھیں۔ اب وہ طوطا تاجر کو بتاتا ہے۔ اس ہندی طوطے نے میری درخواست منظور کی اور عملاً مجھے وہ طریقہ بتا دیا جس سے میں نجات پا سکتا ہوں۔ تماشا یہ ہے کہ طوطی محبوس نے ایک پیغام دیا۔ طوطی بادیہ نے اس کے پیغام کو سمجھا اور عملاً جواب دیا۔ تاجر نے دونوں کے پیغام دونوں کو پہنچائے۔ مگر خود ان کا مطلب نہ سمجھا۔ جانور۔۔

نے سینکڑوں میل کی مسافت سے باہم گفت و شنید کی مگر اس گفت و شنید کا ذریعہ بننے والے انسان نے اسکو نہ سمجھا۔ دونوں نے ایک خفیہ تدبیر تاجر کے خلاف کی اور طرفہ یہ کہ خود تاجر کو اس میں اپنا آلہ کار بنایا۔ اور وہ سادگی سے اپنے مقصد کے خلاف خود ان کا ذریعہ مراد بن گیا۔

مُردہ شو چوں من کہ تا یابی خلاص　　یعنی اے مُطرب شدہ با عام و خاص

ترجمہ یعنی اے خاص و عام کو (اپنی خوش کلامی سے) خوش کرنے والے میری طرح مردہ بن جا تاکہ تو نجات پائے۔

دانہ باشی مُرغکانت بر چینند　　غنچہ باشی کودکانت بر کنند

ترجمہ اگر تو دانہ بن جائے۔ تو تجھ کو چھوٹے موٹے پرندے چگ لینگے۔ اور اگر غنچہ بن جائے۔ تو بچے توڑ لینگے

مطلب۔ یہاں سے مولانا رح کا مقولہ شروع ہوتا ہے۔ جس سے شہرت کی آفت اور گمنامی کی منفعت کا اظہار مقصود ہے۔ دانہ و غنچہ بننے سے مقبول عام اور مشہور انام ہونا مراد ہے۔ جس کا نتیجہ تضییع اوقات اور مختلف طرح کی نزول مشکلات کے سوا اور کچھ نہیں۔ عمر خیام غفر لہ ؎

خرم دل آنکسے کہ معروف نشد　　در جبّہ و دراعہ و در صوف نشد
سیمرغ صفت بعرش پرواز کرد　　در کنج خرابۂ جہاں بُوف نشد

دانہ پنہاں کُن بکُلّی دام شو　　غنچہ پنہاں کن گیاہ بام شو

ترجمہ اپنے دانے کو چھپا کر سر بسر جال بن جا غنچے کو پوشیدہ رکھ کر محل کا سبزہ ہو جا۔

مطلب اگر تم جال کی طرح کسی منزلت زیریں پر رہو یا سبزہ بام کی طرح کسی رتبہ عالی پر فائز ہو۔ بہرحال اپنے آپ کو جال کی طرح خاک نشین اور سبزہ بام کی طرح بے حقیقت ظاہر کرو۔ اپنی صفات محمودہ کے اظہار کی کوشش نہ کرو۔ تاکہ حسد یا قوائد سے محفوظ اور تمام آفات سے محفوظ رہو۔ صائب رح ؎

خط پاکی ست گمنامی ز کلفت گوشہ گیراں را　　سیاہی در نگین نامداراں خانہ مے سازد

وہکذا قیل ؎ شہرت و نام آوری سرمایۂ آرام نیست　　جز خراش دل نگین را حاصلے از نام نیست

ہر کہ داد او حُسن خود را بر مزاد　　صد قضائے بد سوئے او رُو نہاد

لغات مزاد زیادتی۔ قضا۔ آفت۔ مصیبت۔ رو نہادن متوجہ ہونا۔

ترجمہ جس شخص نے اپنی خوبی کو زیادتی پر (مشہور) کیا۔ سینکڑوں آفتیں اس پر ٹوٹ پڑیں۔ صائب رح ؎

ہر کہ از روزِ سیاہ نامداراں غافل ست　　مے پذیرد چوں عقیق از سادہ لوحی نام را

چشمہا و خشمہا و رشکہا　　بر سرش بارد چو آب از مشکہا

ترجمہ (نکتہ چین) آنکھیں اور (دشمنوں کے) غصے اور (حاسدوں کے) جلاپے اس کے سر پر اس طرح برس پڑیں گے جیسے مشکوں سے پانی۔

مطلب ایک نامور آدمی عالی جاہ اور منصبدار کا مورد حسد و رشک ہونا تو ظاہر ہے۔ اس کا ہدفِ انظار ہونا اس لحاظ سے ہے۔ کہ عیب گیر اس کو اپنی نکتہ چینی کا تختہ مشق بنا لیتے ہیں۔ یا اس کو چشم زخم سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اور وہ نشانہ غضب و غصہ اس طرح ہوتا ہے۔ کہ ہمعصر لوگ جو میدانِ ترقی کے حریف اور بزم کامرانی کے رقیب ہوتے ہیں۔ اپنے مقابل کی کامیابی دیکھ کر غصے سے آگ بگولا ہو جاتے ہیں۔ یا اہل حقوق اور متوسلین جو اس کے ساتھ طرح طرح کے تقاضے اور دعوے وابستہ رکھتے ہیں۔ جب اس میں امیرانہ استغنا دیکھ کر مایوس ہو جاتے ہیں۔ یا اپنی عجلت طلب میں قبل از وقت اپنے آپ کو ناکام سمجھ لیتے ہیں۔ تو اس کے خلاف اُن کی آتش غضب مشتعل ہو جاتی ہے۔ غرض جاہ و امارت کا درجہ موردِ آفات اور ہدفِ بلیات ہے۔ حافظ رح ؎

در شاہراہ جاہ و بزرگی خطر بسے ست ۔۔۔ آں بہ کزیں گریوہ سبکسار بگذری

دشمناں او را ز غیرت مے درند ۔۔۔ دوستاں ہم روزگارش مے برند

ترجمہ دشمن (جب موقعہ پاتے ہیں تو) اس کو رشک سے قتل کر دیتے ہیں۔ اور دوست بھی (فضول صحبت و اختلاط سے) اس کا وقت ضائع کر کے سخت نقصان پہنچاتے ہیں۔

مطلب جاہ و مرتبہ میں دشمنوں کے خطرات کا ذکر تو اوپر آ ہی چکا ہے۔ عروج و ترقی کو کثرت احباب بھی لازم ہے جو اضاعت وقت اتلاف مال اور ارتکاب یاوہ گوئی وغیرہ صدہا معائب کی باعث ہے۔ عمر خیام غفرلہ ؎

شد دعوی دوستی دریں دیر حرام ۔۔۔ الفت زکہ؟ مردمی کجا؟ دوست کدام؟

دامن ز ہمہ کشیدن اولیٰ باشد ۔۔۔ از دور بہر یکے سلام ست سلام

آنکہ غافل بود از کشتِ بہار ۔۔۔ اُو چہ داند قیمتِ ایں روزگار

لغات کشت کھیتی۔ بونا۔ دوسرے معنی ہیں حاصل مصدر ہے کشتن سے۔ بہار کے بہت سے معنی ہیں۔ یہاں موسم مراد ہے۔

ترجمہ جو شخص (عین) موسم پر (بیج) بونے سے غافل ہے۔ وہ اس وقت کی قدر کیا جانے۔

مطلب کاشتکار لوگ جانتے ہیں۔ کہ بیج بونے کے ایام کس قدر مغتنم ہوتے ہیں۔ جبکہ چند دنوں کی محنت و ہوشیاری کے ساتھ تخمریزی کی ہوئی سال بھر رزق کے لئے اطمینان دلا دیتی ہے۔ اگر وہ ایام غفلت سے بیکاری میں گزر جائیں۔ تو پھر سال بھر تک فقر و فاقہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ بقول الدنیا مزرعۃ الآخرۃ دنیوی زندگی گویا اعمال کی تخمریزی کا موسم ہے۔ جس کی پیداوار آخرت میں کام آئیگی۔ لیکن جو کثیر الاحباب، مجالس و محافل کا پروانہ سیر سپاٹے کا دلدادہ آدمی فضول ملاقاتوں اور بیہودہ باتوں میں وقت گذر رہا ہے۔ اس کو نہ اپنے مزرعہ عمر کی قدر ہے نہ اس کے موسم تخمریزی کی طرف التفات ؎

جو صحت و فراغ میں غافل عمل سے ہے ۔۔۔ سرمایہ اس نے بحر زیاں میں ڈبو دیا

موسم بھی پایا تخم بھی دامن میں تھا مگر

بونے کا وقت خواب تغافل میں کھو دیا

در پناہِ لُطفِ حق باید گریخت　　کو ہزاراں لطف برارواح ریخت

ترجمہ (مخلوق کی دوستی کو چھوڑ کر) خداوند تعالیٰ کی مہربانی کی پناہ میں آجانا چاہیئے۔ جس نے (اپنے بندوں کی) جانوں پر ہزاروں مہربانیاں مبذول فرمائی ہیں۔

مطلب اوپر عوام الناس کی دوستی کی مضرت کا ذکر تھا۔ اب فرماتے ہیں۔ کہ ان کی دوستی کو چھوڑ کر خداوند تعالےٰ کی دوستی اختیار کرنی چاہیئے۔ حافظ رح ؎

ہر کس کہ ندارد بجہاں مہر تو در دل　　حقا کہ بود طاعت او ضائع و باطل

تا پناہے یابی آنگہ چہ پناہ　　آب و آتش مر ترا گردد سپاہ

ترجمہ تاکہ اس وقت تم کو (پوری اور حقیقی) پناہ حاصل ہو جائے۔ پناہ بھی کیسی کہ آب و آتش (وغیرہ عناصر تک) تمہاری (فرمانبردار) سپاہ بنجائیں۔

مطلب مخلوق کی دوستی کا نتیجہ تو اوپر بیان ہو چکا۔ کہ آدمی کے سب دشمن بن جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ کی دوستی عناصر تک کو اس کا دوست بنا دیتی ہے۔ سعدی رح ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ　　کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ
محال ست چوں دوست دارد ترا　　کہ در دستِ دشمن گزارد ترا

نوح و موسیٰ را نہ دریا یار شد؟　　نے بر اعداشاں بکیں قہار شد؟

ترجمہ کیا دریا حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السّلام کا معاون نہیں ہوا؟ کیا اس نے ان دونوں کے دشمنوں پر از راہ انتقام قہر نہیں ڈھایا؟

مطلب اوپر کہا تھا کہ خدا کے دوست کے لئے پانی اور آگ تک آمادہ مدد ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ پانی کے آمادہ مدد ہونے کی مثال میں حضرت نوح اور حضرت موسےٰ علیہما السلام کے قصّے پیش کئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے مدت مدید تک لوگوں کو دین حق کی دعوت دی۔ مگر اسّی آدمیوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ بلکہ کافر لوگ ان کے ساتھ نفرت و حقارت سے پیش آتے تھے۔ آخر حضرت نوح نے تنگ آکر ان کے حق میں بددعا کی۔ تو قہر الٰہی طوفانِ آب کی صورت میں نمودار ہو کر دشمنان پیغمبر اور اعدائے دین کی بربادی کا باعث ہوا۔ جس کا قصہ اس شرح میں رسول قیصر روم کے آغاز میں (صفحہ ۱۸۷ پر) گزر چکا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرعون اور اس کی قوم کو ہر چند دین حق کی طرف رہنمائی کی۔ مگر ان کے صفحۂ دل سے کفر و انکار کا نقش باطل نہ مٹ سکا۔ بلکہ وہ لوگ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کے درپے ایذا ہو گئے۔ آخر خداوند تعالیٰ کے حکم سے دریائے نیل نے فرعون کو اس کی فوج سمیت غرق کر لیا۔ اور حضرت موسےٰ اور ان کی قوم میں سے کسی شخص کا دامن تک تر نہ ہونے دیا۔ جس کا قصہ اس شرح کے پہلے حصے میں صفحہ ۳۰۸ پر گذر چکا ہے۔ شیخ عطار رح ؎

آنکہ در آدم دمیدہ روح را　　داد از طوفاں نجات او نوح را
آنکہ اعدا را بدریا در کشید　　ناقہ را از سنگِ خارا بر کشید

آتشِ ابراہیم را نے قلعہ بُود تا برآورد از دلِ نمرود دُود

لغات قلعہ مرد پناہ کی جگہ۔ دود از دل برآوردن حسرت زدہ بنا دینا۔ مبتلائے حیران کر دینا۔

صنائع آتش و دود میں مناسبت ہے۔

ترجمہ کیا آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے (حفاظت) کا قلعہ نہیں (بن گئی) تھی؟ یہاں تک کہ اس نے نمرود کو حسرت زدہ بنا دیا۔

مطلب۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لئے آگ کے آمادہ مدد ہونے کی مثال پیش کی ہے جس کا قصہ پیچھے گزر چکا ہے۔

کوہ یحییٰ را نہ سوئے خویش خواند قاصدانش را بزخمِ سنگ راند

ترجمہ کیا حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پہاڑ نے پناہ نہیں دی (اور) ان کی ایذا کا قصد کرنے والوں کو پتھر مار کر (نہیں) بھگایا؟

گفت اے یحییٰ بیا در من گریز تا پناہت باشم از شمشیرِ تیز

ترجمہ (چنانچہ اس پہاڑ نے) کہا اے یحییٰ دوڑ کر میرے اندر چلے آؤ تاکہ میں تیغ براں سے (بچانے کے لئے) تمہاری پناہ بن جاؤں۔

مطلب آب آتش کے بعد پتھروں کے خاصانِ حق کے لئے مدد و معاون ہونے کی مثال پیش فرماتے ہیں حضرت یحییٰؑ حضرت زکریاؑ کے فرزند ہیں اور چھوٹی عمر میں منصب نبوت پر ممتاز ہو گئے تھے بچپن کے زمانے سے بیت المقدس میں جا کر عبادت اور ریاضت میں مشغول رہتے اور خوفِ خدا سے اس قدر گریہ و زاری کرتے کہ ان کے رخسار متواتر اشکباری سے داغدار رہتے تھے۔ بہت سے لوگوں کو دین حق کی ہدایت کر کے زمرۂ مومنین میں شامل کیا انکے زمانے میں یہودیوں کے حاکم کے محلات میں جسکا نام ہیرودس تھا۔ ایک عورت تھی جسکو انبیاء و صلحاء کے ساتھ خصوصیت سے بغض و عناد تھا اس عورت کی ایک لڑکی دوسرے شوہر سے تھی۔ جب لڑکی جوان ہوگئی۔ تو اس عورت نے چاہا کہ بادشاہ اس سے نکاح کرے تاکہ کسی غیر کے نکاح میں جا کر مجھ سے دور نہ ہو۔ بادشاہ نے جواز نکاح کے لئے حضرت یحییٰؑ سے استفسار کیا۔ تو انہوں نے فرمایا یہ نکاح درست نہیں۔ اسپر وہ عورت کچھ تو پہلے ہی حضرت یحییٰ سے بغض رکھتی تھی۔ اب اور بھی آمادہ ایذا ہوگئی۔ اور ہیرودس کو بہکا کر حضرت یحییٰ کے قتل پر آمادہ کرتی رہی۔ آخر اس نے ایک دن مستی میں اس لڑکی کے کہنے پر ان کو قتل کرا دیا۔ مولانا احمد حسن کانپوری اپنے حاشیہ میں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ جب یہود حضرت یحییٰ کے درپے ایذا ہوئے تو آپ بھاگ کر جانے لگے۔ اسوقت ایک پہاڑ نے آپکو ندا کی۔ کہ یہاں تشریف لے آئیے پھر اس پہاڑ سے تعاقب کرنے والے دشمنوں پر پتھر برسنے لگے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

وداع کردن طوطی خواجہ را و پند دادن و پریدن

طوطے کا تاجر کو وداع کرنا اور نصیحت کر کے اڑ جانا

یک دو پندش داد طوطی بے نفاق بعد ازاں گفتش سلام الفراق

ترجمہ طوطے نے اس کو ایک دو نصیحتیں بلا تصنع (خلوص کے ساتھ) کیں۔ پھر کہا لو ہمارا سلام ہے۔ ایس رخصت!

الوداع اے خواجہ کردی مرحمت ... کردی آزادم زقید و مظلمت

ترجمہ اے آقا (میں) رخصت (ہوتا ہوں) تو نے بڑی مہربانی کی کہ مجھے قید اور تاریکی سے نجات بخشی۔

الوداع اے خواجہ رفتم تا وطن ... ہم شوی آزاد روزے ہمچو من

ترجمہ اے آقا (میں) رخصت (ہوتا ہوں) اب وطن کو سدھارتا ہوں (خدا کرے) تو بھی میری طرح ایک دن (علائق دنیویہ کے) پنجرے سے چھوٹ جائے۔

خواجہ گفتش فی امان اللہ برو ... مر مرا اکنوں نمودی راہِ نو

ترجمہ خواجہ نے کہا اچھا جاؤ۔ فی امان اللہ (خدا حافظ) تو نے مجھے اب نئی راہ دکھا دی۔

مطلب راہِ نو سے مراد ترکِ دنیا اور تخفیفِ علائق ہے۔ اس کو نئی راہ اس لئے کہا ہے۔ کہ اسے پہلے اس کا خیال نہ تھا۔ حافظ رہ ؎

امروز قدرِ پند عزیزاں شناختم ... یارب روانِ ناصح ما از تو شاد باد

سوئے ہندوستانِ اصلی رو نہاد ... بعد شدت از فرح دل گشت شاد

ترکیب ہندوستان مبدل منہ وطن موصوف مقدر اور اصلی اس کی صفت مل کر بدل ہوا۔

ترجمہ (اپنے) اصلی (وطن) ہندوستان کی طرف رُخ کیا۔ سختی (برداشت کرنے) کے بعد مسرت سے (اس کا) دل شادماں ہو گیا۔

خواجہ با خود گفت ایں پندِ من ست ... راہِ او گیرم کہ ایں رہ روشن ست

ترجمہ تاجر نے اپنے دل میں کہا یہ میرے لئے ایک نصیحت ہے۔ میں آئندہ اس کی راہ اختیار کرونگا کہ یہ راستہ صاف ہے۔

مطلب وہ راستہ یہ ہے کہ موتوا قبل ان تموتوا پر عمل کرے یعنی جس طرح مردہ اپنے ارادہ اور اپنی شہوت و غضب سے خالی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے ارادہ و رضا کے سامنے اپنی خواہش اور رائے کو ہیچ سمجھے نظامی ؎

یا ہستِ تو بہ کہ ہستِ من نیست ... آں دستِ ترا ست دستِ من نیست

من خود کیم و مرا چہ خوانند ... جز سایہ تو مرا چہ دانند

خود را بشمار ہیچ دانم + کز ہیچ کسے ہیچ مانم + از تو اثرے نشست برمن + زاں اثرے کہ ہست یا من

جانِ من کمتر ز طوطی کے بود ... جاں چنیں باید کہ نیکو پے بود

ترجمہ - میری جان ایک طوطے سے تو گئی گذری نہیں (کہ وہ اس طریقے سے اپنے مقصود کے ساتھ واصل ہوجائے - اور میں نہ ہوسکوں) جان تو ایسی چاہیئے جو (راہ حق میں مُردہ ہونے کے لئے) نیک قدم ہو - سعدی رح ؎

وانی چہ گفت مرا آں بلبلِ سحری — تو خود چہ آدمئی کز عشق بے خبری

اشتر بشعر عرب در حالت ست و طرب — گر ذوق نیست ترا کژ طبع جانوری

مضرتِ تعظیم خلق و انگشت نما شدن

لوگوں سے تعظیم کرانے اور مشہور ہونے کی خرابیاں

تن قفس شکل ست زاں شد خارِ جاں — از فریبِ داخلان و خارجاں

لغات داخلان و خارجاں - آنے جانے والے - ملاقاتی - مصاحب - احباب - صنائع خارجاں کے کلمے میں صنعت تجنیس ہے -

ترجمہ (یہ) بدن آنے جانے والے (خوشامدی) لوگوں کے فریب سے طائر روح کے لئے) گویا پنجرا ثابت ہورہا ہے - اور اس لئے وہ جان (کے طریق وصول) کے لئے کانٹا ہے -

مطلب ایک شخص کو خوشامدی لوگ فریب و اغوا سے ادھر ادھر کی باتیں بنا کر مبتلائے غرور اور گرفتار لذائذ جسمانی بنا دیتے ہیں - آخر جسمانی لذات اس کے عالم قدس تک پہنچنے میں مانع ہوجاتی ہیں - حافظ رح ؎

چگونہ طوف کنم در سرے عالم قدس — چو در سراچۂ ترکیب تختہ بند تنم

صائب ؎ نیست آساں در بدن جان را مصفا داشتن — زنگ از آئینہ بردن در تہ گل مشکل ست

اب خوشامدی لوگوں کی باتیں نقل کرتے ہیں

اینش گوید من شوم ہمرازِ تو — وانش گوید نے منم انبازِ تو

ترجمہ ایک ادھر سے اس کو کہتا ہے - میں تمہارا ہمراز ہوں - اور دوسرا ادھر سے اس کو کہتا ہے - نہیں میں ہی تمہارا رفیق ہوں -

اینش گوید نیست چوں تو در وجود — در کمال و فضل و در احسان و جود

ترجمہ یہ اس کو کہتا ہے کمال فضل اور احسان و کرم میں تم سا کوئی شخص پیدا نہیں ہوا

آنش گوید ہر دو عالم آنِ تست — جملہ جانہا ما طفیلِ جانِ تست

ترجمہ وہ اسکو کہتا ہے - دونوں جہان آپ کی ملک ہیں - ہم سب کی جانیں آپ کی بدولت رسلامت ہیں

اینش گوید گاہِ عیش و خرمی — آنش گوید گاہِ نوش و ہمدمی

ترجمہ یہ تو اس کو (ترغیباً) کہتا ہے کہ (آپ کی عمر) عیش و نشاط کی عمر ہے۔ وہ اس کو (تحریضاً) کہتا ہے۔ (آپ کا زمانہ) شراب نوشی اور صحبتِ احباب کا زمانہ ہے۔

مطلب ایک شارح نے داخلان و خارجیان سے داخلی و خارجی بہکانے والے سمجھے ہیں۔ یعنی ایک نفس امارہ اور شیطان جو اندر سے برائیوں پر مائل کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے خوشامدی لوگ جو باہر سے بُرے کاموں کی ترغیب دیتے ہیں۔ مگر یہ تفسیر درست نہیں۔ فصل کا عنوان ظاہر کرتا ہے۔ کہ یہاں مقصود بیان صرف شہرت و مقبولیت کی بُرائی ہے جس کے باعث خوشامدی لوگ ہیں۔ اور انہی کے حلقے میں تعظیم و شہرت ہوتی ہے۔ نفس کی باتیں نہ باعث شہرت ہیں نہ نفس کے سامنے شہرت ہونے کا کوئی معنی۔ البتہ حصول شہرت و مقبولیت کے بعد نفس سے وساوس پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ غرض خوشامدی لوگ اس کو بہکا کر مست و مغرور بنا دیتے ہیں۔ اور فسق و فجور پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ اکبر الہ آبادی رح ؎

مل کے یاروں سے ہوا شوق گناہ — آدمی کا آدمی شیطان ہے

او چو بیند خلق را سرمستِ خویش — از تکبر میرود از دستِ خویش

ترجمہ وہ (بیوقوف) جب لوگوں کو اپنا دلدادہ سمجھ لیتا ہے۔ تو تکبر سے اپنے آپ سے باہر ہو جاتا ہے۔

مطلب خوشامدیوں کی خوشامد آدمی کو مست غرور اور طلب کمال سے دور کر دیتی ہے۔ سعدی رح ؎

کسانیکہ با من بخلوت درانند — مرا عیب پوشش و ہنر گسترند

چو پوشیدہ دارند م اخلاقِ دوں — کنند ہستیم زیرِ نخوت زبوں

او نداند کہ ہزاراں را چو او — دیو افگندست اندر آبِ جو

ترجمہ (مگر) اس کو یہ معلوم نہیں۔ کہ اس طرح مجھ سے ہزاروں (بیوقوفوں) کو شیطان نے (مست غرور بنا کر گمراہی کی) نہر میں گرا دیا ہے۔

مطلب خوشامدی لوگ اپنی محبت و اعتقاد جتانے کے لئے حد سے زیادہ تعریف کرتے ہیں۔ تو اس کو اپنے متعلق غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ اور شیطان کو اس کے گمراہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ مجھے اپنے مخالف کی طرف سے اس قدر اندیشہ نہیں جس قدر مرید و معتقد کی طرف سے خطرہ ہے۔ سعدی رح ؎

بیازی نگفت این سخن بایزید — کہ از منکر ایمن ترم کز مرید

لطف و سالوسِ جہاں خوش لقمہ ایست — کمترش خور کو پُر آتش لقمہ ایست

لغات سالوس مکر و فریب۔ چکنی چپڑی باتیں۔ خوشامدانہ باتیں۔

ترجمہ اہل جہان کی مہربانی اور چکنی چپڑی باتیں (گویا ایک) لذیذ لقمہ ہے۔ مگر اس کو کم کھاؤ۔ کیونکہ یہ لقمہ آتش (ضرر) سے پُر ہے۔

مطلب۔ چونکہ خوشامد یعنی اپنی مدح کو سننا موجب خطر ہے۔ اس لئے شریعت میں اس کی سختی سے ممانعت

آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اذا رایتم المداحین فاحثوا فی وجوھھم التراب یعنی جب تم لوگوں کو خوشامدانہ مدح کرتے دیکھو تو ان کے منہ میں خاک ڈالدو (مشکوۃ)

بخیل ستایشں فراچہ مشو ۔ چو حاتم اصم باش و غیبت شنو

آتشِ پنہان و ذوقش آشکار ۔ دُودِ او ظاہر شود پایانِ کار

ترجمہ اس (خوشامدانہ مدح) کی آتش (ضرر) پنہاں ہے اور (مزیدار) ذائقہ ظاہر ہے۔ انجام پر اس (کے بُرے نتیجے) کا دھواں نکلتا ہے۔

تو مگو کاں مدح را من کے خرم ۔ از طمع میگوید او من پے برم

لغات خرم فعل مضارع واحد متکلم خریدن سے پے بردن پتہ لگانا معلوم کرلینا۔ صنائع شعر ذوالقافیتین ہے

ترجمہ یہ کہنا کہ میں اس (خوشامدانہ) مدح کا کب خریدار ہوں۔ وہ (مدح سرا) جو کچھ کہتا ہے اپنی غرض (و) طمع سے کہتا ہے۔ میں خوب جانتا ہوں۔

مطلب۔ بیشک سب جانتے ہیں کہ خوشامدی کی مدح کسی نہ کسی غرض پر مبنی ہوتی ہے چنانچہ اگر اس کی غرض پوری نہ ہو۔ تو وہ مدح کی بجائے ہجو کرنے کو تیار ہے۔ سعدی رح ؎

الا تا نشنوی مدح سخنگو ۔ کہ اندک مایہ نفعے از تو دارد

اگر روزے مرادش بر نیاری ۔ دو صد چنداں عیوبت بر شمارد

مگر مولانا فرماتے ہیں کہ تم اس زعم کے بھروسے پر نہ رہو۔ کہ تم پر خوشامدی کی باتیں اثر نہیں کرسکتیں۔ بیشک تم اسکو غرضمند، اور مطلب کا یار چپڑ قناتیا تو تو سمجھتے ہو۔ مگر یاد رکھو۔ یہ زہر تم پر اثر کئے بدوں نہ رہیگا۔ مولانا اس کا ایک معیار بیان فرماتے ہیں:۔

مادحت گر ہجو گوید بر ملا ۔ روز ہا سوزد دلت زاں سوز ہا

ترجمہ (دیکھو) اگر تمہارا مدح گو (بجائے مدح کے) علانیہ تمہاری ہجو کرے۔ تو کئی دنوں تک تمہارا دل اِن سوزشوں سے جلتا رہیگا۔

گرچہ دانی کو ز حرماں گفت آں ۔ کاں طمع کہ داشت از تو شد زیاں

ترجمہ اگرچہ تم جانتے ہو کہ اس نے (انعام یا اپنی غرض سے) محروم رہنے کی وجہ سے ایسا کہا ہے۔ کیونکہ اس کو جو مطلب تم سے تھا وہ حاصل نہ ہوا (اس لئے اس کی ہجو کوئی قابل توجہ نہیں)

آں اثر میماندت در اندروں ۔ در مدیح ایں حالتے ہست آزموں

لغات۔ اندروں قلب۔ باطن۔ مدیح مدح و ثنا۔ ستایش آزموں امتحان۔ معیار شناخت۔

ترجمہ (تاہم) وہ (ہجو کا) اثر تمہارے دل میں رہتا ہے۔ (پس) مدح میں بھی یہی حالت معیار ہے۔

آں اثر ہم روزہا باقی بُود　　مایۂ کبر و خِداعِ جاں شود

لغات - خِداع خاء کے کسرہ سے مکر و فریب۔
ترجمہ کہ وہ (مدح کا) اثر بھی کئی دن تک باقی رہتا ہے۔ جو تکبر اور جان کو دھوکے میں ڈالنے کا موجب بنجاتا ہے۔
مطلب غرضکہ جو شخص یہ کہے کہ میں اپنی مدح سے خوش نہیں ہوتا۔ اس کا یہ کہنا جب درست ہو سکتا ہے کہ اس کو اپنی ہجو بھی ناگوار نہ گزرے۔ لیکن جب ہجو کا اثر اس کے دل پر مدتوں رہتا ہے۔ تو مدح کا اثر کیوں نہ ہو جبکہ اس کو اپنی مدح مرغوب ہے۔

نیک بنماید چو شیریں ست مدح　　بد نماید زانکہ تلخ افتاد قدح

لغات - قدح قاف کے فتحہ سے اعتراض - نکتہ چینی - عیب گیری - طعنہ مہنا۔
ترجمہ مدح چونکہ شیریں ہے اسلئے اچھی لگتی ہے۔ طعنہ بُرا لگتا ہے۔ اس لئے کہ تلخ ہے۔

ہمچو مطبوخ ست و حب کاں را خوری　　تا بدیرے شورش و رنج اندری

لغات مطبوخ جوشاندہ حب گولی مطبوخ و حب سے مطلق کوئی ناگوار دوا مسہل وغیرہ مراد ہے۔
ترجمہ (اگر یہ خیال رہے کہ) وہ (تلخ بات یا طعنہ) جوشاندہ یا حب کی مثل ہے۔ جس کو تم کھاتے ہو۔ حتی کہ دیر تک اس کی وجہ سے بے چینی اور تکلیف محسوس کرتے رہتے ہو۔

ور خوری حلوا بود ذوقش دمے　　ایں اثر چوں آں نمے پاید ہمے

ترجمہ اور اگر تم حلوا کھاؤ۔ تو اس کا ذائقہ دم بھر کے لئے ہوتا ہے۔ یہ اثر اس (دوا) کی طرح دیر پا نہیں ہوتا۔
مطلب دوائے تلخ کی مثال جرح و قدح کے لئے اور حلوائے شیریں کی نظیر مدح و ستایش کے لئے پیش کی ہے جس طرح دوائے تلخ مثلاً مسہل وغیرہ سے دماغ چکرا جاتا ہے۔ اور معدے میں کھلبلی سی پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح ہجو و مذمت بھی جان و تن میں آگ لگا دیتی ہے۔ اور جس طرح حلوا کام و دہاں کو شیریں کر دیتا ہے۔ مدح بھی کام دل کو لذت گیر بنا دیتی ہے۔ اب بطور دفع دخل مقدر فرماتے ہیں۔ کہ ہاں یہ فرق ہے۔ کہ حلوے کی مٹھاس تھوڑی دیر تک اور دوا کی تاثیرات زیادہ دیر تک محسوس ہوتی رہتی ہیں۔ جس سے کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ حلوے کی مثال مدح پر کیونکر صادق آسکتی ہے۔ جبکہ مدح کے بارے میں آپ نے کہا ہے۔ کہ آں اثر ہم روزہا باقی بود۔ مایہ کبر و خداع جاں شود۔ بخلاف اس کے حلوے کا ذوق چند لمحہ کا ہے۔ اس کا جواب آگے فرماتے ہیں۔

چوں نمے پاید ہمے ماند نہاں　　ہر ضدے را تو بضد آں بداں

ترجمہ جب وہ (حلوے کا اثر شیرینی زبان پر) دیر تک نہیں رہتا۔ تو باطن میں (معدہ و جگر وغیرہ پر اس کا خاص اثر) ضرور رہتا ہے۔ تم ایک ضد کی حالت کو اس کی ضد کی حالت سے قیاس کر لو۔

مطلب جب تم دیکھتے ہو کہ تلخ دوا کا اثر دیر تک رہتا ہے۔ تو اس کی ضد یعنی حلوے کا مخالف اثر دیر تک کیوں نہ رہے غایۃ مافی الباب یہ کہ اگر ظاہر اثر نہیں۔ تو باطن میں اس کا اثر ہوتا ... یہ مطلب ہے۔ کہ جب ظاہر میں اثر نہیں ہے۔ تو ظاہر کی ضد یعنی باطن میں اثر ہونا چاہیے۔ بہرحال حلوے کا باطن میں اثر یہ ہے۔ کہ وہ معدے میں گرانی جگر میں سدے پیدا کرتا ہے پھر سوء ہضم غلظت خون سمن مفرط وغیرہ عوارض بہت سے امراض کے باعث ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

چوں شکر ماند نہاں تاثیر او ۔۔۔ بعد چندے دُمّل آرد نیش جو

لغات چوں یا تو حرفِ تشبیہ ہے یا حرفِ شرط۔ دونوں طرح معنی درست ہیں۔ پہلی صورت میں او ضمیر مجرور کا مرجع حلوہ ہے۔ اور دوسری صورت میں شکر۔ دُمّل دال کے ضمہ اور میم مشددہ سے پھوڑا پھنسی نیش جو قابل جراحی۔

ترجمہ (۱) شکر کی طرح (جو نیشکر کے اندر نہاں ہوتی ہے) اس (حلوے) کی تاثیر (جسم میں) مخفی رہتی ہے (اس لئے) کچھ مدت کے بعد قابل جراحی پھوڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔

(۲) چونکہ شکر کی تاثیر جسم میں پنہاں رہتی ہے (اس لئے) کچھ مدت کے بعد الخ

مطلب کسی کی خوشامد و چاپلوسی کرنے والے لوگ اس کو گمراہی میں مبتلا کر کے ایسے اعمال و افعال کا مرتکب بنا دیتے ہیں جو دنیا میں صدہا مصائب و نوائب اور آخرت میں عذاب و عقاب کا باعث ہونگے۔ سعدی رح ؎

از صحبت دوستے برنجم ۔۔۔ کاخلاق بدم حسن نماید
عیبم ہنر و کمال بیند ۔۔۔ خارم گل و یاسمن نماید
کو دشمن شوخ چشم و بیباک ۔۔۔ تا عیب مرا بمن نماید

ور حبِ مطبوخ خوردی اے ظریف ۔۔۔ اندروں شد پاک ز اخلاطِ کثیف

لغات ظریف خوش مزاج سلجھی ہوئی طبیعت کا آدمی خلیق۔ اخلاط جسم کے مادے۔ کثیف گندا۔

ترجمہ اے خوش مزاج آدمی اگر تم حب (تنقیہ بدن) اور جوشاندہ (مصفی خون) استعمال کرو۔ تو تمہارا (جسم) اندر (سے) گندے مواد سے پاک و صاف ہو جائے۔

مطلب اپنے بارے میں کسی نکتہ چین کی نکتہ چینی اور معترض کا اعتراض سے کہ بدگوئی اور حاسد کی غیبت سننا اخلاق کے لئے ایسا اچھا اثر رکھتا ہے جیسے صحت جسم کے لئے حب اور مصفی خون کا استعمال۔ لہذا اس کو توجہ سے سننا۔ اس پر غور کرنا اس کے مطابق اپنی اصلاح کرنا اور بدگو کا ممنون ہونا لازم ہے۔ کیونکہ اصلی خیرخواہ وہ ہے۔ جو تم کو تمہاری غلطی پر متنبہ کرے۔ سعدی رح ؎

بنزد من آنکس نکوخواہ تست ۔۔۔ کہ گوید فلاں خار در راہ تست
بگمراہ گفتن نکو مے روی ۔۔۔ جفائے تمام است و جور قوی
ہر آنگہ کہ عیبت نگویند پیش ۔۔۔ ہنر دانی از جاہلی عیب خویش
مگو شہد شیریں شکر فائق ست ۔۔۔ کسے را کہ سقمونیا لائق ست

ولہ ؎
ستایش سرایان نہ یار تو اند ۔۔۔ ملامت کناں دوستدار تو اند

؎
ناصحِ مشفق ہے جو بتلائے عیب ۔۔۔ اس کو پا جا کہ ہے آبِ حیات

تلخ باتیں دینگی پھر آخر مزا | تلخ دارد کا نتیجہ ہے شفا
ونعم ماقیل سے حرفِ بدگو باز میدارد ز بدکردن مرا | میکند ہموار سوہاں گرچہ خود ہموار نیست
سے بدگوئی سے پیش آئے اگر کوئی خسیس | اس پر ناراضگی سے تو دانت نہ پیس
جھوٹا ہے تو جھوٹ کا ہے خود اس پہ وبال | سچا ہے تو تشخیصِ مرض کی ہے فیس

نفس ازبس مدحہا فرعون شد | کُنْ ذَلِیْلَ النَّفْسِ ھَوْنًا لَّا تَسُدْ

لغات ذلیل النفس منکسر مزاج۔ خاکسار ہونا خاکساری لا تسد فعل نہی سیادت سے۔

ترجمہ نفس (اپنی) زیادہ تعریفوں (کے سننے) سے فرعون (کی طرح سرکش ومغرور) بن گیا۔ (اے مخاطب) تم خاکساری سے منکسر مزاج بن جاؤ اور سرداری (یعنی جاہ ومنزلت) کی خواہش نہ کرو۔

مطلب کثرت مدح سے ممدوح کے نفس میں عجب وغرور پیدا ہوجاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی تعریف وتوصیف کا اس قدر خوگر ہوجاتا ہے۔ کہ ہر شخص کے ذمے یہ فرض سمجھتا ہے۔ کہ وہ اس کی تعریف کرے۔ وہ اپنے آپ کو دنیا بھر کی ستایشوں کا مستحق سمجھتا ہے۔ اور اپنے سے برتر کسی طاقت کا خیال دل میں نہیں لاتا۔ اور یہی مفہوم ہے فرعونیت کا۔ جیسے کہ بعض بادشاہ اپنے اہل دربار کی گوناگوں خوشامدوں اور شاعروں کے غلو آمیز مدحیہ قصیدوں کو سُن سُن کر کبر وغرور سے سرمست ہوجاتے ہیں۔ لَا تَسُدْ کا یہ مطلب نہیں۔ کہ اگر قدرت ربانی تم کو کسی جماعت کی اصلاحِ حال وتدبیر شیون کے لئے زمام حکومت دیتی ہے۔ تو اس سے پہلوتہی کرو۔ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ تم اپنی دورانِ حکومت میں اپنی شان ومنزلت کی نمایش کے لئے کسرویت وقیصریت اختیار نہ کرو۔ جیسے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہؓ جب وہ حاکم شام تھے۔ بارگاہ خلافت میں شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ حاضر ہوئے۔ تو خلیفۂ وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اَکِسْرَوِیَّۃٌ یَا مُعَاوِیَۃُ؟ یعنی اے معاویہ کیا تم نے یہ شاہانِ ایران کی سی شان وشوکت اختیار کی ہے؟

سوال یہاں اپنی مدح سننے اس کی خواہش رکھنے کو بُرا کہا گیا ہے۔ اور اوپر ایک حدیث میں بھی اپنے مداحین کی تردید کردینے کا حکم بیان ہوچکا ہے۔ مگر خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان وغیرہ شعراء دربار رسالت سے اپنی مدح سماعت فرماتے تھے۔ اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح مبارک کو جو عرفاً نعت کہلاتی ہے۔ سلاطین وحکام کی مدح پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ چونکہ حبِ رسول لازمۂ ایمان ہے۔ اس لئے نعت رسول جو بتقاضائے حبِ رسول ہوتی ہے عین اطاعت اور موجب ثواب ہے۔ بخلاف اس کے سلاطین کی مدح محض دنیوی اغراض حاصل کرنے کا ایک حیلہ ہے۔ اور وہ اسی لئے معیوب ومنکر ہے۔ کہ اس سے مادح تو کذب وغلو کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور ممدوح عجب وغرور میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ مگر نعت رسول (بشرطیکہ اس کے کلمات احادیث اور دائرۂ مشروعیت سے باہر نہ ہوں)۔ مادح کے لئے ازدیادِ ایمان کی موجب ہے۔ اور اس سے ممدوح علیہ السلام کے متعلق (معاذ اللہ) کسی برے اثر کا احتمال نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شعرائے دربار رسالت کے قصائد سننے بلکہ ان کو موقع بموقع انشا وانشاد کا حکم دینے سے مقصد یہ تھا۔ ایک طرف عرب کے کافر شعراء جو شان نبوی میں گستاخانہ خیالات اپنے اشعار میں موزوں کرکے اطراف ملک میں مشہور کرتے اور دین الٰہی کو ضعف پہنچانے کی ناپاک کوشش کرتے رہتے تھے۔ ان کو جواب دیا جائے

اور ان کی شیطانی کوششوں کو بے اثر کیا جاتے۔ دوسری طرف فضائل نبوی کی اشاعت سے عام لوگ متاثر ہوکر دائرہ اسلام میں داخل ہوں۔ اور نومسلم لوگوں کو ثبات قلب اور قوتِ اعتقاد حاصل ہو۔ اور یہ سب امور مصالح دین میں سے ہیں۔ اور مصالح دین میں سعی واعانت کرنا داخل دین ہے۔ ان باتوں سے پیغمبرؐ کا اپنی ذات وشخصیت کو نمایاں کرنا مقصود نہ تھا کیونکہ بااینہمہ جلالتِ شان وعلو منزلت آپ کے انکسارِ مزاج اور آپ کی تواضع وفروتنی پر صدہا احادیث ناطق ہیں آپ کا سب کے ساتھ برادرانہ برتاؤ۔ صحابہ میں بلا امتیاز بیٹھنا۔ سب کے ساتھ مل کر کام کرنا۔ غربا کے ساتھ مل کر کھانا کھالینا۔ عیادت مرضی کے لئے جانا جنازوں میں شامل ہونا۔ کتب احادیث وسیر میں یہ تفصیل مذکور ہے۔

ولنعم ما قال النظامی ہ؎

تہیدست سلطانِ پشمینہ پوش گدائی خرو پادشاہی فروش

عن انس قال لم یکن شخص احب الیہم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ۔ الذلک یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی محبوب ومعزز نہ تھا اور وہ جب آپ کو تشریف لاتے دیکھتے۔ تو آپ کے لئے (تعظیماً) کھڑے نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ کو یہ بات ناپسند ہے۔

وعن معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوأ مقعدہ من النار یعنی معاویہ رضہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص کو یہ بات مرغوب ہو کہ لوگ اس کی خدمت میں کھڑے رہیں۔ تو اس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں سمجھنا چاہئے (مشکوۃ)

تا توانی بندہ شو سلطاں مباش زخم کش چوں گوے شو چوگاں مباش

ترجمہ تم حتی الوسع بندہ (خاکسار) بنکر رہو (مغرور وسرکش) بادشاہ نہ ہو۔ گیند کی طرح (جفاکشی کی) ضربیں کھاؤ۔ چوگاں (کی طرح ضرب لگانے والے ظالم) نہ بنو۔

مطلب یہاں امارت وحکومت سے کنارہ کش رہنے کی تعلیم دیتے ہیں جو باعث غرور اور مورد آفات وشرور ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہاں بھی بطریق بالاطلاق حکومت وسلطنت کی نہی نہ ہو۔ بلکہ ظلم وتعدی سے منع کیا ہو۔ اور حلم وجفاکشی کی ترغیب دی ہو اور یہ باتیں سلطنت کی منافی نہیں۔ کما قلت فی مدح سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ ؎

کس نے کھائی نانِ جو اور ہو وہ شاہِ بحروبر کی ریاضت کس نے تختِ سلطنت پر بیٹھکر
کونسا تسبیح گردان صاحبِ شمشیر تھا ہم بتاتے ہیں وہ شاہنشاہ عالمگیر تھا

نظامی ہ؎ چو خاک از سکونت کمربستہ باش شتاب از فلک شد تو آہستہ باش
تو شاہی چو شاہیں مشو تیز پر بآہستگی کوش چوں شیر نر

ورنہ چوں لطفت نماند ویں جمال از تو آید آں حریفاں را ملال

ترجمہ ورنہ جب تم میں وہ خوبی اور جمال نہ رہیگا۔ تو تم سے اپنی (نغز گو) دوستوں کے دل سیر ہو جائینگے

آں جماعت کت ہمے دادند ریو چوں بہ بینندت بگویندت کہ دیو

لغات کت کہ ترا۔ ریو فریب۔ دھوکا۔ دیو شیطان۔ عفریت
ترجمہ وہی لوگ جو (پہلے تمہاری خوشامد کرکے) تمہیں دھوکا دیتے تھے۔ جب تم کو (اس حال زوال میں) دیکھینگے۔ تو کہیں گے۔ یہ تو کوئی شیطان ہے ؎
بخت چوں برگشت برگردند یاراں سربسر تلیکے صاحب خیر پرسی کہ یاراں را چہ شد

جملہ گویند ت چو بینند ت بدر مردۂ از گور خود بر کردہ سر

لغات بدر بردر۔ دروازے پر۔ مثنوی شریف کے ایک مترجم اردو نے اس کو بدر بمعنی ماہ تمام سمجھنے میں فاش غلطی کی ہے۔ بدر بمعنی ماہ تمام بسکون دال ہے۔
ترجمہ جب وہ لوگ تم کو دروازے پر (کھڑے محتاجانہ سوال کرتے) دیکھیں گے۔ تو سب کے سب (تحقیر سے) بولیں گے۔ یہ تو کوئی مردہ قبر سے نکل آیا۔ غنی رح ؎
گرد کیں شد دوستاں از استدراو التفات سینہ صافی کو کزو دارد دلے بینیم ما۔

ہمچو امرد کہ خدا ناش کنند تا بداں سالوس در دامش کنند

ترکیب ناش جس کی ضمیر امرد کی طرف راجع ہے مفعول بہ اول ہے کنند کا خدا مفعول بہ ثانی۔
ترجمہ جیسے کوئی بے ریش وخوبصورت لڑکا کہ (پہلے تو از راہ چاپلوسی) اس کو اپنا (دل وجان کا) مالک کہتے ہیں۔ تاکہ اس مکر سے اس کو (اپنے) دام (تسخیر) میں ڈال لیں۔

چوں بہ بدنامی برآید ریش او دیو را ننگ آید از تفتیش او

ترجمہ (پھر) جب (صحبت عشاق کی) بدنامی (کی حالت) میں اس کی ڈاڑھی نکل آتی ہے۔ تو (عاشق لوگ اس کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں حتی کہ) شیطان کو بھی اس کے دریافت احوال سے شرم آتی ہے۔ کما قیل ؎
خط آمد و مید و مطلب عاشق تمام شد اے ترک من مناز کہ ترکی تمام شد

دیو سوے آدمی شد بہر شر سوئے تو ناید کہ از دیوی بتر

ترجمہ شیطان آدمی کی طرف برائی کے لئے جاتا ہے۔ (مگر) تیری طرف نہیں آتا۔ کیوں کہ تو شیطان سے بھی بد تر ہے۔ سعدی رح ؎
بس آدمی کہ دیو بزشتی غلام اوست
در صورتش نماید زیبا تر از پری

تا تو بودی آدمی دیو از پیت میدوید و میچشانید از میت

لغات از پیت از پے تو۔ میت ترا مے۔ مے چشانید۔
ترجمہ جب تک تو آدمی تھا۔ شیطان تیرے پیچھے پیچھے لگا پھرتا تھا۔ اور تجھ کو (غفلت وضلالت) کی شراب پلاتا تھا۔

چوں شدی در خوئے دیوی استوار میگریزد از تو دیو اے نابکار

ترجمہ (مگر) اے نابکار جب تو شیطانی خصلت میں پختہ کار ہوگیا۔ تو تجھ سے شیطان بھی گریز کرنے لگا۔
مطلب اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ یعنی ان منافقوں کی مثال جو یہودیوں کو تسلی دیتے ہیں۔ اور ان سے وعدے کرتے ہیں۔ شیطان کی سی ہے۔ جو انسان کو کفر پر آمادہ کرتا ہے۔ پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے۔ تو کہتا ہے۔ میں تجھ سے بری ہوں۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ جو جہان کا پروردگار ہے۔

آنکہ اندر دامنت آویخت او • چوں چنیں گشتی ز تو بگریخت او

ترجمہ (غرض) جو (احباب و رفقا) تیرا دامن پکڑے رہتے تھے۔ جب (انہوں نے دیکھا کہ) تیری حالت اس طرح ہوگئی۔ تو تجھ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔
مطلب صحبت و رفاقت کا باعث حصول فوائد تھا۔ مگر جب ایک شخص کو ادبار و نحوست گھیرے اور شر و فتن اور معائب و مفاسد کے سوا اس میں کچھ نظر نہ آئے۔ تو لوگ اس کو شیطان سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

دیو با مردم نیامیزد مترس بل بترس از مردمانِ دیو سار

تفسیر مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ

اس عقیدے کی تشریح کہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا

مطلب۔ اہل حق کا عقیدہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ و مشیت اس کی مراد سے متخلف نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ اس کا ارادہ غیر جازم ہو یعنی یہ ممکن نہیں کہ وہ جو کچھ چاہے۔ اور اس کا ارادہ کرے۔ وہ پورا نہ ہو۔ بخلاف اس کے معتزلہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے۔ اس کا پورا ہونا یا نہ ہونا دونوں طرح ممکن ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ لوگ ایمان لائیں۔ نماز پڑھیں۔ روزے رکھیں۔ مگر کروڑوں مخلوق اس پر عمل نہیں کرتی۔ گویا اس کا ارادہ پورا نہیں ہوتا۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ معتزلہ نے ارادہ اور امر کو متحد سمجھ لیا ہے۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں۔ کہ معنی أَرَادَهُ فِعْلَ غَيْرِهِ أَنَّهُ أَمَرَ بِهِ۔ یعنی اس کا مخلوق سے کوئی فعل چاہنا یہ معنی رکھتا ہے۔ کہ وہ اس کا امر کرتا ہے۔ اور اسی لئے انہوں نے ارادہ الٰہی کے غیر جازم ہونے کی دلیل میں احکام الٰہی پر عمل نہ کئے جانے کی مثال پیش کی ہے۔ حالانکہ ارادہ الٰہی یا مشیت الٰہی الگ چیز اور امر الٰہی جداگانہ شے ہے۔ ارادہ الٰہیہ سے مراد کا تخلف ممکن نہیں۔ امر الٰہی سے امتثال کا تخلف ممکن ہے۔ ہاں جو امر الٰہی بالمشافہ ہو اور اس کے ارادہ و مشیت سے مقارن ہو۔ جیسے امر کن میں تو اس سے بھی امتثال کا تخلف محال ہے۔ مگر جو امر بواسطہ انبیا و مرسلین صادر ہوا ہو۔ جیسے عمل بالاحکام کے اوامر چونکہ ان کے ساتھ ارادہ الٰہیہ کا مقارن ہونا ضروری نہیں۔ اس لئے ان سے امتثال کا تخلف ممکن ہے (بحر العلوم شرح عقائد وغیرہ)

اینہمہ گفتیم لیک اندر بسیچ بے عنایاتِ خدا ہیچیم ہیچ

لغات بسیچ باے موحدہ کا فتحہ۔ یاے مجہول اور جیم فارسی بروزن سرپیش قصد۔ ارادہ۔ تیاری۔ آمادگی۔ ہیچ ناچیز بے حقیقت۔ لاشے۔

ترجمہ یہ سب کچھ تو ہم نے کہا۔ مگر خدا کی عنایت کے بغیر ہم اپنے ارادے میں ناچیز ہیں۔

مطلب اوپر کی تقریر میں شہرت و ناموری سے بچنے غرور و نخوت سے پرہیز کرنے۔ اہل خوشامد کے خدع و فریب سے محتاط رہنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ اب کہتے ہیں۔ ان تمام آفات و شرور سے بچنا عنایت الٰہی و تائید غیبی کے بغیر ناممکن ہے۔ حافظ رہ ؎

مددے گر بچراغے نکند آتش طور ۔۔۔ چارۂ تیرہ شب وادیٔ ایمن چکنم

شاہ ترکاں چو پسندید بچاہم انداخت ۔۔۔ دستگیر ار نشود لطفِ تہمتن چکنم

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق ۔۔۔ گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

ترجمہ اگر فرشتہ بھی ہو تو خداوند تعالیٰ اور خاصانِ خدا کی عنایت کے بغیر اس کا نامہ (اعمال) سیاہ ہے۔

مطلب کسی کا بلند پایہ و عالی منزلت ہونا اس کے لئے سعادت ابدی کے حصول کا مستلزم نہیں۔ بلکہ اس وقت توفیق الٰہی اور تائید حق کی ضرورت ہے۔ حافظ رح ؎

اے سکندر بنشین و غمِ بیہودہ مخور ۔۔۔ کہ نہ بخشند ترا آبحیات از شاہی

جامی رح ؎ سالکاں بے کشش دوست بجائے نرسند ۔۔۔ سالہا گرچہ دریں راہ تگ و پوے کنند

خاصانِ حق سے مراد انبیاء و مرسلین ہیں۔ جو خالق و مخلوق کے مابین برزخ و واسطہ ہیں۔ تائید الٰہی جب کسی مقبول بندے کی نجات کے لئے اس کے شامل حال ہوتی ہے۔ تو پیغمبر کی دستگیری اس کا واسطہ بنتی ہے۔ ورنہ خود اس کی اپنی عقل و دانش اور بصیرت و فراست اس کوچہ میں کورے عصا ہے۔ نظامی رح ؎

عقل ارچہ خلیفۂ شگرف ست ۔۔۔ بر لوحِ سخن تمام حرف ست

ہم مہرِ مؤیدی ندارد ۔۔۔ تا دینِ محمدی ندارد

؎ محال ست سعدی کہ راہِ صفا ۔۔۔ تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ۔۔۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اس میں یہ بھی اشارہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص شیخ کی تربیت و صحبت کے بغیر محض کثرت عبادت سے کمالات باطنی حاصل کرنا چاہے۔ تو اس مقصد میں کامیاب ہونا مشکل ہے۔ سعدی رح ؎

بہ تنہا نداند شدن طفلِ خرد ۔۔۔ کہ مشکل بود راہِ نادیدہ بُرد

تو ہم طفلِ راہی بسعی اے فقیر ۔۔۔ برو دامنِ نیکمرداں بگیر

مریداں بقوت ز طفلاں کم اند ۔۔۔ مشائخ چو دیوارِ مستحکم اند

بیاموز رفتار زاں طفلِ خرد ۔۔۔ کہ چوں استعانت بدیوار بُرد

جامی رح ؎ تا نکنی روے بدریا دلے ۔۔۔ نبودت از گوہرِ دل حاصلے

تا نزنی خیمہ بہ پہلوے پیر ۔۔۔ ہیچو وے از دل نشوی بہرہ گیر

حصول کمال کے لئے شیخ راشد کی ضرورت

حافظ رح ؎ بکوے عشق منہ بے دلیل راہ قدم　　کہ من بخویش نمودم صد اہتمام و نشد

اے خدا اے قادرِ بیچون و چند　　از تو پیدا شد چنیں قصرِ بلند

لغات چون کیف۔ یہ کلمہ دریافتِ حال کے لیے موضوع ہے۔ بیچون وہ ذاتِ پاک جس کی کنہ و حقیقت کا استفسار نہیں کیا جا سکتا۔ چند۔ کم۔ یہ کلمہ دریافت مقدار کے لئے موضوع ہے۔ بیچند وہ ذاتِ پاک جو اس قسم کے سوال سے منزہ ہے۔

ترجمہ اے خدا! اے صاحبِ قدرت جو کم و کیف سے منزہ ہے۔ تیری ہی ایجاد سے ایسا بلند قصر یعنی (آسمان) بنا ہے۔

واقفی بر حالِ بیرون و درون　　بے کم و بے بیش و بے چندی و چون

ترجمہ تو تمام (ظاہر و باطن) حال سے آگاہ ہے۔ نہ تجھ میں نقصان و زیادتی ہے۔ نہ کم و کیف۔

اختلاف بعض نسخوں میں ان دو شعروں کی بجائے دونوں کا جامع یہ شعر درج ہے۔ ؎ اے خدا اے قادرِ بیچند و چون۔ واقفی بر حالِ بیرون و درون۔ اگرچہ یہ نسخہ بلحاظ رزانت ترتیب و جیادت اسلوب ارجح معلوم ہوتا ہے۔ مگر جو نسخہ مشتمل بر زیادت ہے۔ اس کو اختیار کرنا احوط سمجھا گیا۔

ایخدا اے فضلِ تو حاجت روا　　با تو یادِ ہیچ کس نبود روا

صنائع۔ روا بمعنی بر لانے والا اور روا بمعنی جائز و مباح میں صنعت جناس تام۔

ترجمہ اے خدا اے (صاحبِ فضل و عطا جیسا) تیرا فضل ہمارا حاجت روا ہے (تو طلب حاجت کے لئے) تیرے سامنے کسی کی یاد درست نہیں۔ صائب رح ؎

ازاں بدامنِ مقصود کوتہ افتادست　　کہ پیشِ خلق دراز ست دستِ حاجتِ ما

ایں قدر ارشاد تو بخشیدۂ　　تا بدیں بس عیبہا پوشیدۂ

ترجمہ اس قدر ہدایت (رجوع الی اللہ اور ترک ما سوی اللہ کی) تو نے ہی بخشی ہے۔ جس سے ہمارے بہت سے عیوب ڈھک دیئے۔

مطلب خدا سے طلب حاجات کرنے میں عیوب ڈھکے جانے کا مطلب یہ ہے۔ کہ مخلوق کے سامنے دست سوال پھیلانا جن بہت سے معائب مثلاً آبروریزی۔ ذلت و خواری۔ عدم توکل شرک خفی پر مشتمل تھا۔ ان سے امن ہو گیا۔ صائب رح ؎

میکند دستِ دعا سیہ رنگی ما را علاج　　دست پیشِ مردمِ عالم چرا داریم ما

یا یہ مطلب ہے کہ دعا سے اللہ تعالیٰ کی رحمت شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ اور وہ ستار عیوب تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ جو انسان کے بدترین معائب ہیں۔ صائب رح ؎

فرصت غنیمت است بدستِ دعا بشو　　داغِ سیہ گلیمیِ خود ما تابِ صبح

قطرۂ دانش کہ بخشیدی زپیش　　متصل گرداں بدریاہائے خویش

ترجمہ اس سے پہلے جو علم کا قطرہ تو نے (مجھ کو) بخش رکھا ہے۔ اس کو اپنے (علم کے) دریاؤں سے متصل کر دے۔

مطلب۔ یعنی میرے ناقص و محدود علم کو اپنے علم قدیم سے مناسبت عطا فرما۔ تاکہ جس طرح علم قدیم مطابق واقع ہے اسی طرح میرا علم بھی حقائق شناسی میں خطاء سے مصئون رہے۔ جیسے کہ دعا آئی ہے۔ کہ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ الٰہی ہم کو چیزوں کی حقیقتیں ٹھیک ٹھیک بتا دے۔ نظامی رحمہ

دلے دہ کو یقینیت را بشاید　　زبانے کافرینت را سراید

درونم را بنورِ خود بیفروز　　زبانم را ثنائے خود بیاموز

صائب ؎ یارب از عرفان مرا پیمانۂ سرشار دہ　　چشم بینا جانِ آگاہ و دل بیدار دہ

قطرۂ علم ست اندر جانِ من　　وارہانش از ہوا وز خاکِ تن

ترجمہ میری روح میں علم کا ایک قطرہ موجود ہے۔ اس کو ہوائے (نفس) اور خاک جسم سے بچا لے

مطلب ہوا و ہوس کے اتباع یعنی ارتکاب معاصی سے نور علم کو نقصان پہنچتا ہے۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ؎

شکوت الی وکیع سوءَ حفظی　　فاوصانی الی ترک المعاصی

فانّ العلم نورٌ من الٰہٖ　　ونور اللہ لا یعطی لعاصی

یعنی میں نے اپنے استاد وکیع رحمہ سے اپنے ضعف حافظہ کی شکایت کی۔ تو انہوں نے مجھے ترک معاصی کی ہدایت فرمائی۔ کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا نور عاصی کو نہیں دیا جاتا۔

اسی طرح خاک جسم یعنی لذات جسمانیہ بھی چراغ علم کے لئے بمنزلہ باد صرصر ہیں۔ صائب رحمہ ؎

مگذار رنگِ جسم پذیرد روانِ پاک　　ایں مغز را بنرمی ازیں استخواں برار

واضح رہے کہ ہوائے نفس کا اتباع اور لذات جسمانیہ کا حصول ایک ہی بات ہے۔ فرق صرف اعتباری ہے۔

پیش ازیں کیں خاکہا خسفش کند　　پیش ازاں کیں بادہا نشفش کند

لغات خسف زمین کا کسی کو اپنے اندر سمیٹ لینا۔ زمین کا کسی کو نگل لینا۔ نشف خشک کرنا۔ یہ کلمہ بعض نسخوں میں بسین مہملہ یعنی بیخ کنی و بربادی درج ہے۔ اور قافیہ بھی اسکی تائید کرتا ہے۔ مگر پہلا نسخہ بشین معجمہ قطرہ کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے یہ ارجح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ معنوی رعایت لفظی رعایت سے مقدم ہے۔ علاوہ ازیں خسف و نشف کا قافیہ یہاں چنداں مورد اعتراض بھی نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس قسم کی مسامحات مثنوی کی مباحات میں سے ہیں۔

ترکیب۔ یہ شعر ظرف یا مفعول فیہ ہے۔ شعر سابق کے فعل "وارہاں" کا

ترجمہ (میرے قطرۂ علم کو خاک و باد سے محفوظ رکھ) قبل اس کے کہ یہ (لذات جسمانیہ کی) گوناگوں خاک اسکو

جذب کرلے (اور) پیشتر اس کے کہ یہ (خواہشات نفس اور وساوس شیطان کی) ہوائیں اسکو خشک کردیں

گرچہ چوں نشفش کند تو قادری — کش ازیشاں وا ستانی وا خری

لغات کش کہ اور را وا ستاندن۔ واپس لے لینا۔ واخریدن بالغ کا اپنی چیز کو دوبارہ خرید لینا۔

ترجمہ اگرچہ تو (اس پر) قادر ہے کہ جب (خاک یا ہوا میرے) اس (قطرہ علم) کو خشک کرلیں۔ تو تو اس کو ان سے واپس لے لے۔ اور واگزار کرالے۔

قطرۂ کو در ہوا شد یا کہ ریخت — از خزینہ قدرت تو کے گریخت

ترجمہ (اس میں شک نہیں کہ) جو قطرہ ہوا میں (مل) گیا۔ یا (خاک میں) گر گیا۔ وہ تیری قدرت کے خزانے سے کب بھاگ سکتا ہے۔

گر درآید در عدم یا صد عدم — چوں بخوانیش او کند از سر قدم

ترجمہ اگر وہ عدم میں یا (یوں کہو کہ) سینکڑوں عدموں میں بھی درآئے تو جب تو اس کو بلاتا ہے۔ تو (کمال اطاعت سے) سر کے بل آتا ہے۔

صد ہزاراں ضد ضد را میکشد — بازشاں فضل تو بیروں میکشد

لغات پہلا کشد کاف کے ضمہ سے دوسرا کاف کے فتحہ سے ہے۔

ترجمہ لاکھوں ضدیں اپنی ضدوں کو فنا کرتی رہتی ہیں۔ پھر تیرا فضل ان کو (عدم سے) باہر نکال لاتا ہے۔

از عدمہا سوئے ہستی ہر زماں — ہست یا رب کارواں در کارواں

ترجمہ اے پروردگار (تیری قدرت سے معدوم اشیا کا) قافلہ پر قافلہ (صفحہ وجود پر نمودار ہونے کے لئے) عدم (کے مدارج مختلفہ) سے ہستی کی طرف (آرہا) ہے۔

مطلب عدمہا کے صیغہ جمع میں یہ اشارہ ہے۔ کہ یہ کلمہ عدم محض اور عدم اضافی کے معنوں پر مشتمل ہے۔ عدم محض عدم جیسے تمام کائنات امر کن سے پہلے معدوم تھی اور اس کا کوئی مادہ بھی موجود نہ تھا۔ اور عدم اضافی جیسے ہر چیز فنا ہو جاتی ہے۔ اور اس کا مادہ موجود رہتا ہے۔ جیسے پانی فنا ہوتا ہے۔ تو اس کا مادہ ہوا کی صورت میں قائم رہتا ہے۔ پھر قدرت حق سے معدوم اشیاء کا وجود میں آنا بھی کئی طرح سے ہے۔ ایک تو عدم محض سے نکل کر موجود ہو جانا جیسے امر کن سے ہوا۔ دوسرے کسی چیز کا عدم اضافی سے وجود میں آنا۔ جیسے پانی پہلے معدوم۔ مگر ہوا کی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ پھر پانی بنکر بادل سے مترشح ہونے لگتا ہے۔ تیسرے ایک چیز معدوم ہو جاتی ہے۔ جیسے درختوں کے پتے جھڑ کر خاک میں مل جانے کے بعد پھر دوبارہ نکل آتے ہیں۔ اب اس کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔

خاصہ ہر شب جملۂ افکار و عقول نیست گردد غرق در بحرِ نغول

ترجمہ خصوصاً تمام افکار وعقول ہر شب (خواب کے) گہرے دریا میں غرق (ہوکر) نیست ونابود ہوجاتی ہیں۔

باز وقتِ صبح چوں اللّٰہیاں برزنند از بحر سر چوں ماہیاں

ترجمہ پھر صبح کے وقت (وہ افکار وعقول) خدا پرست لوگوں کی طرح دریائے (خواب) سے سر نکالتی ہیں جیسے مچھلیاں (پانی سے سر نکالتی ہیں)

در خزاں بیں صد ہزاراں شاخ و برگ از ہزیمت رفتہ در دریائے مرگ

ترجمہ خزاں (کے موسم) میں لاکھوں ٹہنیوں اور پتوں کو (باد خزاں سے) شکست پاکر موت کے سمندر میں غرق پاؤگے۔

زاغ پوشیدہ سیہ چوں نوحہ گر در گلستاں نوحہ کردہ بر خضر

لغات خضر خاد کے فتحہ اور ضاد کے کسرہ سے بمعنی شاخ سبز وکشت وسبزہ اور دونوں کے فتحہ سے بمعنی تازگی و سبزی ترکیب سیہ صفت جس کا موصوف لباس مقدر ہے۔ اور خضر کا موصوف نباتات محذوف ہے۔

ترجمہ (اس وقت) کوے نے ماتم کرنے والوں کی طرح سیاہ (لباس) پہن رکھا ہے۔ (اور) باغ میں ہرے بھرے (درختوں اور پودوں کے بے برگ و بار ہونے) پر نوحہ کر رہا ہے۔

نوٹ۔ یہ شاعرانہ ادعا وتخیل ہے۔ ورنہ حقیقۃً زاغ ماتم و نوحہ نہیں کیا کرتا۔

باز فرماں آید از سالارِ دہ مر عدم را کانچہ خوردی بازدہ

ترجمہ (جب خزاں گزر گئی تو) پھر ربّ العالمین کی طرف سے عدم کو حکم ہوتا ہے۔ کہ جو کچھ تونے ہضم کیا ہے۔ واپس دیدے۔

آنچہ خوردی وادہ اے مرگِ سیاہ از نبات و وزد واز برگ وگیاہ

ترجمہ اے کالی موت جس قدر ہریاول۔ گلاب کے پھول اور پتے اور گھاس تونے کھائے ہیں سب واپس دیدے (چنانچہ سب بہار رفتہ کے واپس آنے سے باغ کا باغ سرسبز وشاداب ہوجاتا ہے)۔

سوال اس سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے۔ کہ کسی درخت کے جو پتے خشک ہوکر جھڑ جاتے اور خاک میں مل جاتے ہیں اگلی موسم میں پھر وہی پتے بعینہا نکلتے ہیں۔ حالانکہ ظاہر یہ ہے۔ کہ وہ پتے تو مٹی کے اجزا بن چکے۔ اور ان کی رطوبت ہوا میں مل چکی۔ اب یہ پتے جو نئے نکلے ہیں اور ہیں۔ اور جداگانہ مادہ سے بنے ہیں۔ فکیف الامر؟

جواب بیشک یہ ضروری نہیں کہ تازہ پتے فنا شدہ پتوں کے مادے سے بنے ہوں۔ بلکہ یہ جداگانہ مادے سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ باقی رہا یہ سوال۔ کہ پھر یہ کیوں کہا جو پتے عدم میں گئے تھے۔ وہی واپس آئے ہیں۔ سو ہم پیچھے بتا چکے

ہیں کہ کسی چیز کے عدم سے وجود میں آنے کی ایک صورت یہ بھی ہے۔ کہ اس کی مثل عدم اضافی سے موجود ہو جائے
جیسے درختوں کے پتے جھڑ کر خاک میں مل جانے کے بعد پھر دوبارہ نکل آتے ہیں۔ تو یہ بعینہ وہ پتے
نہیں ہوتے۔ جو فنا ہوئے ہیں۔ بلکہ ان کی مثل ہوتے ہیں۔ اور احکام عرفیہ میں مثل شے بمنزلہ شے سمجھی جاتی
ہے۔ چنانچہ ایک قرضخواہ اپنے مقروض سے کہتا ہے۔ تم نے مجھ سے جو دس روپے لئے تھے۔ ابھی دیدو۔ اور
مقروض جو روپے اس کو دیتا ہے۔ وہ بعینہ وہی دس روپے نہیں ہیں۔ جو اس نے قرضدار سے لئے تھے
بلکہ وہ ان کی مثل ہیں۔ تاہم یہ ادائگی قرضخواہ کے تقاضے کی پوری تعمیل سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح کہا جاسکتا
ہے کہ درخت کے جو پتے معدوم ہوئے تھے۔ اب وہ موجود ہوگئے۔

اے برادر عقل یک دم با خود آر — دمبدم در تو خزان ست و بہار

ترجمہ اے بھائی تھوڑی دیر کے لئے اپنی عقل کو ٹھکانے پر لاؤ (تو معلوم ہوگا) کہ تم میں (بھی)
دمبدم خزاں و بہار (کی آمد و رفت کا سلسلہ بندھا ہوا) ہے

مطلب اوپر خداوند تعالیٰ کی قدرت پر آفاقی خزان و بہار سے استدلال کیا تھا۔ اب بمناسبت مقابلہ انفسی
خزاں و بہار کا ذکر فرماتے ہیں۔ خزاں سے مراد تعلقات کونیہ و اوصاف نفسانیہ ہیں۔ اور بہار سے مراد معارف و علومِ الٰہیہ
ہیں کہ انسان میں کم و بیش علی سبیل التعاقب ان کا ورود ہوتا رہتا ہے۔ یہاں ان کے دیکھنے کی ترغیب اس لئے
دی ہے۔ کہ گلستان باطن کی سیر سے اس کے ثمرات یعنی وصول الی اللہ کا قرب میسر ہو سکے (کلید مثنوی)

اے برادر یک دم از خود دور شو — با خود آ و غرقِ بحرِ نور شو

ترجمہ اے بھائی لمحہ کے لئے تم اپنی خودی سے دور ہو کر ہوش میں آؤ۔ اور دریائے نور میں غرق ہو جاؤ۔
مطلب اوپر گلستانِ باطن کی سیر کو نفس کی خزاں و بہار کا دیکھنا قرار دیا تھا اب اس کو با خود آمدن یعنی اپنے آپ
کی شناخت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور غرق نور ہونے سے معرفت حق تعالیٰ مراد ہے۔ مدعا یہ ہے کہ پہلے اپنی معرفت
حاصل کرو۔ پھر حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکو گے۔ بقول من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے اپنے آپ کو
پہچانا اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔ نظامی رحمہ

خدا بیں شو کہ پیشِ اہلِ بینش — تنک باشد حسابِ آفرینش
بداں خود را کہ از راہِ معانی — خدا را دانی ار خود را بدانی

باغِ دل را سبز و ترّ و تازہ بیں — پُر زغنچہ و ورد و سرو و یاسمیں

لغات تر و تازہ میں را کی تشدید شاذ اور بتقاضائے ضرورت ہے
ترجمہ (اپنے) دل کے باغ کو سبز شاداب اور (واردات قلبیہ کے) غنچہ و گلاب اور سرو اور چنبیلی سے
معمور دیکھ لو۔

ز انبُہیِ برگ پنہاں گشتہ شاخ — ز انبُہیِ گل نہاں صحرا و کاخ

ترجمہ (اس باغ کی سرسبزی کا یہ عالم ہے۔ کہ ہر درخت کی) شاخ پتوں کی کثرت سے چھپ رہی ہے۔ پھولوں کی بہتات سے جنگل اور محلات ڈھکے ہوئے (ہیں)

ایں سخنہائیکہ از عقل کل ست — بوئے آں گلزار سرو و سنبل ست

ترجمہ یہ (حقائق معرفت کی) باتیں جو عقل کل (کے الہامات) سے ہیں۔ اس سرو سنبل کے گلزار (باطنی) کی خوشبو ہیں۔

مطلب ۔اوپر گلزار باطن کا ذکر کیا تھا جس سے عجائبات باطن مراد ہیں۔ اور اس سے بعض محجوب و محروم لوگوں کے انکار کا احتمال ہے۔ جیسے کہ آجکل فرقہ وہابیہ اور ان کی ہم نوا جماعتوں کا حال ہے۔ لہٰذا اس کے اثبات میں یہ دلیل پیش فرماتے ہیں، کہ یہ مضامین عجیبہ۔ جو ہماری زبان و قلم سے مترشح ہوتے ہیں۔ انہی واردات قلب کا اثر ہیں۔ اور اثر اپنے مؤثر کے وجود کی دلیل ہوتا ہے۔ صائب رحمہ ؎

فغاں کہ دیدہ رہبر شناس نیست ترا — وگرنہ ذرہ بخورشید رہنموں باشد

بوئے گل دیدی کہ آنجا گل نبود — جوش مل دیدی کہ آنجا مل نبود

لغات مُل شراب۔ جوش مل ۔ مستی ۔ نشہ ۔ سکر یا وہ جوش مراد ہے۔ جو شراب میں اس کے تیار ہونے کے وقت ہوتا ہے۔

ترجمہ بھلا تم نے (کبھی کسی ایسی جگہ) پھول کی خوشبو سونگھی ہے۔ جہاں پھول نہ تھا۔ بھلا تم نے (کبھی کسی ایسی جگہ) شراب کا جوش دیکھا ہے۔ جہاں شراب نہ تھی۔

بو قلاؤزست و رہبر مر ترا — مے برد تا خلد و کوثر مر ترا

لغات قلاؤز بدرقہ۔ رہنما۔ خلد و کوثر سے یہاں گلزار باطن مراد ہے۔

ترجمہ یہ (خوشبو) تمہاری بدرقہ اور رہبر ہے۔ جو (حقائق و دقائق کے باغ) خلد اور (چشمہ) کوثر کی طرف تم کو لے جاتی ہے۔ صائب رحمہ ؎

زہر نسیم بگلزار مے تواں رہ برد — چہ لازم ست مقید بر ہنموں باشید

بو دوائے چشم باشد نور ساز — شد ز بوئے دیدۂ یعقوب باز

ترجمہ (ایسی) بو آنکھ کے لئے داروے نور افزا ہوتی ہے۔ (چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی) بو سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔

مطلب اوپر گلزار باطن کی خوشبو یعنی کاملین کے ملفوظات کو باغ باطن کے اثبات کے لئے بطور دلیل پیش کیا تھا۔ ملفوظات کاملین کا ذکر جو اتفاقاً آ پڑا۔ تو یہاں اُن کی فضیلت بیان فرماتے ہیں:۔

بوئے بد مر دیدہ را تاری کند — بوئے یوسف دیدہ را یاری کند

لغات تاری مخفف تاریک یاری مدد اعانت۔

ترجمہ بری بو آنکھوں کو تاریک کر دیتی ہے (مگر) حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنکھوں کو مدد دیتی ہے۔

مطلب کاملین کا کلام بصیرت قلب کو روشن اور ناقص لوگوں کی باتیں دل کو تاریک کرتی ہیں۔

تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش ہمچو او با گریہ و آشوب باش

ترجمہ (جب تم (کمال باطن میں) یوسف نہیں ہو تو (کم از کم طلب و اشتیاق میں) یعقوب ہی بن جاؤ اور ان کی طرح (فرط شوق میں) زاری و فریاد کیا کرو۔

مطلب ۔ اگر کمالات کا درجہ میسر نہیں۔ تو طلب و تجسس لازم ہے۔ حافظ رحمہ

غبار راہ طلب کیمیائے بہرہ وری ست غلام دولت ایں خاک عنبریں بویم

چوں تو شیریں نیستی فرہاد باش چون نہ لیلیٰ تو مجنوں گرد فاش

ترجمہ جب تم شیریں نہیں ہو تو فرہاد ہی رہو۔ جب تم لیلیٰ نہیں ہو تو مجنوں کی طرح بدنام ہی ہو جاؤ

تفسیر قول حکیم سنائی قدس سرہٗ

حکیم سنائی قدس سرہ کے اس قول کی تفسیر

ناز را روے بباید ہمچو ورد چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

ناز دکھانے کے لئے منہ بھی پھول کا سا چاہیئے۔ جب تیرا منہ ایسا نہیں تو (ایسی) بری عادت کے پاس بھی نہ پھٹک

عیب باشد چشم نابینا و باز زشت باشد روے نازیبا و ناز

(کیونکہ) یہ عیب (کی بات) ہے کہ آنکھ اندھی ہو اور (پھر غمزوں کے لئے) کھلی ہے (اور) یہ بری بات ہے کہ صورت بھونڈی ہو اور پھر نخرے (سوجھیں)

بشنو ایں پند از حکیم غزنوی تا بیابی در تن کہنہ نوی

لغات حکیم غزنوی حکیم سنائی رحمۃ اللہ مراد ہیں (جن کا ذکر پیچھے صفحہ ۲۹۲ پر گزر چکا ہے۔

ترجمہ (اے مخاطب اس بارے میں) حکیم (سنائی) غزنوی کی یہ نصیحت سن لو تاکہ تم اپنے تن کہنہ میں تازگی پاؤ (جس کو روح بے معرفت نے فرسودہ حال کر رکھا ہے)

ایں رباعی را بشنو از جان و دل تا بکل بیروں شوی از آب و گل

لغات رباعی ایک خاص قسم کی دو بیتی نظم جس میں چوتھا مصرعہ پہلے دو مصرعہ کا ہم قافیہ ہوتا ہے۔ رباعی مصر

ہزج ثمن اخرب واخرم سے آتی ہے۔ اگر کسی اور بحر سے ہو تو اُسے رباعی نہیں کہتے۔ بلکہ وہ قطعہ ہے حکیم سنائی ؒ کے مذکورہ بالا دو شعر رباعی کی قسم سے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مثنوی ہیں۔ لہٰذا ان پر رُباعی کا اطلاق معنی لغوی کے لحاظ سے کیا ہے۔ نہ کہ اصطلاحاً۔

ترجمہ اس رباعی کو جان و دل سے سنو تاکہ تم بالکلیہ آب و گل (یعنی تعلقات جسمانیہ) سے سبکدوش ہو جاؤ۔

اختلاف - یہ شعر ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔

پندِ او را از دل و جاں گوش کن ۔۔۔ ہوش را جاں ساز و جاں را ہوش کن

ترجمہ ان کی (اس) نصیحت کو دل و جان سے سنو۔ ہوش کو (اپنی) جان بناؤ۔ اور جان کو ہوش بناؤ۔

مطلب ادراک معنی و فہم مطالب میں کمال ہوش سے کام لو۔ گویا جان و ہوش متحد ہو جائیں۔

آں حکیمِ غزنوی شیخِ کبیر ۔۔۔ گفتہ است ایں پند نیکو یاد گیر

ترجمہ اس حکیم یعنی (حضرت سنائی) غزنوی رح نے جو بڑے شیخ ہیں۔ یہ مفید نصیحت کی ہے۔ (خوب) یاد رکھو۔ حافظ رح ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند ۔۔۔ جوانانِ سعادتمند پندِ پیرِ دانا را

اختلاف یہ بیت ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔

پیشِ یوسف نازش و خوبی مکن ۔۔۔ جز نیاز و آہِ یعقُوبی مکن

ترجمہ (یعنی) حضرت یوسف ؑ کے آگے ناز نخرے نہ کرو اور اپنی خوبروئی نہ جتلاؤ۔ (بلکہ) حضرت یعقوب ؑ کی سی عاجزی اور آہ و زاری کے سوا اور کچھ نہ کرو۔

معنیِ مُردن ز طوطی بُد نیاز ۔۔۔ در نیاز و فقر خود را مردہ ساز

ترجمہ طوطے کے بظاہر مر جانے کا مقصد (دراصل) اظہارِ عجز تھا۔ (تم بھی) عاجزی اور محتاجی میں اپنے آپ کو فنا کر دو۔ (یعنی اپنے آپ کو صفات ذمیمہ سے خالی کر لو)

تا دمِ عیسیٰ ترا زندہ کند ۔۔۔ ہمچو خویشت خوب و فرخندہ کند

ترجمہ تاکہ دمِ عیسیٰ (یعنی مرشد کا فیضانِ صحبت) تم کو زندہ (یعنی متخلق با خلاق الٰہی) کر دے (اور) اپنی طرح تم کو بھی نیک و مبارک بنا دے۔ حافظ رح ؎

من بسر منزلِ عنقا نہ بخود بردم راہ ۔۔۔ قطع ایں مرحلہ با مرغِ سلیماں کردم

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ۔۔۔ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

ترجمہ (دیکھو) پتھر بہار کے موسم میں (بھی) کب سرسبز ہوتا ہے۔ (لہٰذا بہتر ہے کہ) خاک بن جاؤ تاکہ

رنگا رنگ پھول پیدا ہوں

مطلب اگر تم سنگدل و سرکش رہوگے۔ اور کسی کی متابعت نہ کروگے۔ تو فیضان کاملین سے محروم رہوگے لہٰذا تذلل و تواضع اختیار کرو اور اتباع و انتثال اپنا شیوہ بناؤ۔ تاکہ انواع فیوض و برکات سے متمتع ہو۔ صائبؔ ؎

تا نیفتادم ندیدم کعبۂ مقصود را ۔۔۔ در بیابان ما ہمیں استادگی دیوار بود

ولہ ؎ افتادہ ایم در تہ پا سالہا چو مور ۔۔۔ تا جا بروئے دست سلیماں گرفتہ ایم

وقیل ؎ ہر کہ شد خاک نشین برگ و برے پیدا کرد ۔۔۔ سبز شد دانہ چو با خاک سرے پیدا کرد

سالہا تو سنگ بودی دلخراش ۔۔۔ آزموں را یک زمانے خاک باش

ترجمہ تم برسوں دلخراش پتھر رہ چکے ہو (اور دیکھ لیا کہ کچھ حاصل نہ ہوا۔ اب) بطور آزمائش تھوڑی دیر کے لئے خاک بن جاؤ۔ (اور اس کا نتیجہ دیکھو) ولنعم ما قیل ؎

ز راہ خاکساری گر کسے بر خاک بنشیند ۔۔۔ چو خورشید جہاں افروز بر افلاک بنشیند

در بیانِ ایں مثنوی یک داستاں ۔۔۔ تا بدانی اعتقادِ راستاں

ترجمہ اس بات کے ثبوت میں (کہ عجز و نیاز بہترین خصلت ہے) ایک قصہ سن لو۔ تاکہ تم کو راستباز لوگوں کا (پاک) عقیدہ معلوم ہو جائے۔

اس سے آگے ایک پیر چنگی کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ جو پہلے آلودہ معاصی تھا۔ مگر پھر اس کو تنبیہ ہوگیا اس نے افعال زشت سے توبہ و استغفار کی تذلل و تواضع کا سر جھکا دیا۔ گریہ ندامت سے اشکباری کی تو مقبول حق ہوگیا۔ و للہ الحمد علی تمام المجلد الثانی من مفتاح العلوم شرح ربع الثانی من الدفتر الاول لمثنوی مولانا روم علیہ الف الف رحمۃ من اللہ القیوم

گذارش

مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کا یہ حصہ جو جناب کے زیر نظر ہے۔ حضرت شارح سلمہ نے جس محنت اور عرق ریزی سے مرتب فرمایا ہے۔ وہ آپ کو اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگیا ہوگا۔ اسی طرح حصہ سوم و چہارم و پنجم و ششم کو مرتب کیا گیا ہے۔ جو نہایت عمدہ کاغذ و عمدہ چھپائی سے چھپ کر تیار ہیں۔ قیمت فی حصہ ؏ اور ؏ کی قیمت ہے۔ حصہ دوم و سوم یکجا مجلد چھ روپے حصہ سوم و چہارم یکجا مجلد چھ روپے۔ حصہ پنجم و ششم یکجا مجلد چھ روپے۔ علاوہ جو حضرات اس کے مستقل خریداروں میں اپنا نام درج کرانا چاہیں۔ وہ تحریر فرمائیں تاکہ ہر حصہ چھپتے ہی انکو بھیجدیا جائے

خاکسار محمد حفیظ اللہ قریشی تاجر کتب کشمیری بازار لاہور ۔۔ ۱۱ ۱۱ ۱۱ جمادی الثانی ۱۹۳۱ء

مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ

کے متعلق

چند اخبارات اور معاونین کرام کی رائیں

ایڈیٹر صاحب اخبار وکیل امرتسر ۱۱ اپریل ۱۹۲۶ء کے اخبار میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مولانا روم کی مثنوی جس کی نسبت عام ارادت وعقیدت کا ثبوت اس مصرع سے ملتا ہے کہ "ہست قرآں در زبانِ پہلوی" مسلمانوں میں نہایت ادب و احترام سے دیکھی جاتی ہے۔ اس سے پہلے اس کی صدہا شرحیں لکھی جا چکی ہیں لیکن یہ شرح جو مندرجہ عنوان سے حال ہی میں شایع ہوئی ہے۔ اپنے رنگ میں نرالی ہے۔ اس کی خصوصیات یہ ہیں۔ کہ سب سے پہلے لغات مشکلہ کی تشریح کی گئی ہے۔ پھر ہر شعر کی مکمل طور پر توضیح کی گئی ہے۔ اور اس کے لئے جا بجا آیات و احادیث اور اشعار متقدمین کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ کتابت۔ طباعت۔ کاغذ سب کچھ اعلےٰ۔

ایڈیٹر صاحب اخبار زمیندار ۴ اپریل ۱۹۲۶ء کے پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی رح کی مثنوی مسلمانوں کی محبوب ترین کتابوں میں سے ہے۔ اور غوامض شریعت اور نکات تصوف کے شوقین اسے جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں۔ آجتک اس مثنوی کی بیشمار شرحیں لکھی گئی ہیں۔ ہمارا یقین ہے۔ کہ شرح زیر تنقید (مفتاح العلوم) اُن شرحوں میں شامل ہے۔ کہ جن سے طالب علم بہرہ وافر حاصل کر سکتا ہے۔ اس شرح کی خصوصیات یہ ہیں۔ کہ مشکل الفاظ کے معانی کے علاوہ ہر شعر کی نحوی ترکیب کیگئی ہے۔ علم معانی۔ علم بیان اور علم بدیع کے جو نکات بعض اشعار میں مضمر ہیں۔ وہ بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ہر شعر کا مطلب بیان کرتے وقت آیات و احادیث اور اشعار اساتذہ عجم کی مدد سے توضیح کی کوشش کی گئی ہے۔ آغاز میں ایک فہرست مضامین ہے۔ کاغذ کتابت نفیس

ایڈیٹر صاحب اخبار مدینہ بجنور تحریر فرماتے ہیں:۔ مفتاح العلوم مثنوی مولانا روم کی مفصل شرح ہے۔ اس کا پہلا حصہ ہمارے زیر نظر ہے۔ جو ۳۱۶ صفحات پر ختم ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ صاحب شرح مثنوی معنوی کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہو جانا چاہتے ہیں۔ ابتدا میں حضرت مولانا رومؒ کی سوانحعمری دی گئی ہے۔ اور بعد میں شرح کا آغاز ہوتا ہے۔ اسلوب شرح کا بہت مفصل اور جامع ہے۔ سب سے پہلے شعر درج کرکے اس کے بعض الفاظ کی لغوی تصریحات پیش کی ہیں۔ پھر ترکیب نحوی دی ہے۔ اور صنائع ارشاد فرمائے ہیں۔ پھر ترجمہ اس کے بعد مطلب واضح کیا گیا ہے۔ توضیح مطالب میں صاحب شرح نے قابل تحسین بالغ نظری سے کام لیا ہے۔ اتنی بڑی تصنیف کے تفصیلی محاسن و عیوب پر رائے زنی کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے لیکن ہم صاحب مفتاح العلوم کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہر شعر کے مطالب واضح کرنے کے لئے انہوں نے حافظ۔ جامی اور اکبر کے اشعار پیش کئے ہیں۔ اور جابجا احادیث درج فرمائی ہے۔ باقی شرح کو بھی اس پر قیاس فرمالیجئے۔ موقع و محل کے لحاظ سے جہاں بیان نکات شعر و مسائل فقیہ یا شرح شبہات کی ضرورت داعی ہوئی۔ صاحب شرح نے بخل سے کام نہیں لیا۔ مولانا روم کی مثنوی کو جو درجہ ادب و تصوف میں حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ امید ہے یہ جامع و نافع شرح شائقین کی تسکین کا باعث ہوگی۔ ہم اس شرح کے لئے میرزا محمد نذیر صاحب کی عرقریزی و قابلیت اور محمد حفیظ اللہ صاحب قریشی کے اہتمام و محنت کی داد دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ طباعت۔ کاغذ وغیرہ سب کچھ اعلےٰ۔

ایڈیٹر صاحب رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین جولائی ۱۹۲۶ء کے پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم جس کے متعلق "ہست قرآں در زبانِ پہلوی" کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی محبوب ترین کتابوں میں سے ہے۔

اور غوامض شریعت و نکات تصوف کے شوقین اسے بخصوص بجا طور پر پڑھتے ہیں۔ آج تک اس مثنوی کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں لیکن ہم نہایت وثوق سے یہ خیال ظاہر کر سکتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم موجودہ اور گذشتہ تمام شرحوں سے اپنی صحت و خوبی و حسن کے لحاظ سے نہایت اعلےٰ ہے۔ اصل مثنوی کے شعر جلی قلم سے بعض بعض اعراب دے کر نہایت صحیح لکھے گئے ہیں۔ مشکل الفاظ کی لغات کے علاوہ ہر شعر کی ترکیب نحوی کی گئی ہے۔ علم معانی۔ علم بیان اور علم بدیع کے جو نکات معانی اشعار میں مضمر ہیں وہ بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ہر شعر کا مطلب بیان کرتے وقت آیات و احادیث اور اشعار اساتذہ عجم کی رو سے توضیح کی گئی ہے۔ شروع میں ایک مبسوط دیباچہ ہے۔ اور فہرست مضامین درج کی گئی ہے۔ لکھائی۔ چھپائی اور کاغذ نہایت اعلےٰ اور عمدہ۔

ایڈیٹر صاحب رسالہ درویش دہلی یکم اگست ۱۹۲۶ء کے پرچے میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مثنوی مولانا روم کی اس اردو شرح میں چند خصوصیتیں ایسی ہیں۔ جو اور شرحوں میں نہیں ہیں۔ جناب شارح نے ہر شعر کے نیچے پہلے مشکل الفاظ کے معنی بیان کئے ہیں۔ پھر پیچیدہ اشعار کی نحوی ترکیب لکھی ہے۔ اور شعر کی صنعتوں کو ظاہر کیا ہے۔ پھر شعر کا لفظی ترجمہ درج کر کے اس کا آسان اور عام فہم مطلب بیان کیا ہے۔ اور مضمون شعر کی تمثیل یا تردید میں آیات و احادیث کے علاوہ مشہور شعراء کے فارسی اور اردو اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ اشعار مثنوی کا مطلب بیان کرنے میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے۔ کہ ان کا جو مفہوم الفاظ سے صراحۃً یا کنایۃً ذہن میں آتا ہے۔ اس کو اتنا واضح کر دیا جائے۔ کہ معمولی استعداد والے بھی سمجھ سکیں۔ اور اگر ایک شعر سے کئی مطلب نکلتے ہیں۔ تو دوسرے مطالب کو بھی مختصراً بیان کر دیا گیا ہے۔ صوفیانہ معنی آفرینی اور شاعرانہ خیال آرائی سے اجتناب کیا گیا ہے۔ مضامین مثنوی کو قرآن و حدیث سے تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مسائل تصوف کی توضیح نقشبندی مجددی مسلک کے مطابق شرعی احتیاطوں کو مد نظر رکھ کر کی گئی ہے۔ مسائل اخلاق کو فلسفیانہ دلائل و تشریحات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ عقاید و کلام اور فقہ کے مسائل پر بھی حسب ضرورت روشنی ڈالی گئی ہے۔ الغرض مثنوی کی یہ اردو شرح اپنی مخصوص خوبیوں کے لحاظ سے بہت قابل قدر اور مفید ہے۔ خصوصاً طالب علموں کے لئے جو مثنوی کے مضامین سے واقف ہونا اور صرف قال کے ذریعہ سے حال کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ نہایت کارآمد ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ خریدی اور پڑھی جائے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ کے اعتبار سے بھی یہ شرح قابل قدر ہے۔

جمعیۃ العلماء ہند کے مسلمہ آرگن اخبار **الجمعیۃ دہلی** کے ایڈیٹر صاحب ۱۴ دسمبر ۱۹۲۶ء کے پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم مثنوی مولانا روم کی اردو شرح ہے۔ مثنوی شریف کی متعدد شرحیں ہماری نظر سے گذری ہیں۔ جن میں اہل علم کی دلچسپی کے لئے بہت کچھ سامان ہے۔ مگر ابھی تک کوئی ایسی عام فہم اور سیدھی سادی شرح ہم نے نہیں دیکھی جس کی عام مطالعہ کرنے والوں کے لئے سفارش کی جا سکے۔ اردو خواں پبلک کو جناب مرزا محمد نذیر صاحب نقشبندی کا شکرگذار ہونا چاہئے کہ انہوں نے اس کمی کو خوبی کے ساتھ پورا کر دیا۔ اس شرح میں انہوں نے صرف عام مطالعہ کرنے والوں ہی کے لئے آسانی نہیں پیدا کی۔ بلکہ عام طالب علموں کے لئے بھی زبان فارسی سے واقفیت بہم پہنچانے کا سامان فراہم کر دیا ہے۔ شرح کا انداز یہ ہے کہ ہر بیت کے نیچے سب سے پہلے لغات مشکلہ کو حل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ترکیب نحوی لکھدی گئی ہے۔ جو طلبا کے لئے مفید ہے۔ جس شعر میں کوئی صنعت ہو۔ اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد سلیس اردو میں ترجمہ لکھا گیا ہے۔ اور آخر میں شعر کا مطلب بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ساتھ نکات تصوف کی بھی تشریح کر دی گئی ہے۔ جو مولانا نے مثنوی میں بیان فرمائے ہیں۔ فی الجملہ یہ اردو میں مثنوی شریف کی ایک اچھی شرح ہے۔ اور ان ارباب ذوق کے لئے مفید ہے۔ جو مثنوی کے نکات سے بخوبی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

معاونین کرام کی رائیں

قبلہ عالم عملی حضرت مولانا حافظ سید جماعت علیشاہ صاحب محدث علی پوری کتاب مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ گو علم تصوف میں بزبان فارسی سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہوئی ہیں لیکن ان میں سے جس قدر مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ کی شہرت و مقبولیت ہے۔ وہ آجتک کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔ علمائے کرام ظاہری اور باطنی تو اپنی اپنی استعداد اور ملکہ الٰہی کے اعتبار سے اس دریائے ناپید اکنار سے متمتع ہو رہے ہیں۔ لیکن عوام کم استعداد اور کم علم لوگ اس سے مستفیض ہونے کا آجتک موقع نہیں تھا۔ اس لئے ضرورت تھی۔ کہ اہل علم میں سے کوئی صاحب جو جامع علوم عقلیہ و نقلیہ ہونے کے علاوہ رموز تصوف سے واقف اور صوفیائے کرام کا سچا غلام ہو۔ اس کتاب کی اردو زبان میں ایسی طرز سے شرح کرتا کہ جس سے ہر ایک طبقہ کے تعلیم یافتہ بھی فائدہ حاصل کرتے۔ اور اس کتاب کی برکت سے صحیح اعتقاد پر قائم رہنے کے علاوہ ان کے دلوں میں بزرگان دین کی عزت وعظمت جاگزین ہوتی۔ الحمدللہ کہ اس ضرورت کو عزیزم مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب تاجر کتب مالک [illegible] کتب خانہ کشمیری بازار لاہور نے محسوس کیا۔ اور انہوں نے ایک ایسے فاضل اجل سے جو خاندان نقشبندیہ کے [illegible] ہونے کے علاوہ رموز تصوف اور نکات معرفت سے بخوبی ماہر ہیں۔ لے مثنوی مولانا روم کی شرح مرتب کرائی۔ شارح نے مثنوی کی لغات مشکلہ اور ترکیب نحوی کو حل فرما کر اس کے اشعار کا سلیس اردو میں ترجمہ کر کے مثنوی شریف کو بالکل آسان کر دیا ہے۔ شعر کا مفصل مطلب شارح موصوف نے جس محنت اور کوشش سے قرآن و حدیث و اقوال آئمہ کے حوالہ جات دے کر بیان کیا ہے۔ وہ بلاشک وشبہ تحسین کے قابل ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص مولانا روم علیہ الرحمۃ کے قول سے فائدہ نہ اٹھائے۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ وہ بڑا ہی بدقسمت ہوگا۔ فقیر اہل اسلام سے عموماً اور یاران طریقت سے خصوصاً اس بات کی توقع رکھتا ہے۔ کہ وہ ضرور بالضرور "مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم" کو خرید کر لطف اٹھائیں۔ اور تصوف کے حقایق و معانی سے واقفیت حاصل کر کے سعادت دارین حاصل کریں۔ کتاب کی لکھائی چھپائی۔ کاغذ جلد وغیرہ نہایت ہی عمدہ ہے۔

بقلم فقیر جماعت علی عفی عنہ از علی پور سیداں۔ ضلع سیالکوٹ۔ یکم مئی ۱۹۲۹ء

عالیجناب شیخ رکن الدین صاحب سینیر سب جج پنشنر نارووال ضلع سیالکوٹ سے تحریر فرماتے ہیں:۔ کہ آپ کی دکان سے میرا سپر ایک جلد مفتاح العلوم حصہ اول لایا تھا۔ اس کے مطالعہ سے کمال مسرت حاصل ہوئی۔ واقعی حضرت شارح سلامت نے کمال کر دیا ہے۔ نہایت عمدہ شرح لکھی ہے۔ اور نکات تصوف و رزباندانی کو نہایت خوبی سے واضح کیا ہے۔ آپ نے چھاپنے میں بھی بہت محنت کی ہے۔ میں اس شرح کی تکمیل کا بہت متمنی ہوں۔ اور چاہتا ہوں۔ کہ حتی الامکان جلدی یہ شرح جلدی مکمل ہو جائے۔ براہ مہربانی میرا نام فہرست خریداران میں درج کر کے جوں جوں یہ شرح چھپتی جائے۔ مجھے بذریعہ وی۔ پی ارسال کرتے رہیں۔ والسلام

عالیجناب اودھ بہاری پرشاد صاحب پروفیسر جی۔ بی۔ بی کالج مظفرپور سے تحریر فرماتے ہیں کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم مرسلہ جناب موصول ہوئی۔ دیکھ کر نہایت جی خوش ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ اشتہار سے کہیں بڑھ کر پایا۔ اللہ جل شانہ آپ کی ہمت افزائی فرمائے کہ دیگر فارسی اور عربی کتابیں بھی اسی شان سے نکلیں غرض یہ ہے کہ میرا نام اس شرح کے خریداران کے شمول میں درج رجسٹر فرمایا جائے اور اس کے دیگر حصے جیسے ہی تیار ہوں میرے نام بذریعہ قیمت طلب پارسل ارسال کر دئے جائیں۔ والسلام

عالیجناب سید محمد شوکت علی صاحب منصب علی صاحب ہاشمی وکیل ہائیکورٹ ویواس مالوہ سے

تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کا چوتھا حصہ وصول ہوا۔ مطالعہ کرکے طبیعت کو سرور حاصل ہوا۔ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ گو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف کہ لکھتے ہیں اپنے تمام ماہرین سے سبقت حاصل کی ہوئی ہے۔ تو مفتاح العلوم کے شارح نے اسی طرح حضرت سے تمام مثنوی کے شرح کرنے والوں پر امتیاز حاصل کرلیا ہے۔ جیسی عام فہم مفصل اور صحیح اور اعلیٰ یہ شرح میری نظر سے گزری ہے۔ دوسری کوئی آج تک میری نظر سے نہیں گذری۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت شارح کی عمر میں برکت دے۔ اور آپ کے کاروبار کو ترقی عنایت فرمائے۔ والسلام

عالیجناب پیر امیر احمد صاحب واعظ الفصاری پیش امام جامع مسجد جودھپور تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم دفتر اول کے چاروں حصے یکے بعد دیگرے وصول ہوئے۔ اور کافی سے زیادہ مطالعہ کرچکا ہوں۔ اب میں بخوشی اقبال کرتا ہوں۔ کہ جناب شارح صاحب نے ایسی جامع و مبسوط شرح لکھ کر دنیائے اسلام پر احسان کیا۔ جس کے شکریہ سے زبان قاصر ہے۔ نکات تصوف کو نہایت سلیس اردو میں بیان کیا۔ ہر شعر کا مطلب بیان کرتے وقت قرآن مجید وحدیث شریف کا حوالہ دے کر "ہست قرآں در زبانِ پہلوی" کو ثابت کیا۔ اور ایسے پیچیدہ مسائل کو جن کے سمجھنے کی عوام الناس کو لیاقت نہیں۔ ایسی خوبی سے سمجھاتے ہیں۔ کہ بے اختیار حضرت شارح کے حق میں اعزک اللہ فی الدارین کما اعززت اخوانی دینا کہنا پڑتا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بہت سی شرحیں میری نظر سے گذر چکی ہیں۔ مگر "بسیار شرح دیدہ ام لیکن ایں چیزے دیگری" اگر دوسرے دفتر کا حصہ شائع ہوچکا ہو۔ تو جلد از جلد روانہ کرکے مشکور فرمائیں۔ اور ہر حصہ کے تیار ہونے پر مہربانی فرماکر مجھ کو فوری اطلاع دیا کریں۔ والسلام

عالیجناب ماسٹر محمد شفیع صاحب جے۔ وی منشی عالم چک نمبر ۲۵ ضلع منٹگمری سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کا دی۔ پی آج وصول کرکے چاروں حصوں کو یکے بعد دیگرے سرسری نظر سے دیکھا۔ کتاب کی جو تعریف آپ نے اشتہار میں لکھی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور عمدہ ہے۔ عام فہم اور بہت عمدہ دلنشین طریق سے شرح کی گئی ہے۔ براہ کرم میرا نام شرح کے مستقل خریداروں میں درج فرمائیں۔ والسلام

عالیجناب حضرت مولانا سید حزب اللہ صاحب راشدی صدر اعظم جمعیت راشدیہ سکھر (سندھ) فرماتے ہیں۔ تین دن ہوئے۔ مثنوی شریف کی شرح موصول ہوئی۔ جب سے ہاتھ سے نہیں چھوٹی۔ میں اس تھوڑے وقت کے اندر کافی دیکھ چکا ہوں۔ اور میں اب خوشی سے اقبال کروں گا۔ کہ شارح کی محنت و کوشش واقعی قابل داد ہے۔ اور ہر شعر کے ساتھ احادیث۔ اقوال و دیگر شعروں سے ایک دلکش اور دلنواز خوبی ظاہر کر دی گئی ہے۔ پھر کیوں نہ میں اپنا نام مستقل خریداروں کی فہرست میں درج کرنے کی التجا کروں۔ اور یہ تو یقینی بات ہے۔ کہ میں ایک ایسی اعلیٰ چیز کی ترغیب اپنے مریدوں اور دوستوں کو ضرور دوں گا۔

عالیجناب مولوی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور سے تحریر فرماتے ہیں:۔ مکرمی جناب قریشی صاحب آپ کا مرسلہ تحفہ (مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم دفتر اول حصہ دوسرا) بذریعہ وی۔ پی موصول ہوا۔ مکرمی مولوی مرزا محمد نذیر صاحب کی عرق ریزی اور محققانہ تحریر اہل علم کے لئے واقعی قابل قدر اور شکریہ ہے۔ جنہوں نے مثنوی جیسی بلند پایہ کتاب کی تشریح میں مبتدی اور منتہی کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ خداتعالیٰ ایسے دقائق شناس علمائے کرام کو عمر دراز عطا فرماکر ایسی نادرہ خدمات کی تکمیل و انجام دہی کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین جزاہم اللہ فی الدارین احسن الجزا۔ ہر حصہ شرح کے تیار ہونے پر مہربانی کرکے مجھ کو فوری اطلاع دیا کریں۔ والسلام

ان کے علاوہ اور بھی سینکڑوں حضرات کی رائیں موصول ہوچکی ہیں۔ جو بوجہ عدم گنجائش درج نہیں کی گئیں۔

(مسلم پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام بابو مسلاداد صاحب قریشی طبع ہوئی)